ہندوستان کی مکمل تاریخ
تاریخ فرشتہ
دوم
محمد قاسم فرشتہ
ترجمہ
عبدالحئی خواجہ (مشفق خواجہ)
المیزان

ہندوستان کی مکمل تاریخ

تاریخ فرشتہ

محمد قاسم فرشتہ

دوم

ترجمہ: عبدالحیٔ خواجہ (مشفق خواجہ)

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اُردو بازار، لاہور پاکستان فون: ۷۲۱۲۷۶۲، ۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

فہرست جلد دوم

نصیرالدین ہمایوں 450

افغانوں کی حکومت 462

شیر شاہ افغان بن حسن سور 462

سلیم شاہ سوری 475

مقالہ سوم

محمد شاہ ثانی بن ہمایوں شاہ ظالم 636

سلطان محمد شاہ بہمنی 657

خاندان سادات

سید خضر خان بن ملک سلیمان

امارت

"طبقات محمود شاہی" اور تاریخ "مبارک شاہی" دونوں کتابوں کے مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ خضر خاں خاندان غور کا فرزند تھا قوم کا سید تھا۔ خضر خاں ملک سلیمان کا بیٹا تھا۔ ملک سلیمان کو فیروز شاہ باربک کے امیر ملک مردان دولت نے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا تھا۔ ملک مردان کا انتقال ملتان میں ہوا اور وہاں کی حکومت کی باگ دوڑ اس کے صلبی پسر ملک شیخ کے ہاتھ میں دے دی گئی' لیکن ملک شیخ کا بہت جلد انتقال ہو گیا۔ اور ملتان کا حاکم ملک سلیمان ہو گیا۔ جو اپنے آپ کو سید بتاتا تھا۔ ملک سلیمان کی وفات کے بعد فیروز شاہ کے حکم کے مطابق اس کا بیٹا خضر خاں حکومت کا مالک بنا' لیکن جیسا کہ اوپر مذکور ہے خضر خاں کو سارنگ نے شکست دی اور اسے ملتان کی حکمرانی سے محروم کر دیا۔ اس کے بعد جب امیر تیمور کی فتوحات اور ریشہ دوانیوں کا دور دورہ تھا تو خضر خاں امیر تیمور کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اپنے خلوص' وفاداری اور خدمت گزاری کے بدلہ میں اس کو ملتان اور پنجاب کی حکمرانی مل گئی تھی۔ حتیٰ کہ اسی تیموری فرمانبرداری اور اطاعت گزاری نے اس کو ایک دن سلطنت دہلی کا تاجدار بنا دیا' اس کا برتاؤ رعایا کے ساتھ بہت اچھا تھا۔

خضر خاں کا حسب و نسب

منصف تاریخ مبارک شاہی نے خضر خاں کے خاندان اور حسب و نسب کے بارے میں دو بین ثبوت پیش کیے ہیں اور ان کی صحت کے لئے دلائل بھی دیئے ہیں۔ لہٰذا ان دلائل کا تذکرہ اس کتاب میں کرنا ضروری ہے۔

(۱) جس زمانہ میں خضر خاں کا باپ سید ملک سلیمان مردان دولت کے یہاں تعلیم و تربیت حاصل کر رہا تھا تو اس دوران میں ایک بار سید جلال الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ ملک مردان کے یہاں بطور مہمان کے تشریف لائے۔ جب دستر خوان بچھا اور سب کھانے پر بیٹھے تو سید ملک سلیمان لوٹا اور طشت لے کر مہمانوں کے ہاتھ دھلانے کے لئے آیا۔ حضرت مخدوم بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے اس کو دیکھ کر فرمایا کہ سیدوں کو ایسے کاموں پر مقرر کرنا بہت گستاخی اور بے ادبی ہے۔ اس سے پہلے ملک سلیمان نے کبھی سید ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ اغلب خیال یہ ہے کہ چونکہ یہ الفاظ ایک ولی کامل اور بزرگ کے منہ سے نکلے تھے لہٰذا ملک سلیمان قطعی سید ہو گا اور خضر خاں بھی اس طرح سید کہلانے کا مستحق ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ خضر خاں کا کردار' اخلاق' برتاؤ اور دیگر صفات ایسی تھیں جو آنحضرت صلعم کی صفات پاکیزہ سے مشابہت رکھتی تھیں لہٰذا یہ بات بھی خضر خاں کے سید ہونے کو تقویت بخشتی ہے۔

عہدے اور مراتب

خضر خاں نے ملک تحفہ کو تاج الملک کا خطاب دیا اور اس کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ ملک سلیمان کے منہ بولے بیٹے عبد الرحیم کو علاؤ الملک کا خطاب دے کر ملتان و فتح پور کا حکمران بنایا۔ اختیار خاں کو میان دو آبہ کا شقدار بنایا اور سید عالم کا عہدہ بڑھا کر اس کو تھان پور' برند اوہ

دوسرے حصوں کا حکمران مقرر کیا۔ اسی طرح اپنے دوسرے خیر خواہوں کو بھی خطابات دیئے اور اونچے عہدوں پر سرفراز کیا۔ خضر خاں اگرچہ خود مختار حاکم تھا' مگر اس نے امیر تیمور کا ہمیشہ ادب اور لحاظ کیا۔ اسی باعث اپنے آپ کو کبھی شاہ کے لقب سے مشہور نہیں کیا۔ اور اعلیٰ القاب سے اپنے آپ کو سربلند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کے عہد حکومت کے شروع میں ملتان میں امیر تیمور اور دہلی میں شاہرخ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ اور سکے بھی انہیں کے نام کے چلتے تھے' لیکن آخر میں خضر خاں کا نام بھی خطبوں میں لیا جانے لگا۔ خضر خاں اکثر و بیشتر مرزا شاہرخ کی خدمت میں عمدہ اور قیمتی نذرانے بھیجا کرتا تھا۔

خضر خاں نے تخت نشین ہوتے ہی اسی سال تاج الملک کو باقاعدہ ایک لشکر کے ساتھ کیتھر بھیجا۔ تاج الملک نے دریائے گنگا اور جمنا کو عبور کرکے کیتھر اور اس کے آس پاس کے مقامات کو تباہ و برباد کر ڈالا۔ کیتھر کے راجہ نرسنگھ نے جو خوفزدہ ہو کر پہاڑوں میں پناہ گزین ہو گیا تھا نکل کر آیا اور تاج الملک کو تحفے تحائف دینے کے بعد اس کا اطاعت گزار ہو گیا۔ مہابت خاں جو بداؤں کا حاکم تھا وہ اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تاج الملک کیتھر سے کھو کنبل اور چندوار پہنچا اور وہاں کے لوگوں سے چند سالوں کا واجب الادا خراج وصول کیا۔ بعد ازاں جالیسر کو بھی فتح کرکے اس نے خضر شاہی حکومت میں شامل کیا اور چندوارے کے راجپوتوں کو شکست دی۔ تاج الملک جالیسر سے اٹاوہ پہنچا وہاں کے کٹھیوں کو تنبیہہ کی اور دہلی چلا آیا۔

جمادی الاول کے مہینہ میں (تخت نشینی کے سال) اس کو معلوم ہوا کہ بیرم خاں کی قوم کی ایک جماعت نے شاہزادہ مبارک خاں کے ایک عامل ملک سدھو کو تہ تیغ کرکے اس کے علاقے پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے زیرک خاں اور ملک داؤد کو ایک فوج کثیر کے ساتھ ان باغی ترکوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ترکوں نے دریائے ستلج کو پار کرکے پہاڑی علاقے میں پناہ لی۔ زیرک خاں بھی ان سرکشوں کا پیچھا کرتا ہوا پہاڑوں میں جا گھسا۔ ان اطراف کے پہاڑ نگر کوٹ اور اس کے آس پاس کے پہاڑوں سے ملے ہوئے تھے' وہاں کے زمینداروں نے بہت قوت حاصل کر لی تھی۔ لہٰذا زیرک خاں اور داؤد خاں کی کوششیں بالکل بیکار ثابت ہوئیں اور یہ لوگ ان کا بال تک نہ بیکا کر سکے۔

۸۱۹ھ میں خضر خاں کو معلوم ہوا کہ سلطان احمد شاہ گجراتی ناگور آ گیا ہے اور اس علاقے پر قبضہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ خضر خاں نے وہاں پہنچ کر کوشش کی تاکہ احمد شاہ کے قدم ناگور میں نہ جمنے پائیں' مگر اس کے پہنچنے سے پہلے ہی سلطان احمد شاہ وہاں سے مالوہ روانہ ہو گیا۔ خضر خاں سخت منزلیں طے کرتا ہوا جالور پہنچا۔ الیاس خاں جو شہر نو کا حاکم تھا (یہ شہر عروس جہاں کے لقب سے مشہور تھا اس کو سلطان علاء الدین خلجی نے بسایا تھا) وہ خضر خاں کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور شاہی نوازشوں سے سرفراز ہوا۔ اس نے جالور سے گوالیار کا سفر کیا اور نذرانے کی رقم گوالیار کے راجہ سے وصول کرتا ہوا بیانے جا پہنچا۔ اور شمس خاں اوحدی کے بھائی کریم الملک سے بھی خراج وصول کیا۔

۸۲۰ھ میں ملک طغان کی سرکشی کی اطلاع ملی یہ ملک سدھو کے قاتلوں کا سردار تھا۔ زیرک خاں کو ایک کثیر فوج دے کر طغاخاں کو تنبیہ کرنے کے لئے بھیجا۔ زیرک خاں سرکشوں کے نزدیک پہنچا اور طغا اور اس کے ہمراہیوں نے سرہند کے محاصرے کا خیال چھوڑ دیا اور ہندوستان میں پہنچ کر ملک کمال الدین نے قید سے چھٹکارا حاصل کیا اور دہلی چلا گیا۔ زیرک خاں ملک طغا کا تعاقب کرتا پائل تک پہنچ گیا اور پہنچا تو ملک طغا نے اطاعت قبول کی اور نذرانے کی رقم دینے کا پکا وعدہ کر لیا۔ ملک طغا نے اپنے فرزند کو یرغمال کے طور پر خضر خاں کے سپرد کیا۔ ملک سدھو کے قاتلوں کو ختم کیا جو تمام فتنہ و فساد کی جڑ تھے۔ زیرک خاں نے طغا کے سپرد جالندھر کی حکومت کی اور خاں نے ... میں جا کر نذرانے وصول کیے بغیر ملک طغا کے بیٹے کو خضر خاں کی خدمت میں بھیج دیا۔

۸۲۱ھ میں خضر خاں نے تاج الملک کو کیتھر کے راجہ رائے نرسنگھ کی تنبیہ کے لئے ...

اور نرسنگھ اپنا ملک چھوڑ کر تولہہ کے جنگل میں جا کر چھپ گیا۔ شاہی فوجیوں نے اس کو تلاش کیا وہ وہاں سے بھاگ گیا مگر اس کے گھوڑے اور مال اسباب فوجیوں کو مل گیا۔ ان سپاہیوں نے ہمایوں پہاڑ تک ان کا پیچھا کیا اور چار روز تک ہندوؤں کے تعاقب میں رہے' مگر پانچویں روز لوٹ آئے اور اپنے لشکر سے مل گئے۔ تاج الملک کینتھر کو فتح کر کے بدایوں آیا۔ اور دریائے گنگا کو عبور کر کے مہابت خاں حاکم بداؤں (جو ناصر الدین محمد کے مشہور امرا میں سے تھا) سے ملاقات کرتا ہوا اٹاوے چلا گیا۔ رائے سمیر اٹاوہ میں قلعہ کے اندر چھپ گیا۔

تاج الملک نے شہر کو خوب لوٹا آخر کار راجہ نے نذرانے کی رقم دے دی اور صلح کر لی۔ اس کے بعد خضر خاں دہلی واپس آیا اور کتیھر میں فساد کرنے والوں کی تنبیہہ کے لئے اسی طرف روانہ ہوا۔ خضر خاں نے کول کے باغیوں کو خاموش کیا پھر دریائے گنگا کو عبور کر کے سنبھل کو برباد کرتا ہوا آگے بڑھ گیا اور دہلی پہنچا۔ ۸۲۱ھ ذیقعد میں بادشاہ بداؤں پہنچا۔ خضر خاں نے قصبہ پٹیالی کے آس پاس دریائے گنگا کو پار کیا۔ بادشاہ کے اس راستہ سے سفر کرنے پر مہابت خاں کو بہت خوف معلوم ہوا اور وہ بدایوں کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا چھ مہینے تک مسلسل یہ محاصرہ قائم رہا۔ ادھر خضر خاں کو معلوم ہوا کہ بہت سے امراء جن میں قوام خاں' اختیار خاں لودھی اور دیگر محمود شاہی خانہ زاد بھی شامل تھے' اور جماعت بادشاہ کی طرف سے اپنے دل میں برا خیال رکھتی ہے۔ ان امراء کی بدنیتی کا خیال کر کے اس نے محاصرہ سے ہاتھ اٹھایا اور دار الحکومت کی طرف روانہ ہو گیا۔ آٹھ جمادی الاول ۸۲۲ھ کو خضر خاں نے دریائے گنگا کے کنارے راستہ میں قیام کیا۔ اور ان باغی امراء کو کسی بہانے سے جمع کر کے تہ تیغ کیا۔ اس کے بعد خضر خاں دہلی پہنچا اس کو وہاں معلوم ہوا کہ ایک شخص نے ماچھیواڑہ (۱) میں اپنے آپ کو سارنگ خاں کے نام سے مشہور کر کے ایک بڑی فوج اپنے گرد جمع کر لی ہے۔ سارنگ تو امیر تیمور کی فتوحات کے زمانہ ہی میں ختم ہو گیا تھا۔ خضر خاں نے اسلام خاں ملک شہ لودھی کو اس نقلی سارنگ کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اور سرہند میں لشکر شاہی سے نقلی سارنگ نے لڑائی کی مگر اسلام خاں سے ہار کر آس پاس کے پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا۔ اسلام خاں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور تعاقب کرتا رہا۔ اسی عرصہ میں ملک طغا امیر جالندھر سمانہ کا حاکم زیرک خاں اور ملک خیر الدین (جو دوآبہ کا حاکم تھا) وغیرہ خضر خاں کے کہنے پر اسلام خاں کی کمک کے لئے آ گئے۔

چونکہ نقلی سارنگ پہاڑ میں چھپ گیا تھا اس لئے تمام امراء بھی اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے۔ موقع پا کر سارنگ خاں پھر باہر نکلا اور ملک طغا سے عہد و پیمان کر کے اس سے جا ملا' لیکن ملک طغا نے اس کو دھوکا دیا اور مال و متاع کے لالچ میں نقلی سارنگ خاں کو قتل کر دیا' اس کے بعد وہ خود بھی خضر خاں سے برہم ہو گیا۔ طغا نے قلعہ سرہند کو گھیر کر آس پاس کے علاقہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور پایل و منصور پورہ (۲) تک پہنچ گیا۔ خضر خاں نے زیرک خاں اور خیر الدین کو طغا خاں کی تباہی و بربادی کے لئے نامزد کیا۔ طغا نے ان امیروں کا مقابلہ کیا لیکن ہمت ہار کر دریائے ستلج کو عبور کر کے شیخا کھکھر کے بھائی جیرت کھکھر کے ملک لوہانے کے نزدیک پہنچا۔ زیرک خاں کو جالندھر کا حکمران بنا دیا گیا اور خیر الدین اسی طرح دہلی واپس چلا آیا۔ ۸۲۴ھ میں خضر خاں میوات کی طرف بڑھا۔ بہت سے میواتی حکمران تو اس کی خدمت میں آئے' مگر بعض کوٹلہ بہادر ناہر میں جا کر قلعہ بند ہو گئے' لیکن یہ سرکش امراء زیادہ دن تک وہاں چھپے نہ رہ سکے اور آخر کار پہاڑوں میں پناہ لینے کے لئے نکلے۔ خضر خاں نے قلعہ فتح کر لیا اور حصار کو تباہ و برباد کر دیا۔ اسی عرصہ میں تاج الملک نے وفات پائی اور اس کی جگہ پر ملک الشرق سکندر نے (جو اس کا بڑا بیٹا تھا) قلمدان وزارت سنبھالا۔ خضر خاں کوٹلہ سے گوالیار پہنچا اور وہاں سے تحفے تحائف حاصل کر کے اٹاوہ کا سفر کیا۔ یہاں رائے سمیر کا انتقال ہو چکا تھا۔ خضر خاں نے اس کے بیٹے سے نذرانے وصول کیے۔

خضر خاں کا انتقال

خضر خاں کی زندگی کے دن بھی پورے ہو گئے' وہ راستہ ہی میں بیمار ہو کر منزلیں طے کرتا ہوا دہلی تک پہنچ گیا۔ اور ۱۷ جمادی الاول ۸۲۴ھ کو اس نے جہان فانی سے کوچ کیا۔ اس نے سات سال چار مہینے تک حکمرانی کی یہ عدل و انصاف میں بہت پکا تھا۔ اس کی ایمانداری

اور سچائی ایک ضرب المثل بن چکی تھی' بہت زیادہ سخی بھی تھا اس کی رعیت بہت ہی زیادہ خوشحال تھی۔ اس کے انتقال پر شہر کے بچے بچے نے اس کا غم منایا اور اس کی موت کے تیسرے دن رعایا اور عوام نے ماتمی لباس بدلا۔ تین دن تک نہایت باقاعدگی سے اس کا غم مناتے رہے۔ خضر خاں کے بعد اس کا فرزند اکبر مبارک شاہ تخت نشیں ہوا۔

حوالہ جات

۱۔ ماچھیواڑہ ضلع لدھیانہ دریائے ستلج کے بالائی حصہ میں جنوبی ساحل پر واقع ہے

۲۔ پایل ریاست پٹیالہ میں واقع ہے

معزالدین ابوالفتح مبارک شاہ بن خضر خاں

دوران علالت ہی میں خضر خاں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس کا وقت بہت قریب آگیا ہے اور یہ مرض الموت ہے اس سے نجات نہ ہو گی- لہٰذا اس نے عاقبت اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے بڑے بیٹے مبارک شاہ کو اپنا ولی عہد مقرر کر دیا- مبارک شاہ نے اپنے باپ کے مرنے کے تین دن کے بعد تاجپوشی کی رسم ادا کی اور حکومت کی باگ دوڑ سنبھالی- اس نے اپنا لقب معزالدین ابوالفتح مبارک شاہ رکھا-

جاگیریں اور عہدے

مبارک شاہ نے اپنے پرانے امراء اور مشائخ کے عہدوں کو حسب سابق بحال رکھا اور ان کی جاگیریں وظیفے بھی وہی رہے - بعض لوگوں کو جو روزینہ ملتا تھا اس میں اضافہ بھی کر دیا- اپنے بھتیجے ملک بدر کے عہدے کو بڑھا دیا اور اس کو فیروز آباد اور ہانسی کا صوبہ دار بنا دیا- ملک رجب جو سدھوناوری کا بیٹا تھا اس کو ہانسی اور فیروز آباد سے ہٹا کر پنجاب اور دیپالپور کا صوبہ دار بنا دیا- ۸۲۳ھ جمادی الاول میں کشمیر کے بادشاہ سلطان علی ٹھٹھ کو مسخر کیا- اور وہاں سے واپسی پر سفر کی منازل طے کرتا ہوا فوج سے الگ ہو گیا- ادھر جیرت کھکھر جو اپنے بھائی شیخا کھکھر کے انتقال کے بعد اب اپنے قبیلہ کی سرداری کر رہا تھا اور قوت بھی حاصل کر لی تھی وہ سلطان علی سے برسرپیکار ہو گیا اور کشمیر کے حکمران کو زندہ گرفتار کر لیا- اس نے بیشمار مال و دولت حاصل کی- اس کے بعد اس کی ہمت بڑھی اور دہلی کو فتح کرنے کا سودا اس کے سر میں سمایا- اس نے ملک طغا کو (جو خضر خاں کے خوف سے پہاڑوں میں پناہ گزین تھا) بلا کر اپنے ہاں وزارت کا عہدہ دے کر امیر الامراء مقرر کیا- اس طرح جیرت لاہور پنجاب کا حاکم بن گیا' جیرت نے لاہور کو تباہ و برباد کر کے پھر دریائے ستلج کو پار کیا اور شہر تلونڈی جو رائے کمال کی جاگیر تھی اس کو خوب لوٹا- تلونڈی کا زمیندار شہر چھوڑ کر بھاگ گیا اور دریائے جمنا کے ساحل پر پناہ گزین ہوا- جیرت لدھیانے پہنچا اور لدھیانے کے بالائی حصہ تک تباہی و بربادی کا بازار گرم کرتا ہوا چلا گیا' اس نے دریائے ستلج کے دوسرے ساحل تک جا کر جالندھر کے قلعہ کو گھیر لیا- حصار کا حاکم زیرک خاں پہلے خود قلعہ بند ہو گیا- اس کے بعد جیرت کا مقابلہ کرنے لگا- جیرت نے چالبازی سے کام لے کر صلح کی بات چیت کی دونوں میں یہ عہد ہوا کہ زیرک خاں جالندھر کو طغا کے حوالے کر دے- اور طغا کے بیٹے کو قیمتی تحائف نذر کر کے مبارک شاہ کے پاس بھیج دے- دوسری جمادی الاول ۸۲۴ھ زیرک خاں نے قلعہ سے نکل کر جیرت کے لشکر سے تین کوس دور دریائے سرستی کے ساحل پر قیام کیا- جیرت اپنے عہد پر قائم نہ رہا- اور اس نے زیرک خاں پر حملہ کر کے اس کو زندہ گرفتار کر لیا اور لدھیانے واپس چلا آیا- بیسویں جمادی الآخر ۸۲۴ھ میں اسلام خاں حاکم سرہند پر لشکر کشی کی اور اسلام خاں بھی قلعہ میں چھپ گیا-

مبارک شاہ کی فتوحات

جیرت کی اس جرات کی خبریں بادشاہ تک پہنچیں اور باوجودیکہ برسات کا موسم تھا' مگر بادشاہ نے عزم سفر کیا- مبارک شاہ اسی سال دوسری رجب کو سرہند کے آس پاس پہنچ گیا بادشاہ کے پہنچنے کی خبر سن کر جیرت لدھیانے روانہ ہو گیا- زیرک بھی جیرت کی قید سے آزاد ہو گیا- اور سامنے پہنچ کر بادشاہ سے ملاقات کی- مبارک شاہ بھی لدھیانے کی طرف روانہ ہو گیا- جیرت نے دریائے ستلج کو پار کر کے دوسری طرف ساحل پر اپنے خیمے نصب کیے اور بادشاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا- تمام کشتیاں جیرت کے پاس تھیں اور دریا میں بہت سیلاب آ رہا تھا مجبوراً مبارک شاہ بھی دریا کے کنارے خیمہ زن ہو گیا جب دریا کا بہاؤ کچھ کم ہوا تو مبارک شاہ قبول پور کی طرف سے

روانہ ہو کر کنارے کنارے منزلیں طے کرنے لگا۔ جیرت بھی نہایت جرات کے ساتھ مقابلہ پر سفر کرتا رہا۔ اور تقریباً ہر روز کھکھروں کا لشکر دریا کے دوسرے ساحل پر خیمہ زن ہوتا رہا۔ گیارہ شوال ۸۲۴ھ کو بادشاہ نے اپنے چند امراء کو جن میں ملک سکندر تحفہ وزیر الممالک، زیرک خاں، محمود حسن اور ملک کالو وغیرہ نامی گرامی امراء شامل تھے دریا پار کرنے کا حکم دیا۔ ان لوگوں نے ایک لشکر عظیم اور چھ ہاتھی اپنے ساتھ لیے اور ایک پایاب جگہ سے دریا کو پار کیا بادشاہ بھی ان کے پیچھے پیچھے گیا۔ اب جیرت کی جسارت کام نہ آئی اس میں مبارک شاہ کی فوج کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ لشکر شاہی نے ان لوگوں کا تعاقب کیا اور ان کی جماعت کثیر کو تلوار کے گھاٹ اتار کر ان کے مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔ جیرت نے مصیبت زدہ لوگوں کی طرح دریائے چناب کو پار کیا اور کوہستان میں جا کر پناہ لی۔

جموں کے حاکم رائے بھیم نے جیرت کو پکڑنے میں مبارک شاہ کی رہبری کی اور شاہی لشکر جیرت کے سب سے زیادہ مشہور اور مضبوط مقام مابن بیل میں پہنچ گیا۔ جیرت وہاں سے بھی فرار ہو گیا اور اس بار بھی اس کے بہت سے ساتھی مبارک شاہی تلوار کا نشانہ بنے اور ان کا مال و متاع بھی برباد ہوا۔ ۸۲۵ھ میں مبارک شاہ لاہور آیا اور اس نے اس تباہ شدہ شہر کو آباد کیا اور ملک اشرف امیر حسن کو لاہور کا حاکم بنا دیا۔ جیرت کو مبارک شاہ کے لاہور سے جاتے ہی پھر موقع ملا اور اس نے اپنا لشکر تیار کر کے لاہور پر حملہ کر دیا۔ جیرت نے قلعہ کے پاس میدان میں اپنا خیمہ نصب کیا یہ محاصرہ مستقل ایک ماہ اور پانچ دن تک جاری رہا۔ اور بارہا کھکھروں نے قلعہ لاہور پر حملہ کیا مگر ان کی کوششیں کارگر نہ ہوئیں۔ قلعہ کو چھوڑ کر پھر جیرت کلانور روانہ ہوا تاکہ رائے بھیم سنگھ سے اپنا بدلہ لے۔ بھیم پر حملہ کیا مگر اس جنگ کا کوئی نتیجہ نہ نکلا اور اسی طرح جیرت وہاں سے بھی واپس آیا اور اپنی فوج اکٹھا کرنی شروع کی۔ جیرت دریائے بیاس کے ساحل پر ٹھہرا ہوا تھا اتفاق سے انہیں دونوں ملک سکندر تحفہ، ملک محمود حسن کی مدد کے لئے مقرر کیا گیا تھا وہ بھی اس گھاٹ سے گزرا۔ اس جگہ دیپالپور کا حکمران ملک رجب علی اور سرہند کا حکمران اسلام خاں لودھی بھی سکندر سے آ آ کر مل گئے۔ اب جیرت میں ان امراء کا مقابلہ کرنے کی تاب کہاں تھی۔ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا اور مع اپنے بال بچوں اور مال و متاع کے پہاڑیوں میں جا کر چھپ گیا۔ بارہ شوال ۸۲۵ھ کو ملک سکندر لاہور واپس آیا۔ اور ملک محمود حسن نے اس کا بہت شاندار استقبال کیا۔ ملک سکندر نے بھی دریائے راوی کے ساحل کو فتح کر لیا اور کلانور جا پہنچا۔

ملک سکندر جموں کی سرحد پر پہنچا راجہ بھیم بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ملک سکندر نے جن جن مقامات کے لئے سنا کہ وہاں کھکھروں نے پناہ لی ہے ان تمام مقامات کو تہ و بالا کر دیا۔ باغیوں کو ختم کر کے لاہور واپس آ گیا اسی عرصہ میں بادشاہ نے حکم بھیجا کہ محمود حسن جالندھر جا کر اپنے لشکر کی قوت میں اضافہ کرے اور پھر دہلی واپس آئے اور پھر ملک سکندر لاہور میں ٹھہر کر اس شہر کا پورا پورا انتظام کرے۔ ۸۲۶ھ میں مبارک شاہ نے ملک سکندر کو عہدہ وزارت سے ہٹا دیا اور سردار الملک کو وزیر الممالک بنا دیا۔ بادشاہ نے ہندوؤں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے سردار الملک کو بھیجا اور اس کے پیچھے پیچھے فوراً کینتھر پہنچا۔ مبارک شاہ نے کینتھر کے مکھیوں اور چودھریوں کو تنبیہ کی۔ خراج وصول کیا اور فساد کرنے والوں کو تہ تیغ کر دیا۔ بدایوں کا سردار مہابت خاں جو قلعہ بند ہو کر خضر خاں مرحوم سے خوب لڑتا رہا وہ مبارک شاہ کے سامنے کچھ نہ کر سکا اور مجبوراً باہر آیا۔ مبارک شاہ سے معافی مانگی اور اس کے ساتھ مل گیا بادشاہ کے حکم کے مطابق دریائے گنگا کو پار کر کے راٹھور قوم کو لوٹنے میں مصروف ہو گیا اور بہت سے راٹھور قیدی پکڑ لیے۔ اٹاوہ کا راجہ جو اس سے پہلے مبارک شاہ کی خدمت میں حاضر ہو چکا تھا بھاگ کر دریائے گنگا کے کنارے سے اٹاوہ پہنچ گیا۔ شاہی فوج نے راجہ کا پیچھا کیا، لیکن وہ لوگ راجہ کو تو نہ پکڑ سکے مگر اٹاوہ پہنچ کر سپاہیوں نے اٹاوہ کو تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اسی دوران میں مبارک شاہ بھی وہاں پہنچ

پریشان ہو گیا اور دوبارہ پھر اپنے بیٹے کو نذرانہ دے کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا اس کے بعد بادشاہ دہلی آ گیا۔

اسی عرصہ میں ملک محمود حسن بادشاہ کی خدمت میں پہنچا اور بخش گیری کے عہدہ پر جس کو اس زمانہ میں عارض (۱) کہتے تھے اس پر مقرر ہو گیا۔ اسی سال جیرت اور رائے بھیم میں خوب لڑائی ہوئی راجہ میدان جنگ ہی میں ختم ہو گیا۔ اور جیرت کو بیشمار دولت ہاتھ لگی۔ اس کے بعد جیرت کے گرد دس بارہ ہزار کھکھروں کی فوج جمع ہو گئی اس نے دہلی پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے دیپالپور اور لاہور کے گردونواح کو خوب لوٹا اور برباد کیا اور اس طرح لوٹ مار سے جمعیت کثیر اور بیشمار دولت جمع کر لی۔ ملک سکندر تحفہ' جیرت کی سرکوبی کے لئے آگے بڑھا اور دریائے چناب کو عبور کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور ملک سکندر واپس لوٹ آیا۔ جیرت کھکھروں کے ملک میں پہنچا اور لشکر و اثاثہ شاہی کی ترتیب و تنظیم میں لگ گیا۔ جیرت نے مرزا شاہرخ کے ایک امیر سے دوستی پیدا کی جو کابل میں رہتا تھا اور اس کا نام شیخ علی تھا۔ جیرت نے کابلی سردار کو سیوستان بھکر اور ٹھٹھہ کی تباہی و بربادی کے لئے آمادہ کیا۔ جیرت کی اس سے یہ مراد تھی کہ بادشاہ کو چاروں طرف سے فساد اور بغاوت کی آگ بھڑکا کر اس میں الجھا دیا جائے۔ اور پھر اپنا مقصد پورا کر لیا جائے۔ اسی زمانہ میں حاکم ملتان ملک علاؤ الدین کا انتقال ہو گیا اور ادھر امیر شیخ علی کابلی کے حملہ کی خبر ہر طرف سنائی دی۔ مبارک شاہ نے ملک محمود حسن کو بھکر' ملتان اور سیوستان کا حکمران بنا کر بھیجا اور اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر بھی روانہ کیا۔ ملتان کا قلعہ جو تیموری دارو گیر میں بہت خراب حالت کو پہنچ گیا تھا اس کی مرمت از سر نو کرائی۔ بعد ازاں لشکر فراہم کر کے مغلوں سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اسی سال مالوہ کا حاکم جس کا نام سلطان ہوشنگ تھا اس نے گوالیار کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ مبارک شاہ اہل قلعہ کی مدد کے لئے روانہ ہو گیا۔ بادشاہ جب بیانے تک گیا تو اس کو معلوم ہوا کہ امیر خاں نے جو بیانہ کا حاکم ہے اپنے چچا مبارک خاں کو مار ڈالا ہے۔ شہر کو بالکل تاخت و تاراج کر دیا ہے اور بادشاہ سے سرکشی کر کے پہاڑ میں جا کر قلعہ میں چھپ گیا ہے۔

مبارک شاہ نے بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ اب بادشاہ اور امیر خاں میں خط و کتابت کے ذریعہ بات چیت شروع ہوئی اور آخر یہ معاہدہ ہوا کہ امیر خاں وقت مقررہ پر خراج وغیرہ ادا کیا کرے۔ بادشاہ نے اس کی اطاعت منظور کی مبارک شاہ بیانے سے گوالیار چلا گیا۔ سلطان ہوشنگ نے دریائے چنبل کے گھاٹ پر قبضہ جما رکھا تھا۔ مبارک شاہ ایک دوسرے راستے سے روانہ ہوا اور بہت جلد اس کے لشکر کے سرداروں نے سلطان ہوشنگ کی فوج کے ایک حصہ کو تباہ کر دیا اور بہت سے لوگوں کو گرفتار بھی کیا' لیکن یہ تمام قیدی مسلمان تھے لہٰذا ان سب کو آزاد کر دیا گیا۔ سلطان ہوشنگ نے صلح کرنا چاہی۔ مبارک شاہ نے اس کو منظور کر لیا اور بادشاہ کو بہت سے بیش قیمت نذرانے پیش کیے ہوشنگ پھر دھار کی طرف چلا گیا۔ مبارک شاہ چنبل کے ساحل پر ٹھہرا اور پرانے قاعدے کے طور پر ہر ایک سے خراج وصول کرتا ہوا ۸۲۷ھ میں دہلی پہنچ گیا۔

۸۲۹ھ میں بادشاہ نے کینتھر پر یورش کی۔ کینتھر کے حاکم راجہ نرسنگھ نے دریائے گنگا کے کنارے آ کر بادشاہ کی اطاعت و ملازمت قبول کر لی اس کو تین سال کے لئے نظر بند کر دیا گیا۔ کیونکہ اس نے مقررہ خراج نہیں ادا کیا تھا' مگر رقم جیسے ہی اس نے ادا کر دی اس کو رہا کر دیا گیا۔ بادشاہ نے پھر دریائے گنگا کو پار کر کے وہاں کے باغیوں کو برباد کر دیا اور دہلی واپس آ گیا۔ اسی عرصہ میں میواتیوں کی بغاوت کی خبر پہنچی لہٰذا بادشاہ میوات کی طرف چل پڑا۔ اور وہاں پہنچ کر ملک کو خوب لوٹا میوات کے لوگ اپنا وطن چھوڑ کر کوہ جہرہ (۲) میں جا کر چھپ گئے۔ مبارک شاہ نے ان کا محاصرہ نہ کیا کیونکہ ایک تو غلہ اور چارہ کی کمی تھی دوسرے دشمن کا قلعہ بہت مستحکم اور مضبوط تھا۔ اسی باعث محاصرہ کو اس نے بیکار سمجھا اور دہلی چلا آیا امراء کو اجازت دیدی کہ وہ اپنی اپنی جاگیروں میں چلے جائیں اور خود عیش و عشرت کے دن گزارنے لگا۔

میوات پر حملہ

۸۲۹ھ میں اس نے پھر میوات پر حملہ کیا۔ بہادر ناہر کے پوتے جلو اور قدو اپنے خیر خواہوں اور امراء کے ساتھ الور کے پہاڑ پر مقیم ہو گئے اور عرصہ دراز تک شاہی لشکر سے بر سرپیکار رہے' لیکن آخر کار شاہی لشکر کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا دونوں ہار کر بادشاہ کے سامنے آئے اور معافی طلب کی۔ بعد ازاں دونوں بھائیوں نے بھاگنا چاہا بادشاہ کو ان کی مرضی معلوم ہوئی اور دونوں قید کر دیئے گئے۔ بادشاہ نے پھر میوات پر حملہ کیا اور وہاں کے باغیوں کو سزا دیتا ہوا آگے بڑھا اور بیانہ پہنچ گیا۔ امیر خاں مر چکا تھا اس کا بھائی محمد خاں پہاڑی علاقے میں چلا گیا۔ بادشاہ کی فوج سے پندرہ دن تک وہ مقابلہ کرتا رہا۔ جنگ کے دوران میں محمد خاں کے بہت سے خیر خواہ مبارک شاہ سے مل گئے۔ لہٰذا محمد خاں کے پاس اطاعت کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔ وہ گلے میں رسی ڈال کر نہایت انکساری کے ساتھ بادشاہ کے سامنے آیا۔ گھوڑے، ہتھیار' بیش قیمت تحفہ تحائف خدمت میں پیش کئے قلعہ کی بیش قیمت اشیاء دے دیں۔ بادشاہ نے قلعہ سے محمد خاں کے بال بچوں کو باہر نکالا اور انہیں نظر بند کر کے دہلی بھیج دیا۔ مقبل خاں کو بیانہ کی حکومت دے دی' ملک خیر الدین تحفہ کو سیکری کی حکومت دی۔ جو آج تک فتح پور کے نام سے مشہور ہے' وہاں سے گوالیار پہنچا۔

گوالیار کے راجہ سے خراج اور نذرانہ وصول کیا اور دہلی آیا۔ ملتان اور اس کے آس پاس کے مقامات کی حکمرانی ملک حسن کے قبضہ سے نکال کر ملک رجب نادری کو دی اور حصار فیروزہ کا حاکم ملک حسن کو بنا دیا۔ مبارک شاہ نے فیروز شاہ کے بنوائے ہوئے قلعہ "جہاں نما" میں محمد خاں کو ٹھہرایا اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے یا نہ کرنے پر غور و خوص کرنے لگا لیکن محمد خاں نے بہت جلد بازی سے کام لیا اور مع اپنے بال بچوں کے قلعہ سے بھاگ کر میوات پہنچا وہاں ایک بار پھر لوگوں کو جمع کر کے اچھی خاصی فوج تیار کر لی۔ محمد خاں کو ادھر جب یہ معلوم ہوا کہ مقبل خاں قلعہ بیانہ میں ناصر الدین کو چھوڑ کر خود چھاون چلا گیا ہے تو اس نے بیانے پر حملہ کر دیا اور شہر کے زمینداروں کی مدد سے اس نے شہر پر قبضہ کر لیا۔ ملک ناصر الدین قلعہ کی حفاظت کی ہمت نہ رکھتا تھا اس نے محمد خاں سے جان کی امان طلب کی اور دہلی واپس آ گیا۔ اب مبارک شاہ نے ملک مبارز کو بیانہ کا حاکم بنا کر بھیجا تاکہ وہ محمد خاں کو تہ تیغ کرے۔ محمد خاں میں ملک مبارز سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی وہ قلعہ بند ہو گیا۔ محمد خاں کے ہاتھ سے شہر ملک مبارز کے پاس آ گیا۔ پھر محمد خاں نے قلعہ چند قابل اعتماد امراء کے ہاتھ میں دیا اور خود جلد از جلد سلطان ابراہیم شرقی کے پاس پہنچا۔ سلطان ابراہیم اس دوران میں کالپی پر اپنا قبضہ جمانے کی فکر میں تھا۔ کالپی کے سردار قادر شاہ نے بادشاہ دہلی سے کمک طلب کی لہٰذا مبارک شاہ نے بیانے کو فتح کرنے کا خیال فی الحال دماغ سے نکال دیا۔ اور سلطان ابراہیم کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ سلطان شرقی کی فوجوں نے بھو گاؤں کو بالکل تہ و بالا کر دیا اس کے بعد بداؤں کا رخ کیا۔ مبارک شاہ نے بھی جمنا کو پار کیا۔ اور موضع حمر تولی کو جو اس علاقے کا بہترین اور خوبصورت شہر تھا تباہ و برباد کر دیا اور پھر وہاں سے اتر دلی کی طرف بڑھا ادھر مخلص خاں (سلطان شرقی کا بھائی) اٹاوہ کو فتح کرنے آ رہا تھا۔ اتر دلی پہنچ کر بادشاہ نے پہلا کام یہ کیا کہ ملک محمود حسن کو دس ہزار فوجیوں کے ساتھ مخلص خاں کی طاقت کو ختم کرنے کے لئے بھیجا۔ مخلص خاں میں ملک محمود سے مقابلہ کرنے کی تاب کہاں تھی فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا اور اپنے بادشاہ کے پاس واپس چلا گیا۔

ملک محمود چند روز ٹھہر کر پھر اپنے لشکر سے آ کر مل گیا۔ ابراہیم شرقی نے دریا کے کنارے پر پناہ لی اور برہان آباد کے اطراف میں پہنچا۔ مبارک شاہ بھی اتر دلی سے واپس ہو کر قصبہ مالی کوٹہ کی طرف چل پڑا۔ ابراہیم شاہ نے شاہی رعب داب کی تاب نہ لا کر جنگ سے منہ موڑا اور ۸۳۰ھ میں قصبہ راپڑی کی طرف چلا گیا۔ دریائے جمنا کو پار کر کے بیانے پہنچا اور دریائے کینتھر کا رخ کیا اور اس دریا کے ساحل پر قیام کیا۔ مبارک شاہ نے [illegible]

ہر روز دشمن پر لشکر کشی کرتی یہ سپاہی دشمن کو تنگ کرتے ان کے جانور چرا لاتے اور ان کے سپاہیوں کو پکڑ لاتے آخر کار سات جمادی الآخر ۸۳۰ھ کو ابراہیم شرقی مقابلہ کے لئے میدان میں صف آرا ہوا۔ ادھر مبارک شاہ نے بھی اپنے امرا ملک محمود، خان اعظم بن فتح بن سلطان گجراتی، زیرک خاں، اسلام خاں، ملک چمن فرزند فیروز خاں، ملک کالو، اور ملک احمد مقبل خاں وغیرہ کو سردار الملک اور وزیر سید سالم کی سرکردگی میں شرقی کی فوج کے مقابلہ میں بھیجا فریقین میں خوب خونریزی ہوتی رہی، لیکن جب رات ہو گئی تو سب نے بغیر کسی نتیجہ پر پہنچے ہوئے جنگ بند کر دی۔ دوسرے روز آٹھ جمادی الآخر کو پھر میدان میں آئے، لیکن سلطان شرقی میدان جنگ چھوڑ کر جونپور چلا گیا۔ مبارک شاہ تل کھاٹ کے راستہ سے گوالیار چلا گیا اور گوالیار کے راجہ سے نذرانے وغیرہ وصول کر کے بیانے پہنچا۔ محمد خاں اوحدی جو ہنوز قلعہ بند تھا بہت پریشان ہو گیا اب اس کو ابراہیم شرقی کی طرف سے بھی کمک کی امید نہ رہی تھی۔ لہٰذا بدرجہ مجبوری اس نے بادشاہ کے سامنے سر جھکا دیا اور جان کی امان چاہی۔ بادشاہ نے جان بخشی کی اور مال و متاع سب دے کر کہہ دیا کہ جہاں اس کا جی چاہے جا کر رہے وہ میوات چلا گیا۔ بیانے کے شہر اور قلعہ کا انتظام سنبھالنے کے لئے بادشاہ نے محمود حسن کو مقرر کیا اور خود ۱۵ شعبان ۸۳۱ھ کو کامرانی کا ڈنکہ بجاتا ہوا دہلی آیا۔

ملک قدوی کی گرفتاری

شوال ۸۳۱ھ میں بادشاہ نے ملک قدوی کو گرفتار کر لیا کیونکہ وہ شرقی کے خیر خواہوں میں شامل ہو گیا تھا اور ملک سردار الملک وزیر کو میوات کی جاگیر کا انتظام کرنے کے لئے مقرر کیا۔ اس شہر کے لوگ اپنے اپنے گھروں کو خالی کر کے خوف کی وجہ سے جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے تھے۔ قدوی کے بھائی جلال الدین خاں، احمد خاں، ملک فخر الدین قلعہ اندور میں اکٹھے ہوئے اور ملک سردار الملک خراج حاصل کر کے شہر کی طرف چلا آیا۔ ذیقعد کی آٹھ تاریخ کو معلوم ہوا کہ جیرت نے کلانور کو گھیر لیا ہے۔ لاہور کے حاکم ملک سکندر تحفہ نے اس کا مقابلہ کیا مگر ناکام رہا اور لاہور واپس چلا آیا۔ جیرت نے دریائے بیاس کو پار کر کے قلعہ جالندھر پر حملہ کیا چونکہ قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ لہٰذا اس نے مجبوراً قلعہ کے گرد و نواح کو خوب لوٹا اور بہت سی لونڈیاں غلام پکڑ کر کلانور واپس چلا آیا۔ ان خبروں کو سن کر مبارک شاہ نے حکم دیا کہ زیرک خاں جو سمانہ کا حکمران ہے اور اسلام خاں جو سرہند کا سردار ہے دونوں بہت جلد ملک سکندر کی کمک کے لئے پہنچ جائیں۔ اس سے پہلے کہ کمک پہنچے ملک سکندر نے راجہ کلانور سے صلح کر لی اور اس نے جو مال لوٹ سے حاصل کیا تھا سب راجہ سے واپس لے لیا اور لاہور واپس آ گیا۔

۸۳۲ھ میں ملک محمود بیانے کی ریشہ دوانیوں کو دور کر کے دہلی واپس آ گیا اسی عرصہ میں پتہ چلا کہ ملتان کے حکمران ملک رجب نادری کا انتقال ہو گیا ہے۔ لہٰذا بادشاہ نے گوالیار کا رخ کیا اور گوالیار کی چپقلش ختم کر کے تل کھاٹ پہنچا۔ یہاں کا راجہ رائے تل کھاٹ ہار کر کوہ پایہ میں چھپ گیا۔ بادشاہ نے تل کھاٹ کو خوب تباہ و برباد کیا بہت سے لونڈی غلام پکڑ لیے اور راہری آ گیا۔ حسین خاں کے بیٹے راہری کو حکومت سے الگ کر کے ملک حمزہ کو وہاں کا حکمران بنا دیا اور دہلی واپس چلا آیا۔ راستہ میں سید السادات سید سالم کا انتقال ہو گیا لہٰذا بادشاہ نے ان کے بیٹوں کو سید خاں اور شجاع الملک کا لقب عطا کیا یہ مسلم امر ہے کہ سید سالم بہت نامی گرامی امراء میں سے تھے۔ خضر خاں کے ساتھ اپنی زندگی کی تیئس منزلیں بسر کی تھیں اور بطور حکمران ملک کے بہترین حصوں پر ان کا قبضہ تھا سید سالم نے پتر ہندہ (۳) میں بہت سا خزانہ اور قلعہ داری کا مال اسباب جمع کیا تھا۔ اور پتر ہندہ کے علاوہ امروہہ سرستی اور دوآبہ کے بھی کچھ حصے اس کی جاگیر میں شامل تھے۔ سید صاحب مرحوم کو روپیہ جمع کرنے کا بہت شوق تھا بادشاہ نے ان کا سارا خزانہ جو خزانہ شاہی کی ہمسری کرتا تھا اور تمام جاگیریں بجنسہٖ ان کے بیٹوں کو دے دیں، مگر ان کے بیٹوں نے مراعات شاہانہ کا کچھ پاس و لحاظ نہ کیا اور سید صاحب کے ایک ترکی غلام فولاد کو پتر ہندہ کے قلعہ کی طرف بھیجا اور مبارک شاہ کی مخالفت کرنے پر خوب زور دیا۔ ان کو یہ گمان تھا کہ شاید مبارک شاہ فولاد کے

اس فتنہ و فساد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے انہیں دونوں بھائیوں کو بھیجے گا اور یہ دونوں اس سے مل کر سرکشی کریں گے۔

بادشاہ کو ان کی بدنیتی معلوم ہو گئی للذا سید سالم کے دونوں بیٹے گرفتار کر لئے گئے اور ملک یوسف رائے بھوبھی کو فولاد کی سرکشی کی سزا کے لئے اور سونا' چاندی حاصل کرنے کے لئے پترہندہ بھیجا۔ فولاد نے صلح کرنے کا خیال ظاہر کیا اور سپاہی جب اس سے غافل ہو گئے تو صبح سے قبل قلعہ سے باہر نکل آیا اور شاہی فوج پر شب خون مارا۔ مبارک شاہی سپاہی تجربہ کار تھے ان کے سامنے فولاد کی ایک نہ چلی اور وہ پھر قلعہ بند ہو گیا۔ فولاد نے دوسری رات پھر شاہی فوج پر حملہ کیا اور قلعہ کی برجیوں پر سے شاہی فوج پر توپ و تفنگ (۴) سے حملہ کیا۔ شاہی لشکر کے قدم اکھڑ گئے اور فوج بکھر گئی سپاہی سرتی کی طرف بھاگ نکلے۔ فولاد نے چونکہ زیادہ قوت حاصل کر لی تھی للذا وہ اس قوت پر نازاں ہو کر اور زیادہ ہنگامہ کرنے لگا۔ مبارک شاہ نے خود بہ نفس نفیس پترہندہ کا سفر کیا تمام امراء و سردار بھی بادشاہ کے پاس پہنچنے لگے۔ عماد الملک جو ملتان کا حکمران تھا وہ بھی حکم پاتے ہی بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ خود تو پہلے سرتی میں ٹھہرا رہا اور قلعہ پترہندہ کی طرف چند امراء کو بھیجا۔ انہوں نے پترہندہ پہنچ کر قلعہ کو گھیر لیا۔ فولاد نے کہا کہ اس کو عماد الملک پر پورا اعتماد ہے اگر وہ جان بخشی کرے تو وہ قلعہ سے آ کر بادشاہ کا نوکر ہو جائے گا۔

عماد الملک کو بادشاہ نے پترہندہ بھیج دیا اور وہ فولاد سے ملا پھر یہ معاہدہ ہوا کہ دوسرے دن فولاد مبارک شاہ سے ملاقات کرے۔ اور اس کی ملازمت کا شرف حاصل کرے لیکن چند مخبروں نے فولاد کو بتایا کہ عماد الملک تو خیر بہت ہی زیادہ راست باز اور ایماندار ہے للذا وہ اپنے قول سے سرمو تجاوز نہ کرے گا' لیکن مبارک شاہ اپنی سیاسی حکمت عملی کو مدنظر رکھتے ہوئے عماد الملک کی سفارشوں کو نہ مانے گا۔ اور دوسروں کے لئے ایک سبق مہیا کرنے کی خاطر اس کو ضرور کیفر کردار کو پہنچائے گا۔ اس پیغام سے فولاد کا خون خشک ہو گیا اور اپنے معاہدہ پر شرمندہ ہوا۔ دوسرے اس کے پاس تمام اسلحہ جات اور قلعہ داری کا سامان موجود تھا۔ للذا اسے بادشاہ سے جنگ کرنے میں کوئی مضائقہ نظر نہ آیا اور عماد الملک کو نامراد واپس آنا پڑا۔ کیونکہ قلعہ پترہندہ کو فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ بادشاہ نے عماد الملک کو تو ملتان جانے کی اجازت دے دی اور اسلام خاں' لودھی کالی خاں رائے فیروز وغیرہ کو پترہندہ کے قلعہ کے محاصرہ کے لئے بھیجا۔ خود بھی پترہندہ پہنچا اور امراء کو ان کی جگہوں پر متعین کر کے خود ملتان چلا آیا۔ ان امراء نے قلعہ فتح کرنے کی بہت کوشش کی اور نزدیک تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے کیونکہ فولاد خاں بہت عاجز آ گیا تھا۔ اس نے بے حد پریشان ہو کر اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کی یہی ترکیب سوچی کہ امیر شیخ علی کابل کے حاکم سے مدد حاصل کرے۔ اس نے اپنے چند خیر خواہوں کو خاطر خواہ رقم دینے کا وعدہ کر کے کابل کی طرف روانہ کیا۔ مبارک شاہ نے پہلے ہی اپنے باپ کی روایات کہنہ کو قائم نہ رکھتے ہوئے شاہرخ کے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا تھا للذا امیر شیخ کابل سے فوراً چل پڑا اور کھکھروں کی فوج بھی اس سے راستہ میں مل گئی۔ اس نے دریائے بیاس کو پار کیا اور ان امراء کی جاگیریں تباہ و برباد کرنا شروع کر دیں جو پترہندہ کے قلعہ کے محاصرہ میں مصروف تھے آگے بڑھ کر پترہندہ کے نواح میں آ گیا۔ امراء نے اس کی آمد کی خبر سنتے ہی محاصرے سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا اور اس سے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر اپنی اپنی جاگیروں پر چلے گئے۔ فولاد باہر نکلا اور دو لاکھ تنگہ زریں امیر شیخ کی خدمت میں پیش کیا اور اپنے بال بچوں کو بھی اس کی امان میں دے دیا اور خود قلعہ کو اور زیادہ پائدار بنانے کی کوشش کرنے لگا۔

دریائے ستلج کو پار کر کے امیر شیخ علی نے خوب لوٹ مار قتل و غارتگری شروع کی اور جتنی رقم اس کو فولاد نے دی تھی اس کی ۱۰۰ سو گنی مالیت کی رقم لوٹ مار سے حاصل کر کے اپنے بھوکے سپاہیوں کو مطمئن کیا اور پھر لاہور کی طرف چلا۔ ملک سکندر نے اپنی سالانہ رقم امیر شیخ علی کو دی اور اس بلائے بے درماں سے نجات حاصل کی۔ شیخ علی لاہور سے دیپالپور چلا اور ہر آباد جگہ کو ویران اور برباد کرتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کے ہاتھوں تقریباً چالیس ہزار بے گناہ غیر مسلم قتل ہوئے اور بہتوں کو پکڑ کر لونڈی غلام بنا لیا۔ اس کا اب کوئی حریف نہ

آگ کو ٹھنڈا کرنا چاہا قصبہ ملنبہ (۵) تک آیا۔ امیر علی جنگ سے الگ ہو کر پھر خطیب پور پہنچا۔ اسی عرصہ میں بادشاہ نے حکم دیا کہ عماد الملک ملنبہ سے فوراً ملتان پہنچ جائے۔ عماد الملک ملتان پہنچا ادھر امیر شیخ نے دریائے راوی کو پار کیا اور دریائے جہلم کے معمولی پرگنوں کو تباہ کرکے ملتان سے دس کوس کے فاصلہ پر پہنچ گیا۔ عماد الملک نے بہلول لودھی جو اسلام خاں کا چچا تھا اس کو امیر شیخ کی تنبیہہ کے لئے بھیجا۔ راستہ میں دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا اور ایک عظیم جنگ کے بعد اسلام خاں ہار گیا اس کے بہت سے لشکری مارے گئے۔ اور کچھ بکھر گئے اور جہاں سینگ سمائے وہیں جا کر پناہ لی۔ خود عماد الملک بہت دور جا کر خیر آباد میں پناہ گزین ہوا۔ چوتھی رمضان کو دوسرے دن شیخ علی خیر آباد پہنچ گیا۔ عماد الملک نے شہر کے پیادوں کو قلعہ سے باہر چلے جانے کا حکم دے دیا تاکہ وہ شیخ علی کے لشکر سے چھیڑ چھاڑ کریں۔ اس دن شیخ علی کو ناکامی ہوئی اس نے عرصہ دراز تک برابر حملے کیے اور بے گناہ کابلیوں کی جانیں تلف کرتا رہا۔

فتح خاں کی موت

یہ تمام خبریں مبارک شاہ کے کانوں میں پہنچیں اور فتح خاں بن مظفر خاں گجراتی کو زیرک خاں' ملک کالو داروغہ فیل خانہ' ملک یوسف کمال اور رائے بھورا جیسے قابل اعتماد امراء کے ساتھ عماد الملک کی مدد کے لئے بھیجا چھبیس شوال کو یہ لوگ ملتان کے نزدیک پہنچے۔ عماد الملک کو ان لوگوں کی آمد کی خبر سن کر ذرا تقویت ہوئی اور وہ کابلی امیر کے مقابلہ میں صف آرا ہو گیا۔ فتح خاں اس جنگ میں مارا گیا مگر مبارک شاہ کی فوج کی فتح ہوئی اور امیر شیخ ہار کر بھاگ گیا اس کے بہت سے سپاہی قتل ہو گئے اور باقی ماندہ سپاہی دریائے جہلم میں ڈوب کر مر گئے۔ امیر شیخ نے ہندوستان میں جو لوٹ مار کرکے مال متاع نقد و جنس جمع کی تھی وہ سب تباہ و برباد ہو گئی اور وہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کابل واپس چلا گیا۔ عماد الملک اور اس کے ساتھیوں نے قلعہ سیور (٦) تک اس کا پیچھا کیا پھر وہاں سے ملتان واپس آگئے۔ شیخ علی نے اپنے بھتیجے ملک مظفر کو اسلحہ جات اور فوج سے آراستہ کرکے قلعہ سیور کی حفاظت کے لئے چھوڑا اور خود کابل چلا گیا۔ مبارک شاہی امراء جو عماد الملک کی کمک کے لئے گئے تھے سب دہلی واپس آ گئے۔ مبارک شاہ کو عماد الملک کی طرف سے بھی شک ہوا کیونکہ اب اس نے بہت زیادہ اقتدار حاصل کر لیا تھا لہٰذا اس نے دیگر امراء کے ساتھ اس کو بھی دہلی بلا لیا۔

ادھر جیرت نے بھی پھر جب موقع دیکھا تو وہ ۸۳۵ھ ربیع الاول کے مہینہ میں دریائے جہلم' راوی اور بیاس کو پار کرتا ہوا جالندھر جا پہنچا۔ ملک سکندر تحفہ جو کسی خاص کام سے لاہور گیا ہوا تھا واپس آیا اور اپنی فوج کو آراستہ کیا اور جیرت سے برسرپیکار ہوا۔ میدان جنگ ہی میں ملک سکندر کا گھوڑا ایک دلدل میں پھنس گیا اور وہ زندہ گرفتار ہو گیا۔ اس کا تمام نقد و مال و متاع بھی جیرت کے ہاتھ لگا اور اس نے لاہور پہنچ کر فوراً ہی شہر کا محاصرہ کر لیا اور قلعہ کے انتظام و امور میں مشغول ہو گیا۔ جیرت کی تجویز کے مطابق شیخ علی تو انتقام لینا ہی چاہتا تھا لہٰذا یہ بھی کابل سے چل کر ملتان پہنچ گیا اور اس نے قصبہ ملنبہ کو گھیر لیا اگرچہ اس قصبہ پر قبضہ کرتے وقت کسی طرح کا لڑائی جھگڑا نہیں ہوا' لیکن پھر بھی بہت سے لوگ تلوار کے گھاٹ اتارے گئے اور کتنے ہی لونڈی غلام گرفتار کر لئے گئے قلعہ کو مسمار کرکے زمین کی سطح کے برابر کر دیا گیا اسی عرصہ میں فولاد خاں بھی پترہندہ سے آ گیا۔ اور سائے فیروز کی راجدھانی پر دھاوا کرکے رائے کو موت کے گھاٹ اتارا۔ مبارک شاہ کو یہ تمام باتیں معلوم ہوئیں اور ۸۳۵ھ میں اس نے سرخ رنگ کا شاہی سراپردہ لاہور اور ملتان بھیجا اور اپنے وزیر ملک سردار الملک کو بلوا کر سپہ سالار مقرر کیا اور اس کو ملتان بھیج دیا۔ اس کی آمد کی خبر سنتے ہی جیرت پائین قلعہ سے بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپا۔ امیر شیخ بھی کابل چلا گیا اور فولاد غلام بھی پترہندہ جا پہنچا۔ اب بادشاہ نے لاہور کی سلطنت سے ملک اشرف سردار الملک کو ہٹا کر نصرت خاں گرگ انداز کو وہاں کی حکمرانی دے دی اور خود جمنا ندی کے ساحل کے نزدیک ہی ایک جگہ پر اپنی فوج کے ساتھ ایک عرصہ تک ٹھہرا رہا۔ بادشاہ نے عماد الملک کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ باغی زمینداروں کی سرکشی ختم کرنے کے لئے بیانہ اور گوالیار بھیجا۔

ملک اشرف' سرور الملک' اسلام خاں اور زیرک خاں وغیرہ نامی امیروں کو قلعہ پترہندہ فتح کرنے کے لئے بھیج کر بادشاہ خود دہلی واپس چلا گیا- ۸۳۵ھ میں ذی الحجہ کے مہینے میں جیرت نے لاہور میں پھر داخل ہونے کی ہمت کی اور نصرت خاں کے مقابلہ پر آیا' مگر شاہی فوج کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور خوفزدہ ہو کر اپنے ملک چلا گیا- ۸۳۶ھ میں مبارک شاہ نے پھر پترہندہ پر حملہ کیا اور فتنہ و فساد کو ختم کرنا چاہا- وہ دہلی سے سمانہ جا پہنچا راستہ میں اپنی والدہ مخدومہ جہاں کے انتقال کی خبر سنی لہٰذا تنہا واپس لوٹ آیا اور ان کی تجہیز و تکفین سے فراغت حاصل کرکے پھر اپنی فوج سے آ کر مل گیا' لیکن اب اس نے پترہندہ کی مہم کا خیال دل سے نکال دیا اور میوات کی طرف بڑھا- لاہور اور جالندھر کی صوبہ داری سے نصرت خاں کو الگ کرکے الہ داد لودھی کو لاہور کا حکمران بنا دیا- جیرت نے بادشاہ کو پترہندہ کی مہم یوں معرض التوا میں ڈالتے دیکھ کر پھر جسارت کی اور نصرت خاں سے جالندھر چھین لیا- اس کے بعد الہ داد لودھی کے ساتھ معرکہ آرا ہوا وہ اس مہم میں کامیاب ہوا- اب جیرت کی اس حرکت سے سوئے ہوئے فتنے بیدار ہو گئے- مبارک شاہ نے ادھر میوات میں جلال الدین سے لگان کی بقایا رقوم اور نذرانے وغیرہ حاصل کرکے دہلی مراجعت کی-

امیر شیخ کا حملہ

اسی دوران میں امیر شیخ کے حملہ کی پھر اطلاع ہوئی اور معلوم ہوا کہ یہ کابلی امیر فولاد خاں کی مدد کے لئے آ رہا ہے- لہٰذا مبارک شاہ نے بدرجہ مجبوری دوبارہ پنجاب کا رخ کیا- ۸۳۶ھ میں دہلی سے چل کر سب سے پہلے ان امراء کو عماد الملک کی مدد کے لئے بھیجا جو پترہندہ کے محاصرہ میں مشغول تھے- امیر شیخ کے سپاہی عماد الملک کا نام سن کر لرزہ براندام ہو جاتے تھے لہٰذا انہوں نے پترہندہ کا ارادہ ترک کر دیا اور لاہور کی طرف چلے- ادھر ملک یوسف اور ملک اسمٰعیل جو مبارک شاہ کی طرف سے لاہور کے حکمران تھے انہیں شہر کے لوگوں کی مخالفت کی اطلاع ہوئی اور وہ راتوں رات شہر چھوڑ کر لاہور سے دیپالپور پہنچ گئے- شیخ امیر نے ان دونوں امراء کے پیچھے اپنی فوج کا ایک دستہ بھیجا- کابلی سپاہیوں نے بہت سے شاہی سپاہیوں کو پکڑ لیا اور بہتوں کو نظربند کر دیا- امیر شیخ نے حصار لاہور پر قبضہ کرکے قتل و غارت گری میں کوئی کمی نہ کی اور لاہور کے قلعہ میں جہاں جہاں مرمت کی ضرورت تھی اس کو درست کرایا اور قلعہ کو دو ہزار سپاہ کے حوالہ کیا- قلعہ کے تمام امور کو باقاعدہ منظم کرکے خود دیپالپور چلا گیا-

اب ملک اسمٰعیل اور ملک یوسف جو پہلے سے بھاگ کر دیپالپور میں چھپے ہوئے تھے انہوں نے اب امیر شیخ کا ارادہ معلوم کرکے دیپالپور چھوڑنا چاہا مگر عماد الملک نے منع کر دیا اور سرہند سے اپنے بھائی کو ان دونوں امراء کی کمک کے لئے بھیج دیا- امیر شیخ کو ایک بار شکست کا چرکہ لگ چکا تھا لہٰذا وہ دیپالپور سے بھاگ گیا اور دیپالپور و لاہور کے تمام درمیانی قصبوں پر اپنا قبضہ جما لیا- اسی عرصہ میں بادشاہ تلونڈی پہنچا اور حکم دیا کہ عماد الملک اور اسلام خاں پترہندہ سے آکر شاہی ملازمت اختیار کر لیں اور باقی دیگر امراء پترہندہ کے قلعہ کو گھیرے رہیں- امیر شیخ نے جیسے ہی سنا کہ بادشاہ بہ نفس نفیس تشریف لایا ہے وہ دریائے جہلم کو عبور کرکے سیور کے قلعہ میں اپنے بھتیجے کو چھوڑ کر خود کابل روانہ ہو گیا- ملک سکندر تحفہ جس نے اپنی جان کی امان پانے کے لئے جیرت کو رقم کثیر دی تھی مبارک شاہ نے اس کو شمس الملک کا خطاب دے کر دیپالپور' جالندھر اور لاہور کا حاکم بنا دیا- شمس الملک ایک بہت بڑی فوج لے کر لاہور پہنچا اور امیر شیخ کے سپاہیوں نے اس کی اطاعت قبول کی اور شیخ قلعہ شمس الملک کے حوالہ کرکے خود کابل چلا گیا- بادشاہ نے ملتبہ کے کنارہ جا کر دریائے راوی کو پار کیا اور سیور کو گھیر لیا ایک مہینہ تک تو مظفر خاں نے دشمن کے غلبہ سے بچنے کی کوشش کی اور مقابلہ کرتا رہا' لیکن مجبور ہو کر اپنی بیٹی اور ایک بڑی رقم بادشاہ کو نذر کرکے وہ سیور سے واپس چلا آیا-

بادشاہ نے اپنی فوج کو تو دیپالپور کے گرد و نواح میں چھوڑ دیا اور خود اپنے چند خاص درباریوں کے ساتھ ملتان چلا آیا اور یہاں اولیائے

سے لے کر عماد الملک کو دے دیا اور خود دہلی چلا گیا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اشراف اور وزارت کے دونوں عہدے سنبھالنا اکیلے سرور الملک کے بس کا کام نہیں ویسے بھی بادشاہ کو سرور الملک پر زیادہ اعتماد نہ تھا لہٰذا بادشاہ نے اشراف کا عہدہ ملک کمال الدین کو دے کر یہ کہہ دیا کہ اب دونوں امراء باہم ملک میں جو ریشہ دوانیں اور جنگیں ہو رہی ہیں ان کو فرو کرنے کی سعی کریں۔ ملک کمال الدین چونکہ بہت سنجیدہ' تجربہ کار اور بااخلاق امیر تھا اس لئے صاحب اختیار ہو کر اس نے بہت قوت حاصل کر لی۔ اب سرور الملک چونکہ اس کے مقابلہ میں اپنے آپ کو کم رتبہ محسوس کرنے لگا تھا اور جاگیروں میں بھی تغیرات ہو گئے تھے۔ لہٰذا وہ بہت بد دل ہو گیا اور بغاوت پر آمادہ ہوا۔ اس نے کانکو کھتری کے بیٹے سدران اور گنجو کھتری کے بیٹے سدپال کو اپنے ساتھ بادشاہ کے خلاف سازش میں ملا لیا۔ اس کے علاوہ حاجب خاص قاضی عبد الصدر اور میراں صدر نائب عارض الملک کو بھی ساز باز کر کے بھڑکایا اور اپنا ہم نوا بنا لیا۔ یہ سب بادشاہ کے مخالف ہو کر بغاوت کرنے کے لئے موقع کی تلاش میں رہے۔

مبارک آباد کی بناء

اسی عرصہ میں ۸۳۷ھ میں مبارک شاہ نے ایک نئے شہر کی ربیع الاول کی سترہ تاریخ کو بنیاد ڈالی اور اس کا نام مبارک آباد رکھا۔ بعد ازاں شکار کھیلنے کے لئے سرہند کی طرف چلا گیا اور بہت کم مدت ہی میں بادشاہ نے آس پاس کے لوگوں کو اپنا اطاعت گزار بنا لیا۔ اسی دوران میں بادشاہ کے حضور میں پترہندہ کا فتحنامہ اور فولاد غلام کا سر پیش کیا گیا۔ یہ خبر سن کر بادشاہ مبارک آباد آیا اور یہاں آ کر اس نے سنا کہ سلطان ابراہیم شرقی اور سلطان ہوشنگ دونوں کالپی پر اپنا قبضہ جمانے کے لئے صف آرا ہیں۔ سلطان مبارک شاہ نے جو مشرقی ممالک کی فتح کا خواہشمند تھا اس موقع کو غنیمت جانا اور فوج کو جمع ہونے کا حکم دے دیا۔ اور یہ فرمان جاری کیا کہ سراپردہ شاہی بطور نشان اعلان جنگ دہلی سے باہر سیرگاہ کے نزدیک چبوترہ پر لگا دیا جائے۔ چند دن فوج کو جمع ہونے میں لگ گئے بادشاہ کا برتاؤ تمام امراء سے بہت اچھا تھا۔ علاوہ جاگیروں میں کچھ تبدیلی کے سوا بادشاہ نے اور کوئی برا سلوک کسی سے نہ کیا تھا۔ سرور الملک کی طرف سے بھی بادشاہ کو کافی اطمینان ہو گیا تھا یہ سب بے تکلفی کے ساتھ بادشاہ کے ہمراہ سیر و تفریح اور شکار کے لئے جاتے تھے۔

مبارک شاہ کا قتل

۹ رجب ۸۳۷ھ کو بادشاہ حسب سابق چند خاص درباریوں کے ساتھ مبارک آباد گیا اور عمارتوں کی سیر و تفریح کر کے جمعہ کی نماز کے لئے تیاری کرنے لگا۔ اس وقت اس کے نمک خوار غلاموں نے نمک حرامی کی اور یہ جماعت جس میں میراں صدر اور قاضی عبد الصدر اور کانکو کا بیٹا سدران شامل تھا یہاں آئے۔ ہندوؤں کی ایک مسلح جماعت کے ساتھ میراں صدر اور قاضی الصدر تو اندر چلے گئے اور سدران مع کچھ لوگوں کے باہر رہا تاکہ کوئی باہر نہ نکل سکے۔ بادشاہ نے ان لوگوں کو ہتھیار بند دیکھا مگر اس کے دل میں کوئی برا خیال نہ گزرا اور وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھا رہا۔ یہ لوگ بادشاہ کے نزدیک پہنچے اور سدپال نے تلوار کھینچ کر ماری اور بادشاہ کے سر پر کاری ضرب لگی اور اس کے ساتھ ہی دوسرے ہمراہیوں نے بادشاہ پر پے در پے کئی وار کیے جس سے بادشاہ شہید ہو گیا۔ افسوس کہ اس موذی جماعت نے ایک مدبر اور منصف مزاج بادشاہ کو ختم کر دیا۔ میراں صدر کی یہ جرات کہ بادشاہ کی خون میں بھری ہوئی لاش وہیں رہنے دی اور خود فوراً سرور الملک کے پاس گیا اور کہا کہ وعدے کے مطابق میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ سرور الملک نے تو محمد شاہ کو بادشاہ بنانے کا منصوبہ پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ سلطان مبارک شاہ اچھا اور کامیاب حکمران تھا اس نے تیرہ سال تین مہینے اور سولہ دن تک حکومت کی۔ یہ نہایت ہی عقلمند اور بااخلاق تھا اس نے اپنے عہد حکومت کے پورے عرصہ میں اپنے منہ سے کوئی بد کلمہ نہ نکالا۔ کبھی کسی کو گالی تک نہ دی' مکروہات سے بہت دور بھاگتا تھا' سلطنت کے سارے کاموں کو خود سرانجام دیتا اور خود ان کی تحقیق کرتا تھا' ذمہ داری کا کام امراء پر کبھی نہ چھوڑتا اور "تاریخ مبارک شاہی" اسی نامی گرامی بادشاہ کے نام سے مشہور ہے۔

حوالہ جات

۱- عارض اور بخشی سے مراد معتمد فوج ہوتا ہے- مگر یہ عہدہ دار خود بھی فوج کے سپہ سالار ہوتے تھے-

۲- غالباً اس سے فیروزپور جھرکہ مراد ہے- جو میوات میں ہے اور الور سے پچاس ساٹھ میل دور اور شمال کی جانب واقع ہے-

۳- پترہندہ سے ہر جگہ بٹھنڈہ مراد ہے-

۴- توپ و تفنگ کے استعمال کرنے کی روایت کسی اور تاریخ میں موجود نہیں نویں صدی ہجری کے آغاز میں اس کا استعمال خلاف قیاس ہے- جدید اسلحہ جات اس وقت کہاں استعمال کیے جاتے تھے-

۵- طلنبہ کی بجائے یہاں پر "تلنبہ" ہونا چاہیے-

۶- یہاں لفظ "شور" چاہیے- جس کی تاریخی اہمیت کی وجہ اور قلعہ کی شہرت کی بنا پر یہ جگہ شورکوٹ کہلاتی ہے- یہ مقام ضلع جھنگ کے نزدیک واقع ہے-

محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں

محمد شاہ کی تخت نشینی

دنیا کا دستور ہی یہی ہے کہ ملک بغیر بادشاہ کے نہیں رہ سکتا لہٰذا مبارک شاہ کے شہید ہوتے ہی اسی دن محمد شاہ تخت دہلی پر بیٹھا۔ سرور الملک جیسے نمک حرام امیر کو خاں جہانی کا لقب دیا اور اسے مبارک شاہی خزانے' فیل خانے اور قور خانے (۱) کا حاکم بنا دیا گیا۔ اس کے بعد سرور الملک اس کوشش میں لگ گیا کہ پرانے نمک خواروں اور وفادار امیروں کو ختم کرکے ان کی جگہ نئے امراء اپنی مرضی کے مطابق مقرر کرے اور پھر محمد شاہ کو بھی ختم کرکے پھر اسے سلطان مبارک شاہ کے پاس ہی آرام کی نیند سلا دے اور خود دہلی کا حکمران بن جائے۔ کمال الملک اور مبارک شاہ کے دوسرے نہایت وفادار امراء جو سراپردہ شاہی کے پاس خیمہ ڈالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ سب مجبوراً محمد شاہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے آئے اور بظاہر اس کے مطیع ہو گئے' مگر ان کے دلوں میں اپنے آقائے قدیم کی محبت موجزن تھی۔ انہوں نے مبارک شاہ کے بیگناہ خون کا بدلہ لینے کا پکا ارادہ کر لیا۔

سرور الملک ادھر اپنے کام میں لگ گیا اور مبارک شاہ کے قاتلوں سدپال اور سدھارن کو بیانہ' نارنول' امروہہ' کہرام اور دوسرے چند پر گنے عطا کیے۔ میراں صدر کو معین الملک کا لقب دیا اور جاگیر دی۔ سید سالم کے بیٹے کو خان اعظم سید خاں کا خطاب دیا اور بہت سے زرخیز ملک اور جاگیریں عطا کیں تاکہ وہ سرور الملک سے خوش رہے۔ سب سے زیادہ قابل نفریں حرکت یہ کی کہ مبارک شاہ کے وفادار امراء کو محمد شاہ سے بیعت لینے کے بہانہ اندر بلا کر بہتوں کو قتل کر دیا اور بہتوں کو نظر بند کر دیا گیا۔ اور ان کی جاگیروں اور مال و متاع پر قبضہ کر لیا۔ نیز اپنے غلام رانوشہ کو سامانہ بھیجا تاکہ وہ خراج وصول کرکے لائے۔

رانوشہ محرم کی (۱۲) بارہ تاریخ کو سامانہ پہنچا اور قلعہ پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا' مگر جیسے ہی اس کا ارادہ یوسف خاں اوحدی کو معلوم ہوا وہ فوراً سامانہ پہنچ گیا دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی۔ رانوشہ نے یوسف کے بال بچوں کو قید کر لیا اور اسی وقت پھر ملک چمن حاکم بدایوں' ملک الہ داد لودھی حاکم سنبھل' ملک امیر علی گجراتی' اور کنک ترک بچہ وغیرہ سب سے مل کر کھلم کھلا مخالفت کا اعلان کر دیا۔ اب سرور الملک نے خان اعظم سید خاں' سدارن اور اپنے بیٹے یوسف کو کمال الملک کے ساتھ مبارک شاہی امراء کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اس وقت کمال الملک نے چاہا کہ اس کے بیٹے یوسف اور سدارن کو قتل کرکے آقا کے خون کا بدلہ لے۔ ملک الہ داد کو کمال الملک کا ارادہ معلوم ہو گیا۔ لہٰذا وہ اہار (۲) ہی میں ٹھہرا رہا اور اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھا۔

ملک سرور الملک پر بھی کمال الملک کا ارادہ ظاہر ہو گیا اور اس نے اپنے ایک غلام ملک ہشیار کو کمال الملک کے پاس کمک کے بہانہ سے ایک لشکر عظیم کے ساتھ روانہ کر دیا۔ اس کا مقصد تھا کہ ہشیار کمال الملک کے پاس پہنچ جائے اور یوسف کی مدد کرے۔ اسی عرصہ میں ملک چمن ملک الہ داد کے پاس پہنچا۔ سدارن اور ہشیار جو کمال الملک سے بہت ڈرتے تھے دونوں رات کے وقت دہلی فرار ہو گئے۔ کمال الملک کو ان کے بھاگنے کی اطلاع ہوئی اور اس نے فوراً آدمی بھیج کر ملک الہ داد اور ملک چمن کو بلایا یہ دونوں وفادار امیر فوراً ہی آ گئے۔ ان کے علاوہ دوسرے وفادار امراء بھی ملک کمال کے پاس اکٹھا ہو گئے اور یکم رمضان کو کمال ایک لشکر عظیم کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھا۔ خاں جہاں ملک سرور الملک قلعہ سیری میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ مسلسل تین مہینہ تک آویزش جاری رہی گرد و نواح کے امراء کمال الملک کے پاس جمع ہوتے گئے۔ فوج کی تعداد بڑھتی گئی اور اہل قلعہ پر روز بروز سختیاں بڑھتی گئیں۔ ادھر محمد شاہ بادشاہ بھی سرور الملک کی غداری

کا خوب نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا لہٰذا وہ اس موقع کی تاک ہی میں تھا کہ کسی طرح یا تو وہ خود جا کر کمال الملک سے مل لے' یا پھر سرور الملک کو کسی طرح تہ تیغ کرے۔ سرور الملک کو بادشاہ کی نیت کا حال معلوم ہو گیا اور اس نے ہی پہل کرنے کا ارادہ کر لیا۔

سرور الملک کا قتل

آٹھ محرم ۸۳۸ھ کو میراں صدر کے فرزندوں اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ سرور الملک بادشاہ کو قتل کرنے کے ارادے سے چلا اور سراپردہ شاہی میں داخل ہوا' مگر بادشاہ اپنی حفاظت میں مبارک شاہ کی طرح کبھی غفلت نہ کرتا تھا بلکہ محافظوں کو ہر وقت ساتھ رکھتا تھا۔ لہٰذا جیسے ہی سرور الملک اندر داخل ہوا اس کو بادشاہ کے درباریوں نے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ وہ شاہی درباریوں سے جان چھڑا کر بھاگنا ہی چاہتا تھا' کہ اس پر درباریوں نے بھرپور وار کیا اور اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ میراں صدر کے بیٹوں کو بھی کیفر کردار کو پہنچایا گیا۔ سرور الملک کے دوسرے خیر خواہ ان واقعات کے بعد اپنے اپنے گھروں میں اس غرض سے ہتھیار بند ہو کر بیٹھ رہے کہ سرور الملک کے خون کا بدلہ لیں گے۔

بادشاہ نے ان حالات سے کمال الملک کو آگاہ کیا اور اس کو فوراً اپنے پاس بلا بھیجا۔ کمال الملک اور بداؤں کا حاکم صدر دروازے سے شہر میں داخل ہوئے ادھر سدپال نے اپنی جان خطرے میں دیکھ کر ہندو رسم و رواج کے مطابق گھر میں چتا روشن کی اور اپنے بال بچوں کو اس دھکتی آگ میں ڈال کر ختم کر دیا۔ خود دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے کمر بستہ ہو گیا بعد ازاں لڑتے لڑتے قید ہو گیا۔ پھر سلطان مبارک شاہ شہید کے مقبرے کے نزدیک اسے قتل کر دیا گیا۔ ملک ہشیار اور ملک مبارک وغیرہ جو سرور الملک کے خیر خواہ تھے انہیں بھی لعل دروازے کے پاس قتل کیا گیا۔ جب سرور الملک کے دوسرے بہی خواہوں نے اپنے اپنے گھروں میں بادشاہ کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا اور لڑنے جھگڑنے پر تیار ہو کر بیٹھ گئے تو بادشاہ نے حکم دے دیا کہ بغدادی دروازہ کو کھول دیا جائے۔ اور کمال الملک نیز سلطنت کے دوسرے خیر خواہوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی جائے۔ لہٰذا کمال الملک اور دوسرے امراء اندر آئے اور آتے ہی باہمی آویزش اور سرکشی کو ختم کیا۔ دشمنوں کو تہ تیغ کر کے بادشاہ کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کی۔ کمال الملک کمال خاں کے خطاب سے سلطنت کا وزیر بنا دیا گیا۔ ملک چمن کو غازی الملک کا لقب عطا ہوا' ملک الہ داد لودھی نے خود کوئی خطاب لینا پسند نہ کیا' مگر اپنے بھائی کو دریا خاں کا لقب دلایا۔

جاگیریں اور عہدے

خان اعظم کو سید خاں مجلس عالی کا لقب ملا اور یوں وہ اپنے ہم سروں سے ممتاز ہو گیا۔ حاجی صندلی المشہور بہ حسام خاں کو کوتوال شہر بنا دیا گیا اور وہ اپنی جاگیر کا حسب سابق مالک رہا۔ سلطان محمد شاہ کو اب دہلی کی ریشہ دوانیوں سے فراغت حاصل ہوئی اور وہ سیر و تفریح کے ارادے سے نکلا اور ملتان کی طرف چلا یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا۔ بادشاہ مبارکپور میں ٹھہرا اور تمام امراء کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ بعض امراء آنے میں پس و پیش کر رہے تھے کہ عماد الملک کی آمد کی خبر سن کر سب حاضر ہو گئے۔ فوج کے بعض سردار مثلاً اسلام خاں لودھی' یوسف خاں اوحدی' اقبال خاں وغیرہ بادشاہ کے ملازم ہو گئے بادشاہ نے انہیں خلعت شاہانہ سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد بادشاہ اولیائے کرام کے مزاروں پر زیارت کرنے چلا اس سے فرصت پا کر اس ملک کا تمام انتظام اپنے ایک قابل سیاستدان امیر کے ہاتھ میں دیا اور خود دہلی واپس چلا گیا

مہمات

۸۴۰ھ میں بادشاہ سامانہ کی طرف چلا جسرت کھکھر کے ملک پر چڑھائی کی۔ سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس کی راجدھانی کو تہ و بالا کر دیا جائے۔ اس کے بعد مطمئن ہو کر دہلی چلا آیا وہ یہاں عیش پرستی میں ایسا مصروف ہوا کہ دنیا کی خبر نہ رہی اس کا اثر امور سلطنت پر بہت برا پڑا۔

لاہور سے لے کر پانی پت تک کے تمام مقامات پر بادشاہ کے حکم کے بغیر قبضہ کر لیا۔ محمد شاہ نے جیسا کہ آئندہ اوراق میں مفصل طور بتایا جائے گا اس کی سرکشی کو ختم کرنے کے لئے حسام خاں کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ حسام خاں ہار کر دہلی واپس آگیا۔ بہلول لودھی نے کہا کہ اگر حسام الدین خاں قتل کر دیا جائے تو وہ اطاعت شاہی قبول کر لے گا۔ یہ سن کر بادشاہ نے حسام خاں کو قتل کرا دیا اور حمید خاں کو وزیر مقرر کیا اور ایک دوسرے آدمی کو حسام خاں کا لقب دے کر نائب وزیر بنا دیا۔ گرد و نواح کے امراء بادشاہ کی قوت کو گھٹتے ہوئے دیکھ کر خود مختاری کے خواب دیکھنے لگے۔ زمینداروں نے مقررہ لگان اور خراج کی رقم دینے سے انکار کر دیا۔ ادھر بادشاہ نے سرکشوں اور باغیوں کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر نہ کی اس لاپرواہی کا برا نتیجہ نکلا اور یہ زہریلے عناصر سارے ملک میں پھیل گئے بہت سے پرگنوں پر ابراہیم شرقی نے قبضہ کر لیا۔

سلطان محمود خلجی کا حملہ

۸۴۴ھ میں سلطان محمود مالوی نے دہلی پر حملہ کرنے کا خواب دیکھنا شروع کر دیا اسے پورا کرنے کے لئے شہر سے دو کوس کے فاصلہ پر اپنے خیمے نصب کیے۔ محمد شاہ بہت پریشان ہو گیا اور اس نے بہلول لودھی کے پاس پیامبر بھیجا اور اس کو مدد کے لئے فوراً بلایا۔ ملک بہلول بیس ہزار ہتھیار بند فوجیوں کے ساتھ دہلی پہنچا۔ محمد شاہ کی فوج حالانکہ بہت زیادہ تھی اور کافی مدد حاصل ہو گئی تھی پھر بھی یہ خود میدان جنگ میں نہ آیا بلکہ اپنے امراء کو دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ میں بھیج دیا۔ ملک بہلول کی سرکردگی میں مغل اور افغان تیراندازوں کی فوج معرکہ آرا ہوئی۔ سلطان محمود کو جب معلوم ہوا کہ بادشاہ بہ نفس نفیس جنگ میں شامل نہیں ہوا تو وہ خود بھی نہ گیا۔ اور اپنے بیٹوں غیاث الدین اور قدر خاں کو دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیج دیا۔ فریقین میں شام تک معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ بہلول نے اپنی جانبازی اور بہادری سے دشمن کے پاؤں میدان جنگ میں نہ جمنے دیئے۔

سلطان محمود خلجی نے اسی رات ایک بہت خوفناک خواب دیکھا اور سویرے اٹھ کر یہ سنا کہ سلطان احمد شاہ گجراتی سندھ کی جانب آ رہا ہے یہ سن کر محمود شاہ نے صلح کرنا چاہی مگر ذلت و رسوائی کی وجہ سے صلح کا لفظ منہ سے نہ نکال سکا۔ اس سلسلہ میں محمد شاہ بادشاہ نے ایک ایسا کام کیا جس کی مثال کسی بادشاہ کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس نے بغیر کسی امیر سے مشورہ کیے ہوئے اور بغیر کسی سبب کے خود ہی فضول توہمات کا شکار ہو کر چند مذہبی لوگوں کی ایک جماعت کو محمود شاہ کے پاس صلح کے لئے بھیج دیا۔ سلطان محمود تو خود ہی یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح صلح کا لفظ درمیان میں آ جائے لہذا اس نے صلح کرنے کی ذمہ داری محمد شاہ کے سر تھوپی اور خود میدان چھوڑ کر چلا گیا۔ بہلول نے بادشاہ کی اس عاقبت نا اندیشی پر بہت پیچ و تاب کھایا اور دشمنوں کا تعاقب کیا۔ اس نے بہتوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور بیشمار مال و اسباب پر قبضہ کر لیا۔ الغرض اس طرح بہلول نے لشکر شاہی کی لاج رکھ لی بادشاہ بہلول لودھی سے بہت خوش ہوا۔ اس کو اپنے بیٹے کی طرح سمجھنے لگا اسے خان خاناں کے لقب سے سرفراز کیا مگر یہی صلح کی درخواست بادشاہ کے زوال کا باعث ہوئی۔ محمد شاہ کی کوئی عزت و تعظیم عوام کی نگاہوں میں نہ رہی۔ ۸۴۵ھ میں محمد شاہ سامانہ چلا گیا۔ بہلول کو دیپالپور اور لاہور کا حکمران بنا دیا نیز اس کو حکم دیا کہ جیرت ککھر کو تہ تیغ کرے۔ بہلول نے لاہور میں ایک مستحکم حکومت قائم کر لی بہت سے افغان اس کے پاس جمع ہو گئے۔ جیرت بھی بہلول کے بہی خواہوں میں شامل ہو گیا اور اس کو بھڑکایا کہ وہ تخت دہلی کا حکمران بننے کی کوشش کرے۔ اس ترغیب سے ملک بہلول کے سر میں بھی دار السلطنت پر حملہ کرنے کا سودا سما گیا۔ اس نے بڑے کر و فر سے محمد شاہ کو نیچا دکھانے کے لئے دہلی پر حملہ کر دیا اور اس شہر کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا، مگر بہلول کا یہ دھاوا بالکل بیکار گیا۔ بادشاہ کی حکومت بہت کمزور ہونے لگی حتیٰ کہ وفادار خیر خواہ امراء بھی بادشاہ کی نافرمانی کرنے لگے۔ بیانہ کے زمیندار باغی ہو کر سلطان محمود خلجی سے مل گئے۔

محمد شاہ کا انتقال

اسی دوران میں محمد شاہ سخت بیمار پڑ گیا اور ۸۴۹ھ میں اس نے جہان فانی سے کوچ کیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا علاؤ الدین تخت پر بیٹھا۔ محمد شاہ نے تقریباً بارہ سال اور چند مہینے حکومت کی۔

حوالہ جات

۱۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں اسلحہ جات رکھے جاتے تھے اور فوج کا دفتر ہوتا تھا۔
۲۔ اہار بلند شہر کے نزدیک ایک بہت مشہور تاریخی قصبہ ہے۔

سلطان علاؤ الدین بن سلطان محمد شاہ

کردار

جب یہ تخت پر بیٹھا تو بہلول لودھی کو چھوڑ کر تمام امراء نے اپنی اطاعت گزاری کا ثبوت دینے کے لئے دربار میں حاضری دی اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ ۸۵۰ھ میں پتہ چلا کہ جونپور کا بادشاہ سلطنت دہلی پر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ علاؤ الدین اس وقت بیانہ جا رہا تھا یہ خبر سنتے ہی واپس لوٹ آیا۔ حسام الدین وزیر الملک کو اس کی یہ حرکت ناگوار گزری اور اس نے بادشاہ سے کہا کہ صرف ایک افواہ سن کر اپنے سفر کو ملتوی کر دینا آداب شاہانہ کے بالکل خلاف ہے۔ اگرچہ بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری اور اس نے اظہار ناگواری بھی کیا لیکن اس کی اس حرکت سے رعایا کو معلوم ہو گیا کہ یہ اپنے باپ سے بھی زیادہ عاقبت نا اندیش اور معاملات سلطنت سے بے بہرہ ہے۔

مہمات

۸۵۱ھ میں علاؤ الدین بدایوں کی طرف روانہ ہوا یہاں کی آب و ہوا اس کو بہت پسند آئی اور یہ عرصہ دراز تک یہیں مقیم رہا۔ اس نے دہلی آ کر بدایوں کی آب و ہوا کی پسندیدگی کا اظہار بھی کیا۔ حسام خاں وزیر جو بادشاہ کے ساتھ ہی تھا اس نے ہرچند روکا اور نصیحتیں کیں، مگر بادشاہ کے دل سے بدایوں کا خیال نہ نکل سکا وہ ناداںوں کی طرح بدایوں کا فریفتہ رہا۔ ہندوستان میں اس وقت خانہ جنگیوں کی وجہ سے بہت افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ دکن، گجرات، مالوہ، بنگالہ، غرضیکہ ہر جگہ حکمران اپنا سکہ چلا رہے تھے اور خودمختار بن بیٹھے تھے۔ پنجاب، دیپالپور، سرہند سے پانی پت تک تو بہلول لودھی کی حکمرانی تھی، سنبھل پر دریا خاں حکمرانی کر رہا تھا۔ کول میں ترک بچہ عیسیٰ اپنا قبضہ جما کر بیٹھا تھا۔ احمد خاں میواتی، مہرولی سے سرائے لاڈو تک (جو دہلی سے بہت نزدیک تھا) قابض تھا۔ رابڑی سے قصبہ بھوئیگانوں تک قطب خاں افغانی حکمرانی کر رہا تھا۔ کپتل پٹیالی میں رائے پرتاب اور بیانہ میں داؤد خاں اوحدی حکومت کر رہے تھے۔ دار السلطنت دہلی اور چند دیگر علاقے علاؤ الدین کے پاس باقی بچے تھے انہیں پر اس حکومت کا دارومدار تھا۔ ملک بہلول لودھی نے، جس نے محمد شاہ سے بے وفائی کی تھی اسی طرح اس سبق کو علائی عہد حکومت میں بھی دہرایا اور بادشاہ سے باغی ہو کر دہلی فتح کرنے کے خیال سے لشکر کو لے کر آگے بڑھا لیکن اس کا یہ حملہ کامیاب نہ ہوا۔

استحکام سلطنت کی تجاویز

اب سلطان علاؤ الدین نے سلطنت کو مضبوط و مستحکم کرنے کی طرف توجہ مبذول کی اور قطب خاں، عیسیٰ خاں اور رائے پرتاپ سے مشورہ کیا۔ یہ امراء تو چاہتے ہی تھے کہ بادشاہ کو بد سے بدتر حالت میں دیکھیں لہٰذا ان لوگوں نے یہ صلاح دی کہ حمید خاں کو اگر عہدہ وزارت سے معزول کر دیا جائے تو حالات درست ہو جائیں گے کیونکہ رعیت اس سے بہت ناراض ہے۔ سلطان علاؤ الدین کو عقل و فہم اور دور اندیشی سے واسطہ نہ تھا۔ اس نے ان امراء کا یقین کر لیا اور حمید خاں کو قید کرا دیا اور بدایوں جا کر وہاں رہنے کی خواہش جو مدتوں سے اس کے دل میں پرورش پا رہی تھی پوری کرنا چاہی۔ حسام خاں نے اس دفعہ پھر یہی سمجھایا کہ دہلی پایہ تخت ہے اب اس کو بدایوں منتقل کرنا بالکل نامناسب ہے۔ مگر بادشاہ نے کسی صورت سے اس کی بات نہ سنی بلکہ دل میں حسام خاں کی طرف سے رنجیدہ ہوا۔ بادشاہ حسام خاں سے علیحدہ ہو گیا اس کے دو سالے تھے ان میں سے ایک کو دہلی کا کوتوال بنا دیا اور دوسرے کو امیر دیوان مقرر کیا اور خود ۸۵۲ھ کے آخر میں بدایوں چلا گیا۔

اس عرصہ میں بادشاہ کے دونوں نسبتی بھائیوں میں لڑائی ہوئی ایک لڑائی میں کام آیا دوسرے کو حسام خاں نے قصاص میں دے دیا۔ بادشاہ عیش و آرام کی زندگی گزار رہا تھا اس کو ان واقعات کا علم تو ہوا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ قطب خاں اور رائے پرتاب دنوں حمید خان کے مخالف ہو رہے تھے پرتاب کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ حمید خان کے باپ فتح کان نے پرتاب کے ملک کو تباہ و برباد کرکے اس کی بیوی کو اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا لہٰذا وہ اپنے بیٹے سے باپ کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ یہ دونوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ "اگر حمید خاں کو قتل کر دیا جائے تو ہم لوگ چالیس لاکھ کے پرگنہ بادشاہ کی سلطنت میں شامل کر دیں گے۔" اس کے علاوہ یہ بھی کہا کہ "ساری رعیت حمید خاں سے بالکل عاجز آ گئی ہے۔" بادشاہ عاقبت اندیش تھا ہی نہیں لہٰذا اس نے فوراً حمید خاں کے قتل کے احکامات جاری کر دیئے۔ اس پر حمید خاں کے بھائی اور اس کے دیگر خیر خواہ بہت برہم ہوئے اور بدقت تمام یہ لوگ حیلے بہانے سے حمید خاں کو چھڑا کر لے گئے اور دہلی پہنچے۔ جمال خاں جو حمید خاں کی نگہبانی پر مامور تھا اسے اس کے بھاگنے کی اطلاع ہوئی اور تعاقب کرنا شروع کیا۔ حمید خاں کی تلاش میں وہ اس کے گھر تک پہنچا دونوں میں معرکہ آرائی ہوئی اور جمال خاں ایک تیر لگنے سے زخمی ہو گیا۔ حمید خاں شاہی حرم میں داخل ہو گیا۔ بیگمات شاہی اور دیگر لوگوں کو حصار شاہی سے باہر نکالا اور بہت بے عزت کیا تمام اسباب شاہی پر قابض ہو گیا۔

بادشاہ کو اب بھی ذرا احساس نہ ہوا اس نے برسات کے موسم کا بہانہ کرکے حمید سے بدلہ نہ لیا۔ حمید خاں موقع غنیمت جان کر کسی اور کو بادشاہ بنانے کی فکر کرنے لگا۔ سلطان محمود شرقی جو جونپور کا حکمران تھا وہ علاؤ الدین کا رشتہ دار تھا۔ سلطان محمود خلجی بادشاہ مندو بہت دور تھا لہٰذا حمید خاں نے ان دونوں کو حکمران بنانے کا خیال چھوڑ دیا اور لودھی جو سب سے قریب تھے ان میں سے اس نے ملک بہلول لودھی کو منتخب کیا اور تخت دہلی پر بیٹھنے کے لئے بلایا۔ اس سے حمید خاں کا مقصد یہ تھا کہ وہ برائے نام بہلول لودھی کو بادشاہ بنائے اور خود حکومت کی باگ ڈور سنبھالے۔ ملک بہلول تو ایسے سنہری موقع کا منتظر ہی تھا اس نے علاؤ الدین کو لکھا کہ وہ حمید خاں کو برباد کرنے کے لئے دہلی جا رہا ہے۔ حالانکہ وہ بادشاہت کرنے کے لئے آ رہا تھا اس نے جلد از جلد دہلی آ کر عنان حکومت سنبھال لی۔ بہلول نے آگے چل کر یہ کیا کہ درمیان سے حمید خاں کو ہٹا دیا اور خود کو سلطان بہلول لودھی کے نام سے مشہور کیا۔ بہلول لودھی نے خطبہ میں علاؤ الدین کا نام بھی شامل کرا دیا۔

دیپالپور کا سفر

۸۵۴ھ میں علاؤ الدین نے اپنے بڑے بیٹے خواجہ بایزید کو امراء کے ایک گروہ کے ساتھ دار السلطنت دہلی میں چھوڑا اور خود نزاکت وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیپالپور پہنچ گیا اور افغانوں کو جمع کرنے اور ملک کے انتظام میں مصروف ہو گیا۔ بہلول لودھی نے سلطان علاؤ الدین کو لکھا کہ میں نے سلطنت کے تمام امور سنبھال لیے ہیں اور حمید خاں کا کام تمام کر دیا ہے اور آپ کا نام بھی خطبہ سے نہیں نکالا۔ علاؤ الدین نے جواب میں کہا کہ میرے باپ نے تمہیں اپنا بیٹا بنایا تھا لہٰذا میں تم کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہوں۔" علاؤ الدین نے بڑی خوشی سے اپنی سلطنت بہلول لودھی کو دے دی اور خود بدایوں کی حکومت پر قناعت کرکے بیٹھ رہا۔ اس طرح بہلول لودھی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا یعنی اس کی یہی خواہش تھی۔ علاؤ الدین ایک عرصہ تک بدایوں میں گمنامی کی زندگی گزارتا رہا۔

علاؤ الدین کا انتقال

۸۸۳ھ کے آخر میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس نے دہلی کے تخت پر تقریباً سات سال تک حکومت کی اور اٹھائیس سال تک بدایوں کا حاکم رہا۔

سلطان بہلول لودھی

۱۷ ربیع الاول ۸۵۵ھ کو سلطان بہلول لودھی مستقل طور پر دہلی کا حکمران تسلیم کر لیا گیا اس نے علاؤ الدین کا نام خطبہ سے ہٹا دیا اور صرف اپنا نام رکھا۔

لودھی خاندان

اس خاندان کی اصلیت یہ ہے کہ لودھی فرقے کے بہت سے افغانی گروہ کے گروہ ہندوستان میں تجارت کرنے آتے تھے۔ اسی افغانی گروہ میں ایک شخص جس کا نام ملک بہرام تھا اور یہ بہرام لودھی کا دادا تھا۔ وہ اپنے بھائی سے ناراض ہو کر ملتان چلا آیا اور سلطان فیروز شاہ باربک کے زمانہ میں وہیں رہ پڑا۔ ملک بہرام نے ملک مردان دولت (جو ملتان کا حاکم تھا) کی ملازمت کر لی۔ بہرام کو خدا نے پانچ بیٹے دیئے۔ جن کے نام یہ ہیں' ملک سلطان شاہ' ملک کالا' ملک فیروز' ملک محمد' ملک خواجہ' یہ پانچوں بھائی باپ کے بعد بھی ملتان ہی میں رہے۔ سلطان فیروز شاہ کے دور میں خضر خاں ملتان کا حکمران بن گیا اور ملک سلطان شہ خضر خاں کی ملازمت کرکے افغانوں کے ایک گروہ کا سردار ہو گیا۔ سلطان شہ کی قسمت اچھی تھی خضر خاں اور اقبال ملو کی جنگ میں ملو اقبال اور سلطان شہ کا مقابلہ ہو گیا۔ اقبال کا زوال شروع ہو چکا تھا لہٰذا وہ سلطان شہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ سلطان شہ خضر خاں کے مقربین خاص میں شامل ہو گیا اور اسلام خاں کے لقب سے سرفراز ہوا۔ سرہند کا حاکم بنا دیا گیا' بہرام لودھی کے باقی چاروں بیٹے بھی اپنے بھائی کے پاس رہنے لگے' ملک کالا بہلول کا باپ اپنے بھائی کی خاص توجہ سے دورالہ کا حاکم مقرر ہوا۔ ملک بہلول کی ماں جو ملک کالا کی چچا زاد بہن بھی تھی' حاملہ تھی اتفاق سے مکان گر پڑا اور یہ بدقسمت عورت گھر کے نیچے دب کر مر گئی۔ چونکہ بچے کی پیدائش کا وقت قریب آ گیا تھا لہٰذا اس کا پیٹ چاک کرکے فوراً بچہ نکال لیا گیا یہی بچہ بہلول لودھی تھا اس کی حفاظت اور دیکھ بھال بہت اچھی طرح کی جانے لگی۔ اس کے بعد ملک کالا اور نیازی افغانوں میں جھگڑا ہو گیا جس میں ملک کالا مارا گیا اور ملک بہلول جو اس وقت ملو کے نام سے پکارا جاتا تھا اپنے چچا اسلام خاں کے پاس سرہند چلا گیا اور وہیں تربیت پائی۔ جب اس کی بہادری کے جوہر کھلے تو چچا نے اپنی بیٹی اس کے ساتھ بیاہ دی اور اپنے داماد کی تعلیم و تربیت کا بہت خیال رکھنے لگا۔

اسلام خاں کا اقتدار

اسلام خاں نے دھیرے دھیرے ایسا اقتدار حاصل کر لیا کہ بارہ ہزار افغانی جس میں اس کے رشتہ دار بھی شامل تھے اس کے اطاعت گزار ہو گئے۔ اگرچہ اسلام خاں کے اپنے بیٹے موجود تھے مگر اس نے انتقال کے وقت یہی وصیت کی تھی کہ اس کا جانشین ملک بہلول لودھی مقرر کیا جائے۔ اسلام خاں نے محمد شاہ کے زمانہ ہی میں انتقال کیا۔ اسلام خاں کے بعد اس کے ماننے والے تین گروہوں میں بٹ گئے۔ افغانوں نے تو اسلام خاں کی وصیت کی پوری پوری پابندی کی اور ملک بہلول کے خیر خواہ رہے اور بعض لوگ فیروز خاں (جو اسلام خاں کا بھائی تھا) کی طرفداری کرنے لگے۔ کچھ لوگ قطب خاں جو اسلام خاں کا بیٹا تھا اس کی خیر خواہی کرنے لگے۔ ان تین وارثوں میں سے ملک بہلول ہی کو جانشین بنایا گیا یہ اچھا جانشین ثابت ہوا اور دھیرے دھیرے اس نے پورا اقتدار حاصل کر لیا۔ ملک فیروز نے قطب خاں کو بالکل کمزور کر دیا اور قطب خاں اسی جھگڑے کی وجہ سے سرہند سے سلطان محمد شاہ کے پاس دہلی چلا گیا۔ قطب خاں نے درباری امیروں کے ذریعہ سے محمد شاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ سرہند افغانی پٹھانوں کا مرکز ہو کر رہ گیا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہی ہو گا کہ ملک میں

شورش اور فساد بپا ہو جائے گا۔

محمد شاہ نے ملک سکندر تحفہ کو ایک بڑی فوج کے ساتھ قطب خاں کی سرکردگی میں سرہند بھیجا تاکہ ملک سکندر افغانوں کو دہلی بھیج دے اگر وہ بغاوت کریں تو انہیں سرہند سے جلا وطن کر دیا جائے۔ محمد شاہ نے جیرت کھکھر کے نام بھی اسی طرح کا ایک حکمنامہ بھیجا۔ افغانوں کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو وہ سب پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ جیرت کھکھر اور ملک تحفہ نے افغانوں سے کہلا دیا کہ تم نے کوئی ایسا قصور نہیں کیا ہے جو اِدھر اُدھر خوفزدہ ہو کر پھرو اس پر افغانوں نے عہد نامہ مانگا۔ ملک تحفہ اور جیرت کھکھر نے ایمان کی قسم کھا کر اپنے عہد کو سچا ثابت کیا۔ تب ملک فیروز لودھی اپنے فرزند شاہین خاں اور اپنے بھتیجے ملک بہلول کو اپنے بال بچوں کی دیکھ بھال کے لیے چھوڑ کر خود قلیل اعتبار شاہی امراء جیرت کھکھر اور ملک سکندر کے ہمراہ آ گیا۔ ملک سکندر اور جیرت نے ملک قطب خاں کے بھڑکانے سے اپنا وعدہ توڑ دیا اور ملک فیروز کو قید کر دیا۔ نیز دوسرے افغانوں اور ان کے بال بچوں کو قتل کرنے کے لئے لشکر بھیجا۔ شاہین خاں نے شاہی فوج کا مقابلہ کیا افغانوں کے بہت سے سپاہی تو شاہین خاں کے ساتھ لڑائی میں مارے گئے۔ اور جو باقی رہے وہ زندہ گرفتار کر لیے گئے جو افغان مارے گئے تھے ان کے سر سرہند لائے گئے۔ ملک فیروز خان' جیرت کھکھر کو مقتولوں کے سر دکھا کر ان کے نام بتاتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ فیروز کی نگاہیں اپنے بیٹے شاہین خاں پر پڑیں اس نے جیرت پر ظاہر نہ کیا کہ شاہین اس کا بیٹا ہے اور کہہ دیا کہ وہ اسے نہیں پہچانتا۔ جیرت کے ملازموں نے جب کہا کہ یہ نوجوان بہت بہادر تھا اس نے جنگ میں بہت ہمت اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا۔ یہ سن کر فیروز خاں رونے لگا اس پر جیرت نے رونے کا سبب پوچھا۔ تب فیروز خاں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور میں نے اس خیال سے اس کو اپنا فرزند ظاہر نہ کیا کہ شاید اس نے جنگ میں بزدلی دکھائی ہو لہٰذا اب جب یہ پتہ چل گیا کہ اس نے بہت جسارت اور بہادری سے کام لیا ہے تو مجھے اس کو اپنا فرزند کہنے میں کوئی شرمندگی نہیں۔

اس نے یہ بھی بتایا کہ ملک بہلول اس جنگ میں شامل نہ تھا اور وہ ایک روز ان بے گناہوں کا بدلہ ضرور لے گا۔ جیرت نے سرہند ملک سکندر کو دیا اور خود پنجاب پہنچ کر اسیران جنگ کو دہلی بھیج دیا۔ جیرت کے جانے کے بعد ملک بہلول نے اپنے دوستوں اور خیر خواہوں سے روپیہ قرض لے کر افغانوں میں بانٹ دیا اور خود ایک گروہ کو لے کر لوٹ مار اور رہزنی کرنے لگا۔ تھوڑے ہی دنوں میں مغلوں اور افغانوں کے بہت سے گروہ بہلول لودھی کے پاس جمع ہو گئے۔ اسی عرصہ میں ملک فیروز بھی دہلی سے بھاگ کر بہلول سے آ کر مل گیا اور قطب شاہ بھی اپنی پرانی حرکتوں پر بہت پشیمان ہوا اور بہلول کا دوست بن گیا۔ بہلول نے دوبارہ سرہند پر اپنا قبضہ جمایا۔ محمد شاہ نے اس دفعہ حسام خاں وزیر الملک کو ایک بڑی فوج کے ساتھ بہلول کے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے بھیجا۔ موضع گڑھ میں جو خضر آباد اور شاہپور میں شامل تھا۔ ملک بہلول لودھی نے جنگ کی اور حسام خاں کو شکست دے کر بہت قوت حاصل کر لی۔ اس کی زندگی کے ابتدائی زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک بار لودھی اپنے چچا اسلام خاں کے ساتھ دو دوستوں کو لے کر سامانہ میں ایک بہت نیک بزرگ اور صوفی کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان درویش کے سامنے ادب سے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا۔ مجذوب نے اپنی زبان سے کہا کہ "کوئی شخص ہے جو دہلی کی حکومت کو دو ہزار ٹنکے میں خریدتا ہے۔" ملک بہلول نے ایک ہزار چھ سو ٹنکے جو اس وقت موجود تھے اپنی جیب سے نکال کر ان کی خدمت میں پیش کر دیئے اور کہدیا کہ اس کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ مجذوب نے اس کا یہی نذرانہ قبول کیا اور کہدیا کہ جا تجھ کو دہلی کی سلطنت کی حکمرانی مبارک ہو۔ اس پر ملک بہلول کے دوست اس کا مذاق اڑانے لگے اس پر بہلول نے جواب دیا کہ میری خدمت کسی طرح ضائع نہ ہو گی اگر درویش کا قول سچا ہے تو پھر کوڑیوں کے مول جواہرات ملیں گے۔ اور اگر سچا نہ بھی نکلا تو فقیر کی خدمت کرنا بھی کار ثواب ہے۔ ملک بہلول نے اپنے بھائی اور دوسرے رشتہ داروں اور عزیزوں کی مدد سے ایک بڑی جمعیت تیار کر لی اور ان کے ہمراہ پانی پت تک تمام علاقے پر قبضہ کر لیا۔ بہلول ...

کی بارگاہ میں بھیجا اور اس میں لکھا کہ میں صرف حسام خاں کی وجہ سے سلطنت سے دور ہوں اگر بادشاہ حسام خاں کو قتل کرا دے اور وزارت کا عہدہ حمید خاں کو مل جائے تو مجھ کو بادشاہ کی فرمانبرداری میں کوئی قباحت محسوس نہ ہو گی۔

ادھر حسام خاں قتل کرا دیا گیا اور بہلول بہت ہی زیادہ خلوص کے ساتھ بادشاہ کے حضور میں آیا اور سرہند نیز اس کے آس پاس حکومت کرتا رہا غرضیکہ اس کی قوت روز بروز بڑھتی گئی۔ اور جب سلطان محمود خلجی حاکم مندو نے دہلی پر حملہ کیا تو بہلول لودھی کو محمد شاہ نے بلوایا۔ لودھی بیس ہزار افغانوں اور مغلوں کی فوج لے کر سرہند سے آیا اور دشمن کو بھگا کر دم لیا' خاں خاناں کا لقب حاصل کر کے واپس گیا۔ اس نے اپنی قوت و اقتدار کا ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ بادشاہ کے حکم کے بغیر لاہور' دیپالپور' سنام وغیرہ اور دیگر پرگنوں پر قبضہ کر لیا یہی نہیں بلکہ اس نے بادشاہ کی طرف بھی ہاتھ بڑھایا اور دہلی پر حملہ کر دیا۔ اور اس کو محصور رکھا مگر باقاعدگی سے وہاں کا حکمران نہ بن سکا۔ بعد ازاں سرہند آ کر اپنی قوت بڑھانے کی فکر میں لگ گیا۔ خطبہ اور سکہ بھی اپنے نام کا نہ چلایا اور اس کو دہلی کی فتح تک کے لئے اٹھا رکھا۔ ادھر محمد شاہ بادشاہ کا انتقال ہوا اور تخت دہلی کا وارث علاؤ الدین ہوا جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد بہلول کو حمید خاں نے ۸۵۵ھ میں دہلی بلوا کر حکمران بنا دیا تھا اس وقت بہلول لودھی کے نو بیٹے تھے۔ جن کے نام یہ ہیں خواجہ بایزید نظام خاں جس نے بہلول کے بعد سکندر شاہ کے نام سے باپ کی جانشینی کی' مبارک خاں' عالم خاں جس کا لقب علاؤ الدین خاں ہوا اور جو دہلی کا بادشاہ بنا۔

اس کے علاوہ یعقوب خاں' فتح خاں' موسیٰ خاں' جلال خاں تھے۔ ان بیٹوں کے علاوہ دربار میں قطب خاں جو اسلام خاں کا بیٹا تھا اور خاں جہاں لودھی' دریا خاں' تار تار خاں' دریا خاں کا فرزند' مبارک خاں لوہانی' یوسف خاں' خاصہ خیل' عمر خاں شروانی' قطب خاں فرزند حسین خاں' افغان احمد خاں میواتی' یوسف خاں جلوانی' علی خاں ترک بچہ' شیخ ابو سعید قرلی' احمد خاں نیستانی' خاں خاناں قرلی' خاں خاناں لوحانی' شمشیر خاں' وزیر خاں پسر اسد خاں' شیخ احمد شروانی' نہنگ خاں' لشکر خاں' شہاب خاں دبیر' مبارز خاں منہ' رستم خاں' جونا خاں' فرزند غازی خاں' ملک چمن فرزند خاں جہان' عماد الملک اقبال خاں' میاں فرید قرلی' شیخ جمال شیخ عثمان' رائے پرتاپ' رائے لکھمن اور رائے کرن یہ تمام چونتیس مشہور و معروف امراء موجود تھے جن میں سے بہت سے اراکین تو بادشاہ کے خاص رشتہ دار ہی تھے۔

اس دور میں حمید خاں کا بہت بول بالا تھا کیونکہ اس کی طاقت بڑھ گئی تھی لہٰذا بہلول نے بھی حمید خاں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے ہی میں مصلحت دیکھی کیونکہ ملک اور سلطنت کی فلاح و بہبود کے لئے اس سے میل ملاپ ہی مناسب تھا اس کے گھر پر برابر جاتا تھا۔ بہلول ایک دن حسب عادت حمید خاں کے گھر مع اپنے چند ساتھیوں کے گیا اور جانے سے پہلے تمام افغانوں کو سکھا دیا کہ وہ حمید خاں کے سامنے مضحکہ خیز حرکتیں کریں تاکہ وہ سمجھیں کہ یہ قوم بہت بیوقوف اور عاقبت نا اندیش ہے اور ان کی طرف سے کچھ بدگمانی نہ کرے۔ ایک افغانی جماعت حمید خان کے گھر گئی اور ویسی ہی عجیب عجیب مضحکہ خیز حرکتیں شروع کیں بعض نے فرش پر آتے وقت جوتیاں کمر سے باندھ لیں۔ بعض لوگوں نے اس طاق پر اپنے جوتے رکھ دیئے جو حمید خاں کے سر کے اوپر تھے۔ اس کی وجہ دریافت کرنے پر افغانوں نے یہ بتائی کہ احتیاطاً" ایسا کیا ہے تاکہ کوئی جوتیاں چرا کر نہ لے جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ افغان حمید خاں سے بولے کہ آپ کا فرش تو مختلف رنگ کے پھولوں کا ایک گلدستہ ہے۔ اگر آپ اس کمبل کا ایک ٹکڑا ہم لوگوں کو عنایت کریں تو ہم اس کی ٹوپیاں بنوا کر اپنے بال بچوں کو بھیج دیں تاکہ اس تحفہ سے ہمارے گھر والوں کو یہ اندازہ ہو جائے کہ ہم خان والا شان کے ملازم ہیں۔

حمید خاں نے ہنس کر جواب دیا کہ ٹوپیاں بنانے کے لئے تم لوگوں کو زربفت اور مخمل دے دیا جائے گا اس کے بعد عطر کی کشتیاں اور پان محفل میں آئے۔ بعض افغانوں نے عطر کی پھریری پان میں لگا کر چبانا شروع کی۔ بہتوں نے پان کا چونہ نہ چھڑایا اور اسی طرح پان کھا لیا بعض لوگوں نے پان سے چونا چھڑا کر کھانا شروع کیا۔ جب منہ پھٹ گیا تو پاگلوں کی طرح رونے دھونے لگے۔ حمید خاں ان کی حرکات و سکنات پر بہت ہنسا اور کہا کہ یہ قوم تو بالکل اجڈ ہے جو ایسی عجیب و غریب حرکتیں کرتی ہے۔ اس پر بہلول نے جواب دیا کہ جاہل ہیں ان

کو اچھا ماحول نہیں ملا۔ لہٰذا ان لوگوں کو سوائے پیٹ بھر لینے اور آرام کرنے کے کوئی کام نہیں آتا۔

حمید خاں کی گرفتاری

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد بہلول معمول کے مطابق حمید خاں کے گھر اپنے چند امراء کے ساتھ گیا۔ بہلول کے ساتھیوں کو قاعدہ کے مطابق اندر جانے نہیں دیا گیا لہٰذا بہلول تو اندر چلا گیا اور اس کے ساتھی جیسا کہ بہلول انہیں سمجھا بجھا کر لایا تھا۔ انہوں نے چیخنا چلانا شروع کیا اور بہلول کو گالیاں دینا شروع کیں کہ اگر بہلول حمید خاں کا ملازم ہے تو ہم بھی ہیں وہ اگر آزادانہ حمید خاں سے مل سکتا ہے تو ہمیں بھی یہ حق حاصل ہونا چاہیے تاکہ ہم بھی حمید خاں کو سلام کرکے آئیں اور اس کی عنایتیں ہم پر بھی ہوں یہ کہہ کر دربانوں سے لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا۔ اس پر حمید خاں نے ان کی آوازیں سن کر کہلوا دیا کہ ان سب کو اندر آنے دیا جائے اور کسی طرح کی مزاحمت نہ کی جائے۔ یہ حکم پاتے ہی سب کے سب افغان اندر آگئے اور حمید خاں کو سلام کرکے اس کے محافظوں کے پاس دو دو کی تعداد میں کھڑے ہو گئے۔ قطب خاں نے اب کام شروع کیا اور زنجیر نکال کر حمید خاں کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ مناسب یہی ہے کہ تم گوشہ نشین ہو کر خدا کی عبادت کرو تمہاری جان بخشی کی جاتی ہے۔ محض اس لیے کہ تم ہمیشہ وفادار رہے ہو یہ کہہ کر اس کو گرفتار کر لیا گیا اور اپنے آدمیوں کو دے دیا۔ اب ملک بہلول نے ملک میں اپنا خطبہ اور سکہ چلایا۔

مہمات

۸۵۵ھ میں بہلول لودھی نے دہلی کی حکومت تو اپنے بڑے بیٹے بایزید کے سپرد کی اور اس کے ساتھ دوسرے قابل اعتماد امراء کو بھی چھوڑا اور خود پنجاب ملتان کے امور سلطنت میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے دیپالپور چلا گیا۔ سلطان علاؤ الدین کے بہت سے خیر خواہ جو افغانوں کی حکمرانی پسند نہ کرتے تھے انہوں نے جونپور سے سلطان محمود شرقی کو بلایا۔ یہ ۸۵۶ھ میں ایک جرار لشکر لے کر دہلی آیا اور شہر کا محاصرہ کر لیا۔ خواجہ بایزید اور دوسرے امراء بھی قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ سلطان بہلول یہ خبر سنتے ہی دیپالپور چلا آیا اور موضع بیرہ میں دہلی سے پندرہ کوس کے فاصلہ پر ٹھہر گیا۔

بہلول لودھی کے سپاہی محمود شرقی کے جانور گائے اونٹ وغیرہ پکڑ کر لے آئے۔ محمود شرقی نے فتح خاں دہری کو تیس ہزار سواروں اور تیس ہاتھیوں کے ساتھ سلطان بہلول سے معرکہ آرائی کے لیے بھیجا۔ اسلام خاں کا فرزند قطب خاں لودھی جو بہت اچھا تیر انداز تھا اس نے دشمن کے ہاتھی کو جو بہت آگے بڑھ کر حملہ کرتا تھا چشم زدن میں زخمی کر دیا۔ افغانوں کی فوج لڑنے کے لئے تین حصوں میں تقسیم تھی۔ دریا خاں لودھی سلطان شرقی سے مل گیا۔ قطب خاں نے بہت اونچی آواز میں پکار کر دریا خاں سے کہا کہ تمہیں اس کی بھی غیرت نہیں آتی کہ تمہاری ماں بہنیں قلعہ شاہی میں ہیں اور تم دشمن کی طرف سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو اس پر دریا خاں شرمندہ ہوا اور کہا کہ اگر اس کا پیچھا نہ کیا جائے تو وہ میدان چھوڑنے پر راضی ہے۔ قطب خاں نے تعاقب نہ کرنے کی قسم کھائی تب دریا خاں، فتح خاں سے الگ ہو گیا۔ اس کے علیحدہ ہوتے ہی فتح خاں دشمنوں کے ہاتھوں قید کر لیا گیا۔ فتح خاں نے کبھی کسی لڑائی میں رائے کرن کے بھائی بھورا خاں کو قتل کیا تھا لہٰذا رائے کرن کو انتقام کا اچھا موقع ملا اور اس نے فتح خاں کا سر کاٹ کر بہلول لودھی کی خدمت میں پیش کیا۔ فتح خاں کے ختم ہوتے ہی سلطان محمود کی ہمت نے بھی جواب دے دیا اور وہ نامراد جونپور واپس آیا۔

وسعت سلطنت کی تدابیر

اس فتح نے بہلول لودھی کے اقتدار کو اور تقویت دی اور اس نے دوسرے ملکوں کو فتح کرنے کے خواب دیکھنا شروع کیے۔ سب سے پہلے میوات کی طرف بڑھا۔ احمد خاں میواتی نے اس کا بڑا شاندار استقبال کیا اور اس کا فرمانبردار ہو گیا۔ سلطان بہلول نے صرف سات

نے بادشاہ کی اطاعت قبول کی اور سات عدد ہاتھی اس کی نذر کیے۔ پھر کول آیا اور عیسیٰ خاں کو کول کا حکمران بنایا۔ اس کے بعد برہان آباد جا پہنچا۔ سلہٹ کے حکمران مبارک خاں لوہانی نے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ پھر سلطان بہلول بھوئیں گاؤں آیا۔ رائے پرتاپ کو یہاں کا حکمران بنایا۔ جب بادشاہ رابری پہنچا تو قطب خاں بن حسین خاں افغان قلعہ بند ہو گیا۔ بادشاہ نے قلعہ فتح کر لیا خاں جہاں قلب خاں کو مطمئن کر کے بادشاہ کے حضور میں لایا گیا۔ بادشاہ نے رابری کی جاگیر اسی کے تحت رہنے دی۔

اس کے بعد بادشاہ اٹاوے پہنچا اور یہاں کا حاکم بھی حسب سابق اپنی جاگیر کا حکمران رہا۔ اسی عرصہ میں جونا خاں بادشاہ سے منحرف ہو کر سلطان شرقی سے جا ملا اور شمس آباد (۱) کا حکمران بنا دیا گیا۔ اب سلطان شرقی نے دوبارہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا اس نے اٹاوہ کے گردونواح میں اپنے خیمہ نصب کیے پہلے ہی دن بہت زور کی معرکہ آرائی ہوئی۔ دوسرے دن قطب خاں اور رائے پرتاپ نے بیچ میں آکر صلح کرا دی۔ یہ طے ہوا کہ جو ملک مبارک شاہ بادشاہ کے زیر نگیں تھا اس پر بہلول لودھی قابض رہے اور حکومت کا جو حصہ سلطان ابراہیم بادشاہ جونپور کے پاس تھا سلطان محمود شرقی کی ملکیت قرار دیا جائے۔ سلطان بہلول نے جو سات ہاتھی لیے تھے وہ سلطان محمود کو واپس کر دیئے اس قرارداد میں یہ بھی تھا کہ جونا خاں شمس آباد کو خالی کر کے سلطان بہلول کے سپرد کر دے۔ لہٰذا بہلول نے جونا خاں کے نام فرمان بھیجا کہ وہ فوراً شمس آباد خالی کر دے۔ جونا خاں فوراً یہ حکم نہ بجا لایا تو بہلول لودھی نے لشکر کشی کر کے اس کی قوت کو ختم کیا۔ شمس آباد کی حکومت رائے کرن کے حوالے کی اور اس کے گرد و نواح کا بہت اچھا انتظام کیا۔

محمود شاہ شرقی کو جب یہ اطلاعات موصول ہوئیں تو وہ بہت شرمندہ ہوا اور دوبارہ شمس آباد پر قبضہ کرنے کے لئے شہر کے آس پاس پڑاؤ ڈالا۔ قطب خاں لودھی اور دریا خاں لودھی نے محمود شاہ کے لشکر پر شب خون مارا۔ اتفاقاً قطب خاں کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ گر پڑا دشمنوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ سلطان محمود نے اس کو نظر بند کر کے جونپور بھیج دیا۔ سلطان بہلول نے اب شاہزادہ جلال خاں شاہزادہ سکندر اور عماد الملک کو سلطان کی فوج سے معرکہ آرائی کے لئے روانہ کیا تاکہ وہ جا کر رائے کرن کی مدد کریں جو قلعہ بند ہے۔ خود سلطان محمود کا مقابلہ کرنے کے لئے چلا اسی دوران میں محمود شاہ شرقی کا انتقال ہو گیا' محمد شاہ اس کا ولی عہد مقرر ہوا۔ محمد شاہ کی ماں کے حسن سلیقہ اور تدابیر نے ان جھگڑوں کو ختم کرا دیا فریقین میں اس شرط پر صلح ہو گئی۔ کہ محمد شاہ اپنے باپ کی ملکیت کا بدستور مالک رہے اور جو حصہ بہلول لودھی کی سلطنت میں شامل ہے حسب سابق اسی کی ملکیت رہنے دیا جائے۔

جونپور کا سفر

اس صلح کے بعد محمد شاہ جونپور واپس چلا گیا۔ بہلول لودھی دہلی واپس آ گیا۔ قطب خاں کی بہن شمس خاتون نے اسے کہلا بھیجا کہ جب تک میرا بھائی سلطان شرقی کی قید میں ہے اس وقت تک تم پر کھانا پینا حرام ہے۔" سلطان پر اس بات کا بہت اثر ہوا اس نے راستے ہی سے سفر کی باگ جونپور کی طرف موڑ دی۔ بہلول پہلے شمس آباد آیا اور جونا خاں کو جو اس کی اطاعت کرنے پر تیار ہو گیا تھا یہاں کا حکمران بنا دیا۔ ادھر بہلول شاہ سے لڑنے کے لئے محمد شاہ نے بھی اپنی فوجیں تیار کیں۔ اور دریائے سرستی کے کنارے جنگ شروع ہوئی۔

اسی دوران میں محمد شاہ شرقی کا چھوٹا بھائی حسین شرقی اس سے بے حد خوفزدہ ہوا اور بہلول لودھی سے جنگ کرنے کا بہانہ کر کے اپنے بھائی سے جدا ہو گیا۔ تھوڑی سی سپاہ بھی اپنے ساتھ لے لی وہ راستہ سے قنوج کی طرف چل دیا۔ سلطان بہلول کو ان باتوں کی اطلاع ملی اور اس نے ایک فوجی جمعیت سلطان حسین کے مقابلہ کے لئے بھیجی۔ شاہزادہ جلال خاں جو اپنے بھائی حسین خاں کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا اس سے بہلول کی فوج برسرپیکار ہوئی اور جلال خاں کو گرفتار کر لیا گیا۔ سلطان بہلول اس خدائی مدد سے بہت ہی خوش ہوا اور قطب خاں کے بدلہ میں جلال خاں کو اپنے پاس قید کر لیا۔ اسی عرصہ میں محمد شاہ سے جونپور کی رعیت بہت منحرف ہو گئی اور اس کو قتل کر کے حسین خاں کو اپنا حکمران تسلیم کر لیا۔ اب حسین شرقی سے سلطان بہلول کی اس بات پر صلح ہوئی کہ چار سال تک فریقین آپس میں چھیڑ چھاڑ نہ

کریں۔ حسین خاں کا خطبہ اور سکہ ملک میں جاری ہو گیا تھا۔

رائے پرتاب جو اس گرد و نواح کا زمیندار تھا سلطان بہلول سے کسی بات پر ناراض ہو گیا۔ اور محمد شاہ شرقی سے جا کر مل گیا چونکہ سلطان بہلول اور حسین شرقی میں صلح کا معاہدہ ہو چکا تھا لہٰذا حسین شرقی سے رائے پرتاب الگ ہو کر سلطان بہلول کی خدمت میں آ گیا۔ اس صلح و آشتی کے دو ہی تین دن بعد سلطان حسین شرقی نے قطب خاں کو مسلسل سات ماہ کی قید کے بعد آزاد کر کے سلطان بہلول کے پاس بھیج دیا۔ اس کے معاوضہ میں سلطان بہلول نے شہزادہ جلال خاں کو بھی قید سے رہا کر کے حسین شرقی کی خدمت میں روانہ کیا اور خود دہلی چلا آیا۔

شمس آباد میں ورود

کچھ عرصہ بعد جب قول و قرار کا زمانہ گزر گیا تو سلطان بہلول شمس آباد جا پہنچا اور جونا خاں سے شہر واپس لے کر پھر رائے کرن کو اس کا حکمران مقرر کر دیا۔ شمس آباد میں رائے پرتاب کے فرزند نرسنگھ نے بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ چونکہ رائے پرتاب نے دریا خاں لودھی سے ایک نیزہ جو اس زمانہ میں علم سرداری سمجھا جاتا تھا' چھینا تھا لہٰذا اب اس نے اس بات کا انتقام لینا چاہا۔ اور قطب خاں لودھی کے بھڑکانے سے رائے پرتاب کے فرزند نرسنگھ کو قتل کر ڈالا۔ اس واقعہ سے قطب خاں فرزند خاں افغان' مبارز خاں اور رائے پرتاب بہت رنجیدہ ہوئے اور شاہ حسین کے پاس جا کر اس کی اطاعت قبول کر لی۔ سلطان بہلول کو اب دشمن سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رہی اور دہلی واپس چلا آیا۔ چند دنوں کے بعد سلطان بہلول حاکم ملتان کی بغاوت دور کرنے اور پنجاب کے صوبہ کا انتظام سلطنت درست کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ اور قطب خاں و خاں جہاں کو اپنا نائب بنا کر چھوڑا تاکہ دارالسلطنت کا انتظام نہ خراب ہو راہ میں اس کو پتہ چلا کہ سلطان حسین شرقی ہتھیار بند فوج اور کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ دہلی پر دھاوا کرنے کے لئے آ رہا ہے۔ موضع چند وارہ میں دونوں فوجیں باہم برسرپیکار ہو گئیں اور مسلسل سات دن تک قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔ اسی دوران میں احمد خاں میواتی اور رستم خاں جو کول کا حکمران تھا دونوں حسین شاہ سے جا کر مل گئے اور تاتار خاں لودھی نے بہلول کی طرف ہو کر اس کا ساتھ دیا۔ لڑائی کسی طرح ختم نہ ہوتی تھی حتیٰ کہ ہر ایک لڑائی سے ہراساں ہو گیا۔ اراکین دولت نے آپس میں صلاح مشورہ کر کے ان شرائط پر صلح کرائی کہ تین سال کے عرصہ تک دونوں بادشاہ اپنی اپنی ملکیت پر قناعت کریں اور ایک دوسرے کو کسی طرح کوئی زک نہ پہنچائیں۔ اس معاہدہ کی مدت ختم ہوتے ہی حسین شاہ نے اٹاوہ کا محاصرہ کیا۔ اور شہر کے حاکم کو جو بہلول لودھی کا رشتہ دار تھا اسے کچھ سمجھا دیا۔ اس نے بے چون و چرا اپنی حکومت اس کے سپرد کر دی۔ رفتہ رفتہ اس نے احمد شاہ میواتی اور کول کے حاکم رستم خاں کو بھی اپنی طرف کر لیا۔ احمد خاں حلوائی حاکم بیانہ پر بھی حسین شاہ کا ایسا جادو چلا کہ اس نے بیانے میں حسین شاہ شرقی کا خطبہ پڑھوا دیا۔ ان واقعات کے گزر جانے کے بعد حسین شاہ ایک لاکھ سپاہیوں کا لشکر عظیم اور ایک ہزار ہاتھیوں کی فوج لے کر اٹاوے سے دہلی کی طرف چلا۔ ایسے بدتر حالات کے باوجود سلطان بہلول نے ذرا بھی پس و پیش نہ کیا اور دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے فوراً نکل آیا۔ تھواڑے (۲) کے مقام پر دونوں مخالف ایک دوسرے سے مقابلہ کے لئے تیار رہے اور یہ مقابلہ عرصہ تک چلتا رہا۔ آخر خاں جہاں نے بیچ میں پڑ کر دونوں میں صلح کرائی اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ واپس آ گیا۔ سلطان شرقی نے پھر دھاوا کیا سلطان بہلول بھی مقابلہ پر آیا اور سنکمرہ کے آس پاس چند بار لڑائی ہوئی مگر پھر صلح ہو گئی۔ سلطان حسین اٹاوہ چلا گیا اور بہلول دہلی روانہ ہو گیا۔

حسین شرقی کی والدہ کا انتقال

اسی کشمکش کے زمانہ میں سلطان حسین شرقی کی والدہ بی بی راجی کا اٹاوہ ہی میں انتقال ہو گیا۔ گوالیار کا حکمران اور قطب خاں دونوں

سے خوشامد اً کہنے لگا کہ بہلول کی کیا ہستی ہے کہ وہ آپ کا مقابلہ کرے اس کی حیثیت آپ کے نوکروں سے زیادہ نہیں۔ اپنے لیے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک آپ کے نام کا سکہ سارے ہند پر نہ بٹھا لوں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا۔ قطب خاں اس بہانے سے حسین شاہ کے ہاتھوں سے آزاد ہوا اور یہاں آکر سلطان بہلول سے کہا کہ میں نے بہت سی سیاسی چالوں سے تو سلطان حسین شاہ سے نجات پائی ہے اور کہا کہ سلطان تمہارا جانی دشمن ہے لہٰذا تم اپنی جان کی حفاظت میں کبھی غفلت نہ کرنا۔ اسی دوران میں خضر خاں کے پوتے سلطان علاؤ الدین نے بدایوں میں انتقال کیا حسین شرقی تعزیت کے بہانے سے اٹاوے سے بدایوں آیا اور علاؤ الدین کے بیٹوں سے بدایوں کی ملکیت چھین لی۔ اس کے بعد سلطان حسین سنبھل جا پہنچا اور حاکم سنبھل مبارک خاں کو قید کر کے وہاں سے مال و اسباب سمیٹا اور ایک لشکر لے کر دہلی کی طرف رخ کیا۔ ۸۸۳ھ میں حسین شاہ نے گزر کچھ کے نزدیک دریائے جمنا کے ساحل پر اپنے خیمہ لگائے۔ سرہند میں سلطان بہلول کو یہ تمام باتیں معلوم ہوئیں اور اس نے حسین خاں فرزند خاں جہاں کو میرک (۳) کا انتظام درست کرنے کے لئے بھیجا اور خود دہلی چلا آیا۔

عرصہ دراز تک دونوں فوجیں مقابلہ کرتی رہیں۔ سلطان حسین شرقی کی فوج کو کثرت اسلحہ و سپاہ کی وجہ سے بہت غلبہ حاصل تھا۔ قطب خاں لودھی نے اس وقت سلطان حسین شرقی کے پاس کہلا بھیجا کہ جس وقت میں قید میں پڑا ہوا تھا اس وقت..... آپ کی والدہ راجی بی بی کے مجھ پر بے حد احسانات ہیں اور انہوں نے زمانہ قید میں طرح طرح کی مہربانیاں کی ہیں لہٰذا اس وقت یہی ٹھیک ہے کہ آپ میدان جنگ سے واپس چلے جائیں اور موقعہ و محل کا انتظار کریں۔ اور اس وقت یہی مناسب ہے کہ دریائے گنگا کے اس پار کا ملک اپنے قبضہ میں رکھیے۔ اور گنگا کے دوسری طرف کے علاقوں پر بہلول لودھی ہی کو قابض رہنے دیں۔ غرضیکہ ان شرائط پر دونوں راضی ہو گئے اور آپس کا خلفشار مٹ گیا۔ سلطان شرقی نے اس صلح و آشتی پر بھروسا کیا اور اپنا بہت سا مال اسباب چھوڑ کر چلا گیا' مگر سلطان بہلول نے اس اعتماد کو دھوکا دیا اور خود اس موقع کو غنیمت سمجھ کر سلطان حسین کا پیچھا کیا اور اس کا قیمتی مال و متاع جو اونٹوں پر لدا ہوا جا رہا تھا اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اور حسین شاہ کے بہت سے امراء جو تقریباً تیس یا چالیس ہوں گے پکڑ لیے گئے۔ ان میں قتلغ خاں اور ملک بدھو نائب عرض بھی شامل تھے۔ قتلغ خاں کو پکڑ کر قطب خاں کے سپرد کیا گیا اور خود سلطان لودھی آگے بڑھتا رہا۔ حسین شاہ کے بہت سے پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔ کنپل' شمس آباد' سیکٹ' مارہرہ' جالیسر پر اپنا قبضہ جما کر اپنی طرف سے حاکم بھی مقرر کر دیئے۔

حسین شاہ نے جب یہ دیکھا کہ کسی طرح پیچھا کرنے سے بہلول لودھی باز نہ آئے گا تو فوراً خود بھی مقابلہ کے لئے تیار ہوا اور موضع رام پچھرہ میں ٹھہر گیا۔ سفر ملتوی کیا اور دشمن سے لڑنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن آخر میں پھر میل ملاپ ہو گیا۔ اور یہ طے پایا کہ موضع دھوپا دونوں حکمرانوں کی سرحد مقرر کیا جائے۔ حسین شاہ شرقی رابری چلا گیا اور بہلول دہلی واپس آگیا۔ ایک مدت کے بعد حسین شرقی نے پھر جمعیت عظیم لے کر بہلول لودھی پر دھاوا بولا۔ موضع سنیارن میں بہت ہی خونریز جنگ ہوئی۔ سلطان حسین کو اس جنگ میں شکست ہوئی اور بہت سا مال و متاع لودھیوں کو مل گیا اس سے ان کی فوج کو تقویت حاصل ہو گئی۔ سلطان حسین رابری کی طرف روانہ ہو گیا۔ بہلول لودھی دھوپا ہی میں مقیم رہا اسی دوران میں خاں جہاں کے انتقال کی خبر دہلی سے آئی۔ سلطان بہلول نے اس کے فرزند کو خان جہاں کا خطاب دے کر باپ کے عہدہ پر مقرر کر دیا۔ اس کے بعد رابری میں سلطان حسین پر حملہ کیا وہاں بھی میدان بہلول کے ہی ہاتھ رہا۔

سلطان حسین شرقی کا گوالیار جانا

سلطان حسین شرقی شکست کھا کر گوالیار کی طرف چلا گیا۔ یہاں کا راجہ بہت حسن اخلاق سے پیش آیا اور کئی لاکھ نقد تنکے' خیمہ' سراپردہ اور ہاتھی گھوڑے یہ سب حسین شرقی کو بطور نذرانہ دیئے اور اس طرح اس کا خیر خواہ بن گیا اور کالپی تک حسین شرقی کے ساتھ ساتھ آیا۔ ادھر اسی عرصہ میں سلطان بہلول اٹاوہ پہنچا۔ یہاں حسین شرقی کے بھائی ابراہیم خاں اور ہیبت عرف کر کر دونوں اس سے ڈر کر

اٹاوہ کے قلعہ میں بند ہو گئے مگر سلطان بہلول برابر حملہ کرتا رہا۔ آخر ان لوگوں نے جان کی امان چاہی اور اٹاوہ اس کے سپرد کر دیا۔ سلطان بہلول لودھی نے اٹاوہ ابراہیم خاں لوہانی کو دے دیا اور اٹاوہ کے رائے کو چند پرگنے دے دیئے تاکہ اس کو معاشی مشکلات نہ درپیش ہوں اور ایک لشکر عظیم لے کر حسین شاہ پر حملہ کر دیا۔ سلطان بہلول کالپی کے آس پاس موضع راگانوں میں پہنچ گیا۔ سلطان حسین بھی جنگ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ دریائے جمنا کے ساحل پر مسلسل کئی مہینہ تک جنگ و جدل کا سلسلہ جاری رہا اسی عرصہ میں کمتھرا کا حاکم رائے تلوک چند سلطان لودھی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس کو ایک مناسب راستہ سے جہاں پانی کم تھا وہاں سے دریا پار کرا دیا۔ اب حسین شاہ میں اس حملہ کو سر کرنے کی تاب نہ تھی بہت ہراساں ہوا اور جونپور کی طرف چلا گیا۔ ٹھٹھہ کے حکمران راجہ نے سلطان حسین کی بہت آؤ بھگت کی اور کئی لاکھ تنگے اور نذرانہ پیش کیے اور نہایت ہی انسانیت کا برتاؤ اس کے ساتھ کیا اپنی فوج بھی اس کو دے دی تاکہ فوج جونپور تک بادشاہ حسین شاہ کے ساتھ جائے۔ ادھر بہلول لودھی نے جونپور کی طرف تعاقب کے ارادے سے اپنے قدم بڑھائے۔ سلطان حسین شاہ نے جونپور چھوڑ کر بہرائچ کا راستہ اختیار کیا اور وہاں سے قنوج پہنچا۔ بہلول بھی قنوج ہی کی طرف چل پڑا اور دریائے رہت (۴) کے ساحل پر دونوں طرف کی فوجوں میں خوب لڑائی ہوئی مگرچونکہ شکست کھانا سلطان حسین شاہ کے مقدر ہو چکا تھا للذا وہ اس جنگ میں بھی ہار گیا۔ حسین شرقی کا سارا مال و متاع لودھیوں کے قبضہ میں آ گیا اور اس کی بیوی خوترہ جو سلطان علاؤ الدین فرزند خضر خاں کی بیٹی تھی اس کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا اور بہلول لودھی نے اس خاتون کی عصمت و عفت کی حفاظت کے لئے محافظوں کو رکھا اس کے بعد دہلی آیا۔ اس لڑائی کے کچھ عرصہ بعد سلطان بہلول نے ایک عظیم لشکر جمع کیا اور جونپور جو عرصہ سے دہلی کے دار السلطنت سے باہر ہو گیا تھا۔ اس کو بہلول نے دوبارہ پایہ تخت دہلی میں شامل کرنے کی تدبیر سوچی اور حملہ کر کے شہر پر اپنا قبضہ کر لیا اور جونپور کی حکومت مبارک خاں لوحانی کے سپرد کر دی۔ قطب خاں لودھی اور دیگر امراء کو قصبہ مجھولی(۵) میں چھوڑ کر خود بدایوں چلا گیا۔ سلطان حسین موقع دیکھ کر پھر جونپور پہنچ گیا یہاں کے امراء اس سے بہت خندہ پیشانی سے پیش آئے اور سارے امراء جونپور سے قصبہ مجھولی قطب خاں کے پاس چلے گئے، مگر حسین شرقی کی خیر خواہی کا دم اس وقت تک بھرتے رہے جب تک انہیں بہلول لودھی سے مدد نہ ملی۔ سلطان بہلول ان واقعات کو سنتا ہوا قصبہ ہلدی جا پہنچا اور قطب خاں کے انتقال کی خبر سنی۔

اس نے کچھ دن تو تعزیت میں گزارے اس کے بعد جونپور چلا آیا۔ سلطان بہلول نے سلطان شرقی کو بہت دور بھگا دیا اور از سرنو جونپور کو فتح کر لیا۔ سلاطین شرقیہ کے تخت پر اپنے فرزند باربک شاہ کو بٹھایا اور خود کالپی پہنچ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ کالپی کی حکومت خواجہ بایزید کے بیٹے اور اپنے پوتے خواجہ اعظم ہمایوں کے سپرد کی اور چند وار ہوتا ہوا دھولپور پہنچا۔ یہاں کے راجہ نے خوفزدہ ہو کر کئی من سونا بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور خود اس کے اطاعت گزاروں میں شامل ہو گیا۔ یہاں سے الہ پور پہنچا یہ شہر نتھنبور کے نواح میں واقع ہے۔ اس شہر کو تباہ برباد کر دیا اور کامیاب حکمران کی طرح دہلی آیا یہ اب بہت ضعیف ہو چکا تھا۔ للذا اس نے تمام ملک اور جاگیریں سب رشتہ داروں اور بیٹوں میں تقسیم کیں۔ جونپور کی حکمرانی تو باربک شاہ نے اپنے فرزند کو دی۔ الہ پور کی حکومت شہزادہ عالم خاں کو دی، بھرائچ اپنے بھانجے شیخ محمد فرملی عرف کالا پہاڑ کو عنایت کیا، لکھنؤ اور کالپی خواجہ اعظم ہمایوں کو دیا اس کا باپ خواجہ بایزید خاں کچھ ہی عرصہ پہلے اپنے ایک ملازم کے ہاتھوں قتل ہو گیا تھا۔ بدایوں کی حکومت اپنے ایک عزیز خاص خان جہاں کو عنایت کی، دوآبہ کے درمیان کے بہت سے ملک شاہزادہ نظام خاں یعنی سلطان سکندر لودھی کو دیئے اور اس کو اپنا جانشین بنایا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد بہلول گوالیار کی طرف گیا وہاں کے راجہ سے اسی لاکھ تنگے وصول کیے۔ حکومت اسی راجہ کے ہاتھ میں دے دی اور اٹاوہ سکیٹ (۶) سنگھ کے بجائے اسی اور حکمران کے سپرد کیا۔

بہلول کی بیماری

راستہ میں بہلول کی طبیعت خراب ہو گئی بہت سے امراء نے مل کر بادشاہ کو یہ رائے دی کہ وہ اعظم خاں ہمایوں کو اپنا جانشین مقرر کر دے۔ بہلول میں اب اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ ان امراء کی رائے سے مخالفت کرے لہٰذا سلطان سکندر لودھی کو بلانے کے لئے بہت سے قاصد دہلی کو روانہ ہوئے۔ عمر خاں شروانی ان دنوں مختار کل تھا چونکہ بادشاہ کے اعضاء میں قوت نہ تھی لہٰذا تمام امور سلطنت کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں تھی۔ وہ ان امراء کے صلاح و مشورہ کو بھانپ گیا سلطان سکندر کی والدہ بھی اس سفر میں بادشاہ کے ہمراہ تھیں انہوں نے عمر خاں کو مشورہ دیا کہ ایک آدمی سکندر خاں کی خدمت میں بھیج کر اس کو کہلوا دیں کہ بادشاہ اور امراء نے اس کو نظر بند کرنے کی غرض سے بلایا ہے لہٰذا وہ اپنی روانگی کو معرض التوا میں رکھے اور اپنے لئے یہی بہتر سمجھے اس پیغام کے مطابق سلطان سکندر جانے میں تاخیر کرنے لگا۔ اس پر بہلول لودھی نے غصہ میں کہلوا بھیجا کہ اگر تم نہیں آنا چاہتے ہو تو میں خود تمہارے پاس آتا ہوں۔ سلطان سکندر اس حکم سے خوفزدہ ہوا اور چلنے کی تیاری کرنے لگا مگر سب اراکین مخالفت کرتے رہے اس پر سکندر سلطان نے قتلغ خاں جو حسین شرقی کا وزیر تھا اور قید میں پڑا ہوا تھا اور رائے دینے میں اس کو کافی ملکہ حاصل تھا اس نے کہا سراپردہ شاہی نصب کرکے کوچ کا اعلان کر دیا جائے اور سامان سفر کی درستی میں تاخیر کی جائے تاکہ کچھ عرصہ اس طرح مل جائے سلطان سکندر نے اسی کی رائے پر عمل کیا۔

بہلول لودھی کا انتقال

اتفاق سے اسی عرصہ میں بادشاہ بہلول لودھی کا مرض بہت بڑھتا گیا اور ۸۹۴ھ میں سکیٹ کے نواح قصبہ بھداؤنی میں بہلول لودھی نے دنیا کو خیرباد کہا۔ بہلول لودھی نے اڑتیس سال آٹھ ماہ اور سات دن حکمرانی کی اس کی ظاہری خوبیاں ناقابل بیان ہیں۔ مذہب اور شرع کا بہت پابند تھا۔ زیادہ تر سفر سیاحت میں فقراء اور درویش صفت لوگوں کی خدمت میں رہتا اور انہیں کی صحبت میں زندگی گزارتا۔ اپنے افغان بھائیوں سے بہت اچھا برتاؤ کرتا تھا اور ان افغانی امراء کے سامنے کبھی تخت پر جلوہ افروز نہ ہوتا بلکہ مساوات کے قانون کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں کے ساتھ ہمیشہ فرش پر جلوہ نشیں ہوتا۔ دہلی فتح کرکے سابق بادشاہوں کی جو ملکیت اور خزانہ ہاتھ آیا وہ تمام افغانی امراء میں برابر تقسیم کیا اور خود بھی ایک ہی حصہ اپنے لئے رکھا اپنے گھر میں کبھی کھانا نہ کھاتا۔ طویلہ خاص کے شاہی گھوڑوں پر کبھی سواری نہیں کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ میرے لیے صرف سلطنت کا نام ہی کافی ہے۔ مغل سپاہ کی بہادری پر بڑا اعتماد تھا یہی وجہ تھی کہ مغل شاہزادوں' بادشاہوں اور سپاہیوں کی تعداد تقریباً بیس ہزار ہو گئی تھی جہاں کہیں کسی مقام کے لئے سن لیتا کہ یہاں پر کوئی بہادر نوجوان موجود ہے اس کو فوراً بلاتا اور حسن سلوک سے پیش آتا۔ یہ بادشاہ بہت زیادہ عقلمند' دلیر' شجاع تھا۔ آئین جہانداری اور حکومت کے امور میں اس کو ملکہ حاصل تھا کبھی جلد بازی سے کام نہیں لیتا تھا ہمیشہ رعایا پروری اور عدل و انصاف میں اپنی زندگی گزاری۔

حوالہ جات

۱- یہ مقام "پاکھور" کے نام سے ضلع فرخ آباد میں ہے۔
۲- "تھواڑہ" لفظ کتابت کی غلطی ہے۔ منتخب التواریخ میں "بتھوارہ" لکھا ہے۔
۳- میرک کتابت کی غلطی ہے یہاں پر اصل لفظ میرٹھ ہونا چاہیے۔
۴- "رہت" لفظ ہی غلط لکھا ہے۔ یہاں پر "آب رہب" ہونا چاہیے۔ جو کالی ندی کا نام ہے۔ یہ قنوج کے نزدیک دریائے گنگا سے مل جاتی ہے۔
۵- اس نام کا کوئی قصبہ نہیں ملتا۔ البتہ "مہولی" اور مجولی نام کے کئی قصبے تھے۔
۶- یہ مقام دور اکبری میں قنوج کے راجہ کے تعلقہ میں شامل تھا۔ یہاں بلبن کے زمانہ کی تعمیر شدہ ایک مسجد ہے۔ اب یہ مقام ضلع لوٹیہ میں ہے۔

سلطان عادل نظام خاں سکندر لودھی

تخت نشینی

سلطان بہلول لودھی کے انتقال کے بعد تمام اراکین سلطنت نے باہم مشورہ کیا اور جانشینی کے لئے ولی عہد کا انتخاب کرنے لگے۔ بعض لوگوں نے بادشاہ مرحوم کے پوتے ہمایوں اعظم کی ولی عہدی پر زور دیا۔ بعض لوگوں نے اس کے بڑے بیٹے باربک شاہ کو جانشین بنانے کی رائے پیش کی۔ اس وقت سلطان سکندر کی ماں جس کا نام زیبا تھا اس نے امراء سے کہا کہ میرا بیٹا ہر طرح تخت حکومت کے لائق ہے اور تم لوگوں کے ساتھ اس کا برتاؤ بھی ہمیشہ اچھا ہی رہے گا۔ عیسیٰ خاں جو سلطان بہلول مرحوم کا چچا زاد بھائی تھا اس نے نہایت ترش لہجہ میں گالی دے کر کہا کہ سنار کا بیٹا دہلی کا تاجدار بننے کے لائق کیسے ہو سکتا ہے۔ خان خاناں قرملی نے یہ سن کر بہت غصہ میں کہا کہ ابھی کل تو بادشاہ کا انتقال ہوا ہے اور آج ہی سے ہم ان کی بیوی اور بیٹے کی یوں بے حرمتی شروع کریں یہ کسی طرح ٹھیک نہیں ہے۔ اس بات کے جواب میں عیسیٰ خاں نے کہا کہ تمہارا مرتبہ ایک ملازم سے زیادہ نہیں لہٰذا تم ہم رشتہ داروں کے معاملات میں دخل دینے کی ہمت نہ کرو۔ خان خاناں کو بہت طیش آیا اس نے کہا کہ میں سوائے سلطان سکندر کے اور کسی کا ملازم نہیں ہوں یہ مجلس سے اٹھا اور اپنے ہم خیال امراء کے ہمراہ بادشاہ کا جنازہ لے کر قصبہ جلالی (۱) میں جا پہنچا اور سلطان سکندر کو لے کر ایک بلند جگہ جو بیاس کے ساحل پر واقع ہے اور کوشک فیروز شاہ کے نام سے مشہور ہے وہاں سلطان سکندر لودھی کو تخت پر بٹھایا۔ سلطان سکندر نے اپنے والد کی لاش کو تو دہلی بھیج دیا اور خود عیسیٰ خاں پر حملہ کرنے کے لئے پہنچا۔ عیسیٰ خاں اس سے پہلے شکست کھا گیا اور سکندر سلطان نے اس کے گناہ بخش دیئے اور خود دہلی چلا آیا۔ سلطان سکندر کا کردار بھی بہت اچھا تھا باپ کی طرح یہ بھی حسن اخلاق کا مجسمہ تھا۔ ہر ایک افغان سے بہت اچھا برتاؤ کرتا اپنا بھائی سمجھتا۔ بادشاہ تمام امرائے دولت اور اراکین کے سامنے تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت اس کے چھ بیٹے تھے۔ ابراہیم خاں' جلال خاں' اسمٰعیل خاں' حسین خاں' محمود خاں' اعظم ہمایوں خاں۔

امرائے سلطنت

سکندر سلطان کے دربار میں ترپن امراء تھے جن کی فہرست یہ ہے خاں جہاں لودھی' احمد خاں فرزند خاں جہاں بن خان خاناں قرملی' شیخ زادہ قرملی' خانخاناں لوحانی' اعظم خاں شروانی' دریا خان فرزند مبارک خاں لوحانی جو بہار کا حکمران تھا' عالم خاں لودھی' جلال خاں پسر محمود خاں لودھی نائب کالپی' شیر خاں لودھی' مبارک خاں موحی' خلیل خاں لودھی' احمد خاں لودھی حاکم اٹاوہ' ابراہیم خاں شروانی' محمد شاہ لودھی' بابو خاں شیروانی' حسین خاں قرملی' نائب سہارن' سلیمان خاں پسر دوم خاں خاناں قرملی' سعید خاں فرزند مبارک خاں' شیخ زادہ محمد خاں ملقب بہ کالا پہاڑ فرزند خاں قرملی' شیخ جمال ولد شیخ عثمان قرملی' لودھی اسمٰعیل خان لوحانی' تاتار خان قرملی' عثمان خاں قرملی' شیخ جان پسر مبارک خاں لودھی' شیخ احمد قرملی' آدم خاں لودھی' حسین خان برادر آدم خان لودھی' کبیر خاں لودھی' مقبر خاں لوحانی' غازی خاں لودھی' تاتار خاں حاکم پنجارہ میاں چمن کنبوہ' حجاب خاص مجد الدین حجاب خاص' شیخ ابراہیم حجاب خاص' شیخ عمر حجاب خاص' قاضی عبد الواحد پسر طاہر کابلی حجاب خاص' بھورہ خاں فرزند خواص خاں' شیخ عثمان حجاب خاص' شیخ صدیق حجاب خاص' خواجہ نصر اللہ' مبارک اقبال خاں حاکم قصبہ بادی' اصغر خان فرزند قوام الملک حاکم دہلی' شیر خاں برادر مبارک خاں لوحانی' عماد الملک کھنول' عزیز مبارک خاں لوحانی' عالم خاں لودھی' کبیر خاں لودھی' ملکی خاں لودھی' ظہیر خاں لوحانی' عمر خاں شیروانی اور سنار خاں جلوانی۔

جاگیریں اور عہدے

تخت نشینی کے تھوڑے دنوں بعد ہی سکندر خاں رابری کی طرف چلا گیا۔ عالم خاں جو سلطان علاؤ الدین کے نام سے مشہور تھا کچھ دنوں تک چند واڑہ میں مقیم رہا لیکن بالآخر چندواڑہ سے بھاگ کر عیسیٰ خاں کے پاس جا پہنچا اور پٹیالی میں مقیم ہوا۔ سکندر لودھی نے رابری کی حکومت کی باگ ڈور خاں خاناں فرملی کے ہاتھ میں دی اور خود اٹاوہ چلا گیا۔ یہاں بادشاہ پورے سات مہینہ ٹھہرا رہا اور عالم خاں جس کا لقب علاؤ الدین تھا اسے اعظم ہمایوں کے پاس سے لے کر اپنے ساتھ لے آیا اور اس کو اٹاوہ کا حکمران بنا دیا۔

مہمات

اس کے بعد اٹاوے سے بادشاہ پٹیالی چلا گیا۔ ادھر عیسیٰ خاں نے پٹیالی پر دھاوا بول دیا اور اپنی فوج سکندر لودھی کے مقابلہ میں آراستہ کی مگر منہ کی کھانی پڑی۔ اور مجبوراً میدان چھوڑا اس جنگ میں عیسیٰ خاں کو ایک کاری ضرب لگی پھر یہی ضرب اس کی موت کا باعث ہوئی۔ اس کے بعد سکندر لودھی نے اپنے بڑے بھائی کو ایک قاصد کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ وہ بادشاہ کا نام بھی اپنے نام کے ساتھ خطبہ اور سکہ میں شامل کرے اور بادشاہ کی اطاعت کا اعلان کرے۔ رائے گیلن جو پہلے باربک شاہ کا بہی خواہ اور مشیر تھا وہ سکندر لودھی سے آملا گیا اس کو پٹیالی کی حکمرانی عطا کی۔ باربک شاہ نے سکندر لودھی کی فرمانبرداری کرنے سے انکار کیا بادشاہ نے اس پر چڑھائی کر دی۔ بادشاہ بھی کالا پہاڑ کے ہمراہ قنوج چلا دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ پر آئیں اور کالا پہاڑ بھی لڑنے کے لئے آمادہ ہو کر لشکر کی طرف بڑھا اس نے سکندر لودھی کی فوج پر حملہ کیا' لیکن قلب لشکر میں پہنچتے ہی اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ بادشاہ کے سامنے لایا گیا بادشاہ اس کو دیکھتے ہی گھوڑے سے نیچے آیا بہت ادب سے کالا پہاڑ سے مصافحہ کیا اور کہا تم میرے باپ کی طرح ہو مجھے بھی اپنا بیٹا سمجھو اس گفتگو سے کالا پہاڑ بہت شرمندہ ہوا اور کہا کہ اس احسان کے بدلہ میں اس کے سوا اور کوئی کام نہیں کہ میں اپنی جان آپ پر نچھاور کر دوں اور فرمائش کی کہ ایک گھوڑا دیا جائے تاکہ وہ باربک شاہ سے مقابلہ کرے۔ اس کے حملہ کرتے ہی باربک میدان چھوڑ کر چلا گیا اور بداؤں کی طرف جا نکلا شاہزادہ مبارک کو پکڑ لیا گیا۔ بادشاہ نے باربک کا پیچھا کیا اور بداؤں کو گھیر لیا۔ باربک شاہ نے پریشان ہو کر بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی اور اس کو ملازمت بھی دے دی گئی۔

بادشاہ اس کو بڑے ادب اور احترام سے اپنے ساتھ جونپور لایا اور اس کو جونپور کی راجدھانی عطا کی۔ سلطان شرقی ابھی بہار کے گرد نواح میں ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ سکندر لودھی نے اپنے قابل اعتماد حاکم مضافات جونپور میں مقرر کیے اور کچھ باربک شاہ کے پاس چھوڑے جونپور کے بہت سے پرگنے اپنے امراء کو تقسیم کر دیئے اور اس کے بعد جونپور سے کالپی چلا گیا۔ کالپی کی جاگیر اعظم ہمایوں سے لے کر محمود خاں لودھی کو دے دی۔ بادشاہ کالپی سے جتھرہ آیا۔ تاتار خاں جو جتھرہ کا حکمران تھا وہ بہت فرمانبرداری سے پیش آیا۔ بادشاہ نے جتھرہ کی حکومت اسی کے نام رکھی۔ خواجہ محمد فرملی کو خلعت خاص دے کر گوالیار کے حاکم راجہ مان سنگھ کے پاس بھیجا راجہ بہت محبت اور خیال سے پیش آیا۔ اس نے اپنے بھتیجے کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا وہ بیانہ تک بادشاہ کے ساتھ گیا۔ بیانہ کے حکمران سلطان شرف نے بھی بہت حسن اخلاق کا ثبوت دیا اور بادشاہ سے شرف نیاز حاصل کیا اور اطاعت قبول کی۔ سکندر نے سلطان شرف سے کہا کہ وہ بیانہ کی حکومت چھوڑ دے تاکہ اس کو جالیسہ' چند واڑہ' مارہرہ' سیکٹ کی جاگیریں اور حکمرانی عطا کر دی جائے اس پر سلطان شرف خاں اپنے ساتھ عمر خاں شیروانی کو لے کر گیا تاکہ قلعہ اور خزانہ کی کنجیاں بادشاہ کے سپرد کر دی جائیں' مگر بیانہ پہنچ کر سلطان شرف کی نیت بدل گئی اس نے قلعہ کو زیادہ مضبوط کر لیا اور بادشاہ کی اطاعت سے انکار کر دیا۔

بادشاہ نے اس عہد شکنی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ سلطان شرف کا بہی خواہ اور فرمانبردار ... خاں جلوانی تھا مگر اس نے سرکشی

اور خود بیانہ واپس چلا آیا- سکندر لودھی نے بہت ہی غصہ اور طیش کی حالت میں قلعہ کے لوگوں کو ستانا شروع کیا- عرصہ دراز کے بعد سلطان شرف بھی پریشان ہو گیا اور مجبوراً امان چاہی- ۸۹۷ھ میں بیانہ فتح کر لیا گیا- بیانہ کی حکومت خاں خاناں قرلی کے ہاتھ میں دے دی- سکندر لودھی نے سلطان شرف کو گوالیار کی طرف بھیج کر جلا وطن کیا اسی عرصہ میں گوالیار کا قلعہ بھی فتح کر لیا گیا- بادشاہ کامیاب ہو کر دہلی آ گیا- اسی دوران میں پتہ چلا کہ جونپور کے زمینداروں نے ایک لاکھ کی تعداد میں جمع ہو کر شیر خاں جو مبارک خاں لوحانی کا بھائی اور کڑہ کا حکمران تھا اس کو شہید کر ڈالا ہے- اور مبارک خاں لوحانی خود کڑہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا- لیکن پرسی (۲) بیال کے گھاٹ پر دریائے گنگا کو عبور کر رہا تھا کہ رائے شہریو ٹھٹھ (۳) کے راجہ نے اس کو گرفتار کر لیا- باربک شاہ بھی دشمنوں کے اجتماع سے گھبرا کر جونپور سے فرار ہوا اور بہرائچ میں کالا پہاڑ کے پاس آ کر دم لیا- بادشاہ کو حالانکہ ابھی صرف چوبیس ۲۴ دن ہی گزرے تھے مگر وہ جونپور کی طرف روانہ ہوا بادشاہ دریائے گنگا کو عبور کر کے دہلپور (۴) گیا- یہاں باربک شاہ بھی اس کی خدمت میں حاضر ہوا- اور اس پر نوازش شاہانہ کی بارش ہوئی- رائے شہریو بادشاہ کے پہنچنے کی خبر سن کر بہت ہراساں ہوا اس نے فوراً ہی مبارک خاں کو قید سے آزاد کر دیا- اور اس کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا- بادشاہ یہاں سے کاٹھ گڑھ چلا گیا یہاں کے زمیندار یکجا ہو کر بادشاہ کے ساتھ معرکہ آرائی پر آمادہ ہوئے- اس جنگ میں زمینداروں کو شکست فاش ہوئی اور سپاہیوں کو خوب مال غنیمت ملا-

یہاں سے بادشاہ پھر جونپور پہنچا اور باربک شاہ کو جونپور میں چھوڑ کر خود واپس چلا آیا- آس پاس کے مقامات میں بادشاہ نے تقریباً ایک مہینہ سیر و شکار میں گزارا- اسی دوران میں مخبروں نے بتایا کہ باربک شاہ جونپور میں زمینداروں کے مقابلہ میں نہیں ٹھہر سکتا- اس پر بادشاہ نے احکامات جاری کیے کہ کالا پہاڑ، اعظم ہمایوں، شیروانی اور خانخاناں لوحانی اودھ ہو کر مبارک خاں کڑہ کے راستہ سے جونپور تک جائیں- اس کے گرد و نواح کے انتظامات درست کر کے باربک شاہ کو قید کر کے بادشاہ کے پاس بھیج دیں- باربک شاہ بادشاہ کے سامنے لایا گیا- سلطان سکندر نے اس کو ہیبت خاں لوحانی اور عمر خاں شروانی کے ہاتھوں میں دے دیا- بادشاہ خود جونپور کے گرد و نواح میں ہوتا ہوا جونپور سے قلعہ چنار کی طرف چل دیا- حسین شاہ شرقی کے بہت سے امراء جو وہاں پر موجود تھے وہ سب بادشاہ کے مقابلہ پر لڑنے کے لئے آ گئے، مگر سب ہار گئے اور قلعہ بند ہو گئے- قلعہ چونکہ مستحکم اور پائدار تھا لہٰذا بادشاہ نے اس کا محاصرہ کرنا بیکار سمجھا اور چنار سے پٹنہ کے مضافات میں ہوتا ہوا کٹبہ (۵) کی طرف چلا- یہاں کے راجہ نے اس کا بہت اچھی طرح استقبال کیا اور رائے بھلور سکندر کی اطاعت پر بھی مجبور ہو گیا- سلطان نے کٹبہ کی راجدھانی اسی راجہ کو دے دی اور خود اریل (۶) چلا گیا- اسی درمیان میں رائے بھلا، سکندر سے بہت خوفزدہ ہو گیا وہ تمام اسباب جاہ و حشمت وہیں چھوڑ کر پٹنہ کی طرف روانہ ہو گیا، لیکن بادشاہ نے اس کا تمام مال و اسباب جاہ و حشم اس کے پاس پٹنہ بھیج دیا-

شمس آباد کا سفر

سلطان سکندر نے مبارک خاں لوحانی کے بھائی شیر خاں کی زوجہ سے نکاح کیا اس کے بعد شمس آباد روانہ ہو گیا- قصبہ دیوتاری، جو چوروں، لٹیروں اور باغیوں کا اڈہ تھا اس کو بادشاہ نے حتی الامکان تاخت و تاراج کیا بہت سے سرکش پکڑے اور مارے گئے- کچھ لوگوں نے وزیر آباد میں جا کر پناہ ڈھونڈی سکندر سلطان وہاں بھی پہنچا اور وزیر آباد والوں کو قتل و غارت کر کے پھر شمس آباد چلا گیا برسات کا سارا موسم یہیں ٹھہرا رہا- اس کے بعد ۹۰۰ھ میں رائے بھلدر کی سرکشی دور کرنے اور سمجھانے بجھانے کے لئے پٹنہ چلا گیا- راستہ میں یہاں کے سرکشوں کو بھی موت کے گھاٹ اتارا- اس کے بعد کھارن اور کہانی پہنچا- بھلدر کے فرزند نرسنگھ رائے نے بادشاہ سے معرکہ آرائی کی اور ہار کر پٹنہ بھاگا- سلطان سکندر بھی پٹنہ کی طرف چلا رائے بھلدر سرگچھ چلا، مگر راستہ میں اس کا انتقال ہو گیا- سلطان کچھ سے شہدیور کی طرف چلا جو پٹنہ کے گرد و نواح میں ...

جونپور چلا گھوڑے مسافرت میں بہت تھک گئے تھے جس کے پاس دس گھوڑے تھے اس میں سے نو مر گئے کھم چند جو بھلدر کا بیٹا تھا اس نے سلطان حسین شرقی کے پاس پیغام بھیجا کہ سلطان سکندر کا لشکر گھوڑوں سے خالی ہے۔ سامان اسپ بالکل ختم ہو گیا ہے لہٰذا اس سنہری موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ فوراً سلطان سکندر پر حملہ کر دیا جائے یہ سنتے ہی حسین شرقی اپنا لشکر لے کر بہار سے چل کھڑا ہوا۔

ادھر سکندر سلطان نے بھی کنتت کے گھاٹ سے دریائے گنگا کو جلد جلد پار کیا اور حسین شرقی کے مقابلہ کے لئے پہنچ گیا۔ بنارس سے اٹھارہ کوس کے فاصلہ پر فریقین نے آپس میں دست و گریباں ہونے کی ٹھانی۔ سلطان سکندر نے خانخاناں کو رائے بھلدر کے بیٹے سالباہن (۷) کے پاس روانہ کیا کہ وہ اس کو تسلی دے کر آئے اور خود حسین شرقی سے آمادہ پیکار ہوا۔ سالباہن راہ ہی مے ۔ مل گیا اور ایک عظیم لڑائی اور خونریزی کے بعد حسین شرقی ہار گیا اور پٹنہ کی طرف رجوع کیا۔ بادشاہ نے اپنا لشکر اسی جگہ چھوڑا اور جیسا کہ عام روایت ہے ایک لاکھ سپاہ کو اپنے ہمراہ لے کر سلطان شرقی کا پیچھا کرنے کے لئے چلا۔ راہ میں معلوم ہوا کہ حسین شرقی بہار واپس لوٹ گیا لہٰذا بادشاہ بھی نو دن تک ٹھہر کر پھر واپس اپنی سپاہ سے مل گیا اور بہار کی طرف چل پڑا۔ حسین شرقی کو بادشاہ کی آمد کی خبر ہوئی لہٰذا اس نے ملک کھندو کو تو بہار کے قلعہ میں چھوڑا اور خود کھل گاؤں (۸) جو لکھنوتی کے گرد و نواح میں واقع ہے وہاں چلا گیا۔

بادشاہ بنگالہ سلطان علاؤ الدین نے اس کی بہت آؤ بھگت کی اور اس کے لئے آرام و آسائش کا سارا سامان مہیا کر دیا۔ اس نے حکمرانی کے خواب دیکھنا چھوڑ دیے اور باقی ماندہ زندگی وہیں بہت عیش کے ساتھ گزاری۔ حسین شرقی نے جیسے ہی خانہ نشینی اختیار کی ویسے ہی جونپور کے بادشاہوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ سلطان سکندر نے دیو بارہ سے ایک لشکر عظیم لے کر ملک کھندو کے سر پر متعین کیا۔ ملک کھندو گھبرا کر بھاگ گیا اور بہار کی حکومت سلطان سکندر کے ہاتھ میں آ گئی۔ بادشاہ نے محبت خاں کو امراء کی ایک جماعت کے ساتھ بہار میں چھوڑا اور خود درویش پور جا پہنچا۔ سلطان سکندر نے خاں جہاں فرزند خانخاناں قرملی کو فوج میں چھوڑا اور خود ترہٹ کی طرف چل دیا۔ یہاں کا راجہ بہت عاجزی کے ساتھ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا اور کئی لاکھ ٹنکے خراج دینا منظور کیا۔ بادشاہ نے مبارک خاں لوحانی کو خراج کی رقومات وصول کرنے کے لئے ترہٹ میں ہی رہنے دیا اور خود درویش پور چلا آیا۔ خاں جہاں فرزند خاں خاناں قرملی کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ نے اس کے بیٹے خسرو خاں کو ہمایوں اعظم کا لقب دیا اور پھر وہاں سے بہار کے مشہور و معروف بزرگ حضرت شیخ شرف الدین منیری رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس کی زیارت کے لئے روانہ ہوا اس قصبہ کے فقراء اور مساکین کو انعام و اکرام دے کر پھر درویش پور آ گیا۔

حاکم بنگالہ پر حملہ

اس کے بعد بادشاہ علاؤ الدین حاکم بنگالہ پر حملہ کیا' سلطان سکندر کا لشکر بہار کے نواح میں قصبہ قتلغ پور پہنچا۔ علاؤ الدین نے اپنے بیٹے دانیال کو سلطان سکندر سے معرکہ آرائی کرنے کے لئے بھیجا۔ سلطان سکندر نے بھی محمود خاں لودھی' مبارک خاں لوحانی کو مقابلہ کے لئے متعین کیا۔ موضع بارہ میں فریقین ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے' لیکن اس شرط پر صلح ہو گئی کہ کوئی گروہ ایک دوسرے کی ولایت کو نقصان نہ پہنچائے اور نہ ایک دوسرے کے دشمن کو اپنے پاس پناہ دے۔ محمود خاں لودھی اور مبارک خاں لوحانی دونوں واپس آ گئے' لیکن بہار کے نواح قصبہ پٹنہ میں مبارک خاں لوحانی کا انتقال ہو گیا۔ سکندر لودھی بھی قتلغ پور سے درویش پور آیا۔ چند ماہ تک یہیں ٹھہرا چونکہ مبارک خاں لوحانی نے یہیں انتقال کیا تھا لہٰذا اس کے بیٹے اعظم ہمایوں کو یہاں کی حکمرانی عطا کر دی گئی اور بہار کی حکمرانی دریا خاں جو مبارک خاں کا فرزند تھا اس کو دے دی گئی۔

اس زمانہ میں چونکہ بادشاہ نے اناج کی بہت کمی محسوس کی لہٰذا اس نے فلاح عام کے لئے غلہ کی زکوۃ بالکل بند کر دی اور تمام دار

گیا اور قصبہ کے گرد و نواح کے پرگنہ جو زمینداروں کے قبضہ میں تھے ان سے لے کر ان کو لودھی امراء کے ہاتھ میں دے دیئے۔ اس کے بعد یہ مچھلی گڑھ ہوتا ہوا جونپور گیا یہاں چھ ماہ تک قیام کیا۔ بادشاہ نے چونکہ سالباہن کی بیٹی کو اپنے نکاح میں لانا چاہا تھا مگر اس سے سالباہن نے انکار کر دیا لہٰذا بادشاہ کو ناگوار گزرا تھا وہ اب بدلہ لینے کے لئے پٹنہ پر حملہ آور ہوا۔ اس کی آبادی کا دور دور تک نشان نہ ملا اور سکندر لودھی کے ہاتھوں برباد ہو گیا۔ سکندر لودھی باندو گربہ (۹) کے گرد و نواح میں جو سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم قلعہ تھا اور حاکموں کا صدر مقام تھا وہاں پہنچا لودھی نوجوان نے اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے' لیکن پھر بھی قلعہ کا استحکام بادشاہ کی فتح یابی میں مانع ہوا۔ بادشاہ اس کو فتح کرنے کا خیال دل سے نکال کر جونپور واپس آ گیا یہاں آ کر بادشاہ نے مہمات سلطنت کو سرانجام دینے میں باقاعدگی سے کام لینا شروع کیا۔ اسی عرصہ میں مبارک خاں موجی کا محاسبہ درپیش ہوا اور باربک شاہ کو گرفتار کر کے جون پور کی حکومت کی باگ ڈور مبارک خاں کے ہاتھوں میں دے دی گئی۔

مبارک خاں سرکاری مال ہضم کر کے یہ چاہتا تھا کہ چند روز بہانہ کر کے اس معاملہ کو ٹال دیا جائے مگر بادشاہ نے حکم دے دیا کہ اس سے تمام پچھلا محصول وصول کر لیا جائے۔ بادشاہ کے اس حکم سے افغان امراء بہت رنجیدہ ہوئے اسی عرصہ میں حسن اتفاق سے بادشاہ چوگان بازی کے لئے چلا راستہ میں ہیبت خاں شیروانی کی چوگان سے سلیمان خاں فرزند دریا خاں کی چوگان ٹکرا گئی اس سے سلیمان کے سر پر کاری ضرب لگی اور اس واقعہ کے بعد دونوں امراء کے درمیان سخت جھگڑا ہو گیا آپس میں رنجش بھی پیدا ہو گئی۔ خضر نے ہیبت خاں کے سر پر جان بوجھ کر چوگان ماری اس کی اس حرکت سے ایک شور برپا ہو گیا۔ محمود خاں لودھی اور خان خاناں ہیبت خاں کو تسلی دے کر گھر لائے۔ بادشاہ بھی میدان سے محل کی طرف چلا چار دن کے بعد بادشاہ پھر چوگان بازی کے لئے نکلا راستہ میں شمس خاں جو ہیبت خاں کا رشتہ دار تھا بہت غصہ میں کھڑا تھا۔ خضر خاں کو دیکھتے ہی اس نے اس کے سر پر چوگان مار دی بادشاہ بھی غیظ و غضب میں بھر گیا۔ شمس خاں کو جوتوں اور لاتوں سے مار مار کر پھر محل کی طرف چلا۔ ان پیہم واقعات کے بعد بادشاہ اپنے امراء کی طرف سے بددل ہو گیا وہ جن اراکین و امراء کو اپنا بہی خواہ اور طرفدار سمجھتا تھا ان کو پاسبانی کے لئے مقرر کیا چنانچہ یہ امراء ہتھیار بند ہو کر رات بھر پاسبانی کرتے تھے۔ اسی عرصہ میں ہیبت خاں شروانی اور دیگر امراء نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے شاہزادہ فتح خاں فرزند سلطان بہلول لودھی کے پاس پیغام بھیجا کہ بعض فوجی حکام سکندر لودھی کی حکمرانی سے نالاں ہیں اور تم کو اپنا سردار اعلیٰ بنانا چاہتے ہیں لہٰذا اگر تم چاہو تو سکندر لودھی کو درمیان سے ہٹا کر تمہیں سلطنت دہلی کا تاجدار بنا دیں۔ شہزادہ فتح خاں نے طاہر کابلی اور اپنی ماں سے یہ بات کہہ دی۔ دونوں نے شہزادے کو نصیحت کی کہ یہ بیوفا اور عاقبت نا اندیش امراء ہیں تم یہ راز جا کر سلطان سکندر کو بتا دو چنانچہ شہزادہ فتح خاں نے ایسا ہی کیا اور سلطان سکندر نے ان بد خواہ سرکش باغیوں کو کسی نہ کسی طرح جلاوطن کر کے اور مختلف سزائیں دے کر تباہ و برباد کر دیا۔

سنبھل میں قیام

۹۰۵ھ میں بادشاہ سنبھل کی طرف چلا اور وہاں مستقل چار سال تک چوگان بازی اور سیر و سیاحت میں لگا دیئے یہیں پر بادشاہ کو معلوم ہوا کہ دہلی کا حاکم اصغر بدکرداری اور بداعمالی پر اتر آیا ہے۔ اس نے ماچیواڑہ کے حکمران خواص خاں کو حکم دیا کہ وہ دہلی جائے اور اصغر کو گرفتار کر کے لائے اور بادشاہ کے سامنے پیش کرے' لیکن اس سے پہلے کہ خواص خاں وہاں پہنچے اصغر شنبہ کی رات ۹۰۷ھ کو قلعہ سے نکل کر سنبھل چلا گیا مگر وہاں پر بھی اس کو گرفتار کر لیا گیا۔ خواص خاں دہلی کا حکمران بن بیٹھا اور حکومت کرنے لگا۔ اسی زمانہ کا یہ قصہ مشہور ہے کہ ایک دن ایک ہندو جس کا نام بودھن تھا اور وہ موضع کاتین کا رہنے والا تھا اس نے ایک دن ایک مسلمان کے سامنے کہہ دیا کہ مسلمانوں کا مذہب سچا ہے اور ہندو مذہب بھی حق پر ہے اس ہندو کا یہ مقولہ پورے شہر میں پھیل گیا۔ قاضی پیارے و شیخ بدر نے ایک دوسرے کے خلاف فتویٰ دے دیا۔ یہ لوگ لکھنوتی ہی میں تھے اعظم ہمایوں بن خواجہ بایزید لکھنوتی کے حکمران نے ان شیخ اور قاضی

نیز اس ہندو کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا- بادشاہ کو علمی مباحث سننے کا بہت شوق تھا اس نے چار اطراف سے نامی گرامی مشہور عالموں کو اپنے دربار میں بلوایا ان کے نام یہ ہیں- میاں قادر بن خواجہ شیخ' میاں عبد اللہ بن اللہ داد طلتی' سید محمد بن سعید خاں دہلوی' ملا قطب الدین اور ملا اللہ داد صالح سرہندی اور سید امان' سید ماہان' سید احسن قنوجی مذکور الصدر علماء کو چھوڑ کر شاہی دربار کے علماء اور فضلا و مثلاً صدر الدین قنوجی میاں عبد الرحمٰن جو فتح پور سیکری کے رہنے والے تھے اور میاں عزیز اللہ سنبھلی وغیرہ جو بادشاہ کے مقربین خاص میں سے تھے سب نے مل کر ایک مجلس مباحثہ کی بنیاد ڈالی ان تمام علماء نے یہ ہی رائے دی کہ بودھن کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے- اگر وہ منکر ہو تو پھر قید کر دیا جائے اور موت کے گھاٹ اتارا جائے- چنانچہ ایسا ہی ہوا اس نے جب انکار کیا تو بودھن کو قتل کر دیا گیا کیونکہ علماء نے فتویٰ بھی یہی دیا تھا- بادشاہ نے تمام علماء کو شاہی نوازشوں سے مالا مال کیا اور سب واپس چلے گئے-

حاکم بیانہ کا انتقال

خواص خاں نے اپنے بیٹے اسمٰعیل خاں کو شاہی حکم کے مطابق لکھنوتی کا حاکم بنا دیا اور خود بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اسی دوران میں سعید خاں شیروانی بھی لاہور سے شاہی بارگاہ میں حاضر ہوا- اس کو بھی بادشاہ نے نوازشات سے مالا مال کیا- چونکہ یہ شیروانی بھی بدخواہوں میں سے تھا لہٰذا بادشاہ نے اس کو مع تاتار خاں قرلی' محمد شاہ لودھی اور باقی ماندہ غداروں کے گجرات کے اطراف و جوانب میں غربت کی زندگی گزارنے کے لئے جلا وطن کر دیا- اسی سال یعنی ۹۰۷ھ میں گوالیار کے راجہ رائے مان سنگھ نے ایک ایلچی نہال سنگھ کو بہت سے نذرانے اور تحفوں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لئے بھیجا- یہ بحیثیت ان کے ایلچی کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا- یہ خواجہ سرا بہت بدزبان اور خراب آدمی تھا بادشاہ اس سے خوش نہ ہوا اور اس کو واپس کر دیا- پھر بادشاہ نے راجہ کو حملہ کرنے اور قلعہ فتح کرنے کی دھمکی دی- اسی دوران میں معلوم ہوا کہ بیانے کے حکمران خان خاناں قرلی کا انتقال ہو گیا- لہٰذا بادشاہ نے کچھ عرصہ کے لئے عارضی طور پر بیانے کی حکومت احمد اور سلیمان یعنی خانخاناں کے پوتوں کے ہاتھ میں دے دی' لیکن چونکہ بیانہ کا قلعہ بہت مضبوط تھا اور اس کی سرحد بھی بہت پائدار تھی اس لئے یہ جنگ و فساد اور بغاوت کا سرچشمہ بنا رہا- بادشاہ نے احمد اور سلیمان سے وہاں کی حکومت لے کر خواص خاں کے ہاتھ میں دے دی اس کے بعد صفدر خاں جو بیانے کے گرد و نواح کا انتظام کر رہا تھا اس کو آگرہ کا منتظم بنا کر بھیج دیا گیا- احمد اور سلیمان بیانے سے سنبھل آ گئے- پھر وہ شمس آباد' جالیسہ' کنپل اور شاہ آباد کے پرگنوں کے مالک بنا دیئے گئے- بادشاہ نے میوات کے حاکم عالم خاں کو اور خانخاناں جوابری (۱۰) کا حکمران تھا دونوں کے نام یہ حکم نامہ جاری کیا کہ دونوں مل کر دھولپور کی مہم کو سر کریں- اس قلعہ کو آسے (۱۱) رائے بنایک دیو کے ہاتھ سے نکال لیں مگر رائے نے ان امراء کا مقابلہ کیا اور خواجہ بین جو شاہی امراء میں سب سے زیادہ جری اور طاقتور تھا اس کو اسی جنگ میں شہادت کا درجہ ملا- اس کے علاوہ شاہی سپاہ کے گروہ کے گروہ اس جنگ میں کام آنے لگے-

بادشاہ کو جب ان تمام حالات سے آگاہی ہوئی تو وہ جمعہ کے دن ۹۰۵ھ کو سنبھل سے روانہ ہو کر دھولپور کی طرف چلا- بادشاہ دشمن کے نزدیک پہنچا اور بنایک دیو نے بادشاہ کی سپاہ اور رعب سے خوف کھا کر قلعہ اپنے خیر خواہوں کے سپرد کیا اور خود گوالیار چلا گیا- مگر اس کے متعلقین بھی سکندر سپاہ کے مقابلہ کی تاب اپنے آپ میں نہ پا کر قلعہ رات ہی کو خالی کر کے فرار ہو گئے اور بادشاہ صبح ہوتے ہی قلعہ کے اندر گیا- دو رکعت نماز بطور شکرانہ ادا کی اور فتحمندی کا جھنڈا گاڑ دیا- ادھر سکندری سپاہ نے دھولپور اور اس کے گرد و نواح کو تباہ و برباد کرنا شروع کر دیا وہاں کے باغات جو سات کوس تک پھیلے ہوئے تھے ان کو بالکل ختم کر دیا- مسلسل ایک ماہ تک دھولپور کو تاخت و

بادشاہ نے دو ماہ تک مسلسل یہاں قیام کیا اس کی سپاہ میں پانی کی خرابی کی وجہ سے بیماری پھیل گئی ہیضہ اور طاعون سارے لشکر میں پھیل گیا۔ گوالیار کے حکمران کو بھی سر تسلیم خم کرنا پڑا اور صلح کرنی چاہی۔ ساتھ ہی راجہ نے سعید خاں' بابو خاں اور رائے گنبس کو جو بادشاہ سے بغاوت کر کے راجہ کے پاس پناہ گزین تھے' اپنے یہاں سے نکال دیا اور اپنے فرزند اکبر بکرماجیت کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا۔ سلطان سکندر نے اس کو شاہی نوازشات سے نوازا اور خود واپس چلا آیا۔ بادشاہ اس کے بعد دھولپور چلا گیا۔ یہاں بنایک دیو کو دھولپور کا حکمران بنایا اور پھر آگرہ آ گیا۔ آگرہ مسلمانوں کا یا ہندوؤں کے دور حکمرانی میں ابھی تک پایہ تخت نہیں بنا تھا اب بھی بیانے ہی کے تحت میں تھا۔ سلطان سکندر نیدر اور گوالیار کو فتح کرنے کے خیال سے اٹھا اور حصار سیری جو نئی دہلی کا نام تھا اس کو اب پایہ تخت کی حیثیت سے چھوڑ دیا گیا اور آگرہ کو دار الخلافہ بنا دیا گیا۔ بادشاہ نے برسات کا موسم یہیں گزارا اور ۹۱۰ھ میں جب ستارہ سہیل نے نکل کر نوید کامرانی دیا۔ تب بادشاہ مندرایل (۱۲) کا قلعہ فتح کرنے کے ارادے سے آگرہ سے چلا۔ ایک ماہ تک دھولپور کے آس پاس رہا۔ گوالیار و مندرایل کے گرد و نواح مقامات میں خوب لوٹ مار کی۔ اس کے بعد قلعہ مندرایل کو خود جا کر فتح کر لیا۔ اہل قلعہ نے محاصرہ کے خوف سے گھبرا کر خود ہی قلعہ بادشاہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ بادشاہ نے مندرایل کے سات بت خانے تباہ و برباد کر کے مسجدیں بنوائیں اور ایک معتمد کے ہاتھ میں قلعہ کا انتظام سپرد کر کے خود دھولپور چلا گیا۔ دھولپور کی حکومت کی باگ ڈور شیخ فخر الدین کے سپرد کر کے بادشاہ آگرہ واپس آیا تمام امراء کو اپنی اپنی جاگیروں پر جانے کی اجازت دے دی۔ تین صفر ۹۱۱ھ کو اتوار کے دن آگرہ میں ہندوستان کا سب سے بڑا زلزلہ آیا اس سے قبل کبھی ایسا زلزلہ نہ آیا تھا پہاڑ ہل گئے۔ عمارتیں گر پڑیں اور زندہ لوگوں کے لئے گویا قیامت آ گئی۔ مردوں کو احساس ہوا کہ جیسے حشر کا روز آ گیا اس کے بعد یا پہلے ایسے قیامت انگیز زلزلہ کا پتہ نہیں ملتا اسی دن ہندوستان کے دیگر شہروں میں بھی زلزلہ آیا۔

غیر مسلموں کی تباہی و بربادی

ستارہ سہیل کے نکلنے کے بعد بادشاہ گوالیار کی طرف چلا۔ دھولپور میں ڈیڑھ مہینہ رہنے کے بعد چنبل ندی کے ساحل کوکھ گھاٹ پر اپنے خیمے نصب کیے۔ تھوڑے دنوں تک اس گھاٹ پر مقیم رہا اس کے بعد شہزادہ جلال اور ابراہیم کو دیگر قابل اعتماد امراء کے ہمراہ یہاں چھوڑ کر خود ہندوؤں اور دیگر غیر مسلمانوں کو تخت و تاراج کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ تمام ہندو جو جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے تھے سب کو تلاش کر کے تلوار کے گھاٹ اتارا اور ان سب سے سکندری سپاہ نے بہت سا مال و متاع پایا چونکہ اب بنجاروں نے آنا ترک کر دیا تھا اور سکندری فوج میں اناج کی بہت کمی محسوس ہوئی لہٰذا بادشاہ نے اعظم ہمایوں' احمد خاں لودھی اور مجاہد خاں کو غلہ کی فراہمی کے لئے روانہ کیا۔ گوالیار کے راجہ نے ان امراء کو راستہ میں روکا مگر تھوڑی سی کشمکش کے بعد راجہ کو ناکامی ہوئی اور غلہ سکندری سپاہ میں پہنچ گیا۔ بادشاہ سیر و تفریح کرتے کرتے گوالیار کے قصبہ ہنور میں جا پہنچا اور یہاں پر اس نے طلایہ کو لشکر سے دس کوس آگے فوج کی نگہبانی کے لئے مقرر کیا۔ لشکر دشمن کی طرف بڑھا طلایہ نے فوج کی حفاظت میں بہت محنت شاقہ سے کام لیا۔ واپسی پر راجہ گوالیار کی سپاہ نے اپنی جائے رہائش سے نکل کر بادشاہ کی فوج پر حملہ کیا اور بہت زور کا معرکہ ہوا۔ ہزاروں جانیں تلف ہوئیں اس میں خان جہاں بن خان خاناں فرملی کے دونوں بیٹوں احمد اور داؤد نے اپنی بہادری کے جوہر دکھائے جن کی وجہ سے مسلمانوں کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔ اس جنگ میں بہت سے راجپوت کام آئے اور بہتوں کو سکندر نے قید کر دیا۔ واپسی پر بادشاہ نے ان دونوں بھائیوں کو نوازشات شاہی سے مالا مال کیا۔ داؤد خاں کو ملک داؤد کا لقب دے کر پھر آگرہ لوٹ آیا۔ یہیں برسات کا موسم گزارا ۹۱۲ھ میں بادشاہ قلعہ اوویت (۱۳) نگر کی طرف چلا۔ یہاں سے سکندر شاہ دھولپور پہنچا اور یہاں قیام پذیر ہو کر عماد خاں فرملی اور مجاہد خاں کو کئی ہزار سوار اور سو ہاتھیوں کے ہمراہ یہیں قلعہ اوویت نگر فتح کرنے کے لئے مقرر کیا۔ حاجب کا عہدہ قاضی عبد الواحد کو دیا جو شیخ طاہر کابلی کے فرزند تھے۔ یہ قصبہ تھانیسر کے رہنے والے تھے ان کے ساتھ اس کام پر شیخ ابراہیم بھی تھے۔ محمود خاں کے انتقال کے بعد کالپی کی حکمرانی ان کے بیٹے

جلال خاں کے ہاتھ میں دے دی۔

جلال خاں کے دونوں بھائی بھکن خاں اور حاجی خاں اس سے معرکہ آرا تھے۔ لہٰذا بادشاہ نے کالپی کی حکمرانی جلال خاں سے لے کر فیروز ادغان کو دے دی اور وہ اس شہر کا حکمران مقرر ہو گیا۔ ادغان نام کا ایک قبیلہ ہے جو افغان سے مشابہت رکھتا ہے۔ سکندر بادشاہ نے مجاہد خاں کو تو دھولپور ہی میں رہنے دیا۔ خود چنبل ندی کے کنارے اپنا خیمہ لگایا۔ یہاں پر خواص خاں اور بھکن خاں بادشاہ کے حضور دربار میں داخل ہوئے ان کو شاہی مراعات سے مالا مال کیا گیا۔ بادشاہ خود اودیت نگر جا پہنچا اور پہنچتے ہی اس نے قلعہ کو گھیر لیا وہ سمجھتا تھا کہ اگر اس قلعہ کو فتح کر لیا تو پھر گوالیار کو فتح کرنا اور اس کے قلعہ پر قبضہ کرنا مشکل نہ ہو گا۔ اور اپنی تمام سپاہ کو سکندر نے اچھی طرح سمجھا دیا کہ اب جان کے ایثار کا وقت ہے لہٰذا جان اور مال و متاع کا خیال کیے بغیر ہی قلعہ کو فتح کرنے میں اپنی مجاہدانہ کوششیں دکھائیں۔ جوشیوں نے جو گھڑی مقرر کی تھی اسی نیک ساعت میں سکندر لودھی نے میدان کارزار میں قدم رکھا چہار اطراف سے دھاوا کیا سکندری سپاہ ٹڈی دل کی طرح قلعہ پر چھا گئی ہر سپاہی نے ہمت بہادری کے جوہر دکھائے۔ فتح سکندر کے ہاتھ رہی۔ ملک علاؤ الدین کی طرف کی دیوار ٹوٹ گئی اس راستے سے بادشاہ کی فوجیں قلعہ کے اندر گھس گئیں قلعہ والوں نے لاکھ اپنے آپ کو بچانے کے جتن کیے مگر کارگر نہ ہوئے اور قلعہ فتح کر لیا گیا۔ ہندو راجپوت خود اپنے گھروں میں آگ لگا رہے تھے۔ اپنے اہل و عیال کو قتل کرتے تھے بہت سے راجپوت اس جنگ میں کام آئے۔ اتفاقاً ایک تیر ملک علاؤ الدین کی آنکھ میں لگا اس کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ بادشاہ نے شکر خدا ادا کیا اور پھر شہر کے بت خانے مسمار کر کے ان کی جگہ پر مسجدیں بنوائیں۔ اس قلعہ کی حکمرانی مجاہد خاں کے بیٹے بھکن خاں کے ہاتھ میں دیدی' لیکن اس کے بارے میں جب بادشاہ کو معلوم ہوا کہ اس نے ہنونت کے راجہ سے رشوت لے کر یہ وعدہ کیا ہے کہ وہ بادشاہ کو واپس بھیج دے گا۔ تو اسی وجہ سے ۹۱۳ھ میں اس کے خیر خواہ ملا چمن صاحب کو تو قید کر کے تاج الدین کنبوہ کے ہاتھ میں دے دیا اور حکم صادر کیا کہ مجاہد خاں کو فوراً گرفتار کر لیا جائے۔ بادشاہ خود دھولپور ہی میں قیام پذیر رہا۔ اس کے بعد بادشاہ آگرہ کی طرف چلا راستہ بہت خراب تھا اور راستہ کے نشیب و فراز اور پانی کی قلت کی وجہ سے کئی سو انسان اور جانور ختم ہو گئے۔ لاشوں کی تعداد شمار کرنے پر تقریباً آٹھ سو ہو گئی تھی اور ایک آب خورہ پانی کے دام پندرہ ٹنکے ہو گئے تھے۔ بادشاہ یہاں سے پھر دھولپور کی طرف بڑھا اور تھوڑے دن وہاں ٹھہر کر پھر آگرہ واپس چلا آیا اور برسات کا سارا موسم وہیں گزارا۔

قلعہ نرور کی تسخیر

۹۱۴ھ میں جب ستارہ سہیل طلوع ہوا تو بادشاہ نے نرور کے قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ پہلے جلال خاں جو کالپی کا حکمران تھا اس کے پاس بادشاہ نے پیغام بھیجا کہ جا کر نرور کے قلعے کو گھیر لے اور اگر اہل قلعہ صلح و آشتی کے متمنی ہوں تو ان کی خواہش منظور کر لی جائے۔ حکم پاتے ہی جلال خاں نے نرور کے قلعہ کو گھیر لیا اور اس کے پیچھے ہی سکندر لودھی خود بھی پہنچ گیا اور دوسرے دن قلعہ کو دیکھنے کے لئے نکلا۔ جلال خاں نے فوج کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ میں پیدل سپاہ دوسرے میں ہاتھیوں کو رکھا اور تیسرے حصہ میں اسپ سوار اس طرح فوج کو ترتیب دے کر بادشاہ کے مجرا کے لیے راستہ میں کھڑا کیا بادشاہ کو جلال خاں کی فوجی طاقت پر کچھ شک ہوا اور اس نے سوچا کہ اس طاقت کو رفتہ رفتہ کم کرنا چاہیے لہٰذا اس نے قلعہ نرور کو جس کا رقبہ آٹھ کوس تھا ایک سال تک گھیرے رکھا اور اس عرصہ میں ہزاروں سپاہی ختم ہو گئے۔ ابھی آٹھ مہینے گزرے تھے کہ بادشاہ کو معلوم ہوا کہ قلعہ کے لوگوں سے شاہی امراء نے کچھ ساز باز ہوئی ہے جو ظاہر ہے کہ سکندر لودھی کے خلاف ہو گی اور شاہی سپاہ کے کچھ قابل اعتماد امراء نے اہل قلعہ سے کسی بات کا عہد کیا ہے۔ بادشاہ کو بھی اس سازش کی اطلاع اس صورت سے ہوئی کہ ایک دن بادشاہ محل کی چھت پر کھڑا ہوا باہر کا نظارہ کر رہا تھا کہ قلعہ کے اندر ایک شگاف ہوا اور پھر [illegible]

عمل یہ ہوا کہ پہلے تو جلال خاں کے بہترین اور قابل اعتماد امراء کو اپنے قبضہ میں کیا۔ اس کے بعد دو احکامات صادر کیے۔ ایک فرمان میں جو ابراہیم خاں لوحانی، سیمانی خاں قرملی اور ملک علاؤ الدین جلوانی کے نام تھا۔ جس میں یہ حکم تھا کہ جلال خاں کو فوراً گرفتار کر لیا جائے اور میاں بھورا خاں سعید خاں اور ملک آدم کے نام دوسرا حکم تھا کہ وہ شیر خاں کو نظر بند کر لیں لہٰذا ان شاہی احکامات کے مطابق دونوں کو گرفتار کر کے ہنونت گڑھ کے قلعہ میں بھیج دیا گیا۔ یہی امراء ان قیدیوں کی حفاظت خود کرنے لگے۔ اس واقعہ کے بعد اہل قلعہ پانی اور اناج کی قلت کی وجہ سے بہت ہراساں ہو گئے۔ بادشاہ کے حضور میں معافی مانگی اور قلعہ کے لوگ اپنی جانیں بچا کر بھاگ نکلے بادشاہ نے قبضہ کر کے چھ مہینے میں یہ تبدیلیاں کیں کہ بت خانے توڑ ڈالے اور بہت سی مسجدیں بنوائیں۔ اور علماء خطیب اور مفتی مقرر کیے طلباء کے وظائف مقرر کیے اور وہاں ان لوگوں کو مستقل سکونت کے لئے وظیفے بھی دیئے۔

شہاب الدین شہزادہ مالوہ کی آمد

اسی دوران میں مالوہ کے بادشاہ سلطان ناصر الدین کا بیٹا شہاب الدین اپنے باپ سے ناراض ہو کر سکندر لودھی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہزادہ مالوہ کے نواح یعنی قصبہ سیری (۱۴) میں پہنچا۔ بادشاہ نے اس کو اسپ شاہی اور خلعت شاہانہ بھیج کر کہلایا کہ اگر شاہزادہ چندیری کو سکندر کے سپرد کر دے تو سکندر لودھی اس کی اتنی مدد کرے گا کہ اس کا باپ کبھی اس پر غالب نہ آ سکے گا۔ لیکن شہزادہ شہاب الدین چند مجبوریوں کی وجہ سے اپنے باپ کی ملکیت سے باہر قدم نہ رکھ سکا۔ ۹۱۴ھ میں سلطان سکندر نرور سے چلا اور یہاں سے سند (۱۵) کے کنارے پہنچا اور سوچا کہ اگر اتفاقاً کسی دشمن نے قبضہ کر لیا تو پھر قلعے کا ہاتھ آنا مشکل ہے اس خیال کے آتے ہی بادشاہ نے قلعہ کے آس پاس ایک اور حصار بنوایا اور قلعہ کو اور بھی زیادہ مضبوط کر دیا۔

بادشاہ نے اب اپنے عزم کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہا اور قصبہ بہار میں جا کر ایک مہینہ تک ٹھہرا رہا یہاں پر قطب خاں لودھی کی بیوی نعمت خاتون جس نے شہزادہ جلال کی بچپن میں پرورش کی تھی بادشاہ کی خدمت میں آئی بادشاہ ان لوگوں کی ملاقات کے لئے بہ نفس نفیس تشریف لے گیا اور ان کو مطمئن کر کے کالپی کی جاگیر شہزادہ کو دی اس کے علاوہ ایک سو بیس گھوڑے، پندرہ ہاتھی اور کچھ نقد روپیہ دیا اس کے بعد شہزادے کو مع نعمت خاں کالپی چلے جانے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ ۹۱۵ھ میں بادشاہ نے دار الحکومت جانے کا قصد کیا اور بلکھات (۱۶) چلا گیا۔ یہاں کے سرکشوں اور باغیوں کو بالکل ختم کیا اور جگہ جگہ پولیس چوکی بٹھا کر آگرہ واپس آ گیا۔ اسی عرصہ میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ مبارک خاں لودھی کا فرزند احمد خاں جو لکھنوتی کا حکمران تھا ہندوؤں کی صحبت میں رہ کر مذہب اسلام کے بالکل خلاف ہو گیا ہے۔ اس پر بادشاہ نے برہم ہو کر اس کے بھائی محمد خاں کو لکھا اور محمد خاں نے احمد خاں کو پکڑ کر بادشاہ کے حضور میں بھیج دیا۔ اب بادشاہ نے لکھنوتی کی حکمرانی احمد خاں کے منجھلے بھائی سعید خاں کو دے دی۔ اسی دوران میں سلطان ناصر الدین مالوی کے بیٹے محمد خاں نے اپنے دادا سے ڈر کر بادشاہ کے پاس آ کر پناہ لی۔ بادشاہ نے محمد خاں کو چندیری کی جاگیر دیدی اور شہزاد جلال کو ہدایت کر دی کہ وہ ہر طرح اس کی مدد کرتا رہے اور مالوی سپاہ سے اس کو کسی طرح کا نقصان نہ پہنچے۔

دھولپور کو روانگی

بادشاہ کو سیرو تفریح کا خیال آیا اور اسی مقصد سے دھولپور کی طرف روانہ ہوا۔ آگرہ سے دھولپور تک پورے راستہ میں اس نے بہت سی عمارتیں بنوائیں۔ اسی دوران میں محمد خاں ناگوری اپنے رشتہ داروں علی اور ابو بکر خاں پر غالب آیا۔ ان کی باہمی آویزش ایک عرصہ سے جاری تھی اور اس کے عزیز محمد خاں ناگوری کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے لہٰذا محمد خاں ناگوری نے عقلمندی کا ثبوت یہ دیا کہ دشمنوں کو سکندر لودھی جیسے مدبر اور عاقبت اندیش حکمران کے سپرد کیا، بادشاہ کی خدمت میں تحفہ تحائف اور عریضے بھی بھیجے اور بادشاہ کی خوشنودی کے لئے اپنے ملک میں خطبہ اور سکہ بادشاہ کے نام کا جاری کیا۔ اس کے جواب میں بادشاہ نے محمد خاں کو شاہی نوازشات سے مالا

مال کیا خلعت شاہی بھی روانہ کی اور خود آگرہ چلا آیا- یہاں پر تھوڑے دن سیرو تفریح اور باغات وغیرہ سے لطف اندوز ہوتے میں گزر۔ پھر دھولپور روانہ ہوگیا- قرلمی خانخاناں کے چھوٹے بیٹے میاں سلیمان کے پاس بادشاہ نے حکم نامہ بھیجا کہ وہ مع اپنی سپاہ کے ہنونت گڑ چلا جائے- اور حسین خاں جو نو مسلم ہے اس کی ہر طرح مدد کرے- سلیمان نے جواب میں کہہ دیا کہ وہ بادشاہ کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہ بلکہ بادشاہ کے نزدیک ہی رہنا چاہتا ہے- اس کا یہ جواب سن کر بادشاہ بہت برہم ہوا اور اس کو حکم دے دیا کہ وہ سلطنت کی حدود سے بالکل باہر چلا جائے اپنے مال و اسباب دولت و ثروت کے ذخیرہ میں سے جتنا لے جا سکے وہ لے جائے- اور لشکر گاہ سے فوراً نکل جائے اس کی جاگیر کے طور پر گنہ ربڑی اس کو بادشاہ کی طرف سے دے دیا گیا للذا حکم شاہی کے مطابق ربڑی چلا گیا پھر یہیں سکونت اختیار کر لی-

چندیری میں خطبہ و سکہ

بہجت خاں چندیری جو اپنے باپ دادا کے وقت سے ہی مالوہ کے بادشاہوں کا نہایت خیر خواہ اور بہی خواہ رہا تھا اس نے سلطان محمو مالوی کی فوجی کمزوری اور سلطنت کو نہایت غور سے دیکھا اور دوسری طرف سکندر لودھی کے مقربین خاص میں شامل ہونے کے لئے اس کو تحفہ تحائف اور نذرانے روانہ کیے- بادشاہ نے عماد الملک پدہ کو جس کا اصلی نام احمد تھا اسے چندیری بھیجا تاکہ وہ اور بہجت خاں دونوں مل کر چندیری اور اس کے گرد و نواح میں سکندر لودھی کے نام کا خطبہ پڑھوائیں- اس واقعہ کے بعد بادشاہ آگرہ چلا آیا اور یہاں اپنے تمام مقبوضہ ممالک مین ہر چار طرف بہجت خاں کی فرمانبرداری اور خیر خواہی نیز چندیری کے اکناف و اطراف میں اپنے نام کا خطبہ جاری ہونے کی خبر فرمانوں کے ذریعہ مشتہر کر دی- اس طرح تمام دنیا میں یہ بات شہرت پا گئی اسی درمیان میں چند مصلحتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بادشاہ نے بہت سے امراء اور ان کی حکمرانی کے مقامات میں تغیرو تبدل کر دیا- سعید خاں مبارک لودھی کے منجھلے بیٹے' شیخ جمال قرلمی- راجہ جگر سین کچھواہہ خضر خاں اور احمد خاں ان سب کو چندیری بھیج دیا- ان امراء نے چندیری کی حکومت کو بالکل اپنے قبضہ میں کر لیا' پوری طرح اس پر غالب آ گئے- اور سلطان ناصرالدین مالوی کے فرزند شہزادہ محمد خاں کو شاہی احکامات کے مطابق قلعہ بند کر کے اس کے ملک کی حکومت اس کے لئے برائے نام چھوڑ دی- ادھر بہجت خاں نے جب یہ حالات دیکھے تو اپنا وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا' بدرجہ مجبوری بادشاہ کے دربار میں پھر حاضر ہوا-

اس عرصہ میں بادشاہ سے حسین خان قرلمی جو سارن (۱۷) کا حاکم تھا' برگشتہ ہو گیا تھا- للذا بادشاہ نے حاجی سارنگ کو بھیجا تاکہ وہ جا کر حسین قرلمی کے لشکر سے سازباز کر کے اس کو گرفتار کر لے- سارنگ نے جا کر سازش شروع کر دی- اس کی نیت کسی طرح حسین قرلمی کو معلوم ہو گئی اور وہ اپنے چند بہی خواہوں کو لے کر لکھنوتی کی طرف بھاگا- بنگالہ کے حکمران علاؤ الدین کی پناہ میں آ گیا- ۹۲۲ھ میں علی خاں ناگوری نے جو سیو (۱۸) پور کا حکمران تھا' سلطان محمود مالوی کے ایک ہوا خواہ حاکم زنپورا (۱۹) شہزادہ دولت خاں سے دوستی بڑھالی اور اس کو سکندر لودھی کی فرمانبرداری کرنے کی ترغیب دی- علی خاں نے شہزادہ دولت خاں سے یہ معاملہ طے کیا کہ شاہزادہ پہلے بادشاہ سے ملاقات کا شرف حاصل کرے اس کے بعد قلعہ اس کے ہاتھ میں دیدے- علی خاں کا اسی مضمون کا ایک خط سکندر لودھی کی خدمت میں پہنچا- بادشاہ اس پیغام کو پا کر خوشی سے پھولا نہ سمایا اور اسی طرف چل دیا- یہاں بیانہ کے آس پاس چار مہینہ تک سیرو تفریح اور شکار میں گزارے- اس کے علاوہ اولیائے کرام اور مشائخ کبار کی خدمت میں بھی حاضری دی- مخصوص سید نعمت اللہ اور شیخ حسینی کی صحبت میں رہا' [illegible] کاشفہ اور عرفانیت کے بہت سے معجزے دیکھے یہ بزرگ انہی باتوں کی وجہ سے مشہور تھے ان کی صحبت میں بھی رہا- اسی عرصہ میں شہزادہ دولت خاں اور اسکی ماں کو جو رنپورہ کے قلعہ کے مالک تھے بادشاہ نے وہ سبز باغ دکھائے کہ وہ بادشاہ کے شیدائی بن گئے اور دولت خاں فوراً ہی بادشاہ کے نیاز میں جا پہنچا-

سلطان سکندر نے تمام امراء کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا [illegible]

لے کر آئے۔ جب وہ لشکر گاہ میں آیا بادشاہ نے اس سے بالکل اپنے بیٹوں کی طرح برتاؤ کیا۔ اور نوازشات شاہانہ سے نوازا بہت سے ہاتھی عطا کیے اور اس سے قلعہ رنپورا کو لینے کی درخواست کی لیکن ادھر دولت خاں کو علی خاں ناگوری نے خوب سمجھا دیا کہ قلعہ بادشاہ کے ہاتھ میں نہ دے کیونکہ وہ بادشاہ سے منحرف ہو گیا تھا۔ بادشاہ پر بھی یہ بات بہت جلد آشکار ہو گئی۔ سیو پور کی جاگیر علی خاں سے لے کر اس کے بھائی ابوبکر خاں کے ہاتھ میں دے دی۔ اور اپنے اچھے اخلاق کی وجہ سے کوئی اور سختی اس پر نہ کی۔ اس واقعہ کے بعد بادشاہ ٹھانگر (۲۰) کے راستہ سے قصبہ باڑی پہنچا۔ راس پرگنہ کو مبارک خاں کے بیٹوں سے لے کر اس کو شہزادہ بھیکن کے ہاتھ میں دے دیا اور خود دار الحکومت واپس چلا آیا آگرہ پہنچ کر بادشاہ نے اپنی عادت کے مطابق فتح نامہ کے فرمان ہر چار اطراف میں مشتہر کرا دیئے اور بہت سے سرحد کے امراء کو بلا کر یہ ہدایت کر دی کہ جیسے بھی ممکن ہو اس قلعہ کو جا کر فتح کریں۔

سکندر لودھی کا انتقال

بادشاہ کو ایک بہت ہی خطرناک مرض ہوا دنیا نے اپنے دستور کے موافق سکندر لودھی کو بھی آرام کی نیند سلانا چاہا لہٰذا بادشاہ کا مرض بڑھتا گیا۔ بادشاہ نے شرم و غیرت کی وجہ سے کسی کو اپنا مرض نہ بتایا اور اسی حالت میں امور سلطنت انجام دیتا رہا اور دربار عام بھی کرتا رہا۔ لیکن انجام کار مرض اتنا بڑھ گیا کہ بادشاہ کے حلق کے نیچے نوالہ جانا دشوار ہو گیا اور سانس لینا مشکل ہوا۔ اسی حالت میں ذیقعد کی سات تاریخ کو ۹۲۳ھ میں اس کا انتقال ہو گیا اور راہی ملک عدم ہوا۔

سکندر لودھی کا کردار شخصیت

نظام الدین احمد اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ سکندر لودھی کی زندگی کے حالات لکھنے میں مورخوں نے مبالغہ سے کام لیا ہے اور خاص کر اس کی تعریف کرنے میں مغالطہ کیا ہے۔ بہرکیف جو کچھ مورخین نے لکھا ہے اس کا اجمالی اور قابل ذکر تذکرہ یہ ہے کہ سکندر لودھی ظاہری اور باطنی دونوں طرح کی خوبیوں سے مالا مال تھا اس کا شہرہ دور دور تک تھا اس کے دوران حکومت میں ہر چیز کی قیمت بہت کم تھی۔ اور رعایا نہایت سکون و آرام کی زندگی گزارتی تھی یہ ہر روز دربار منعقد کرتا اور عوام کی ایک ایک فریاد سنتا۔ بعض اوقات تو ایسا ہوتا کہ بادشاہ امور سلطنت سرانجام دینے میں صبح و شام تک مصروف رہتا یہ پانچوں وقت کی نماز ایک ہی مجلس میں پڑھ لیتا۔ اس کے دور حکومت میں زمیندار بہت کم سرکشی کرتے تھے اور سب نے بادشاہ کی اطاعت و فرمانبرداری قبول کر لی تھی۔ بادشاہ امیر، غریب، توانا اور کمزور، بڈھے جوان سب کے ساتھ ایک طرح کا برتاؤ کرتا اور انصاف و عدل سے کام لیتا، خدا سے بہت ڈرتا تھا، خلق خدا پر رحم و کرم کی بارش کرتا، خواہشات نفسانی کو ترجیح نہیں دیتا تھا۔

روایت ہے کہ جس زمانہ میں سلطان سکندر لودھی اپنے بھائی باربک شاہ سے جنگ میں مصروف تھا اس وقت ایک فقیر آیا اس نے سلطان سکندر کا ہاتھ دیکھ کر کہا کہ تیری فتح ہوگی۔ اس پر بادشاہ نے غصہ میں اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور کہا کہ جب دو مسلمانوں میں معرکہ آرائی ہو رہی ہو تو کبھی یک طرفہ فیصلہ نہ کرنا چاہیے۔ اور یہ کہنا درست ہے کہ خدا کرے ایسا ہو جس میں اسلام کی بھلائی ہو۔ سکندر لودھی ہر سال میں دو مرتبہ فقراء اور غرباء اور درویشوں کی فہرست منگاتا پھر حسب ضرورت ہر ایک کو وظائف اور عطیات دیا کرتا، اور چھ مہینے کے بعد ہر ایک کو وظیفہ دیا کرتا، سردیوں میں شالیں اور گرم کپڑے عطا کرتا، ہر جمعہ کو شہر کے تمام فقراء کو روپیہ تقسیم کرتا، روزانہ اناج اور کچھ کھانا پکوا کر غریبوں میں بانٹتا، اس کے علاوہ تقریباً ہر سال فتوحات کا حیلہ کر کے کثیر تعداد میں روپیہ فقیروں اور غریبوں کو دیتا تھا۔ سکندر لودھی کے دربار کا جو امیر اور درباری راہ خدا میں روپیہ دیتا اور خیرات وغیرہ کرتا، غریبوں کو وظیفہ دیتا بادشاہ اس سے بہت خوش رہتا اور کہتا کہ تم نے خیر و برکت کی بنیاد رکھی ہے اس لیے امور دنیا میں کبھی ناکامی نہ ہوگی ایسے لوگ بادشاہ کی نگاہوں میں اپنی عزت بڑھانے کے لیے شرع کے موافق اپنا مال مستحقین کو بھجواتے اور بادشاہ ایسے لوگوں سے بہت خوش رہتا تھا۔

شیخ بہاؤ الدین سے عقیدت

مورخین لکھتے ہیں کہ جب سلطان بہلول لودھی کا انتقال ہوا اور لوگوں نے سکندر لودھی کو جانشینی کے لئے طلب کیا تو پہلے سلطان سکندر دہلی میں شیخ بہاؤ الدین کی خدمت میں گیا یہ بہت بڑے ولی کامل تھے' تاکہ یہ اس کے حق میں دعائے خیر کریں۔ حضرت شیخ بہاؤ الدین نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے کتاب میزان پڑھوں یہ کہہ کر کتاب کھولی اور پڑھنا شروع کر دی۔ جب استاد نے جملہ پڑھا بداں اسعدک اللہ فی الدارین جس کا مطلب یہ تھا کہ خدا تجھ کو دین و دنیا میں نیک بخت کرے۔ بادشاہ نے استاد سے اس جملہ کی تکرار کے لئے کہا اور استاد نے اس کو تین بار پڑھا اس کے بعد سلطان نے ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا وہاں سے روانہ ہو گیا اور استاد کی اس بات کو نیک فال قرار دیا۔ سلطان سکندر مذہب اور شرع کا بہت پابند تھا اور عورتوں کو اس کے دور حکومت میں مزارات پر جانے کی سخت ممانعت تھی۔ مملکت کی تمام مسجدوں اور مزاروں پر جھاڑو دینے والے اور خطیب و قاری بادشاہ نے خاص طور پر مقرر کیے تھے اور ان کے نام باقاعدہ وظیفے اور تنخواہیں مقرر کی گئیں۔ سلطان سکندر نے علوم و فنون کو بھی ترقی دی اور سرپرستی بھی کی۔ اس کے عہد میں ہر طبقہ کے لوگ مثلاً امراء' اراکین اور سپاہی ہر ایک مختلف طرح کے علوم حاصل کرنے کی طرف متوجہ تھے بلکہ اس کے زمانہ میں ہندو بھی علم کی طرف مائل ہوئے اور فارسی تعلیم کی طرف توجہ دی۔ اس سے پہلے لوگ اس کی طرف مطلق توجہ نہیں دیتے تھے فن سپہ گری کو بھی بہت ترقی ہوئی۔

جو شخص بادشاہ کے پاس ملازمت کرنے کے لئے آتا۔ بادشاہ پہلے اس کا حسب و نسب دریافت کرتا اس کے بعد حسب مراتب اس کو عہدہ دیتا اگر کسی کے پاس گھوڑا' سواری اور سامان نہ ہوتا تو اس کو جاگیر عطا کر دیتا تاکہ وہ اپنی معاشی حالت اور حیثیت درست کرے۔ اس کو رعایا کے ایک ایک احوال کی خبر رہتی تھی اور اندرونی اور ذاتی حالات تک اس کو معلوم تھے۔ اکثر بادشاہ جب لوگوں سے ان کے حالات بتا دیتا تو لوگ انگشت بدنداں ہوتے کہ شاید بادشاہ کا کوئی جن مطیع ہے جو گھروں کی اطلاع بادشاہ تک پہنچاتا ہے۔ جب کوئی سپاہ لشکر کشی کے لئے روانہ ہونے والی ہوتی تو بادشاہ دو احکامات نافذ کرتا۔ ایک حکم صبح کے وقت صادر ہوتا جس میں یہ مذکور ہوتا کہ فوج کہاں پر قیام کرے۔ اور دوسرا حکم نامہ جو ظہر کے وقت بھیجا جاتا اس میں یہ لکھا ہوتا کہ فوج کس طرح اپنا کام انجام دے۔ بادشاہ کے اس پروگرام میں کبھی ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ روز ڈاک لے جانے والے سپاہی اور ان کے گھوڑے ہر وقت پابہ رکاب رہتے تھے۔

جس سرحد کے امیر کے نام حکم نامہ صادر کیا جاتا وہ اس کو چبوترے کے نیچے اتر کر لیتا اور سر پر رکھتا۔ اگر بادشاہ کا فرمان ہوتا تو فرمان وہیں پڑھ کر سنایا جاتا ورنہ پھر اس کے حکم کے مطابق مسجد میں منبر پر پڑھ کر سنا دیا جاتا۔ اگر کوئی راز کی بات ہوتی تو فرمان پوشیدہ طور پر پڑھا جاتا۔ اس کے دربار میں جیسا کہ علاؤ الدین خلجی کے دربار کا دستور تھا روزانہ اناج کے بھاؤ اور وہ ممالک جن پر بادشاہ کا قبضہ تھا ان کے واقعات سب روزانہ دربار میں پڑھ کر سنائے جاتے اگر بادشاہ کے حکم سے سرمو تجاوز کیا جاتا تو بادشاہ فوراً اس کی روک تھام کرتا اور قوانین پر چلنے کی ہدایت کرتا۔ بادشاہ زیادہ اوقات جھگڑے چکانے' فیصلے کرنے اور رعایا کی فلاح و بہبود میں صرف کرتا' اس کے علاوہ اس کی دانشمندی اور عقل فہم و ادراک کے بارے میں بھی بہت سی باتیں نقل کی گئی ہیں۔

سکندر کی دانشمندی کا ایک واقعہ

گوالیار کے رہنے والے کوئی دو بھائی تھے دونوں اپنی غربت اور تنگ دستی کی وجہ سے معاشی بدحالی کا شکار تھے لہٰذا ایک بار دونوں بھائی ایک فوج میں ملازم ہو کر کسی مہم پر اسی فوج کے ہمراہ چلے گئے اور جب جنگ میں بہت سامال غنیمت اور قیمتی کپڑے اور دو لعل ان کے ہاتھ آ گئے تو ان لوگوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کیا کہ اب یہ مال مل گیا ہے گھر چل کر اطمینان سے زندگی بسر کرنا چاہیے۔ اب زیادہ

ہے تو آگے اور بھی کوشش کر کے قسمت آزمانا چاہیے۔ یہ سوچ کر سارا مال دونوں بھائیوں نے باہم تقسیم کر لیا۔ ایک ایک لعل بھی ملا چھوٹا بھائی تو اسی مال غنیمت پر قناعت کر کے وطن جانے لگا تو بڑے بھائی نے اپنے حصہ کا مال غنیمت بھی اس کو دے دیا اور کہا گھر جا کر میری بیوی کو دے دینا۔ چھوٹا بھائی جب سارا سامان گھر لایا تو اس کی نیت بدل گئی اس نے علاوہ لعل اور سارا سامان اپنی بھاوج کو دے دیا۔ جب بڑا بھائی دو سال کے بعد گھر واپس آیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ مال غنیمت دکھاؤ۔ بیوی نے سب چیزیں جو چھوٹے بھائی نے لا کر دی تھیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ بڑے بھائی نے دیکھا تو اس سامان میں لعل نہیں تھا۔ اس نے بیوی سے پوچھا کہ لعل کہاں ہے؟ بیوی نے کہا کہ تمہارے بھائی نے لعل دیا ہی نہیں تھا۔ بڑا بھائی ناراض ہو کر چھوٹے بھائی کے پاس گیا اور کہا میرا لعل کہاں ہے۔ اس نے جواب دیا میں نے تمہاری بیوی کو دے دیا ہے۔ مگر بیوی نے مسلسل انکار کیا مگر دونوں بھائی بیوی کو ہی چور سمجھتے رہے۔ بیوی نے کہا اچھا میں تم لوگوں کو کل جواب دوں گی۔ اس لیے وہ شہر کے بڑے قاضی بھورے میاں کے پاس پہنچی مگر بھورے میاں نے بھی ان کی کوئی خاص مدد نہ کی اور عورت وہاں سے بھی مایوس ہو کر چلی آئی کیونکہ گواہ جو ان لوگوں نے مہیا کیے تھے انہوں نے عورت کے خلاف گواہی دی اس لیے یہ ناکام رہی۔

اب سکندر لودھی کو ان باتوں کی اطلاع ہوئی اور اس نے عورت اور دونوں بھائیوں کو دربار میں بلایا اور کہا کہ تینوں موم پر لعل کی صحیح صحیح تصویر بنا کر پیش کریں اس پر دونوں بھائیوں اور گواہوں نے اس کی تصویر بنائی۔ عورت سے بھی کہا گیا کہ تم بنا کر دو اس نے بنانے سے انکار کر دیا کہ جو چیز دیکھی نہیں اور اس کے نقش بھی ذہن میں نہیں ہیں اس کو موم پر کیسے اتار سکتی ہے اور گواہوں نے جو شکل بنائی تھی وہ بھی ان دونوں بھائیوں سے بالکل مختلف تھی جس سے ثابت ہوتا تھا کہ گواہ جھوٹے ہیں بادشاہ نے ان تمام تصویروں کو اپنے پاس رکھا۔ پھر بھورا خاں سے کہا کہ وہ گواہوں سے کہے کہ اگر ان لوگوں نے سچ نہ بولا تو جان لے لی جائے گی۔ گواہوں نے جب جان کا خطرہ دیکھا تو جھوٹ بولنے سے گریز کیا اور بادشاہ کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا اس کے بعد چھوٹے بھائی پر بھی نہایت سختی کی تب اس نے بھی ٹھیک بات بتا دی' اس طرح غریب عورت پر جو چوری کا الزام لگ رہا تھا اس سے نجات ملی سکندر لودھی کی عقل و فراست کی یہ ایک مثال تھی۔

علمی ذوق

سکندر کو شعر و شاعری سے بھی بہت تعلق تھا وہ ایک ستھرا مذاق رکھتا تھا بہت زیادہ باذوق تھا' طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی' عمدہ عمدہ پاکیزہ اشعار لکھا کرتا تھا' اس کا تخلص گلرخی تھا اس کا خاص مصاحب اور مقرب شیخ جنالی کنبوہ تھا۔

اسی بادشاہ کے دور حکومت میں "فرہنگ سکندری" اور دوسری علمی و ادبی کتابیں لکھی گئیں۔ فرہنگ سکندری کا مصنف لکھتا ہے کہ سکندر لودھی نے اٹھائیس سال پانچ مہینہ حکومت کی۔

حوالہ جات

۱۔ یہ ضلع علی گڑھ میں واقع ہے۔ یہاں بھی آثار قدیمہ پائے جاتے ہیں اور بلبن کے عہد کی بنوائی ہوئی مسجد بھی موجود ہے۔
۲۔ ''پر سی سیال'' غلط ہے۔ یہ کاتب کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ اس سے مراد الہ آباد ہے۔
۳۔ ''شہریو'' بھی کتابت کی غلطی ہے طبقات اکبری میں ''رائے نہند راجہ پتھہ ہے۔
۴۔ ''دلپور'' لفظ درست نہیں۔ یہاں پر دلمئو ہونا چاہیے جو اودھ کا ایک مشہور و معروف قصبہ ہے۔
۵۔ یہاں پر کٹبہ لکھنا غلط ہے۔ کیونکہ اصل لفظ کتت ہے اور یہی ہونا چاہیے۔ یہ مقام گنگا کے ساحل سرحد کے پاس موجود ہے۔
۶۔ یہ مقام اریل الہ آباد کے نزدیک واقع ہے۔
۷۔ خیال تو یہی ہوتا ہے کہ سالباہن وہی ہیت ہے جس کو فرشتہ نے ایک جگہ شہریو کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور یہ راجہ نندیا نہند کا بیٹا تھا۔
۸۔ ضلع بھاگل پور میں یہ ایک گاؤں ہے۔
۹۔ باندو گریہ اصل میں باندھو گڑھ ہے جو کہ ایوان کی ریاست کا بہت ہی قدیم قلعہ ہے اور اس کی تاریخی اہمیت بھی بہت ہے۔
۱۰۔ یہاں پر اریی غلطی سے لکھ دیا گیا۔ اس سے مقصد یقیناً اپری ہوگا۔ جس کا ذکر آگے آچکا ہے۔
۱۱۔ ''آسے'' سے مراد مید کی ہے۔ اور یہ اسوندی کی عرفیت ہے۔ یہ ندی گوالیار سے تین میل کے فاصلہ پر گزرتی ہے۔
۱۲۔ اس کا اب نشان نہیں ملتا۔ لیکن اکبر کے زمانہ میں منڈلائر ایک سرکاری ضلع کا نام تھا۔ اور وہ شاید ریاست گوالیار کا جنوب مغربی حصہ ہے۔ اب یقیناً مندرایل سے مراد وہی منڈلائیر ہے۔
۱۳۔ اوویت نگر غلط لکھا ہوا ہے۔ آگے چل کر اسی کو ہونت گڑھ لکھا ہے۔ وہ بھی غلط ہے۔ منتخب التواریخ میں اس پر اونت گڑھ لکھا گیا ہے۔ اور یہی ٹھیک بھی معلوم ہوتا ہے۔
۱۴۔ سیری سے مراد سپیری ہے جو آجکل شیو پوری کے نام سے مشہور ہے۔
۱۵۔ مشرقی مالور کی ندی ہے اور سرونج کے نزدیک سے نکلتی ہے اور سپیری و نرور میں ہوتی ہوئی دریائے جمنا سے آکر مل جاتی ہے۔
۱۶۔ بلکھات کی جگہ ''پرہتکانت'' لکھنا چاہیے تھا۔
۱۷۔ سارن بہار کا مغربی ضلع ہے
۱۸۔ سیو پور کی بجائے ''شیو پور'' ہونا چاہیے تھا۔ جواب ریاست گوالیار میں ہے۔
۱۹۔ رنبور کی جگہ رنتھنبور ہونا چاہیے۔
۲۰۔ تھان گر۔ تھنگر یا بیانہ مراد ہے۔

ابراہیم لودھی بن سلطان سکندر لودھی

تخت نشینی

سلطان سکندر لودھی کا انتقال آگرہ میں ہوا اور اس کا سب سے بڑا فرزند ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا- اس نے اپنے اعزا اور اقرباء سے جو برتاؤ کیا وہ اس کے باپ اور دادا کی روش کے بالکل خلاف تھا- اس نے ہر ایک افغانی پٹھان سے صاف کہہ دیا کہ میرا کوئی رشتہ دار نہیں اور اگر بالفرض رشتہ داری ہے بھی تو ہر ایک شخص بادشاہ کا نوکر ہے لہٰذا عزیزوں' رشتہ داروں کو بھی نوکروں کا درجہ ملا اور وہ افغانی امراء جو سلطان سکندر اور اس کے باپ کے وقت میں تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوتے تھے- اب وہ دربار شاہی میں کھڑا رہا کرتے- اس سے تمام افغانی امراء ابراہیم لودھی کے خلاف ہو گئے کیونکہ شہزادہ ابراہیم نے بجائے خلوص کے یہ ناروا برتاؤ قائم رکھا- اب تمام امراء نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ابراہیم لودھی دارالحکومت دہلی سے جونپور تک حکمرانی کرے اور جونپور میں شاہزادہ جلال حکمران ہو اور ممالک شرقیہ اس کی نگرانی میں ہوں- یہ معلوم کرکے شاہزادہ جلال ان امراء کی رائے پر عمل کرتے ہوئے جونپور اور کالپی کے ارکین کو ہمراہ لے کر ممالک شرقیہ گیا اور جونپور کے تخت پر بیٹھا اس نے گرد و نواح کے تمام امراء اور عاملین کو اپنا فرمانروا اور بہی خواہ بنا لیا-

ادھر خاں جہاں لوحانی رابری سے ابراہیم کے دربار میں پہنچا تمام امراء سلطنت کو لعنت ملامت کی کہ سلطنت ہند کو دو حصوں میں تقسیم کرنا بڑی عاقبت نا اندیشی ہے اور دو حکمران مقرر کرنا بھی فاش غلطی ہے- اب ارکین سلطنت نے اپنی غلطی کی تلافی کرنا چاہی اور یہ سوچا کہ شہزادہ جلال کی حکومت چونکہ ابھی پختہ نہیں ہوئی ہے لہٰذا اس کو جونپور سے دہلی بلالیا جائے اور شہزادہ کو دہلی بلانے کے لئے ہیبت خاں گرگ انداز کو پیامبر بنایا گیا اس کے ہاتھ بادشاہ نے شہزادہ جلال کو ایک بہت محبت آمیز خط لکھا کہ وقت کا تقاضا یہی ہے کہ تم جلد از جلد دہلی آ جاؤ' مگر ہیبت خاں کی فریب آمیز اور چاپلوسی کی گفتگو سے شہزادہ جلال سمجھ گیا کہ یہ اس کو دھوکا دے رہا ہے لہٰذا اس نے اپنی آمد کو معرض التواء میں ڈالنا شروع کیا- ہیبت خاں نے سارا ماجرا بادشاہ کو لکھ دیا- اس کے جواب میں ابراہیم لودھی نے شیخ زادہ محمد قرملی فرزند شیخ سعید قرملی' ملک اسماعیل فرزند ملک علاؤ الدین حلوانی' قاضی مجد الدین حجاب اور سعید حجاب وغیرہ کو شہزادہ جلال کے پاس بھیجا- مگر ان امراء کی بھی شہزادہ جلال کے سامنے ایک نہ چلی وہ دہلی آنے پر کسی طرح رضامند نہ ہوا- مجبوراً یہ واپس آ گئے ادھر بادشاہ نے سلطنت کے دوسرے ارکین سے صلاح و مشورہ کرکے ممالک شرقیہ کے تمام امراء کے نام فرمان جاری کر دیئے-

ہر فرمان ہر امیر کے عہدہ کے مطابق تھا اور ہر ایک میں یہی درج تھا کہ سب شاہزادہ جلال سے الگ رہیں اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری نہ کریں- اس کے علاوہ بہت سے اعلیٰ مراتب کے امراء جو تیس تیس اور چالیس چالیس ہزار سواروں کے مالک تھے مثلاً دریا خاں لوحانی بہار کا حاکم اور نصر خاں حاکم غازی پور' شیخ زادہ محمد قرملی جو اودھ کا حاکم تھا ان سب کو خلعت شاہانہ' گھوڑے اور شمشیر و خنجر بھی معتبر اور خفیہ ذرائع سے بھیجے اور ان سب امراء کی دلجوئی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی- جیسے ہی ان امراء کے پاس شاہی فرامین پہنچے ان سب نے شہزادہ جلال کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا- اسی دوران میں سلطان ابراہیم نے ایک جواہرات اور ہیرے کا جڑاؤ تخت بنوایا اس کو پندرہ ذی الحجہ ۹۲۳ھ کو شاہی دیوانخانے میں نصب کرایا- اس پر مسند نشین ہو کر ایک دربار عام کیا- جس میں تمام شاہی ملازمین امراء اور ارکین کو انعام و اکرام' خلعت شاہانہ' شمشیر و خنجر اور اسپ شاہی سب دے کر پوری طرح رعایا کو اپنے قبضہ میں کر لیا- ارکین شاہی کو ان کے عہدوں کے موافق سرفراز کیا' غربا' فقرا اور یتامی و مساکین کے بھی خیرات' وظیفے مقرر کیے گئے- بزرگوں کے

پرانے وظیفوں میں اضافہ کر دیا اور متوکلین و گوشہ نشین بزرگوں کو بہت سے عطیات بھیج کر اپنی حکومت کی بنیادوں کو از سر نو استوار کیا۔

شہزادہ جلال کی بغاوت

ادھر شہزادہ جلال نے ابراہیم لودھی کے جاہ و جلال اور عظمت و شان سے یہ اندازہ لگا لیا کہ تمام امراء اس کی طرف ہیں اور اب شہزادہ کا سلطان ابراہیم کے تحت رہنا دشوار ہے لہٰذا وہ جونپور سے کالپی پہنچا اور بادشاہ کی بغاوت کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔ اپنے چند خیر خواہوں کی جماعت کا سہارا لے کر کالپی پر قبضہ کیا اور اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا۔ اپنی فوج کی حفاظت' نیز زمینداروں کی دلجوئی میں اپنا وقت صرف کرنے لگا۔ اور خود کو بادشاہ جلال الدین کے نام سے شہرت دی۔ اب شہزادہ جلال نے اعظم ہمایوں' جس نے شہزادے جلال کے تحت ہی قلعہ کالنجر کا محاصرہ کر رکھا تھا اس کے نام ایک عریضہ روانہ کیا کہ ابراہیم لودھی اپنا عہد توڑ کر اب میرے آباؤ اجداد کی موروثی جائیداد مجھ سے چھیننا چاہتا ہے اور مجھ کو میری مملکت سے یکسر محروم کر دینے کا فیصلہ کر دیا ہے لہٰذا میں آپ کو بحیثیت اپنے باپ اور چچا کے سمجھتا ہوں۔ میرا کوئی مددگار نہیں لہٰذا مجھ مظلوم کی مدد کر کے حق اور انصاف کا ساتھ دو۔ ادھر اعظم ہمایوں ابراہیم لودھی سے خوش نہیں تھا اس نے کچھ تو شہزادہ جلال کی فریاد اور کچھ اپنے انحراف کی وجہ سے قلعہ کالنجر کے محاصرہ کا خیال ترک کر دیا پھر شہزادہ جلال سے آ ملا۔ اعظم ہمایوں اور شہزادہ جلال میں کچھ عہد و پیمان ہوئے۔ پہلے جونپور اور اس کے آس پاس کے شہروں پر قبضہ کرنے کی ترکیب سوچی گئی۔ اس کے بعد دوسرے مقامات کو سر کرنے کا خیال کیا لہٰذا یہ لوگ بعجلت تمام سفر کی منازل طے کرتے ہوئے سعید خاں مبارک خاں کے فرزند جو اودھ کا حاکم تھا اس کے پاس پہنچے۔ ان کا حملہ سعید کے لئے ناقابل برداشت تھا لہٰذا وہ دار السلطنت سلطان ابراہیم کو اطلاع دینے کے لئے پہنچ گیا اور جا کر بادشاہ کے سامنے حالات بیان کر دیئے ابراہیم لودھی نے ایک مختصر سے لشکر کو لے کر یہ سرکشی فرو کرنا چاہی۔ امراء کی صلاح لے کر اپنے قیدی بھائیوں کو آزاد کیا اور اسمٰعیل خاں' محمود خاں' حسین خاں وغیرہ قیدی شہزادوں کو آزاد کر کے دولت خاں کے سپرد کر دیا۔ ہر شہزادے کے لئے دو دو حرم کیے گئے اور ان کے آرام و آسائش اور طعام و قیام کا باقاعدہ انتظام کیا گیا۔

ممالک شرقیہ کو روانگی

ان تمام حالات کو درست کر کے بادشاہ ممالک شرقیہ کی طرف چوبیس ذی الحجہ ۹۲۳ھ کو بروز پنج شنبہ روانہ ہوا' مگر اس کو راہ ہی میں معلوم ہو گیا کہ اعظم ہمایوں شہزادہ جلال سے منحرف ہو گیا اور اپنے بیٹے فتح خاں کے ساتھ اس سے علیحدہ ہو گیا۔ اب ابراہیم سلطان کے دربار میں آ رہا ہے۔ ابراہیم لودھی نے یہ سن کر خوشی کا اظہار کیا۔ جب اعظم دار السلطنت کے نزدیک پہنچا تو بہت سے ارکین و امراء کو اس کی خدمت میں استقبال کے لئے بھیجا۔ جب یہ دربار میں آیا تو اس کو انعام و اکرام و خلعت شاہانہ اور دیگر نوازشات سے مالا مال کیا گیا۔ بادشاہ مع اعظم ہمایوں آگے بڑھا اسی دوران میں چترتولی پرگنہ کول کے ایک زمیندار جے چند نے سکندر خاں سور کے بیٹے عمر خاں سے لڑائی لی اور اس کو مار دیا۔ اس لئے سنبھل کے حاکم جے چند پر حملہ کیا اس کو موت کے گھاٹ اتارا اور اس اچانک بیدار ہونے والے فتنہ کو سلا کر وہ قنوج میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اس درمیان میں قنوج کے نواح کے دیگر امراء مثلاً سعید خاں اور شیخ زادہ قرملی وغیرہ بھی بادشاہ کے نیازمندوں میں شامل ہو گئے۔ ابراہیم لودھی نے اعظم ہمایوں شروانی' احمد خاں لودھی اور نصر خاں لوحانی کو ایک لشکر عظیم اور اسپ و فیل کی فوج گراں کے ساتھ جلال شہزادے کے مقابلے کے لئے روانہ فرمایا۔ شہزادہ جلال ان لوگوں کے پہنچنے سے قبل ہی نعمت خاں' قطب خاں لودھی کے بہی خواہوں اور اپنے خیر خواہوں عماد الملک اور ملک بدر الدین کو کالپی کے قلعے میں چھوڑ کر تیس ہزار تجربہ کار سواروں اور ہاتھیوں کی ایک فوج لے کر آگرہ کی طرف چلا۔

کرے، لیکن اسی عرصے میں ملک آدم جو بادشاہ کی طرف سے قلعہ آگرہ کی حفاظت کے لئے متعین کیا گیا تھا وہ آگرہ کے آس پاس پہنچ گیا۔ ملک آدم نے جلال خاں سے کچھ ایسی چاپلوسی کی باتیں کیں کہ وہ آگرہ کو برباد کرنے کا خیال چھوڑ بیٹھا۔ ملک آدم کے بعد علاؤ الدین جلوانی کا بیٹا ملک اسمٰعیل اور کبیر خاں لودھی بہادر خاں لوحانی اور دیگر امراء بھی لشکر جرار کے ساتھ آگرہ آگئے اور ان کی وجہ سے ملک آدم کی ہمت افزائی ہو گئی اور اب اس نے جلال خاں سے صاف بات یہ کی کہ اگر شاہانہ لوازمات چتر شاہی اور تخت و تاج کی لالچ کو دل سے نکال دو اور صرف کالپی کی حکمرانی پر قناعت کرو تو بادشاہ ابراہیم سے تمہارا قصور معاف کرا دیا جائے۔ شہزادہ جلال اس صلح پر راضی ہو گیا اس نے اپنا سارا سامان بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ اور اس کو سارے حالات سے آگاہی ہوئی اس عرصے میں بادشاہ نے کالپی کو فتح کر لیا تھا اور وہ اٹاوے میں قیام پذیر تھا۔ بادشاہ نے اس مشورے کو قبول نہ کیا وہ شہزادے جلال کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے چلا۔ ادھر شہزادہ نے پریشان ہو کر راجہ گوالیار کے پاس جا کر پناہ لی۔ بادشاہ نے آگرہ میں قیام کیا اور سلطان سکندر کے بعد آگرہ کی سلطنت کمزور ہو گئی تھی۔ اس کی از سر نو تنظیم کی امراء نے مخالفت کو ختم کر کے بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی اور ہمیشہ کے لئے بادشاہ کے ملازموں میں شامل ہو گئے۔

گوالیار کی طرف روانگی

بادشاہ نے ہیبت خان گرگ انداز، کریم داد توغ، دولت خاں اندار یہ کو دہلی کی حفاظت کے لئے بھیجا اور ادھر شیخ زادہ جھو لو اطلاع دی کہ وہ چندیری کا محافظ ہے اور شہزادہ محمد خاں کو سلطان ناصرالدین مالوی کے نواسے کی خدمت میں وکیل سلطنت کی حیثیت سے بھیجا۔ اسی دوران میں بادشاہ ابراہیم اپنے باپ کے زمانے کے مشہور قاضی اور نامی امیر بھورا میاں سے خواہ مخواہ خفا ہو گیا تھا۔ ادھر میاں بھورا نے اپنی سابقہ خدمات کا حوالہ دے کر گلو خلاصی کی بھی کوشش نہیں کی لہٰذا اس غفلت کا یہ نتیجہ ہوا کہ میاں بھورا کو قید کر کے ملک آدم کو دے دیا گیا اور اس کی جگہ پر اس کے بیٹے کو مقرر کر دیا اور خود گوالیار کا قلعہ فتح کرنے کی غرض سے آگے بڑھا۔

قلعہ گوالیار کی فتح

اعظم ہمایوں کڑہ کے حکمران کو تیس ہزار سواروں اور تین سو ہاتھیوں کی جمعیت میں گوالیار بھیجا اس کے بعد آٹھ امراء اور دیگر فوجی سپاہ کو شروانی کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ شہزادہ جلال خاں بہت خوفزدہ ہو گیا وہ وہاں سے سلطان محمود خلجی کی خدمت میں مالوہ چلا گیا۔ شاہی لشکر نے گوالیار پہنچتے ہی شہر کا محاصرہ کیا۔ گوالیار کا راجہ مان سنگھ بہت شجاع اور بہادر تھا اس کا انتقال ہو چکا تھا اب اس کی جگہ اس کا بیٹا بکرماجیت تخت نشین تھا۔ اس نے قلعہ کو مضبوط کرنے کی بہت کوشش کی، اس نے قلعہ کے نیچے ایک خوبصورت عمارت بنوائی تھی اور اس کے آس پاس ایک چار دیواری بنا کر اس مکان کو بادل گڑھ کا نام دیا تھا ایک عرصے کی کوشش کے بعد مسلمانوں نے اس راستہ سے نقب لگانا شروع کیا اس میں بارود بھر کر قلعہ کی دیوار کو اڑا دیا دیوار کے گرتے ہی مسلمان سپاہیوں نے اس عمارت پر قبضہ کر لیا۔ قلعہ پر ایک گائے کی مورتی نصب تھی۔ ہندو جس کی پرستش کرتے تھے اس کو شاہی فرمان کے مطابق قلعہ آگرہ میں بھیج دیا۔ بادشاہ نے وہاں سے اسکو دہلی روانہ کر دیا اور دروازہ بغداد پر نصب کر دی گئی۔ اکبر بادشاہ کے عہد تک یہ مورتی اسی جگہ پر نصب رہی۔

شہزادہ جلال کا قتل

اسی عرصہ میں شہزادہ جلال پھر مالوہی کے برتاؤ سے دل برداشتہ ہو گیا وہ وہاں سے بھی فرار ہو کر راجہ گوالیار بریا (۱) کے پاس پہنچا۔ یہاں گونڈوں کا ایک گروہ شہزادہ جلال کو پکڑ کر بادشاہ کے حضور میں لائے اور بادشاہ نے اس کو ہانسی کے قلعہ میں بھیجا، مگر راستہ ہی میں لوگوں نے اس کو قتل کر دیا۔ وہ اپنے باپ کے وقت کے امراء سے بھی بدگمان ہوا اور ابراہیم لودھی نے بہت سے امراء کو بھی تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد اعظم ہمایوں اور اس کا بیٹا فتح خاں جو عنقریب قلعہ فتح کرنے والے تھے دونوں کو بلوا کر قید کر لیا۔ اور اعظم ہمایوں کا دوسرا بیٹا جو

کڑہ کا حاکم تھا اور اسلام خاں کے نام سے موسوم تھا اس کا تبادلہ کسی دوسری جگہ کر دیا گیا۔ باپ کے قید ہونے کی خبر سن کر وہ بہت ناراض ہوا اور بہ بانگ دہل مخالفت شروع کر دی۔ اسلام خاں نے احمد خاں شقدار پر بھی قابو پا لیا۔ اسی دوران میں گوالیار کا قلعہ فتح ہو گیا اور تقریباً پورے سو سال کے بعد یہ ہندوؤں کے ہاتھ سے نکل کر مسلمان حکمران کے ہاتھ میں آ گیا۔

سعید خاں اور اعظم ہمایوں کی بغاوت

بادشاہ اب کڑہ کی بغاوت کو دور کرنے کی تدبیر کرنے لگا اسی عرصہ میں مبارک خاں کے لڑکے سعید خاں اور اعظم ہمایوں لودھی نے بغاوت شروع کر دی۔ یہ لوگ اپنی جاگیروں سے لکھنؤ پہنچے اور اسلام خاں سے بذریعہ خط و کتابت سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا۔ اس طرح بغاوت کی آگ کو اور ہوا دی بادشاہ نے ان حالات کا مطالعہ کرکے آس پاس سے تمام لشکر جمع کرنا شروع کر دیا۔ اعظم خاں ہمایوں لودھی کے بھائی احمد خاں پر شاہانہ نوازشات کرکے اس کی سرکردگی میں بہت مشہور امراء کو اس بغاوت کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے بھیجا۔ یہ لشکر قنوج کے نزدیک قصبہ بانگر مئو میں پہنچا۔ اقبال خاں جو اعظم ہمایوں کا غلام تھا پانچ ہزار مسلح ہاتھی اور بہت سی فوج لے کر احمد خاں کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ اقبال خاں نے بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا اور بہتوں کو زخمی کر دیا پھر میدان سے بھاگ نکلا۔ بادشاہ نے شاہی لشکر کی یہ بے حرمتی سنی تو بہت ناراض ہوا اور ان امراء کے پاس پیغام بھیجا کہ جب تک تم سب یہ بغاوت دور کرکے نہ آؤ گے تم میری نگاہ میں بھی سرکش اور باغی بنے رہو گے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک اور لشکر جرار مدد کے لئے روانہ کر دیا۔

دشمنوں نے بھی فوجی سپاہ کثیر تعداد میں قائم کر لی اور مقابلہ کے لئے ایک دوسرے کے سامنے آئے نزدیک تھا کہ یہ فریقین آپس میں معرکہ آرا ہوں کہ شیخ راجو بخاری جو زمانہ کے بہت بڑے پیشوا تھے وہ درمیان میں آ گئے اور دونوں لشکروں کو جنگ جوئی سے باز رکھنے کی صلاح دی۔ دشمنوں نے کہا کہ اگر بادشاہ ہمایوں اعظم کو قید سے چھوڑ دے تو پھر ہم بھی ابراہیم لودھی سے معرکہ آرا نہ ہوں اور کسی دوسرے حکمران سے جنگ کریں گے' مگر بادشاہ نے یہ شرط منظور نہ کی اور دو امراء یعنی نصیر خاں لوحانی اور شیخ زادہ قرلی کے پاس فرمان بھیجا کہ وہ بھی احمد خاں کی کمک کے لئے مہم پر روانہ ہوں اور دشمن کو تباہ و برباد کرنے کی پوری پوری سعی کریں۔ ادھر دشمن جلال شاہی اور اس کی خوش بختی کا اندازہ کیے بغیر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئے اور ایک خونریز جنگ کے بعد شکست کھا کر سرکشوں کو میدان جنگ سے منہ موڑنا پڑا۔ اقبال خاں لڑائی میں مارا گیا اور سعید خاں پکڑا گیا اس طرح یہ بغاوت ختم ہوئی۔ ان کی تمام ملکیت اور مال و متاع بادشاہ کے قبضہ میں آیا۔ مگر اس کے بعد بھی بادشاہ کا دل اپنے امراء کی طرف سے صاف نہ ہوا اور ان سے مخالفت بڑھتی ہی گئی۔ بادشاہ نے قیدی امراء کو نہ چھوڑا جب اعظم خاں ہمایوں اور میاں بھورا جیسے نامی گرامی امیر حالت قید ہی میں ملک عدم کو سدھارے تو اس سے سلطنت کے امراء کے دل پر چوٹ لگی۔ حاکم بہار دریا خاں لوحانی' خاں جہان لودھی' میاں حسن قرلی وغیرہ نے بادشاہ کی خیرخواہی اور اطاعت سے انکار کر دیا۔ بادشاہ کے ہی ایما سے حاکم چندیری حسن قرلی کو' شیخ زادوں نے ایک رات قتل کر دیا۔ اس واقعہ نے امراء کو اور برگشتہ کیا اور ساتھ ساتھ خوفزدہ بھی اب بادشاہ سے تمام امراء بالکل ناامید ہو گئے۔

تھوڑے عرصے بعد دریا خاں لوحانی کا انتقال ہو گیا۔ اس کا فرزند بہادر خاں باپ کا جانشین ہوتے ہی ابراہیم لودھی سے منحرف ہو گیا۔ اس نے اپنے آپ کو سلطان محمد کے نام سے مشتہر کیا اس نے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا دیگر امراء جو بادشاہ سے بد دل اور منحرف ہو گئے تھے وہ سب کے سب محمد شاہ سے آ کر مل گئے۔ محمد شاہ تقریباً ایک لاکھ کی جمعیت اور سپاہ کا مالک بن بیٹھا اس کی ملکیت میں بہار سے لے کر سنبھل تک سب شامل ہو گئے۔ اسی دوران میں غازی پور کا حکمران نصیر خاں بھی شکست کھا کر محمد شاہ سے جا ملا اور کئی ماہ تک مسلسل اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری رہا۔ شاہی امراء سے بارہا یہ لوگ برسرپیکار ہوئے مگر ہر بادشاہی سپاہ کو شکست ہوئی اور محمد شاہ

چلا گیا۔ مگر دولت خاں کے لئے بادشاہ کے عتاب اور غیظ و غضب سے بچنا محال تھا اسی باعث اس نے حضرت فردوس مکانی سے جو کابل میں تھے درخواست کی کہ وہ ہندوستان کی حکومت پر قبضہ کرنے کی کوشش کریں اور ہندوستان کا رخ کریں۔ دولت خاں نے سب سے پہلے ابراہیم لودھی کے بھائی علاؤالدین (۲) کو بہت منت سماجت کر کے اپنے پاس بلوایا وہ اس وقت بابری مقربین میں شامل تھا اور پھر اپنے بہت سے ملازمین اعزاء اور اقرباء کے ساتھ علاؤ الدین کو دہلی روانہ کیا۔

سلطان جلوانی اور دیگر لودھی امراء جو ابراہیم لودھی سے یک قلم مایوس ہو گئے تھے وہ سب علاؤ الدین سے آ کر مل گئے۔ یہ چالیس ہزار کا لشکر یکجا ہو کر دہلی کی طرف روانہ ہوا وہاں پہنچ کر شہر کو گھیر لیا۔ بادشاہ کو اس واقعہ کی جیسے اطلاع ہوئی اس نے ایک جماعت کو مقابلہ کے لئے بھیجا جب چھ کوس کا فاصلہ رہ گیا۔ تو علاؤ الدین نے شاہی سپاہ پر شبخون مارا اور صبح ہونے تک تمام شاہی سپاہ کو منتشر کر دیا۔ ابراہیم لودھی کے بعض امراء اسی رات علاؤ الدین کی حمایت میں اس کی طرف آ گئے' مگر ابراہیم لودھی نے ہمت نہ ہاری اور سراپردہ شاہی کے نزدیک کھڑے ہو کر معرکہ آرائی میں مشغول رہا۔ جب صبح ہوئی تو علاؤ الدین کے لشکر نے جیسے ہی لوٹ مار شروع کی اسی وقت ابراہیم نے فوراً حملہ کر دیا پہلے ہی حملہ میں حریف بھاگ گیا۔ اب سلطان علاؤ الدین اور باقی ماندہ سپاہ شکست کھا کر پنجاب کی طرف روانہ ہوئی اور ابراہیم لودھی دہلی میں مقیم رہا۔

۹۲۳ھ میں فردوس مکانی نے ہندوستان پر حملہ کیا' پانی پت کے میدان میں خونریز معرکہ آرائی ہوئی جیسا کہ آگے مفصل طور پر بیان کیا جائے گا دونوں میں شدید مقابلہ ہوا۔ بابر کو فتح حاصل ہوئی اور ابراہیم لودھی میدان جنگ میں مارا گیا۔ دہلی کی حکومت صاحبقران امیر تیمور کی اولاد کے پاس منتقل ہو گئی۔

ابراہیم لودھی کا انتقال

ابراہیم لودھی بابر کے ساتھ معرکہ آرائی کرتے ہوئے پانی پت کے میدان میں کام آیا اور اس طرح اس خاندان کی تاریخ مکمل ہو گئی اس نے بیس (۳) سال تک حکومت کی۔

حوالہ جات

۱۔ گذبریا۔ گذھ کشک اصل میں گوڈوانے کو کہتے ہیں۔
۲۔ یہ فرشتہ کی غلطی ہے علاؤ الدین یا عالم خاں لودھی سلطان ابراہیم لودھی کا چچا تھا۔
۳۔ یہ کاتب یا مورخ کی غلطی ہے۔ سلطان ۹۲۲ھ کے آخر میں تخت نشین ہوا۔ ۹۳۲ھ کے وسط میں مارا گیا اس لئے کچھ کم نو سال۔

سلاطین مغل

سلاطین مغل کے حالات

ظہیرالدین محمد بابر بادشاہ غازی

ابتدائی حالات

سلطان ابو سعید مرزا عراق میں جب شہید ہو گیا تو اس نے اپنے پیچھے گیارہ بیٹے چھوڑے جو اپنی عقلمندی اور شجاعت کے لئے بہت مشہور تھے۔ ان کے نام یہ ہیں سلطان احمد مرزا' سلطان محمد مرزا' سلطان مراد مرزا' سلطان عمر مرزا اور سلطان مرزا۔ ان تمام بھائیوں میں سے صرف چار نے حکمرانی کی' باپ کے عین حیات ہی میں مختلف ممالک کے حکمران بن گئے اور خودمختاری حاصل کی۔ الغ بیگ مرزا کابل کا حاکم تھا' سلطان احمد مرزا سمرقند کا حکمران تھا۔ سلطان محمد مرزا حصار (۱) و قندوز اور بدخشاں پر حکمرانی کرتا تھا۔ اور عمر شیخ مرزا اندجان اور فرغانہ (۲) کا فرمانروا تھا۔ مغولستان کے حاکم یونس خاں نے الغ خاں کے علاوہ سب کو اپنی دامادی میں لے لیا تھا۔

بابر کی پیدائش

عمر شیخ مرزا فرغانہ کا عادل اور منصف حکمران تھا جب وہ یہاں نہایت عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کر رہا تھا اس وقت یعنی ۸۸۸ھ میں اس کی بیوی قتلق نگار خانم بنت یونس خاں کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا۔ اس بلند اقبال بیٹے کا نام باپ نے بابر مرزا رکھا۔ اس کی تاریخ پیدائش حسامی قراکوی نے کہی۔ "اندر شش محرم زاد آں شہ مکرم۔ تاریخ مولدش ہم شش محرم۔

ابو سعید مرزا کا سلسلہ حسب و نسب امیر تیمور صاحبقراں گورگانی (۳) تک اس طرح پہنچتا ہے کہ ابو سعید مرزا بن سلطان عمیر مرزا بن میراں شاہ میرزا ابن امیر تیمور صاحبقراں زماں۔

محمد بابر کی تخت نشینی

چار رمضان دو شنبہ کے دن ۸۹۹ھ محمد بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کبوتر خانہ کی چھت پر سے گر کر جاں بحق ہوا۔ بابر مرزا نے بارہ سال کی عمر میں اندجان کی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ اراکین سلطنت کے صلاح و مشورہ سے اپنے آپ کو ظہیرالدین کے لقب سے شہرت دی اور فرغانہ کے تخت پر اپنے باپ کا ولی عہد بن کر بیٹھا۔

باہمی خلفشار اور آویزش

عمر شیخ کے وفات پاتے ہی سلطان احمد مرزا سلطان محمد جو یونس خاں کا بیٹا تھا' محمد بابر کا حقیقی ماموں اور احمد مرزا محمد بابر کا حقیقی چچا تھا دونوں نے اچانک فرغانہ پر حملہ کر دیا کیونکہ عمر شیخ ہمیشہ اپنی بہادری اور ہمت سے ان لوگوں کے حملوں کو روکتا رہا' خودان کے ملکوں کو اپنی قوت سے تباہ و برباد کرتا رہا تھا لہٰذا اب ان لوگوں کے لئے یہ اچھا موقع تھا۔ عمر شیخ مرزا کے امیر طغا شیرم نے سوچا کہ اس باہمی کشمکش میں کہیں بابر کو کوئی نقصان نہ پہنچے لہٰذا اس کو آوار کند (۴) کے پہاڑوں میں لے جا کر چھپا دے اور وہیں پناہ لے۔ تاکہ اگر اراکین سلطنت

مولانا قاضی جو اندجان کے شرفاء کے خاندان سے تھے اور شیخ برہان الدین بلخی کی یادگار تھے انہوں نے امیر شیرم کو اس ارادے سے باز رکھنے کو کہا اور محمد بابر کے ساتھ اندجان کے قلعے میں بند ہو گیا۔ اور تمام اراکین سلطنت نے قلعے کو دشمن کے حملے سے بچانے کے لئے حصار قلعہ کو خوب مضبوط اور مستحکم کر لیا۔ اسی درمیان میں حسین یعقوب اور امیر قاسم قوچین جو قرغستان کو فتح کرنے کے لئے مقرر کیے گئے تھے وہ مہم سے واپس آئے اور نہایت خلوص و محبت سے بادشاہ فردوس مکانی کی خدمت سرانجام دینے میں مشغول ہو گئے۔

اسی عرصہ میں اندجان کا ایک مشہور فقیر جو فردوس مکانی کے دربار سے معتوب ہوا تھا سلطان احمد مرزا جو فردوس مکانی کا چچا تھا اس نے خجند اور فرغانہ کو قبضے میں کر لیا تھا۔ فردوس مکانی نے مولانا قاضی زوزن حسن اور خواجہ حسین کو سلطان احمد مرزا کی خدمت میں بھیجا اور یہ درخواست کی کہ ظاہر ہے کہ سلطان احمد مرزا خود کو اندجان میں رہ کر حکمرانی نہ کریں گے لہٰذا اگر اس کی حکومت میرے ہی پاس رہنے دی جائے تو کیا نقصان ہے کیونکہ میں بحیثیت آپ کے بیٹے کے ہوں میں ساری زندگی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا رہوں گا۔ سلطان احمد مرزا کا دل اس درخواست سے خوش ہوا اس نے اس کو کلیتہ" قبول کرنا چاہا' مگر اس کے اراکین سلطنت اور امراء نے اس کی مخالفت کی اور قلعہ اندجان کو فتح کرنے کی سعی لا حاصل میں مصروف ہو گئے۔ اسی عالم پریشانی میں بابر کے نیک بخت نے اپنا اثر دکھایا۔ سمرقندیوں کی فوج میں گھوڑوں کی بیماری پھیل گئی جس سے ہزاروں کی تعداد میں گھوڑے مر گئے اور طویلے کے طویلے خالی ہو گئے اب گھوڑوں کی تعداد میں کمی ہونے کی وجہ سے سپاہی اور لشکر کے لوگ بہت پریشان ہو گئے۔ سمرقندیوں کے لشکر کا انتظام منتشر ہو گیا۔ اب سلطان احمد مرزا نے صلح و آشتی کا پکا ارادہ کر لیا اس کی طرف سے امیر درویش محمد اس کام کے بارے میں گفتگو کرنے پر مقرر کیا گیا اور فردوس مکانی کی طرف سے حسن یعقوب کے سپرد یہ خدمت کی گئی۔

دونوں امراء عید گاہ کے میدان میں جمع ہوئے اور صلح کے بارے میں تمام معاملات طے پا گئے۔ سلطان احمد نہایت اطمینان کے ساتھ سمرقند روانہ ہو گیا' لیکن خدا کا حکم کہ راستے ہی میں راہی ملک عدم ہوا۔ اب دوسری طرف سلطان محمد بن یونس نے حملہ کیا۔ سلطان محمود اخسی (۵) گیا۔ یہاں فردس مکانی کے بھائی جہانگیر مرزا نے اپنے آپ میں مقابلے کی ہمت نہ دیکھی اور اپنے ان امراء درویش علی مرزا قلی کو کلتاش' محمد باقر' شیخ عبد اللہ بیگ' آقا اویس لاغری' مہرغیاث الدین طغائی وغیرہ قابل اعتماد لوگوں کو لے کر کاسان کے قصبے کی طرف بھاگا۔ کاسان اویس لاغری کا پرگنہ تھا یہاں کا حاکم فردوس مکانی کا سب سے چھوٹا بھائی ناصر مرزا تھا۔ محمود خاں نے جہانگیر مرزا کا تعاقب کیا ان دونوں بھائیوں جہانگیر اور ناصر نے اسی میں اپنی سلامتی دیکھی کہ کاسان کا پرگنہ سلطان محمود کے ہاتھ میں دے دیں۔ سلطان محمود کاسان اپنے قبضے میں کرکے پھر اخسی کی طرف واپس آ گیا' مگر یہاں اس کی تدابیر سے کام نہ نکلا اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اس کو ایک بیماری بھی ہو گئی یوں مجبوراً وہ اپنے ملک کی طرف واپس لوٹ گیا۔

اسی زمانے میں کاشغر اور ختن کے حاکم شیخ ابوبکر نے آوزکند کے حدود میں حملہ کیا۔ جی بھر کر شہر اور شہر کے لوگوں کو تباہ و برباد کیا۔ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی نامی گرامی اور بہادر امراء مولانا قاضی کی سرکردگی میں روانہ ہوئے یہ بھی مقابلے کی تاب نہ لا کر دوسروں کی طرح صلح و دوستی کرکے پھر اپنے وطن چلا گیا۔ اب فردوس مکانی فرغانہ آیا اور حسن یعقوب کے سپرد اندجان کی حکومت کرکے اسے مالک کل بنا دیا۔ ۹۰۰ھ میں حسن یعقوب کی باتوں اور اس کے پیدا کردہ حالات سے کچھ سرکشی اور بغاوت کے آثار نمایاں ہونے لگے لہٰذا فردوس مکانی اندجان کی طرف ایک لشکر عظیم کے ساتھ روانہ ہوا۔

مہمات

اندجان پہنچنے پر فردوس مکانی کو معلوم ہوا کہ حسن یعقوب شکار کھیلنے کے لئے سرت گیا ہوا تھا' مگر بادشاہ کی آمد کی خبر سن کر وہ سمرقند سے باہر نکل گیا۔ بادشاہ نے امیر قاسم قوچین کو حسن یعقوب کی جگہ پر مقرر کر دیا۔ بادشاہ کی سپاہ کا ایک گروہ حسن کا پیچھا کرنے کے لئے گیا

حسن نے اخسی کے گرد و نواح میں اس تعاقب کرنے والے گروہ پر شب خون مارا مگر یہ اپنے ہی ایک نوکر کے ہاتھ سے مارا گیا اور اپنے کیفر کردار کو پہنچ گیا۔ اسی سال قلعہ اشیرہ کے حکمران ابراہیم سارو (۶) نے بھی بغاوت کی اور اس نے بائیسنقر مرزا بن سلطان محمود مرزا کو اشیرہ کا حکمران بنا دیا اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ اس پر فردوس مکانی نے اشیرہ پر حملہ کیا اور قلعہ اشیرہ کو گھیر لیا۔ چالیس دن کی قلعہ بندی کے بعد ابراہیم سارو ہتھیار بند ہو کر قلعے سے باہر آیا بادشاہ اس کا جرم معاف کرکے اشیرہ سے خجند روانہ ہو گیا۔ خجند کے حکمران نے بغیر کچھ کہے سنے اپنا قلعہ بادشاہ کے ہاتھ میں دے دیا۔ خجند سے بادشاہ شاہرخیہ کی طرف روانہ ہوا تاکہ اپنے ماموں سلطان محمود سے ملاقات کرے جو اخسی سے واپس آکر اب شاہرخیہ میں قیام پذیر تھا۔ محمود نے کھڑے ہو کر بھانجے کی تعظیم کی اور اس کے سامنے دو زانوں ہو کر بیٹھا اور بہت لحاظ رکھا اور اس کی خاطرداری جی کھول کر کی۔ دو تین دن کے بعد فردوس مکانی پھر اوندان واپس آیا۔

بائیسنقر مرزا کی بابت یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ سمرقند کا حکمران ہو گیا ہے مگر زمانے نے اس کے ساتھ بیوفائی کی اور اس کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا۔ یہ اسی پریشانی کے عالم میں تھا کہ بادشاہ نے اراپتہ (۷) پر حملہ کر دیا۔ یہ صوبہ پہلے بادشاہ کے باپ عمر شیخ کی ملکیت میں شامل تھا مگر جب باہمی آویزش اور دار و گیر ہو رہی تھی اس وقت اس صوبے پر بائیسنقر نے قبضہ کر لیا تھا۔ شیخ ذولنون کو بائیسنقر مرزا نے یہاں کا حاکم مقرر کیا تھا۔ اس نے قلعہ بند ہو کر اپنے آپ کو بچانا چاہا اور اس مدافعت نے بہت دن لگا دیئے۔ یہاں تک کہ موسم سرما شروع ہو گیا۔ اور اجناس کی کمی ہوئی اس کی وجہ سے فردوس مکانی نے قلعے کو فتح کرنے کا خیال دل سے نکال دیا اور اندجان چلا آیا۔ لیکن دوسرے ہی سال پھر سمرقند پر حملہ کیا۔ لیکن بادشاہ یہاں بائیسنقر مرزا کے بھائی سلطان علی مرزا سے ملا اس کو بھی جنگجوئی اور طاقت پر بہت ناز تھا۔ لہٰذا دونوں حاکموں میں باہم یہ طے پایا کہ اگلے سال دونوں مل کر یعنی فردوس مکانی اور سلطان علی مرزا مل کر سمرقند کو بائیسنقر مرزا کی حکمرانی سے چھین لیں۔ یہ عہد کرکے دونوں حکمران اپنے اپنے ملک واپس آ گئے۔

سمرقندیوں سے معرکہ آرائی

۹۰۲ھ موسم بہار کے آغاز میں دونوں دشمن پھر سمرقند پر حملہ آور ہونے کی غرض سے چل پڑے۔ سلطان علی میرزا فردوس مکانی سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ بائیسنقر مرزا نے بھی بھائی کے مقابلے میں صفیں آراستہ کیں اسی دوران میں فردوس مکانی بھی نزدیک پہنچ گیا سمرقندیوں نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ کھلے میدان میں حملہ نہ کریں بلکہ راتوں رات میدان جنگ سے بھاگ کر شہر کی طرف چل دیئے۔ اتفاق سے راستہ میں اس کو خواجہ التون مغل مل گیا اس نے بہت سے لوگوں کو زخمی کیا اور راستہ میں قلعہ اشیرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد فوراً ہی سمرقند چلا گیا اسی دن جنگ شروع ہوئی اور خواجہ مولانا صدر جو خواجہ جلال بیگ کے بھائی تھے ان کے ایک تیر لگا اور اس فاضل شخص نے اسی تیر سے وفات پائی۔ سمرقندیوں نے بھی بہت کوشش کی اور دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرتے رہے۔ ابھی اس جنگ کا مکمل طور پر فیصلہ نہیں ہونے پایا تھا کہ خریف کی فصل آ گئی۔ سلطان علی میرزا بخارا چلا گیا۔ فردوس مکانی میدان جنگ سے آکر خواجہ دیدار کے قلعے میں ٹھہر گیا اور اسی قلعے میں تشلاق (۸) کرکے موسم سرما گزرنے کے بعد نواح سمرقند پر چڑھائی کرنے کے خیال سے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس فرصت کے دنوں میں بائیسنقر مرزا نے مدد حاصل کرنے کے خیال سے ترکستان کے حاکم شیبانی (۹) کے پاس دوبارہ اپنا پیغامبر بھیجا اور مدد کی خواہش کی اور شیبانی خاں اس کی مدد کرنے کے لئے چل کھڑا ہوا۔ ترکستانی لشکر خواجہ دیدار کے نزدیک پہنچا بادشاہ نے اس لشکر سے معرکہ آرائی کرنا چاہی' لیکن شیبانی خاں راستہ کترا کر دوسری طرف سے نکل گیا اور سمرقند جا پہنچا۔ لیکن بائیسنقر مرزا کے خراب برتاؤ سے بہت جلد دل برداشتہ ہو گیا اور وہاں سے واپس ترکستان چلا آیا۔ اب بائیسنقر مرزا شیبانی خاں کی کمک سے بالکل ہی مایوس ہو گیا اور دو تین [illegible] سواروں کو لے کر [illegible] خاں جو قندھار کا حاکم تھا اس کے پاس چلا گیا۔ فردوس مکانی کو بائیسنقر کے یہ تمام حالات معلوم ہو گئے اور

سمرقند کی فتح

آخر کار آخر ربیع الاول ۹۰۳ھ میں بابر سمرقند کے تخت پر بیٹھا اور اپنے قدیم رفیقوں اور ارا کین کو شاہانہ نوازشات بخشیں۔ جس میں سلطان تنبل کو سب سے زیادہ انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔ چونکہ بغیر جنگ کیے ہی سمرقند ہاتھ آگیا تھا لہٰذا سپاہیوں کو مال غنیمت کی شکل میں بہت کم ملا۔ سپاہی اس ناکامی کی وجہ سے بالکل بے سروسامان ہو گئے تھے اور فوجیوں کے بہت سے گروہ ادھر ادھر بکھر گئے۔ سب سے پہلے مغلوں نے فوج کی نوکری سے علیحدگی اختیار کر لی ان کا سردار ابراہیم بیگ تھا۔ خان علی اور سلطان احمد بھی تنبل چلے گئے اور روزن حسن جو اخسی کا حکمران تھا اس کے ساتھ بھی مل کر جہانگیر مرزا کو اپنا بادشاہ مان لیا۔ بابر شاہ کو یہ پیغام بھیجا گیا کہ چونکہ اخسی اب بابری حلقہ سلطنت میں شامل ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ یہ جہانگیر مرزا کو عنایت کر دیا جائے، مگر فردوس مکانی اس پیغام سے بہت برہم ہوا اور ان لوگوں کی امید کے خلاف ایسے کلمات منہ سے نکالے جو بالکل نامناسب تھے۔ اب روزن حسن اور سلطان احمد بھی جہانگیر کے ساتھ موافقت کر کے اندجان پر حملہ آور ہوئے۔ محمد بابر شاہ نے خواجہ التون مغل کو ان لوگوں کی تنبیہہ کے لئے روانہ کیا مگر دشمنوں نے راستہ ہی میں خواجہ محل کو قتل کر ڈالا۔

علی دوست طغائی اور مولانا قاضی نے اندجان کو خوب اچھی طرح مضبوط کر کے پھر فردوس مکانی کو اطلاع دی اس دوران میں فردوس مکانی کی طبیعت خراب ہو گئی اور ضعف کی یہ حالت ہو گئی کہ پانی تک پینا محال ہو گیا۔ روئی کے پھاہے سے ہونٹوں پر پانی ٹپکایا جانے لگا، مگر بادشاہ کو اس بیماری سے نجات ملی۔ صحت پاتے ہی اس نے اندجان سے آئی ہوئی تمام عرضیاں منگائیں۔ سمرقند کا خیال چھوڑ کر بادشاہ اندجان کی طرف چل پڑا راستہ میں اس کو معلوم ہوا کہ بادشاہ کی بیماری کی نازک حالت سن کر علی دوست طغائی اور مولانا قاضی نے ملک دشمنوں کے ہاتھ میں دے دیا۔ دشمنوں نے مولانا قاضی کو قتل کر کے جہانگیر مرزا کا خطبہ اور سکہ جاری کر دیا ہے۔ فردوس مکانی چونکہ ابھی جلدی ہی سمرقند کا فیصلہ کر چکا تھا اور اس کو ہاتھ سے چھوڑ چکا تھا۔ اب اندجان کے جانے سے اور بھی ہراساں ہوا۔ امیر قاسم قوچین کو اپنے ماموں سلطان محمود کے پاس تاشقند روانہ کیا تاکہ وہ اس کی مدد کرنے کے لئے اندجان آئے۔ ادھر فردوس مکانی بھی آگے بڑھا اور چکلہ آہنگران (۱۰) میں سلطان محمود سے جا کر مل گیا۔ دونوں بادشاہ اندجان کی طرف چل پڑے اسی دوران میں جہانگیر مرزا کا سفیر بھی سلطان محمود کی خدمت میں آیا جہانگیر کے قاصدوں نے ارا کین سلطان محمود کو ایسی پٹی پڑھائی کہ محمود بھانجوں کو آویزش میں چھوڑ کر خود تاشقند چلا آیا۔ اس زمانے میں بادشاہ سے بھی بہت سی سپاہ برگشتہ ہو گئی تھی لہٰذا بادشاہ کے پاس تھوڑی سی فوج رہ گئی تھی۔ بادشاہ خجند سے واپس آیا یہاں اراپتہ سے محمد حسین گورگانی کے پاس ایک قاصد دوغلات روانہ کیا، لکھا کہ میرے پاس خجند میں ٹھہرنے کا موقع نہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ جاڑوں کا موسم قریہ ساغر (۱۱) میں گزاروں محمد حسین نے ان کی یہ خواہش منظور کر لی اور ساغر میں بابر کی فوج نے اپنا ڈیرہ ڈالا۔

یہاں سے بادشاہ کی فوج میں بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد شاہی امراء ایلاق (۱۲) کی طرف چلے گئے لہٰذا فردوس مکانی نے کچھ قلعے اپنے قبضے میں کیے مگر اس کی قسمت یونہی خوابیدہ رہی۔ بادشاہ اسی مایوسی کی حالت میں تھا کہ علی دوست کا پیغامبر قریہ ساغر خوشی اور مسرت کا پیغام لے کر پہنچا۔ علی دوست نے خط میں یہ لکھا تھا کہ میں اپنے پچھلے گناہوں پر بہت شرمندہ ہوں اور دست بستہ خواستگار معافی ہوں۔ فرغنستان (۱۳) کا قلعہ اس وقت میرے قبضے میں ہے اگر بادشاہ سلامت ادھر تشریف لائیں تو قلعہ قبضہ شاہی میں دے دیا جائے اور وہ خود بادشاہ کی خدمت میں مامور ہو جائے۔ بادشاہ اس خط کو اور قلعہ فرغنستان کو آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ سمجھ کر فرغنستان چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ علی دوست طغائی دروازہ پر بادشاہ کے انتظار میں کھڑا تھا۔ علی دوست نے بادشاہ کی ملازمت کر لی خود بادشاہ قلعے کا مالک ہو گیا اس کے علاوہ دیگر بیش قیمت اشیاء بھی بادشاہ کو دے دیں۔ بادشاہ نے امیر قاسم قوچین کو کوہستان اندجان کی طرف بھیجا اور ابراہیم ساروادیس

کو اخسی کے آس پاس روانہ کر دیا۔ ان امراء کے سفر کا یہ مقصد تھا۔ کہ عوام کو بادشاہ کے حالات و واقعات سے خبردار کریں تاکہ وہ بادشاہ کے فرمانبردار اور مطیع ہو جائیں۔

بادشاہ کو اس مقصد میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اندجان کی رعایا بابرشاہ کی خیر خواہ اور فرمانبردار ہو گئی۔ ابراہیم سارو اور اویس لاغری نے قلعہ یاب اور نزدیک قلعے اور بھی اپنے قبضہ میں کر لیے۔ اسی عرصے میں سلطان محمود کی فوجی کمک بھی فردوس مکانی کے پاس پہنچ گئی۔ روزن حسن اور سلطان احمد تنبل کو فرغنستان کی فتح اور لشکری امداد کی اطلاع ہوئی۔ بابر کے یہ دونوں دشمن جہانگیر مرزا کے پاس فرغنستان چلے گئے۔ دونوں نے قلعہ فرغنستان کو فتح کر کے ایک فوجی جمعیت کو اخسی بھیج دیا۔ اس گروہ اور سلطان محمود کے لشکر سے باہم آویزش شروع ہو گئی۔ جہانگیر مرزا کے سپاہیوں کی ایک کثیر تعداد اس جنگ میں کام آئی صرف پانچ یا چھ آدمی زندہ بچے۔ روزن حسن اس خبر کو سن کر بہت گھبرایا چونکہ اس کے اپنے سپاہی بھی بابر کی طرف جھک رہے تھے لہٰذا وہ جہانگیر مرزا کو لے کر اندجان کی طرف چل پڑا۔ ناصر بیگ جو روزن حسن کا قریبی رشتہ دار تھا وہ اندجان کا حکمران تھا' ناصر بیگ نے قلعہ اندجان کو مضبوط اور مستحکم کر کے دور اندیشی کا ثبوت دیا کیونکہ وہ جلال شاہی سے واقف تھا لہٰذا بادشاہ کے پاس بلاوے کا پیغام بھیجا۔ اب دشمن بادشاہ کے اس جاہ و جلال سے خوفزدہ ہو گئے۔ جہانگیر مرزا اور سلطان احمد تنبل اوش (۱۴) کی طرف چلا گیا۔ روزن حسن نے اخسی کی راہ لی۔ فردوس مکانی اندجان میں داخل ہو گیا۔ اور ناصر بیگ نیز دوسرے اراکین کو انعام و اکرام سے مالا مال کیا۔

اس واقعے سے دار الملک فرغانہ جو بہت دنوں سے حریفوں کے ہاتھ میں تھا اب ذیقعد ۹۰۴ھ میں پھر بادشاہ کے قبضے میں آ گیا۔ چوتھے دن فردوس مکانی فرغانہ سے اخسی چلا گیا اور روزن حسن جان کی امان پا کر قلعے سے باہر آیا اور حصار روانہ ہو گیا۔ فردوس مکانی نے قاسم عجب کو اخسی کا داروغہ بنا دیا اور اندجان واپس چلا آیا۔ روزن حسن کے بہت سے نوکر بھی اس سے منحرف ہو گئے اور فردوس مکانی کے ہمراہ چلے گئے۔ اراکین سلطنت نے کہا کہ اکثر بہی خواہوں کو ایسی جمعیت نے ختم کیا ہے اور مولانا قاضی جیسے جانثاروں کو قتل کیا ہے۔ اب اگر ان کو بادشاہ نے جان کی امان دے دی ہے مگر ان سے مال و متاع تو واپس لے لیا جائے جو انہوں نے لوٹ کر لیا تھا۔ اس درخواست پر بابر نے حکم دے دیا کہ جو بابری سپاہی اپنا مال و متاع کسی روزنی سپاہی کے پاس دیکھے اس کو فوراً ضبط کر لے مگر اس حکم سے مغل سپاہی بہت ناراض ہو گئے اور سارا گروہ پھر فردوس مکانی سے ناراض ہو کر کند روانہ ہو گیا۔

اندجان پر دشمنوں کا حملہ

ان مغلوں نے جو غیظ و غضب کی حالت میں تھے انہوں نے سلطان احمد سے اپنی ناراضگی بیان کی اور جہانگیر مرزا شہر سلطان احمد تنبل بابری مخالفوں کے پاس پہنچے اور سب نے مل کر اندجان پر حملہ کر دیا۔ بابر شاہ نے قاسم قوچین کو حریفوں کے مقابلے کے لئے بھیج دیا اور ایک خونریز جنگ ہوئی۔ امیر قاسم قوچین کو شکست فاش ہوئی۔ فردوس مکانی کے بہت سے امراء مارے گئے اور بہت سے قید ہو گئے۔ اس طرح دشمنوں نے بابری فوج کو برباد کر کے اندجان کے گرد و نواح میں داخل ہو گئے۔ ایک مہینے تک قلعے کو گھیرے رکھا اور میدان میں جمے رہے لیکن جب رسائی نہ ہوئی تو پھر اوش واپس چلے گئے۔ ۹۰۵ھ میں فردوس مکانی نے ایک فوج تیار کی اور اوش پر دھاوا کیا۔ دشمن میں مقابلہ کی تاب نہ تھی اس لئے وہ دوسرے راستے سے اندجان چلے گئے۔ شہر کے تمام موضعوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ ادھر جب فردوس مکانی کی فوج نے ترقی کر کے ایک مستحکم قلعے پر حملہ کر دیا۔ اس قلعے کا نام بادورو (۱۵) تھا۔ یہاں سلطان احمد تنبل کا بھائی سلطان خلیل حکمرانی کرتا تھا۔ سلطان خلیل نے مقابلے میں اپنی تمام قوت ختم کر دی' مگر ناکام رہا اور بہت خونریز جنگ کے بعد آخر اس کو مجبوراً امان طلب کرنی پڑی۔ قلعہ فردوس مکانی کے ہاتھ میں دے دیا۔ سلطان فردوس مکانی نے اپنے قیدیوں کے بدلے میں اب سلطان خلیل اور اس کے بہت

اندر چلا جائے لیکن قلعے کے لوگ اس کے اس ارادے سے خبردار ہو گئے اور سلطان احمد تنبل اپنے ارادے میں ناکام رہا۔ اسی عرصے میں فردوس مکانی بھی اندجان سے ایک کوس کے فاصلہ پر آ کر ٹھہر گیا۔ اب سلطان احمد تنبل نے فردوس مکانی کے پہنچتے ہی اندجان سے بھاگ کرندی کے کنارے اپنے خیمے نصب کیے بادشاہ نے بھی اس کے مقابلے میں اپنے خیمے نصب کیے۔ عرصے تک فوجیں میدان میں پڑی رہیں' چالیس دن کے بعد قریہ خوبان میں دونوں دشمنوں میں بہت خونریز جنگ ہوئی خون کے دریا بہا دیئے گئے۔ اس جنگ میں فردوس مکانی کو فتح حاصل ہوئی۔ جہانگیر مرزا اور سلطان احمد تنبل میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ فردوس مکانی مظفر و منصور اندجان میں داخل ہو گیا۔ اسی عرصہ میں بادشاہ کو معلوم ہوا کہ سلطان محمود کی سپاہ پانچ چھ ہزار سواروں کی جمعیت میں جہانگیر مرزا کی مدد کے لئے آ رہی ہے اور کاسان کے قلعے کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔ بادشاہ نے عین سردیوں کے موسم میں جبکہ سردی سے بدن میں خون جم رہا تھا اور زمین پر پانی جم کر برف بن جاتا تھا اور اس وقت کاسان کا رخ کیا۔ امدادی لشکر جو جہانگیر مرزا کے پاس جا رہا تھا فردوس مکانی کی آمد کی خبر سن کر ہی واپس چلا گیا۔ ادھر سلطان احمد تنبل مغل سپاہ سے ملنے آ رہا تھا اس کو معلوم نہ تھا کہ سپاہی فردوس مکانی سے خوفزدہ ہو کر واپس چلے گئے۔ اور وہ بے خیالی میں فردوس مکانی کے لشکر کے پاس چلا آیا اور دشمن کی فوج میں آ کر پھنس گیا۔ اب سوائے جنگ کرنے کے اور کوئی چارہ کار نہ تھا لہٰذا اس نے سوچا کہ صبح معرکہ آرائی کرے گا' مگر یہ اتنا بدحواس اور ہراساں تھا کہ رات ہی میں وہاں سے بھاگ گیا' فردوس مکانی نے اس کا پیچھا کیا۔

سلطان احمد تنبل قلعہ ٭شخار (۱۹) کے نیچے ٹھہرا اور اس کے مقابلے کے لئے بادشاہ نے بھی اپنے خیمے وہیں لگا دیئے۔ تین چار دن کے بعد علی دوست طغائی اور قنبر علی جو دونوں فوج کے بہت اہم افسر تھے اور سب سے زیادہ معزز اور نیک دل تھے' مگر دل سے فردوس مکانی کے قائل نہ تھے لہٰذا صلح کی بات چیت شروع ہوئی اور ان امراء کی کوشش سے یہ طے پایا کہ جہانگیر مرزا دریائے خجند سے اخسی تک حکومت کرے۔ اور اندجان و کند کے مقامات پر فردوس مکانی کا قبضہ رہے اور جب بادشاہ سمرقند کو فتح کر لے تب اندجان بھی جہانگیر مرزا کی حکمرانی میں دے دے۔ یہ معاملات طے کر کے سلطان احمد تنبل اور جہانگیر مرزا فردوس مکانی کی خدمت میں حاضر ہوئے دونوں طرف کے قیدی رہا کر دیئے گئے۔ اس واقعے کے بعد فردوس مکانی اندجان چلے آئے اور یہاں پر علی دوست طغائی جو جاہ و حشم اور دولت و ثروت کی وجہ سے بہت مغرور ہو گیا تھا اس نے اب سرکشی بھی کرنا شروع کی تھی۔ لہٰذا بادشاہ کو اطلاع دیئے بغیر امیر خلیفہ کو شہربدر کر دیا۔ اور ابراہیم سارد اور اویس لاغری سے بھی بہت سخت طریقے پر باز پرس کی۔ اس کے بیٹے دوست محمد نے اپنے طور طریقے سب شاہانہ اختیار کیے۔ فردوس مکانی نے اس کے آس پاس لوگوں کی جمعیت اور فوج و قوت دیکھ کر اس کو تنبیہہ کرنا درست نہ سمجھا۔

محمد مرید ترخان

اسی عرصے میں سلطان علی میرزا کا ایک قابل اعتماد امیر محمد مرید ترخان اپنے بادشاہ سے ڈر کر سلطان محمود مرزا کے بیٹے جان میرزا سے جا کر مل گیا۔ محمد مرید ترخان نے جان میرزا کو بہت سبز باغ دکھائے حتیٰ کہ اس کو سمرقند کے میدان جنگ میں لا کھڑا کرنے میں کامیاب ہو گیا' مگر جان میرزا ہار گیا اور محمد مرید ترخان میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ اس مرتبہ شکست کے بعد مرید خان نے فردوس مکانی کو سمرقند فتح کرنے کی ترغیب دی اور بابر شاہ نے بھی اس موقع کو غنیمت جانا اور شہر پر دھاوا کیا' راستہ میں اس سے ترخان بھی مل گیا۔ پھر بادشاہ نے دیگر امراء کے مشورے سے ایک قاصد خواجہ قطب الدین یحیٰی قدس سرہ کے پاس بھیجا جن کے ہاتھ میں سمرقند کی عنان حکومت تھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ جب بابری فوج سمرقند کے آس پاس آ جائے گی اس وقت بادشاہ کی مرضی کے مطابق کام ہو جائے گا۔ ادھر ایسا اتفاق ہوا کہ فردوس مکانی کا ایک معتمد امیر اس سے منحرف ہو گیا اور سمرقند پہنچ کر وہاں کے لوگوں سے خواجہ یحیٰی کے ارادے کا حال بتا دیا لہٰذا بادشاہ اپنے ارادے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر فردوس مکانی کے کچھ امراء اس سے منحرف ہو گئے تھے وہ علی دوست طغائی کی وجہ

سے سرکش ہو گئے تھے اب آ کر بادشاہ سے مل گئے اور ان پرانے نمک حلال ملازموں سے علی دوست کے متعلق بادشاہ کو ایسی ایسی ناقابل توقع باتیں سنائیں کہ بادشاہ یک لخت علی دوست سے سخت ناراض ہوا اور بادشاہ نے اس کو اپنے دائرہ مقربین سے بالکل علیحدہ کر دیا۔ پھر علی دوست اپنے بیٹے محمد دوست کو ساتھ لے کر سلطان احمد تنبل کے دربار میں مقرب خاص ہو کر چلا گیا' مگر خدا کی مرضی کہ وہ اس کے بعد جلدی ہی ختم ہو گیا۔

سمرقند پر شیبانی خاں کا قبضہ

جب شیبانی خاں نے بخارا کو فتح کر کے سمرقند پر نظر کی تو سلطان علی مرزا نے اپنی ماں کے مشورے سے بغیر کسی جنگ و جدل کے سمرقند شیبانی خاں کے حوالے کر دیا۔ فردوس مکانی کو راستہ میں یہ بات معلوم ہوئی اور وہ بلدہ کش (۱۷) روانہ ہو گیا اور کش سے پھر حصار پہنچا۔ محمد مرید خان اور دیگر امراء نے اب سمرقند کو فتح کرنے کی خواہش چھوڑ دی اور فردوس مکانی کے پاس سے علیحدہ ہو کر خسرو شاہ کے پاس چلے گئے۔ یہ لوگ جغانیاں پر بادشاہ سے الگ ہو گئے تھے اب فردوس مکانی کو بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر خدا پر بھروسا کر کے ملک خسرو کے پاس سے ہوتے ہوئے سرماق (۱۸) کی طرف چلا۔ اس سفر میں فردوس مکانی بہت دقتوں اور مشکلات سے ایلاق تک پہنچا' بہت سے اونٹ اور گھوڑے مر گئے چونکہ بادشاہ کے پرانے ملازم اس سے جدا ہو گئے تھے لہٰذا تھوڑی سی فوج تقریباً دو سو چالیس سوار رہ گئے تھے لہٰذا بادشاہ نے ارکین سلطنت کے ساتھ ایک مجلس شوریٰ منعقد کی اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ چونکہ شیبانی خاں نے ابھی ہی سمرقند پر قبضہ کیا ہے لہٰذا اہل سمرقند ازبکوں سے اچھی طرح مانوس نہ ہوئے ہوں گے۔ اب اگر فردوس مکانی خفیہ طور پر سمرقند میں داخل ہو جائے اور وہاں کے لوگوں کو بتائے کہ سمرقند بابر کا موروثی ملک ہے تو شاید وہاں کے باشندے اس سے موافقت کریں اور اگر وہ دوست نہ بن سکے تو ظاہر ہے کہ دشمنی بھی نہ کر سکیں گے پھر اگر خداوند کریم نے کامرانی بخشی تو تمام واقعات پھر اسی طرح ظہور پذیر ہوں گے۔

فردوس مکانی اس خیال کو عملی جامہ پہنانے پر مستقل ہو گیا اور راتوں رات حملہ کر دیا اور یورت خاں (۱۹) میں پہنچ گیا۔ پھر یہ معلوم ہوا کہ شہر کے لوگوں کو بابر شاہ کے آنے کی خبر ہو گئی ہے تو شہر سے کچھ دور جا کر قیام کیا۔ اسی رات فردوس مکانی نے خواب دیکھا کہ خواجہ ناصر الدین عبد اللہ قدس سرہ بابر کے دربار میں آئے ہیں اور بابر نے ان کا شاندار استقبال اور ان کو صدر مجلس بنا کر بٹھایا۔ اس کے بعد ان کے سامنے ایک ایسا دستر خوان بچھایا گیا جو ان کے مناسب حال نہ تھا لہٰذا خواجہ صاحب کا رنگ متغیر ہو گیا۔ انہوں نے بابر شاہ کی طرف دیکھا' بادشاہ نے اشارے سے ان سے معافی مانگی اور انہیں یقین دلا دیا کہ یہ خواں سالار کی غلطی ہے۔ حضرت خواجہ نے بابر شاہ کی غلطی کو قبول کر کے معاف کیا اور بابر شاہ کو گود میں اٹھا لیا اور زمین سے اتنا اونچا کیا کہ بادشاہ کے پاؤں زمین سے قدرے بلند ہو گئے۔ خواب سے بیدار ہو کر بادشاہ سمجھ گیا کہ اب دل کا مطلب حاصل ہو گیا لہٰذا اس نے فوراً سمرقند پر حملہ کیا اور آدھی رات گئے مغاک کے پل پر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اسی (۸۰) سپاہیوں کو آگے بھیج دیا۔ اور اس کے آگے جانے والی سپاہ نے غار عاشقاں کی طرف سے فصیل تک زینے لگا دیئے اور شہر کے اندر داخل ہو گئی یہ لوگ دروازہ فیروز تک جا پہنچے۔

خان نیز دیگر محافظ قتل کر کے ان لوگوں نے شہر میں جانے کا راستہ ہموار کر لیا۔ فردوس مکانی دو سو چالیس سواروں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا ہر گلی کوچہ میں شور و غل بپا ہو گیا جو لوگ بیدار تھے انہوں نے فردوس مکانی کا اچھی طرح استقبال کیا۔ ذرا ہی دیر میں یہ خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی کہ سمرقند کا موروث اعلیٰ آ پہنچا ازبکوں کو لوگوں نے جہاں پایا وہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بابر کی ناکامیابی اور اسکے اسباب

[illegible] ازبکوں کے ایک [illegible] کے ساتھ باہر نکلا تمام ازبک غیظ و غضب میں بھرے ہوئے تھے یہ سب خواجہ قطب الدین

نے سارا واقعہ شیبانی خاں کو سنا دیا- شیبانی خاں نے فوراً ہی حملہ کر دیا ایک سو پچاس سواروں کے ساتھ علی الصبح آہنی دروازے پر پہنچ گیا- مگر یہاں آنے پر معلوم ہوا کہ اب وقت گزر چکا ہے- اور کوشش بھی بیکار ہو گی لہٰذا مایوسی کے عالم میں واپس چلا آیا- سمرقند کے تمام امراء اور اراکین سلطنت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب نے فتح و کامرانی پر مبارک باد دی- مولانا ثنائی جو شیبانی خاں کے نوکر تھے اب بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے- خواجہ ابو البرکات سمرقندی جو آخر وقت میں دکن میں آ کر شاہ طاہر کے مقربین خاص میں شامل ہو گئے تھے اور اپنے فضل و کمال اور آداب مجلس کی وجہ سے عالمگیر حیثیت رکھتے تھے وہ فردوس مکانی کی بارگاہ میں مشرف ہوئے-

واقعات بابری جو ترکی زبان میں خود فردوس مکانی کی تصنیف ہے- اس میں لکھا ہے کہ جس طرح وہ خود چپکے سے سمرقند پر قابض ہو گیا اسی طرح حسین مرزا نے ہرات پر قبضہ کیا تھا لیکن ارباب بصیرت کو معلوم ہے کہ میری اور حسین مرزا کی فتح میں بہت فرق ہے- بادشاہ نے اپنی کامیابی کے یہ اسباب بیان کیے ہیں-

(۱) حسین مرزا بہت تجربہ کار اور جنگجو فرمانروا تھا-

(۲) اس کا حریف یادگار محمد خاں ناتجربہ کار اٹھارہ سالہ نوجوان تھا جو دنیا کے حالات سے اتنی واقفیت نہ رکھتا تھا-

(۳) حسین مرزا کو خود امیر علی میر آخور جو دشمن کے پاس تھا اس نے ہی حملہ کرنے کی دعوت دی تھی-

(۴) جس وقت حسین مرزا نے حملہ کیا تو یادگار محمد باغ زاغاں میں شراب و کباب میں مصروف تھا اور تین محافظ جو صدر دروازے پر تھے وہ بھی اپنے بادشاہ کی طرح مست اور سرشار تھے-

(۵) حسین مرزا نے پہلے ہی حملے میں حریف کو غافل پایا اور شہر پر قبضہ کر لیا-

بادشاہ لکھتا ہے کہ حسین مرزا کے ان حالات سے میرے حالات کا مقابلہ کیا جائے تو بہت فرق ہو گا میں اس وقت ایک انیس سالہ نوجوان تھا- اور میدان جنگ میں بھی طفل مکتب اور میرا دشمن تجربہ کار آدمی شیبانی خاں تھا- نہ بادشاہ کو سمرقند کے حالات کی اطلاع تھی اور نہ وہاں کے لوگوں نے بادشاہ کو سمرقند فتح کرنے کی دعوت ہی دی تھی- گو کہ اہل سمرقند بابر شاہ کی طرف رجوع ہونے کی خواہش رکھتے تھے، مگر شیبانی خاں کی وجہ سے کسی کی ہمت نہ پڑتی تھی کہ دو حرف منہ سے نکالے- اور پھر جب بابر شاہ قلعہ میں داخل ہوا تو جان وفا جو بہت جنگجو تھا اور رستم سہراب سے بھی خود کو زیادہ سمجھتا تھا وہ خونخوار ازبکوں کے گروہ کے ساتھ قلعے میں موجود تھا- بابر نے عین حفاظت کے وقت محافظوں کو ختم کر کے قبضہ کیا اور جان وفا کو باہر نکالا- پہلی دفعہ جب بادشاہ نے سمرقند پر حملہ کیا تھا تو لوگوں کو خبر ہو گئی تھی اب دوسری مرتبہ لوگوں کی باخبری نے بڑا کام کیا اور کچھ خدا کی مہربانی کہ اس کو کامرانی حاصل ہوئی- بادشاہ کہتا ہے کہ اس عبارت سے محض حقیقت حال کا بیان منظور ہے کسی کو نیچا دکھانا مقصود نہیں جو بات صحیح تھی وہ زبان قلم سے ادا ہو گئی-

فرشتہ کا خیال ہے کہ بابر شاہ کو جس طرح سمرقند پر فتح حاصل ہوئی وہ امیر تیمور صاحبقران کی ایک فتح سے مشابہت رکھتی ہے یعنی شہر قرشی کو بھی امیر تیمور نے اسی انداز سے فتح کیا تھا- کیونکہ صرف دو سو ہنتالیس سواروں کی فوج امیر تیمور کے پاس تھی اس نے اس مہم کو صرف ایک ہی رات میں جیت لیا تھا، لیکن بابر شاہ نے امیر تیمور کا پاس و ادب کرتے ہوئے اس کی مہم کا ذکر نہیں کیا- کیونکہ امیر تیمور نے جب فتح کیا تو اس وقت کوئی حکمران شہر کے اندر موجود نہ تھا- قرشی کے امراء سلطنت میر موسیٰ اور میر حسین سب شہر سے باہر تھے اور شہر میں میر موسیٰ کا کم عمر بچہ محمد بیگ موجود تھا ظاہر ہے کہ اس صورت میں صاحبقران کا قرشی کا ختم کر لینا کوئی کمال نہیں تھا- اسی باعث فردوس مکانی سے اپنی فتح سمرقند سے فتح قرشی کا موازنہ بھی نہیں کیا ورنہ شاید امیر تیمور صاحبقران کی تحقیر کا امکان تھا-

شیبانی خاں کے خلاف اقدامات

غرضیکہ جب فردوس مکانی نے سمرقند پر قبضہ کر لیا- شیبانی خاں بخارا چلا گیا اور محمد مرید خاں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور قلعہ (۲۰)

قرشی اور خضار کو ازبکوں کے ہاتھ سے لے لیا- ادھر ابو الحسن مرزا نے مرد اور کش سے حملہ کرکے قراکول پر قبضہ کر لیا- بابر شاہ نے حسین مرزا اور دیگر حکمرانوں کے پاس اپنے سفیر بھیجے اور ان سے کمک مانگی تاکہ پھر شیبانی خاں کو ماوراء النہر سے باہر نکال دیا جائے- سلطان حسین مرزا بدیع الزمان مرزا اور خسرو خان وغیرہ نے بادشاہ کے پیام کا کچھ پاس ادب نہ کیا اور بقیہ حکمرانوں نے جو مدد بھیجی وہ اس لائق نہ تھی کہ فردوس مکانی اس کو لے کر شیبانی خاں جیسے فرمانروا کے مقابلے میں جائے- سردیوں کے موسم میں شیبانی خاں نے تھوڑی فوج جمع کرکے قراکول اور اس کے گرد و نواح کے موضعوں پر قبضہ کر لیا- اب مجبوراً فردوس مکانی کو آگے بڑھنا پڑا اور بادشاہ نے ۹۰۶ھ شوال کے مہینے میں اپنی فوج درست کی اور باقی امدادی فوج لے کر شیبانی خاں سے معرکہ آرا ہونے کے لئے سمرقند سے چل کھڑا ہوا کاروزن (۲۱) کے پاس دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں- دونوں فوجوں نے حد سے زیادہ کوشش اور جانبازی دکھائی- اب جہانگیر' حسین مرزا اور محمود خاں بن یونس خاں کی بھیجی ہوئی امدادی فوج ادھر ادھر بکھر گئی- اور فردوس مکانی کے پاس صرف دس یا پندرہ آدمی میدان کارزار میں باقی بچے- لہٰذا انہوں نے خود جنگ کو طول نہ دیا اور سمرقند واپس چلے آئے-

فردوس مکانی کے بہت سے باعزت مصاحبین اور مقربین اس معرکے میں شہید ہو گئے- مثلاً ابراہیم خان' ابراہیم سارد' ابو القاسم' حیدر قاسم' میر قاسم قوچین' غدائی ردی- سلطان احمد تنبل کا بھائی' سلطان خلیل وغیرہ- شیبانی خاں نے سمرقند کے قلعے کے نیچے ڈیرا ڈالا اور اس کے بعد لڑائی کا آغاز کیا- فردوس مکانی نے الغ بیگ مرزا کے مدرسے میں ٹھہرنا مناسب سمجھا تاکہ جس طرف مدد کی ضرورت ہو اسی طرف خبر لی جائے بعض اوقات قلعے کے لوگوں اور شیبانی جمعیت میں لڑائی بھی ہو جایا کرتی تھی اس جنگ میں فوج بیگ' تواماں کو کلتاش اور کل نظر طغائی جیسے بابری سرداروں نے بڑی ہمت اور شجاعت دکھائی- شیبانی خاں نے اسی طرح تین چار مہینے گھیرے رکھا اور قلعے کے لوگوں کو جی بھر کر پریشان کیا- اس محاصرے سے قلعے میں بیماریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا- شہر کے لوگ قحط سے تنگ آ گئے دانہ دانہ کی مصیبت ہو گئی' اجناس اور گھی وغیرہ بالکل نایاب ہو گیا' زمین خشک تھی غلہ کا نام نہ تھا- گھوڑوں کا چارہ بھی میسر نہ آتا تھا اور سپاہی سوکھی لکڑیوں کو آری سے چھیلتے تھے اور لکڑیوں سے جو برادہ نکلتا تھا وہی پانی میں نرم کرکے گھوڑوں کو کھلاتے تھے حالانکہ اس دوران میں جبکہ محاصرہ اپنے شباب پر تھا' فردوس مکانی نے امراء خراسان' قندر' .قلان' مغلستان کے پاس پیغامبر بھیج کر کمک کی درخواست بارہا کی لیکن ان لوگوں نے ان درخواستوں پر کان نہ دیئے-

تاشقند کو روانگی

۹۰۷ھ کے آغاز میں ایک اندھیری رات میں جبکہ ہر طرف سناٹا ہی سناٹا چھایا ہوا تھا بادشاہ نے اپنے مقربین خاص خواجہ ابو المکارم کے ہمراہ سمرقند سے اندجان ہوتا ہوا تاشقند چلا گیا- اس کے ساتھ تقریباً سو آدمی تھے- اس وقت جہانگیر مرزا بھی سلطان تنبل سے جدا ہو کر اپنے بھائی سے آ کر مل گیا- فردوس مکانی پہلے تاشقند پہنچے میاں سلطان محمود فرزند یونس خاں نے اراپتہ کا شہر فردوس مکانی کے سپرد کر دیا تاکہ وہ موسم سرما وہیں گزاریں- موسم بہار میں شیبانی خاں اراپتہ کے گرد و نواح میں آ گیا لوٹ مار کرنا شروع کر دی اس دوران میں فردوس مکانی اپنی زندگی بہت تنگدستی میں گزار رہے تھے لہٰذا اراپتہ میں بھی زیادہ نہ ٹھہرے اور سلطان محمود اور اس کا بھائی احمد خاں' بالچہ خاں دونوں فردوس مکانی کی مدد کے لئے روانہ ہوئے تاکہ دونوں مل کر فرغانہ کو سلطان احمد تنبل کے چنگل سے نکال کر بابر شاہ کے ہاتھ میں دیدیں- سلطان احمد جہانگیر مرزا کو برائے نام فرغانہ کا فرمانروا سمجھتا تھا- اس کی ہی حکمرانی چلتی تھی- لہٰذا اس نے خاموشی سے فرغانہ دے دینے سے انکار کیا اور میدان کارزار میں معرکہ آرا ہوا-

مغل سرداروں نے فردوس مکانی کا ساتھ دیا اور سلطان احمد تنبل کو اوش کی طرف بھگا دیا اوش بھی بابر شاہ کے قبضے میں آ گیا- اس کو

ایک جنگجو لشکر لے کر چلا اور اندجان کے راستہ ہی میں دونوں لشکروں کے سرداروں کی مڈبھیڑ ہو گئی- سلطان احمد نے یہیں پر جنگ شروع کر دی دونوں سردار معرکہ آرا ہوئے' لیکن اس جنگ میں فردوس مکانی کو شکست ہو گئی اور وہ اوش کی جانب چل دیئے- سلطان احمد تنبل بہت سکون و اطمینان کے ساتھ اندجان کی طرف بڑھا- قلعہ اندجان کو مستحکم اور مضبوط کرنے کی فکر میں لگ گیا فردوس مکانی کے وہ تمام سردار جو سلطان احمد تنبل کا پیچھا کر رہے تھے وہ اندجان کے نواح میں آ کر ٹھہر گئے اب بابر شاہ بھی بہت جلد وہیں پہنچ گیا-

اخسی کی حکمرانی

کچھ عرصے بعد اخسی کے باشندوں نے فردوس مکانی کو طلب کیا اور اخسی کی حکومت بادشاہ کے سپرد کر دی اور ادھر مغل سردار نواح اندجان کو چھوڑ کر ایک مناسب اور محفوظ جگہ پر آ کر ٹھہر گئے- اسی عرصے میں شیبانی خاں ایک لشکر جرار لے کر اخسی کی طرف بڑھا' بابر شاہ اپنے بھائی کے ساتھ باہر نکلا اور دوسرے سردار بھی آ کر مل گئے- سب مل کر شیبانی خاں کی قوت کو ختم کرنے کے لئے آگے بڑھے دونوں میں بہت خونریز جنگ ہوئی- اس جنگ میں بابر شاہ کو ہار نصیب ہوئی اور سلطان محمود خاں اور اس کا بھائی احمد خاں دونوں شیبانی خاں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے- بابر شاہ مغولستان چلا آیا اور اس جنگ کو فتح کرنے کے بعد شیبانی خاں کی قوت اور ہمت و استقلال انتہائی کمال پر پہنچ گئی اب تاشقند کا حکمران بھی وہی تھا- تھوڑے دنوں بعد شیبانی خاں کو پرانے احسانات یاد آ گئے اور انہوں نے سلطان محمود اس کے بھائی احمد خاں کو رہائی دے دی- سلطان محمود اپنے ملک واپس چلا آیا گھر پہنچ کر سلطان محمود طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو گیا- اس پر امرائے خاص نے کہا کہ شاید شیبانی خاں نے آپ کو زہر دیا ہے جو ان امراض کا باعث ہے لہٰذا اب تریاق کا استعمال کرنا ضروری ہے تاکہ زہر کا اثر ختم ہو جائے- سلطان محمود نے جواب دیا کہ شیبانی خاں نے اس کو ایسا زہر دیا ہے جس کا تریاق ناممکن ہے اس نے کہا کہ شیبانی خاں نے زہر کا پیالہ پلایا ہے مگر معمولی زہر نہیں ہے اس زہر کا تو تریاق ہی نہیں مل سکتا کیونکہ یہ زہر کیا کم ہے کہ شیبانی پلک جھپکنے میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا- ہم دونوں بھائیوں کو پہلے تو قید میں رکھا اس کے بعد بغیر کسی دلیل و حجت کے رہا کر دیا کیا یہ امر باعث شرم نہیں- گویا یہی سم قاتل ہے جو سارے دل و دماغ میں سرایت کر گیا ہے- اسی فکر نے ان مختلف بیماریوں کا شکار بنا رکھا ہے اب اگر ان امراض کے لئے جو میرے ذہن اور دماغ پر چھائے ہوئے ہیں کوئی تریاق مل سکے تو لاؤ میں نہایت خوشی سے کھانے کے لئے تیار ہوں-

امر محمد باقر حاکم ترمذ سے ملاقات

بابر شاہ مغلستان سے خضار اور پھر شامان آیا اور پھر یہاں سے مدینۃ الرجال یعنی شہر ترمذ کو چلا گیا- امیر محمد باقر جو ترمذ کا فرمانروا تھا اور ازبکوں کی لوٹ مار سے بہت پریشان تھا اس نے فردوس مکانی کے قدم رنجہ فرمانے کو برکت و رحمت کا سبب سمجھا' نہایت خلوص سے بادشاہ کی بارگاہ میں آیا اور بیشمار قیمتی تحفہ تحائف بطور نذرانہ دیئے- بابر شاہ نے محمد باقر سے اپنی مستقبل کی فتوحات کا ذکر کیا اور مشورہ بھی لیا' پھر خود ہی کہا کہ اب تک میں زمانے کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنا ہوا قسمت کا لکھا پورا کرتا رہا دشمنوں کے تعاقب سے یہاں وہاں چھپتا چھپاتا رہا- کسی نہ کسی صورت اپنی عزت کی حفاظت کرتا رہا ہوں' لیکن اس دوڑ دھوپ کا نتیجہ سوائے پریشانی اور مشکلات کے اور کچھ نہیں ہوا اور تقدیر کے ہاتھوں کھلونا بن کر رہ گیا ہوں- بادشاہ نے محمد باقر سے نہایت سچا اور مخلصانہ مشورہ کیا اور کہا کہ شاید تمہارا مشورہ ہی میرے لیے نیک فال کا باعث ہو- اب خلوص دل سے جو مشورہ دو گے اسی پر عمل کیا جائے گا- محمد باقر نے نہایت ادب و لحاظ سے مشورہ دیا کہ چونکہ شیبانی خاں نے ماوراء النہر پر قبضہ کر لیا ہے اور اسی کی فتنہ و فساد کی آگ میں آپ کے دل و دماغ کا سکون جل کر رہ گیا ہے لہٰذا اب یہ کیا جائے کہ کسی دوسرے ملک میں جا کر قسمت کو آزمائیں-

کابل کا سفر

یہاں سے کابل کو فتح کر کے ازبکوں سے پیچھا چھڑائیں- بابر شاہ کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اور ۹۱۰ھ میں وہ کابل کی طرف چل پڑا- راہ میں

بابر شاہ خسرو شاہ کی قیام گاہ کے پاس سے گزرا- اب خسرو شاہ اپنے پچھلے گناہوں کو معاف کرانے کے لئے ان سے ملنے آیا ادھر بابر شاہ نے چپکے ہی چپکے خسرو شاہ کی تقریباً آٹھ ہزار فوج کو اپنا گرویدہ بنالیا- اب خسرو شاہ کو جب اپنے سپاہیوں کی سرکشی کی اطلاع ملی تو بہت چکرایا' سارا مال و اسباب وہیں چھوڑ کر دو تین لوگوں کے ساتھ بدیع الزمان کے پاس آیا اور یہیں پر پناہ لی- تین چار ہزار مغل گھرانے جو پہلے خسرو شاہ کی رعایا تھے اب بابر شاہ کی رعیت ہو گئے- بابر شاہ کو تین چار اونٹ بیش قیمت جواہرات اور ساز و سامان سے لدے ہوئے جو خسرو شاہ کی ملکیت خاص تھے وہ بھی مل گئے- اب جب خدا نے ان کو دولت وحشمت اور شاہی لوازمات دیئے تو فردوس مکانی کابل میں داخل ہوا-

حاکم گرم سیر کا کابل پر حملہ

ابو سعید مرزا کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق کابل کا شہر الغ بیگ مرزا کے زیر حکومت تھا- الغ خاں کا انتقال ۹۰۷ھ میں ہوا اور ایک بچہ عبد الرزاق اپنا جانشین چھوڑ گیا- جو اپنے باپ کا جانشین ہوا اور سلطنت کا سارا انتظام ایک مغل سردار ذکی کے ہاتھ میں آ گیا- کابل کے امراء ذکی سے ناراض ہو گئے اور اس کو عین بقر عید کے دن قتل کر ڈالا اس شور و شغب میں کابل کا انتظام سلطنت بہت ابتر حالت میں پڑ گیا- امیر ذوالنون کے چھوٹے بیٹے محمد مقیم حاکم گرم سیر (۲۲) نے ہزارہ اور تکدور کا ایک عظیم لشکر لے کر پھر کابل پر حملہ کر دیا- عبد الرزاق میرزا محمد مقیم کا مقابلہ نہ کر سکا اور کابل چھوڑ کر لمغان کے آس پاس جا کر پناہ گزین ہو گیا- محمد مقیم نے کابل پر قبضہ کر لیا پھر الغ بیگ مرزا کی لڑکی سے شادی کر لی-

بابر کا کابل پر حملہ

بہرکیف بابر شاہ نے اس خدائی امداد کے ساتھ کابل پر حملہ کر دیا- ادھر محمد مقیم قلعے میں چھپ گیا' لیکن پھر بدرجہ مجبوری بابر شاہ کے سامنے پڑا اور جان کی پناہ مانگی اور اپنا قلعہ بادشاہ کے ہاتھ میں بے چون و چرا دے دیا- فردوس مکانی نے کابل پر قبضہ کر لیا- کابل کو بالکل نئے سرے سے آباد کیا- ۹۱۱ھ محرم کے مہینے میں بابر شاہ کی ماں قتلق نگار خانم نے وفات پائی- اس کے علاوہ اسی سال یہ بلائے ناگہانی نازل ہوئی کہ ایک مہینے تک مسلسل روزانہ زلزلہ آتا رہا اور اس کی وجہ سے شہر کے بہت سے مکانات اور اونچی عمارتیں گر گئیں- بادشاہ نے ان سب کی تعمیر کے لئے بہت کوشش کی اور از سرنو بنوائیں اس طرح بھی بہت خوشحالی اور ترقی ہو گئی- فردوس مکانی نے قلعہ قلات کو بھی جو قندھار کے زیر حکومت تھا اس پر حملہ کر کے ارغون اور اس کے خیرخواہوں کے ہاتھ سے نکالا اور اپنی حکومت میں شامل کر لیا- بدیع الزمان مرزا سے جو ارغون کی اولاد اور خیر خواہوں کی امداد کے لئے آیا تھا اس سے صلح و آشتی سے پیش آیا' اس کے بعد پھر کابل واپس چلا آیا-

اسی سال بادشاہ نے قشلاقات (۲۳) اور ہزار جات پر حملہ کیا اور وہاں کے باغیوں کو پوری طرح زیر کر کے دار الخلافہ کی طرف لوٹا' اس کے بعد بادشاہ نے جہانگیر مرزا کو غزنی کی حکومت دے دی- مگر تھوڑے عرصے بعد وہ بھائی کی جدائی کا بہانہ کر کے پھر کابل آ گیا- بابر شاہ کو یہ بات بہت ناگوار گزری کیونکہ اس طرح باغیوں اور سرکشوں کے سر اٹھانے کا خدشہ تھا- جہانگیر مرزا بابر شاہ کی ناراضگی سے دل برداشتہ ہو کر کابل سے باہر چلا گیا اور غزنی کے آس پاس میں ہزار جات اور ادیماقات (۲۴) کے درمیان جا کر رہنے لگا اور بقیہ زندگی کے دن وہیں گزارنے کا ارادہ کیا-

خراسان کا سفر

۹۱۲ھ محرم کے مہینے میں بادشاہ کابل کی طرف چلا' حسین مرزا جو شیبانی خاں کی قوت اور استحکام سے بہت ہراساں ہو رہا تھا اور اپنی

انتقام لینا ضروری تھا لہٰذا وہ بھی کابل سے خراسان کی طرف چلا۔ راہ میں اس نے سوچا کہ جہانگیر مرزا کا بھی احوال معلوم کریں۔ لہٰذا اس نے ادھر کا رخ کیا۔ اختشام کے باشندوں نے جہانگیر مرزا کی کچھ پروا نہ کی اور سب کے سب آ کر بابر شاہ کے خیر خواہوں میں شامل ہو گئے۔ جہانگیر مرزا یہ حالات دیکھ کر بہت گھبرایا اور مجبوراً خود بھی بابر شاہ کے ساتھ ہو گیا۔ خراسان کے سفر میں بادشاہ کا ہمراہی بن گیا۔ بادشاہ یہاں سے شہر نیمروز پہنچا اور یہاں پر معلوم ہوا کہ حسین مرزا کا انتقال ہو گیا ہے۔ واقعات بابری میں بادشاہ لکھتا ہے کہ اس خبر کو معلوم کر کے بھی میں نے خاندان حسین مرزا کی رعایت کو نہ چھوڑا اور خراسان کی طرف ہی بڑھتا رہا' لیکن ساتھ ہی ساتھ حسین مرزا کے وارثوں کے پاس سے برابر قاصد پر قاصد چلے آ رہے تھے اور مجھے خراسان آنے کی دعوت دے رہے تھے حالانکہ اس سفر میں میری خود غرضی بھی شامل تھی۔ ادھر فردوس مکانی کو خود ازبکوں سے جنگ کرنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا لہٰذا اس نے مرغاب (۲۵) جو ازبکوں کا مرکزی اجتماعی مقام تھا۔ اس کی طرف رخ کیا اور آٹھویں جمادی الآخر کو لشکر گاہ تک پہنچ گیا۔ مظفر حسین مرزا اور ابو الحسن مرزا بادشاہ کے استقبال کے لئے بدیع الزمان مرزا کے حکم کے مطابق آگے بڑھے' بابر شاہ دونوں شہزادوں کے ہمراہ لشکر گاہ میں آیا اور بدیع الزماں سے ملاقات کی۔

چند دنوں تک تو شہزادوں نے بادشاہ کی خوب خاطر مدارات کی اور دن نہایت عیش و عشرت میں بسر ہوئے۔ اس کے بعد سردیوں کا موسم آتے ہی دونوں شہزادے تو قشلاق کا بہانہ کر کے چلے گئے اور پھر ازبکوں سے معرکہ آرائی تھوڑے دنوں کے لئے موقوف کر دی' مگر شہزادوں کے جانے کے بعد بابر شاہ بدیع الزمان کے ساتھ ہی ہرات تک آیا اور سردی بڑھتے ہی پھر کابل واپس چلا گیا۔ چونکہ برف باری کا زمانہ تھا اور تمام راہیں برف سے ڈھکی ہوئی تھیں لہٰذا بادشاہ نے راستہ بہت دقتوں سے طے کیا اور بمشکل تمام ہزارہ پہنچا۔ یہاں سرکشوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا پھر آگے بڑھا اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں محمد حسین گورکانی اور سنجر برلاس نیز دیگر افغانی امراء نے بادشاہ کے چچا زاد اور خالہ زاد بھائی جان مرزا کو کابل کا حکمران مان لیا ہے اور ملک میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہے۔ بابر شاہ نے راستے ہی میں اہل کابل کو اپنی بہ سلامت واپسی کی اطلاع دے دی۔ اہل کابل سے یہ کہہ دیا گیا تھا کہ فردوس مکانی کو حسین مرزا کی اولاد نے قلعہ اختیار میں قید کر لیا ہے۔ اب جو یہاں کے لوگوں کو بادشاہ کا خط ملا اور اس کے صحیح و سلامت واپس آنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ سب بہت خوش ہوئے۔ اور جو لوگ کہ قلعہ اراک میں نظر بند تھے وہ اس خبر سے ایک نئی طاقت حاصل کر کے باہر نکل آئے۔ بابر شاہ کے کابل پہنچتے ہی یہ نظر بند گروہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس جمعیت نے بادشاہ کے ساتھ مل کر بہت ہمت اور شجاعت کا ثبوت دیا۔ مرزا حسین گورگانی کو گرفتار کر لیا گیا مگر بابر شاہ نے خلوص و مروت کو مد نظر رکھ کر ان لوگوں کو رہائی دی اور کہا کہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

جان مرزا تو امیر ذوالنون کے بیٹوں کے پاس چلا گیا اور محمد حسین گورگانی نے فراہ (۲۶) اور سیستان کا رخ کیا۔ اس واقعے کے بعد بابر شاہ کا سب سے چھوٹا بھائی جو بدخشاں کا حاکم تھا اور جس کا نام ناصر مرزا تھا وہ شیبانی خاں سے شکست کھا کر کابل پہنچا۔ چونکہ جہانگیر مرزا خراسان سے واپس ہوتے ہوئے خونی دستوں کی بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا لہٰذا بادشاہ نے اس کی جگہ پر ناصر مرزا کو مقرر کر دیا۔

خلجیوں سے آویزش

۹۱۳ھ میں بابر شاہ خلجی افغانوں کے قبیلوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا ان کے گروہوں کو خوب خوب تباہ و برباد کیا' ان کا مال و متاع بھی بابر شاہ کے ہاتھ آیا۔ ایک لاکھ بکریاں اور دیگر متعدد اشیاء ملیں۔ اس کے بعد بادشاہ کابل واپس آیا اسی دوران میں ارغون کے امراء ازبکوں کے حملوں سے بیحد پریشان ہو گئے۔ اہل ارغون نے بادشاہ سے نہایت خادمانہ انداز میں خواہش کی کہ اگر فردوس مکانی مدد کے لئے آ جائیں تو ارغونی قندھار کی سلطنت بھی ان کے سپرد کر دی جائے گی۔ بادشاہ نے اس درخواست کو منظور کر لیا۔ بادشاہ امراء ارغون کی مدد کے لئے روانہ ہوا' قلات سے جب گزرا تو خان مرزا نے بادشاہ کی دست بوسی کی' بادشاہ نے بھی اس سے خلوص کا برتاؤ کیا اور آگے بڑھ

گیا- تھوڑی دور پہنچ کر بادشاہ نے محمد مقیم ارغون اور شاہ بیگ وغیرہ کو اطلاع دی کہ میں تم لوگوں کا بلایا ہوا آیا ہوں تم لوگوں کا فرض ہے کہ خلوص کو ہاتھ سے نہ جانے دو اور میرے پاس فوراً آؤ- ارغونی امراء پہلے تو اپنے بلانے اور درخواست پر شرمندہ ہوئے اور پھر قلعہ بند ہو گئے لیکن بدرجہ مجبوری میدان میں آئے اور قریہ خنک کے گرد و نواح میں معرکہ آرا ہوئے- قندھار کے قریب جنگ چھڑ گئی اور دونوں بھائی فردوس مکانی سے شکست کھا کر چلے گئے چونکہ شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہونے کا موقع نہ ملا اس لئے شاہ بیگ سیادل (۲۷) کی طرف چلا گیا اور محمد مقیم داور کی طرف بھاگا-

قندھار پر قبضہ

قندھار کا قلعہ بھی بادشاہ کے ہاتھ میں آ گیا' امیر ذوالنون کا بہت سا مال و متاع اور ہیرے جواہرات بھی بابر شاہ کے ہاتھ آئے- فردوس مکانی نے وہ تمام مال غنیمت امراء میں تقسیم کر دیا- قندھار اور زمین داور کی حکومت ناصر مرزا کے ہاتھ میں دے دی خود مظفر و منصور کابل واپس آئے- محمد مقیم زمین داور سے شیبانی خاں کی قیام گاہ داوری میں پہنچا- شیبانی خاں محمد مقیم کے اغواء سے قندھار پر حملہ آور ہوا- ناصر مرزا حصار بند ہو گیا اور تمام حالات لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیے جواباً بادشاہ نے یہ لکھ دیا کہ جہاں تک ہو سکے قلعے کی حفاظت ضروری ہے- اس کو دشمن کے حملے سے بچا کر رکھا جائے' لیکن اگر دشمن پر قابو پانا ممکن نہ ہو تو مناسب اقرار کے بعد صلح عمل میں لائی جائے- ناصر مرزا کو کابل اس لئے واپس بلا لیا تاکہ تمام قوت بحیثیت مجموعی سرزمین ہند کو فتح کرنے میں لگا دی جائے-

ادھر شیبانی خاں کا زور بہت بڑھ رہا تھا' فردوس مکانی اپنے آپ میں اس سے مقابلے کی تاب نہیں رکھتے تھے لہٰذا بابر شاہ نے اپنے امرائے سلطنت سے صلاح کی کہ شیبانی خاں کی یلغاروں سے کیسے محفوظ رہا جائے- بظاہر اس کی ایک ترکیب یہ بھی تھی کہ بدخشاں کو فتح کر کے وہاں رہائش اختیار کر لی جاتی یا پھر سرزمین ہند پر اپنا قبضہ و تصرف کر کے اطمینان کی زندگی گزارتا کیونکہ ان حالات نے شیبانی خاں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے سامنے کابل میں پیر جمانا تو کیا اطمینان سے دو گھڑی بیٹھنا بھی مشکل تھا- ارکین سلطنت میں سے کچھ لوگوں نے بدخشاں فتح کرنے کی صلاح دی اور بعضوں نے تسخیر ہند کی طرف بابر شاہ کی توجہ مبذول کرائی- ادھر بادشاہ نے بھی ہند کی طرف رجوع کرنے والوں کی رائے سے ہی اتفاق کیا-

ہندوستان پر بابری حملہ

بابر ہندوستان کی طرف چل دیا لیکن راستہ میں بعض ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ بادشاہ کو توران سنگھار (۲۸) میں ٹھہرنا پڑا' اسی بے سرو سامانی کی وجہ سے ہندوستان کی مہم کو تھوڑے عرصے تک اور معرض التواء میں رہنے دیا لہٰذا بابر شاہ پھر کابل واپس چلا آیا' ناصر مرزا بھی قندھار کا قلعہ دشمنوں کے ہاتھ میں دے کر خود اپنے بھائی کے پاس چلا آیا' لیکن اس کو چند ایسی خبریں ملیں کہ وہ عبد اللہ سلطان اور امیر ذوالنون کی اولاد کو محاصرے ہی میں چھوڑ کر خود خراسان واپس چلا آیا- اسی دوران میں قلعہ قندھار پھر ارغونیوں کے ہاتھ میں آ گیا- عبد اللہ سلطان اپنے ملک کو مراجعت کر گیا اور باشندگان کابل پھر چین کی نیند سونے لگے-

ہمایوں کی ولادت

اسی سال چار ذیقعد کو منگل کی رات ۹۱۳ھ میں ارک کابل کے قلعے میں شہزادہ ہمایوں پیدا ہوا- "شاہ فیروز بخت شد تاریخ"- سن ولادت کا تاریخی مصرعہ ہے- اس کی ولادت کے ایک سال بعد ۹۱۴ھ میں بادشاہ نے مہمندی افغانوں پر حملہ کیا-

عبد الرزاق مرزا کی تخت نشینی کا فتنہ

اس زمانے میں بہت سے مغل سرداروں نے خسرو شاہ کی طرف سے مطمئن ہو کر عبد الرزاق مرزا فرزند سلطان الغ بیگ مرزا کو تخت

پاس پانچ سو سے زیادہ سپاہی نہ تھے۔ عبد الرزاق مرزا کے خیر خواہ کابل کی طرف بڑھے مگر اس پریشانی اور مشکل میں بھی بابر شاہ نے صبر کا دامن نہ چھوڑا اور بہت جلد کابل پہنچ کر دشمنوں کے مقابلے پر آ کھڑا ہوا۔ اس جنگ میں بابر شاہ نے ایسے جوہر شجاعت دکھائے کہ لوگ افراسیاب و اسفندیار کی داستانیں بھول گئے۔ فردوس مکانی نے اپنے دست و بازو سے وہ زبردست کام کر دکھایا کہ دنیا کے بڑے بڑے بہادر ان کے سامنے مات کھا گئے۔ علی شب کور، علی سیستانی، نظر بہادر، ازبک یعقوب، منیر چنگ اور ازبک بہادر وغیرہ جو دشمنوں کے نامی گرامی بہادر تھے ان کو یکے بعد دیگرے موت کے گھاٹ اتارا۔

ان بہادروں کے قتل کے بعد دشمنوں کی فوج میں کھلبلی بپا ہو گئی اور بابر شاہ نے میر عبد الرزاق کو گرفتار کر لیا۔ بادشاہ نے اس وقت تو اس کو قتل نہ کیا مگر جب بعد میں اس نے سرکشی کی اور فتنہ و فساد بپا کیا تو اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اس کا مفصل بیان آگے لیا جائے گا۔ جب خسرو شاہ کی سلطنت بھی ازبکوں کے قبضے میں آ گئی تو بدخشاں کے باشندوں نے شور و غل مچانا شروع کیا اور بدخشاں کے ہر گوشے میں ایک ایک خود مختار پیدا ہو گیا۔ ان خود ساختہ سرداروں میں زبیر نام کا بھی ایک آدمی تھا اس کا لقب راعی تھا یہ سب سے زیادہ قوی اور طاقتور ثابت ہوا۔ جان میرزا نے اپنی بڑی ماں شاہ بیگم کے مشورے پر سلطنت کا سودا کیا اور بادشاہ سے الگ ہو کر بدخشاں کی طرف چل دیا۔ جان میرزا کی والدہ قدیم شاہان بدخشاں کی نسل سے تھی وہ بدخشاں کے گرد و نواح میں پہنچی، پہلے اپنے بیٹے جان میرزا کو راعی کے پاس بھیجا اس کے بعد خود بھی بدخشاں روانہ ہوئی راستہ میں میرزا ابابکر کاشغری کا لشکر آ رہا تھا۔ اس کے سپاہیوں نے شاہ بیگم کو پکڑ کر ابابکر کاشغری کے حضور میں بھیج دیا۔ ادھر جان میرزا زبیر راعی کے پاس پہنچا، زبیر راعی نے اس کے پاس ایک آدمی چھوڑ دیا، قیدیوں کی طرح اس کو اپنے تحت رکھا۔ مرزا کے پرانے نوکر یوسف علی کو کلتاش نے سترہ آدمیوں سے ساز باز کی اور ایک رات زبیر راعی پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا۔ اور جان میرزا کو بدخشاں کا فرمانروا بنا دیا۔

واقعات بابری میں لکھا ہوا ہے کہ شاہ بیگم کے آباؤ اجداد یعنی بدخشاں کے قدیم بادشاہ اپنے آپ کو سکندر فیلقوس کی نسل سے بتاتے ہیں۔

شیبانی خاں کی حکومت کی وسعت

دیکھتے ہی دیکھتے ۹۱۶ھ میں شیبانی خاں کی حکومت اتنی وسیع ہو گئی کہ اس کی سلطنت اور شاہ اسمٰعیل صفوی شاہ ایران کی حکومت کے ڈانڈے آپس میں مل گئے۔ اوزبکی سپاہی برابر قزلباشوں کے کاموں میں اور آمد و رفت میں رکاوٹ ڈالتے تھے اور لوٹ مار کرتے تھے۔ شاہ ایران نے شیبانی خاں کو خط لکھا کہ سرزمین عراق کو تباہ و برباد کرنے سے باز آئے اور خط میں یہ شعر لکھا۔

نہال دوستی بنشاں کہ کام دل بیار آرد   درخت دشمنی برکن کہ رنج بیشمار آرد

اس خط کے جواب میں شیبانی خاں نے شاہ صفوی کو لکھا کہ بادشاہت کا دعوی کرنا اور حکمرانوں کے مقابلے پر آ کر ان سے خط و کتابت کرنا اس شخص کے لئے مناسب ہے جس کے آباؤ اجداد بھی حکمران رہے ہوں۔ آق خونیلو قبیلے کے ترکمانوں سے قرابت حاصل کر کے سلطنت کا داعی ہونا بالکل غلط ہے۔ ہاں تمہاری راجدھانی کا ڈنکا بھی سارے جہان میں اس وقت بج رہا ہوتا اگر میرا سا حکمران اور مدعی سلطنت تمہارے سر پر موجود نہ ہوتا۔ اس عبارت کے ساتھ ایک عصائے فقیری اور کاسہ گدائی بھی شاہ اسمٰعیل صفوی کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیے اور کہلا بھیجا کہ تمہارا ورثہ اور باپ دادا کی جائداد یہی ہے تم بھی گدائی کا پیشہ اختیار کرو اگر اپنی حدود سے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو تلوار کے گھاٹ اترنا پڑے گا۔

عروس ملک کسے درکنار گیرد چست   کہ بوسہ برلب شمشیر آبدار زند

شاہ اسمٰعیل صفوی نے جواب میں شیبانی خاں کو لکھا کہ اگر سلطنت کسی کی میراث ہی ٹھہری تو پیشدادیوں سے کیانیوں تک اور کیانیوں

سے گھر گھر پھرتی ہوئی چنگیز کے ہاتھ تک نہ پہنچتی اور خود تجھ کو بھی یہ شرف حاصل نہ ہوتا میرا وظیفہ بھی وہی شعر ہے۔ جو تو نے اپنے خط میں لکھا ہے۔

عروس ملک کسے درکنار گیرد چست   کہ بوسہ برلب شمشیر آبدار زند

اس کے بعد لکھا کہ میں تیرا سر قلم کرنے کے لئے آرہا ہوں اگر تجھ میں ہمت و شجاعت ہے اور تو میرے سامنے آیا تو بقیہ باتوں کا جواب زبانی دوں گا۔ میں تیرے لیے چرخہ اور سوت بھیجتا ہوں تاکہ تو اپنا پیشہ نہ بھول جائے ان چیزوں کو قبول کر اور جو تیرا اور تیرے آباو اجداد کا پیشہ ہے اسی کو اختیار کر۔

بس تجربہ کردیم دریں دیر مکافات   باآل نبی ہر کہ درافتاد و برافتاد

شیبانی خاں کے خط کا جواب لکھ کر پھر اسمٰعیل شاہ صفوی خود بھی جنگ کرنے کے لئے آگے بڑھ گیا۔ سرحد کے باہر قدم رکھتے ہی اسمٰعیل شاہ نے ازبک حاکموں کو خراسان سے نکال باہر کر دیا۔ مرو تک یہ سلسلہ جاری رہا بڑے بڑے امراء نکال دیئے گئے۔ شیبانی خاں نے اس وقت شاہ صفوی سے معرکہ آرائی مناسب نہ سمجھی۔ مرو کے قلعہ میں جا کر بند ہو گیا لیکن جب اس کو صفوی شاہ کا خط ملا تب اسے بہت شرمندگی ہوئی اور وہ جنگ کے لئے آمادہ ہو کر باہر نکل آیا' مگر اس جنگ میں اس کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا وہ پانچ سو ہاتھیوں کی جمعیت کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔ ہاتھی سوار سب امراء اور امیرزادے تھے ایک ایسی جگہ جا کر یہ لوگ پوشیدہ ہوئے جہاں پر سے نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ یہ چار دیواری بالکل بند تھی اس کے بعد قزلباشی سپاہیوں نے فوراً ہی چار دیواری کے اندر گھس کر تمام جمعیت معہ شیبانی خاں کے تہہ تیغ کر دی۔ جان مرزا نے بادشاہ کو بدخشاں میں ان حالات کی خبر دی اور خود قندوز چلا گیا۔ جان مرزا نے یہ بھی لکھا تھا کہ وقت کو یوں ہاتھ سے جانے دینے کا موقع نہیں ہے بلکہ جلد از جلد وہاں پہنچ کر اپنی موروثی جائداد فرغانہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا جائے۔

شیبانی خاں کی خضار کو روانگی

۹۱۷ھ میں شیبانی خاں نہایت تیزی سے خضار روانہ ہوا۔ اور جان مرزا کے ہمراہ دریا کو پار کر کے خضار کے گرد و نواح میں داخل ہو گیا ادھر ازبکوں نے خضار کو بہت مستحکم اور مضبوط کر لیا تھا۔ بابر شاہ کسی بات کی پروا کیے بغیر آگے بڑھا اور قندوز میں قدم رکھا۔ یہاں اس کی بہن خانزادہ بیگم جو محاصرہ سمرقند میں شیبانی خاں کے ہاتھ لگ گئی تھی اور شیبانی خاں نے ان سے شادی کر لی تھی وہ اپنے بھائی کے پاس فوراً آ گئیں۔ بادشاہ نے انہیں نہایت تعظیم و تکریم سے مرو سے قندز بھجوا دیا۔ اس کے بعد بابر شاہ نے شاہ صفوی کی خدمت میں جان مرزا کے ہاتھ بیش قیمت تحفہ تحائف دے کر ہرات روانہ کیا اور بادشاہ سے مدد مانگی خود خضار واپس لوٹ آیا۔ اس زمانے میں نخشب جواب قرشی کے نام سے مشہور ہے یہاں ازبکوں کا بہت مجمع تھا لہٰذا بابر شاہ نے ان لوگوں سے جنگ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ درمیانی ملکوں میں داخل ہو گیا اور کچھ عرصے بعد جب لشکر اچھا خاصا جمع ہو گیا تو بادشاہ نے اوزبکوں پر حملہ کر دیا اور ان کو شکست دی۔

بابر شاہ نے مہدی سلطان اور حمزہ سلطان کو جو لڑائی میں نظر بند ہو کر آئے تھے انہیں یاسا بھجوا دیا اور جان میرزا پر بڑی نوازش کی کیونکہ اس نے اوزبکوں کے معرکے میں بہت جانفشانی سے کام لیا تھا۔ اسی عرصے میں احمد سلطان' صوفی علی' علی قلی خاں' شاہرخ' خاں افشار' شاہ اسمٰعیل صفوی کے بھیجے ہوئے یہاں فردوس مکانی کی مدد کے لئے آئے۔ ان سرداروں کی فوجی کمک کی وجہ سے خضار' قندوز اور بقلان فتح ہو کر بادشاہ کے قبضے میں آ گئے۔ اور اب فردوس مکانی کے پاس تقریباً ساٹھ ہزار کی فوج جمع ہو گئی اور اس نے بخارا پر حملہ کر کے عبداللہ خاں اور جانی بیگ سلطان جیسے نامی گرامی اوزبکی سرداروں کو شکست دی اور انہیں بخارا سے باہر کر کے خود وہاں کا بھی حکمران بن بیٹھا بادشاہ رجب کے مہینے کے وسط میں بخارا سے سمرقند آیا اور اب کے تیسری مرتبہ سمرقند میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرایا۔

ساتھ رخصت کیا۔ خزاں کا زمانہ ختم ہو گیا اور موسم بہار آ گیا' اوزبکوں کا جو لشکر ترکستان گیا ہوا تھا وہ پھر ایک نئی زندگی' نئے دم خم کے ساتھ بادشاہ کے مقابلے کے لئے آیا اور شیبانی خاں کا قائم مقام امیر تیمور خاں عبد اللہ اور جانی بیگ سلطان کو اپنے ہمراہ لے کر بخارا کی طرف چلا۔ بابر شاہ نے ان امراء کا پیچھا کیا اور وہ خود بھی بہت جلد بخارا پہنچ گیا۔ بخارا کے ہی آس پاس صفیں بچھ گئیں اور معرکہ آرائی ہوئی بابر شاہ ہار گیا اس کے بعد بخارا شہر میں پناہ گزین ہوا۔ مگر ازبکوں کے تعصب اور حسد کی وجہ سے بادشاہ وہاں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکا اور بخارا سے سمرقند پھر سمرقند سے خضار اور شادمان آ کر ٹھہرا۔

نجم الثانی کا ارادہ تسخیر بلخ

جب یہ واقعہ ہوا تقریباً اسی دوران میں قزلباشوں کا سردار نجم الثانی اصفہانی بلخ کو اپنے قبضے میں کرنے کے لئے آیا ہوا تھا وہ بھی شہر کے پاس ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ فردوس مکانی اس سردار سے ملا اور پھر اپنے موروثی ملکوں کو اپنے قبضے میں کرنے کی خواہش دل میں پیدا ہوئی۔ نجم الثانی نے تھوڑی سی کوشش کی اور قراش (۲۹) کا قلعہ اوزبکوں کے قبضے سے نکال کر پھر قتل عام کا حکم دے دیا۔ اور تقریباً پندرہ ہزار آدمی تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ اس داروگیر اور قتل عام کی لپیٹ میں شاعر مولانا ثنائی بھی آ کر شہید ہوئے۔ اس فتح کے بعد نجم الثانی بہت شان اور کروفر کے ساتھ بابر شاہ کے ہمراہ غجدوان (۳۰) پہنچا اور قلعہ کو گھیر لیا۔ اوزبکوں کی تمام سپاہ بخارا سے غجدوان سمٹ کر آئی اور اصفہانی کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آئی۔ نجم الثانی خود بھی مارا گیا اس کے بہت سے قزلباش سردار بھی مارے گئے اور فردوس مکانی اپنے لشکر کے ہمراہ خضار اور شادمان واپس آئے۔ مغل امراء جو فردوس مکانی کے ہی ساتھ تھے انہوں نے بھی بادشاہ سے بیوفائی کی اور ایک رات موقع دیکھ کر اس پر حملہ کر دیا۔ بادشاہ ننگے پاؤں ننگے بدن خیمے سے باہر نکل آیا اور دشمنوں کو تلاش کرنے کی بجائے وہ خود قلعے میں بند ہو کر بیٹھ گیا۔ دشمنوں نے لشکر گاہ کی تمام اشیاء لوٹ کر رکھ لیں اور پھر بھاگ گئے۔ اس واقعے کے بعد فردوس مکانی نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ اس نواح میں مزید قیام کریں اور کابل چلے آئے۔ بادشاہ نے غزنی کی حکومت ناصر مرزا کے ہاتھ میں دیدی اور خود ۹۲۴ھ میں سوا دو بجور (۳۱) کو جو یوسف زئی افغانیوں کا ملجا و مسکن تھا ادھر کی طرف چل دیا۔ ان افغانوں نے اطاعت سے انکار کر دیا اور فردوس مکانی نے باغیوں کو قتل و غارت کرکے ان کی بیوی بچوں کو گرفتار کر لیا وہاں کی حکومت خواجہ کلاں کے ہاتھ میں دے کر خود کابل چلا آیا۔

ہندوستان کے حالات

اس دوران میں ہندوستان کی یہ حالت تھی کہ سلطان سکندر لودھی کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کا فرزند ابراہیم لودھی ہندوستان کی سلطنت پر حکومت کر رہا تھا۔ لودھی کے افغانی امراء جو اقتدار حاصل کر چکے تھے اور ان کی قوت بڑھ گئی تھی وہ بادشاہ سے منحرف رہتے تھے اور حسد کرتے تھے اور جیسا کہ لازم تھا بادشاہ کی اتنی اطاعت نہ کرتے تھے۔ ان افغانوں کے انحراف اور غرور کی وجہ سے سلطنت کے کاموں میں بہت ابتری اور بدانتظامی ہو گئی تھی۔ فردوس مکانی کے لئے یہ موقع اچھا تھا اس نے ہندوستان فتح کرنے کا یہ بہترین موقع دیکھا اس نے مسلسل چار مرتبہ ہندوستان پر دھاوا کیا لیکن پانچویں مرتبہ اس کو کامیابی نصیب ہوئی اور دار الملک دہلی کا شہنشاہ کہلایا۔

بابر کے ہندوستان پر حملے

پہلا حملہ

۹۲۵ھ میں بابر شاہ نے دریائے سندھ کے کنارے تک جو آج کل تھلاب کے نام سے مشہور ہے اس کی فاتح کی طرح سیر کی اور اس نواح کے جن لوگوں نے اس کی فرمانبرداری سے انکار کیا ان کو موت کے گھاٹ اتارا بعضوں کو سزائیں بھی دیں پھر دریائے سندھ کو پار کرکے پنجاب کے ایک بہت مشہور پرگنے تک اپنی فتح کرنے کی تگ و دو کو جاری رکھا چونکہ یہ مقام پہلے آل تیمور کے تحت رہ چکا تھا۔ اس لئے اس کو فتح کرنے میں بابر شاہ کو زیادہ مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ یہاں کی رعایا نے بھی نہایت خوشی خوشی بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی۔ اس طرح قتل و غارت گری اور تاخت و تاراج ہونے سے بچ گئی۔ اس فتح سے بھی بابر شاہ کو بہت فائدہ پہنچا اس نے اپنے خزانے میں چار لاکھ شاہرخی جمع کیں۔ اس کے بعد ایک پیغامبر کو ابراہیم لودھی کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ چونکہ یہ تمام ممالک جن پر بادشاہ نے قبضہ کیا ہے زیادہ تر آل تیمور کی جائداد تھے اور ان پر صاحبقران گورگانی یا اس کی اولاد کا قبضہ رہا تھا اس لیے یہی مناسب ہو گا کہ پرگنہ پہرہ کو مع اس کے گرد و نواح کے قصبوں کے بابر شاہ کے ہاتھ میں دے دے۔ ان فتوحات کے زمانے ہی میں بابر شاہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ بادشاہ نے ہندوستانی فتوحات کی رعایت سے بیٹے کا نام ہندال مرزا رکھا۔ پھر جن حصوں پر قبضہ کیا تھا ان کی حکومت کی باگ ڈور حسین (۳۲) بیگ اتکہ کے ہاتھ میں دیدی' خود کھکھروں کے باشندوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ہاتی کھکھر نے پر ہالہ (۳۳) میں قلعہ بند ہو کر جنگ شروع کی اور سورج کے غروب ہونے کے وقت ایک ایسے مقام پر صف آرا ہوا جہاں ایک سوار سے زیادہ کے گزرنے کی جگہ نہ تھی۔ ہاتی نے بابر شاہ کے ایک سردار دوست بیگ کے ہاتھوں شکست کھائی۔ قلعے میں ہاتی کو دوبارہ جانے کا موقع نہ ملا لہٰذا وہ پہاڑوں میں چھپتا رہا اور اس کا تمام مال و متاع' خزانہ اور دولت سب بابر شاہ کے ہاتھ آئی' بابر شاہ نے سندھ اور پرہ کے درمیان کے ممالک کی فرماں روائی محمد علی خنگ کے سپرد کی اور خود کابل واپس چلا آیا۔

دوسرا حملہ

۹۲۵ھ میں بابر شاہ نے لاہور کو فتح کرنے کا ارادہ کیا کابل سے چلنے کے بعد بابر شاہ کو خیال آیا کہ یوسف زئی قبیلے کی تنبیہہ کر دی جائے تاکہ سرکشی نہ کرے۔ لہٰذا ان کی کھیتی باڑی برباد کر دی اور خوب لوٹا۔ آگے جا کر بادشاہ نے ابھی ارادہ نہیں کیا تھا کہ دریائے سندھ کو پار کرکے لاہور پر دھاوا کرے' مگر بادشاہ کو اطلاع ملی کہ سلطان سعید کاشغر بدخشاں کو فتح کرنے کے لئے آ رہا ہے بادشاہ نے اب لاہور کی مہم سے ہاتھ اٹھایا۔ اور مرزا محمد سلطان بن سلطان اویس بانقرائی بن منصور بن عمر شیخ بن امیر تیمور گورگانی کو چار ہزار سپاہ کے ساتھ لاہور روانہ کیا اور خود کابل چلا گیا لیکن راستے ہی میں بابر شاہ کو اطلاع ہوئی کہ سلطان شاہ واپس چلا گیا اب بادشاہ نے نہایت سکون و اطمینان سے نمفر نیل کے افغانوں پر قبضہ کیا اور یہاں سے بہت سا مال اسباب حاصل کیا اس قبیلے نے لوٹ مار اور غارت گری اپنا پیشہ بنا رکھا تھا اس کے بعد بادشاہ کابل چلا گیا۔

تیسرا حملہ

۹۲۶ھ میں بابر شاہ نے پھر نہایت جرات اور ہمت سے ہندوستان کا رخ کیا۔ اس سفر کے دوران میں بابر شاہ باغی اور سرکش افغانوں کو

اس طرح وہ لوگ تاخت و تاراج سے بچ گئے- اب بابر کا لشکر پرگنہ سیدپور (۴۴) پہنچا یہاں کے باشندوں کی شامت آئی تھی لہٰذا انہوں نے بادشاہ سے مقابلہ کیا- خوب قتل و غارتگری ہوئی یہ لوگ بالکل تباہ و برباد ہو گئے- اس قبیلے کے تیس ہزار لونڈی اور غلام گرفتار ہو کر بادشاہ کی فوج میں داخل ہو گئے اس کے علاوہ بہت سا مال غنیمت بھی ہاتھ لگا- اور سیدپور کے غیر مسلم باشندوں کا چودھری جو افغانی امراء سے ملا ہوا تھا اور بادشاہ کی فرمانبرداری کرنے پر کسی طرح راضی نہ ہوتا تھا اس کو بھی گرفتار کرکے تہ تیغ کیا گیا- ان تمام واقعات کے بعد بابر شاہ دارالسلطنت واپس آیا تھوڑے دن بعد بادشاہ نے قندھار فتح کرنے کا عزم کیا اور اس قلعے کو گھیر لیا- اس محاصرے کے دوران میں میرزا خاں کی وفات کی اطلاع پہنچی-

بابر شاہ نے بدخشاں کی حکومت شہزادہ ہمایوں کے ہاتھ میں دیدی اور گرم سیر کے تمام گرد و نواح پر اپنا قبضہ کر لیا- اس زمانے میں شہزادہ طہماسپ کے ہاتھ میں خراساں کی حکومت تھی اور شہزادے کا اتالیق تھا شاہ بیگ ارغون نے بابر شاہ کے مقابلے میں شہزادہ طہماسپ کو اہمیت دی اور اس کی فرمانبرداری کا اظہار کیا- امیر خان نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے شاہ بیگ کی مدد کرنے کے خیال سے بادشاہ نے قلعہ کا محاصرہ ترک کرنے کی درخواست کی' مگر بابر شاہ نے اس کی ایک نہ سنی اور برابر تین سال تک قلعے کو گھیرے رکھا- آخر مسلسل محاصرے سے عاجز ہو کر شاہ بیگ باہر نکلا اور سندھ کے گرد و نواح بھکر میں جا کر پناہ لی- ۹۲۸ھ میں قندھار بھی مع آس پاس کے ممالک کے بابری حلقہ حکومت میں شامل ہو گیا- اسی دوران میں دولت خاں لودھی ابراہیم لودھی سے بہت برگشتہ ہو گیا اس نے اپنے چند قابل اعتماد امراء اور خیر خواہوں کو بابر شاہ کی خدمت میں روانہ کرکے اس سے ہند پر حملہ کرنے کی درخواست کی اپنے آپ کو حلقہ بابری کا خیر خواہ اور اطاعت گزار بنایا-

چوتھا حملہ

۹۳۰ھ میں بابر شاہ چوتھی بار ہندوستان پر حملہ آور ہوا دارالسلطنت سے چل کر ککھروں سے ہوتا ہوا لاہور سے چھ کوس کی دوری پر اپنے خیمے نصب کیے- نیاز خان' مبارک خاں لودھی' بھکن خاں لوحانی جو پنجاب کے امراء تھے انہوں نے بابر شاہ سے بہت پر زور طریقے پر مقابلہ کیا اور مقابلے کے لئے انہوں نے پنجاب میں شور و قیامت بپا کر دیا- یہ امراء اپنے قیامت خیز لشکر لے کر بابر شاہ کی طرف بڑھے- بہت جوش کے ساتھ معرکہ آرائی شروع کی ایک سخت لڑائی اور خونریزی کے بعد پنجاب کے امراء کو شکست ہوئی وہ سب میدان چھوڑ کر بھاگے- بابر شاہ نہایت شاداں و فرحاں لاہور میں داخل ہو گیا- چنگیزوں کی رسومات کے مطابق نیک شگون کے لئے شہر میں آگ لگائی- اور بابر شاہ تین چار دن ٹھہر کر دیپالپور کی طرف چلا بادشاہ نے یہ قلعہ بھی سر کیا بہت سے باشندوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا- دولت خاں لودھی جو بلوچیوں کے پاس پناہ گزین تھا اور ابراہیم لودھی سے باغی ہو گیا تھا وہ اپنے بیٹوں علی خاں' غازی خاں' دلاور خاں کے ساتھ فردوس مکانی کے حضور میں حاضر ہوا- دولت خاں سلطان پور' جالندھر کے پرگنوں کا صوبہ دار بنا دیا گیا اور حلقہ بابری میں شامل ہو گیا-

دولت خاں لودھی

فرشتہ لکھتا ہے کہ میں نے وطن کے بزرگوں سے سنا ہے کہ یہ دولت خاں لودھی اسی دوست خاں لودھی کی نسل سے تھا جس نے دہلی پر چند دنوں ۸۱۶ھ میں اپنی حکومت کا سکہ جمایا تھا- دولت خاں نے ایک دن بابر شاہ سے کہا کہ اسمٰعیل جلوانی اور بنن جلوانی وغیرہ دوسرے افغانوں کے ساتھ ہو کر بغاوت اور سرکشی کے لئے آمادہ ہیں لہٰذا مناسب ہے کہ تھوڑی سی سپاہ بھیج کر ان لوگوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے- ابھی بادشاہ اس فوج کو بھیجنے ہی والا تھا کہ دولت خاں کے چھوٹے فرزند دلاور خاں نے بادشاہ کو بتا دیا کہ اس کا باپ اور بھائی دونوں مل کر بادشاہ کے خلاف سازش کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جب فوجی سپاہ بادشاہ سے دور ہو جائے تب بادشاہ کو بے دست و پا پا کر حملہ کریں-

بادشاہ نے اس واقعے کی چھان بین کی اور یہ بات ٹھیک نکلی تب بادشاہ نے دولت خاں اور اس کے بیٹے غازی خاں دونوں کو قید کر دیا

اور خود بابر شاہ دریائے ستلج کو پار کرکے نوشہرہ پہنچا اور یہیں ٹھہر گیا۔ تھوڑے دنوں بعد دونوں قیدیوں کی تقصیر معاف کر دی اور سلطان پور جس کو دولت خاں نے ہی آباد کیا تھا اور اس کی جائے رہائش تھی' دوست خاں کی جاگیر میں دے دیا اور اس کے بعد یہ دونوں قیدی چھوٹ کر سلطان پور چلے گئے اور اپنے بال بچوں کو ساتھ لے کر کوہ لاہور کے دامن میں پناہ گزین ہو گئے۔ دلاور خاں کو خانخاناں کا لقب دے کر غازی خاں اور دولت خاں دونوں کی جاگیریں اسی کو دے دیں۔ دوست کی فتنہ انگیزی اور سرکشی سے بابر شاہ آگے نہ بڑھ سکا۔ سرہند سے لاہور واپس آ گیا یہاں پر عبد العزیز امیراخور کو لاہور کا داروغہ مقرر کیا۔ خسرو کو کلتاش کی حکومت میں سیالکوٹ دیا۔ دیپالپور کی حکومت کو بابا قشقہ مغل اور سلطان علاؤ الدین لودھی (۳۵) جو حال ہی میں باریاب ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا ان دونوں کے سپرد کیا۔ اس کے علاوہ کلانور کی حکومت محمد علی خنگ کے ہاتھ میں دیدی اور خود کابل واپس چلا آیا۔

دلاور خاں کی گرفتاری

بابر شاہ کی عدم موجودگی سے دولت خاں لودھی نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ دونوں باپ بیٹوں نے مل کر حیلہ بہانے سے دلاور خاں کو گرفتار کر لیا اور پھر علاؤ الدین لودھی اور بابا قشقہ مغل سے فیروزپور کے میدان میں جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور بابر کے ان امراء کو شکست فاش دی ان امراء میں سے سلطان علاؤ الدین نے کابل اور بابا قشقہ مغل نے لاہور میں پناہ لی۔ دولت خاں نے پانچ ہزار افغانی سرداروں کو سیالکوٹ پر قبضہ کرنے کے لئے مقرر کیا۔ عبد العزیز امیر آخور اور لاہور کے دوسرے امراء کو اس کی اطلاع مل گئی اور یہ سب کے سب خسرو کو کلتاش کی امداد کرنے کے لئے لاہور روانہ ہو گئے۔ ان امراء نے دولت خاں کو شکست دی اور کامیاب و کامران لاہور واپس چلے آئے۔

اسی دوران میں ابراہیم خاں کی فوج جو دولت خاں اور غازی خاں کی سرکوبی کے لئے مقرر کی گئی تھی وہ آ پہنچی اس نے سندھ کے پاس ہی اپنے خیمے نصب کیے۔ دولت خاں اب مغل امراء سے مقابلے کے بغیر لودھی کی فوجوں سے مقابلے کرنے کے لئے بڑھا۔ اس نے ابراہیم لودھی کی فوج کے پیچھے اپنے خیمے ڈالے اور اپنی سیاسی حکمت عملی سے شاہی لشکر کے افسر کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ فوج کے دوسرے امراء کو اس بات کا پتہ چل گیا اور آدھی رات کو پوری فوج کوچ کرکے دہلی آ گئی۔ بادشاہ کی خدمت میں امراء نے ساری سرگزشت بیان کر دی۔ اس وقت سلطان علاؤ الدین لودھی جو کابل میں پناہ لیے ہوئے تھا وہ مغل امیروں کے نام ایک عریضہ ایک مضمون کا لے کر آیا کہ بابر شاہ کی فوج علاؤ الدین کی سرکردگی میں دہلی آئے اور پھر ابراہیم لودھی سے مقابلہ کرکے سلطنت حاصل کر لے اور شہر دہلی علاؤ الدین کے قبضہ میں آ جائے۔ دولت خاں اور غازی خاں نے بھی فرمان کا مضمون سنا وہ اس بات کی تہہ کو پہنچ گئے۔ انہوں نے بابر شاہ کی خدمت میں ایک پیغام کو بھیجا اور کہلایا کہ علاؤ الدین لودھی ہمارا شہزادہ ہے۔ اور ہماری اجتماعی کوششوں کا یہی مقصد ہے کہ یہ تخت دہلی پر حکمرانی کرے اور ہماری یہی درخواست ہے کہ اس شہزادے کو ہماری نگرانی میں دیدیا جائے۔ تاکہ ہم اس کو دار السلطنت دہلی کا حکمران بنائیں ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس ملک سے لے کر سرہند تک کے تمام شہر بابر شاہ کی حکمرانی میں خوشی خوشی چھوڑ دیں گے۔

چونکہ اس درخواست میں غازی خاں اور دولت خاں نے بہت سی قسمیں کھائی تھیں اور عہد و پیماں کیا تھا للہذا اسی مضمون کی ایک اور دستاویز تیار کی گئی اور اس پر شہر کے امراء اور قاضیوں نے دستخط کیے اور مہر صداقت ثبت کی گواہوں کے بھی دستخط کرا کے قاصد کو بابر شاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ لاہور کے امراء اراکین نے دولت خاں کی بات کو سچ سمجھ کر علاؤ الدین لودھی کو غازی خاں کے پاس بھیج دیا۔ غازی خاں نے اس بات کو اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھا' اپنے بھائیوں کو چند افغانی امراء کی سرکردگی میں دہلی روانہ کر دیا اور خود دور اندیشی سے کام لے کر پنجاب ہی میں ٹھہرا رہا۔ علاؤ الدین لودھی نے ابراہیم لودھی کا مقابلہ کیا اور اس کے سامنے معرکہ آرا ہوا۔ مگر دشمن

غازی خاں کی عہد شکنی

غازی خاں نے اپنا عہد پورا نہ کیا اور اپنا لشکر لے کر کلانور (۳۶) پر دھاوا کر دیا- محمد علی خنگ میں اس کے حملہ کو برداشت کرنے کی قوت نہ تھی اور وہ بھاگ کر لاہور میں پناہ گزین ہو گیا- غازی خاں نے کلانور پر قبضہ کر لیا اور بیر سرور (۳۷) میں ٹھہرا- لیکن جب اس کو بابر کی فوج کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ ملوٹ (۳۸) کی طرف بھاگا- اپنے بال بچوں کو تو یہیں ملوٹ میں چھوڑ دیا اور خود بھاگ کر دہلی میں ابراہیم لودھی کی خدمت میں حاضر ہوا- اس کے بعد پھر کبھی غازی خاں دہلی سے باہر نہ آیا اور آخر جب سلطان ابراہیم لودھی اور بابر شاہ کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی یہ اسی جنگ میں تہہ تیغ کیا گیا- جب یہ تمام واقعات ہو رہے تھے اور داروگیر تھی تو بابر شاہ کابل ہی میں موسم بہار کا لطف لے رہا تھا اور عیش و عشرت کے نشہ میں مخمور تھا-

بابر کا ہند پر پانچواں حملہ

ادھر بادشاہ کو پھر نشہ حکومت اور تسخیر ہند نے ستانا شروع کیا اس کو یہ بھی معلوم ہوا کہ سلطان علاؤ الدین نے ابراہیم لودھی کے مقابلے میں شکست کھائی ہے اور غازی خاں نیز دیگر افغانی امراء ملک میں خودسری پر اتر آئے ہیں اور ایک ہنگامہ بپا کر رکھا ہے لہٰذا اس نے صفر کی پہلی تاریخ جمعہ کے دن ۹۳۰ھ کو کابل سے چل کر قریہ یعقوب میں قیام کیا- بابر شاہ کے پہنچتے ہی خواجہ حسین دیوان جو لاہور کا خزانچی تھا اور خالصات کا محصول بابر شاہ کی خدمت میں برابر بھیجا کرتا تھا وہ حاضر خدمت ہوا- شہزادہ ہمایوں بھی باپ کی مدد کے لئے ایک بہت بڑے لشکر کے ہمراہ بدخشاں سے یہاں پہنچ گیا- خواجہ کلال بیگ جو بابر کے مقربین خاص میں سے تھا اور بہت اعلیٰ پایہ کا امیر تھا وہ غزنی سے آکر بادشاہ سے ملا- ان سب کے پہنچنے کے بعد بابر شاہ نے ایک بہت بڑا جشن منعقد کیا ہر مستحق کو نیز خوشی کے طور پر بھی انعامات و تحفہ تحائف دیئے اور خطابات وغیرہ سے بھی سرفراز کیا- اس طرح سب کو خوش و خرم چھوڑ کر قریہ یعقوب سے لاہور آیا- راستہ میں سب کو کرکدن کا شکار کرنے کا شوق ہوا کیونکہ خود بابر شاہ اور دوسرے خراسان کے امراء کے کرکدن کا نام تو سنا تھا مگر اس جانور کی صورت کبھی نہیں دیکھی تھی لہٰذا سب کے سب بادشاہ کے ساتھ شکار کھیلنے میں مصروف ہو گئے بہت سے کرکدن زندہ پکڑے اور بہتوں کو تلوار اور بندوق سے زخمی کر کے پکڑا-

عبور دریائے سندھ

۹۳۰ھ پہلی ربیع الاول کو بابر شاہ نے دریائے سندھ کو عبور کیا لشکر کے افسران نے پیدل اور سوار' منصبدار اور خاصے کی فوج سب کا شمار کر کے بادشاہ کو بتایا کہ تقریباً دس ہزار کی جمعیت ہمراہ ہے- بابر شاہ دریائے بھٹ عبور کر کے سیالکوٹ پہنچا' سلطان علاؤ الدین بادشاہ کے نیاز میں حاضر ہوا- بادشاہ نے اس کی بڑی تعظیم و تکریم کی' محمد علی خنگ اور خواجہ حسین بھی سیالکوٹ میں بادشاہ سے آکر مل گئے- ادھر دولت خان اور غازی خاں جو اپنے آپ کو ابراہیم لودھی کا بہی خواہ اور طرفدار سمجھتے تھے وہ سب تقریباً چالیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ لاہور کے پاس دریائے راوی کے ساحل پر صف آرا ہوئے- اب جو دولت خان اور غازی خاں کو بابر شاہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے ادھر ادھر چلے گئے- دولت خاں اپنے بیٹے علی خاں کے ہمراہ ملوٹ کے قلعے میں چھپ کر بیٹھ گیا اور غازی خاں کوہ پایہ کی طرف بھاگ گیا- فردوس مکانی نے ملوٹ کو گھیر لیا اب دولت خاں کے پاس اس کے سوا اور کوئی طریقہ کار نہ تھا کہ وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر جان کی امان طلب کرے لہٰذا اس نے ایسا ہی کیا پہلے دولت خاں بابر شاہ سے جنگ کرنے کے لئے دو تلواریں رکھتا تھا-

جب یہ بابر شاہ سے ملنے کے لئے آنے لگا تو فردوس مکانی کے ملازموں نے بجائے کمر میں باندھنے کے یہی دونوں تلواریں اس کے گلے میں لٹکا دیں- اور دوسری بات یہ کہ بادشاہ کے سامنے دو زانوں ہو کر بیٹھنے میں دولت خاں اپنی ہتک محسوس کرتا تھا' لیکن بابر شاہ کے نوکروں نے اس کو زبردستی بادشاہ کے سامنے ادب سے بٹھا دیا- بابر شاہ نے اس سے بہت سی معلومات حاصل کرنا چاہیں مگر اس پر جلال

شاہی اتنا غالب تھا کہ بابر شاہ کے سامنے کچھ بول نہ سکا۔ اور بادشاہ نے باوجودیکہ اس کی خطائیں ناقابل معافی تھیں پھر بھی اس کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد ہی بابر کا لشکر افغانیوں پر ٹوٹ پڑا قلعے کے اندر اور باہر قتل و غارت گری اور لوٹ مار شروع کر دی۔ اہل قلعہ کے لئے باہر نکلنا دشوار ہو گیا بابر شاہ کو افغانوں کی عزت و حرمت کا بہت پاس تھا۔ لہٰذا وہ خود سوار ہو کر آیا اپنے ہی ہاتھ سے چند تیر اپنے سپاہیوں پر چلا دیئے۔ بادشاہ کے تیر سے ہمایوں کا ایک ملازم مارا گیا یہ دیکھ کر تمام سپاہ نے لوٹ مار کو بادشاہ کی مرضی کے خلاف تصور کیا سب واپس چلے گئے اور افغانوں کے بال بچے سلامتی سے قلعے سے باہر نکل آئے۔

غازی خاں کا کتب خانہ

بادشاہ قلعے کے اندر داخل ہوا تو بہت سے بیش قیمت تحفہ تحائف اس کے ہاتھ لگے لیکن بادشاہ کو یہاں جو سب سے زیادہ انمول خزانہ ملا تھا وہ غازی خاں کا کتب خانہ تھا۔ غازی خاں کو ادب سے لگاؤ تھا' شاعری کا بھی بلند مذاق رکھتا تھا۔ اس نے بہت سی خوشخط کتابیں جمع کی تھیں۔ اور بہت منتخب ذخیرہ کتابوں کا تھا' بابر شاہ نے ان کتابوں میں سے کچھ اپنے لئے مخصوص کر لیں اور کچھ شہزادہ ہمایوں کو بھیج دیں اور باقی کامران مرزا کو کابل روانہ کر دیں اس تقسیم کے بعد دوسرے ہی دن بابر شاہ غازی خاں کا پیچھا کرنے کے لئے چل پڑا۔ اسی دوران میں دلاور خاں جو اپنے بھائی اور باپ کی بداعمالیوں کی وجہ سے قیدی کی زندگی گزار رہا تھا اپنے آپ کو قید سے آزاد کیا اور کسی صورت سے بابر شاہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اس کی بہت قدر و منزلت کی اور شاہانہ نوازشات کے بعد اس کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔ بادشاہ کی پیدل سپاہ آگے آگے چل رہی تھی غازی خاں کی سپاہ پر باربار چھاپہ مارتی تھی۔ غازی خاں اس مسلسل یورش سے تنگ آ گیا راستے میں کہیں بھی آرام نصیب نہ ہوا لہٰذا وہ بحالت مجبوری ابراہیم لودھی کی خدمت میں پہنچا اسی دوران میں دولت خاں لودھی کا انتقال ہو گیا۔

اب بادشاہ کو کلی طور پر یقین ہو گیا کہ افغانی فوج تباہی اور بربادی کا شکار ہو رہی ہے اور اپنے حکمرانوں سے برگشتہ ہے اس خیال کے پیدا ہوتے ہی اس نے ہند کی طرف پھر رخ کیا۔ اسی دوران میں شاہ عماد الملک شیرازی' مولانا محمد مذہب اور لودھی کے خان خاناں کا پیغامبر بن کر فردوس مکانی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان عریضوں میں بھی بادشاہ کو ہندوستان فتح کرنے پر اکسایا گیا تھا اور ترغیب دی گئی تھی۔ اس طرح بادشاہ کا عزم اور بھی مصمم ہو گیا۔ بادشاہ کابل سے چل کر دریائے گھکھر کے ساحل پر پہنچا وہاں پہنچ کر بابر شاہ کو یہ معلوم ہوا کہ قلعہ فیروزہ کا حاکم حمید خاں بابر کی فوج کو روکنے کے لیے راہ میں حائل ہے۔ بابر شاہ نے شہزادہ ہمایوں کی سرکردگی میں انفار کے تمام امراء' خواجہ کلاں' سلطان محمد دولدی' جان بیگ' خسرو بیگ' ہندو بیگ' عبد العزیز' محمد علی خنگ وغیرہ کو حمید خاں کے مقابلے کے لئے بھیج دیا۔ حمید خاں ان سرداروں کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ شہزادہ ہمایوں کامیاب ہو کر بابر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا چونکہ شہزادہ ہمایوں کی زندگی کی یہ سب سے پہلی فتح تھی لہٰذا بادشاہ نے اس موقعے پر اپنے بیٹے کو فیروزہ کا قلعہ اور جالندھر کے تمام قصبے عنایت کر دیئے۔

اس واقعے کے دو یا تین ہی دن کے بعد بہن افغان جلوانی جو ابراہیم لودھی کے قابل اعتماد امراء میں سے تھا وہ دو تین ہزار کی جمعیت لے کر بابر شاہ سے آ کر مل گیا۔ نہایت خلوص و عقیدت کے ساتھ حلقہ بابری میں شامل ہو گیا' اب لشکر کشور اور شاہ آباد کے مابین صرف دو منزل کا فاصلہ رہ گیا۔ بابر شاہ کو معلوم ہو گیا کہ سلطان ابراہیم لودھی اپنی تمام فوجی سپاہ کے ہمراہ دہلی سے مقابلہ کرنے کے لئے چل چکا ہے۔ داؤد خاں اور حاتم خاں ستائیس ہزار سوار لے کر بادشاہ ابراہیم لودھی کے آگے آگے آ رہے ہیں۔ تاکہ بابر شاہ کی فوج کے آگے بڑھنے میں مزاحمت کریں۔ فردوس مکانی نے حسین تیمور' سلطان مہدی خواجہ' محمد سلطان مرزا' عادل سلطان مرزا کو مع تمام جرانفار کے سرداروں سلطان جنید برلاس اور شاہ حسین برلاس وغیرہ کو دشمن کی سپاہ کو تباہ و برباد کرنے کے لئے آگے بھیجا۔ صبح سویرے ہی دشمنوں

ہندی سپاہیوں کی ایک جمعیت اور سات عدد بہت بلند قامت ہاتھی مغلوں کو بطور مال غنیمت ملے- بابر شاہ کی فوج یہ تمام مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر اس کی خدمت میں حاضر ہوئی- بابر شاہ نے دوسروں کی عبرت کے لئے یہ کیا کہ ان قیدیوں کو مختلف طریقوں سے قتل کرایا- ان امراء کی فتح گاہ میں کچھ دن قیام کرکے استاد علی قلی خاں کو حکم دے دیا کہ رومیوں کے طریقوں کے مطابق ارابوں کو رسیوں سے باندھ کر توپچی پیادوں کے لئے ایک قلعہ بنا دیا جائے-

ابراہیم کے لشکر کی تعداد قریب قریب ایک لاکھ سپاہیوں تک پہنچ گئی تھی اور اس کے ساتھ ایک ہزار جنگی ہاتھی اور برعکس اس کے بابر شاہ کے پاس صرف بارہ ہزار سوار تھے وہ پانچ ہزار سوار ابراہیم لودھی کے پیش دستہ سے مقابلہ کرنے کے لئے جا چکے تھے- لودھی کو اس بات کی خبر ہو گئی اور بابر شاہ کا پیش دستہ اسی طرح ناکام واپس آیا- اس واقعے نے ابراہیم لودھی کو اور دلیر بنا دیا وہ اپنے لشکر کی تنظیم کرکے پھر بہت سرعت کے ساتھ پانی پت روانہ ہو گیا بابر شاہ نے بھی اپنی فوج مرتب کی-

پانی پت کی جنگ

بابر شاہ اور ابراہیم لودھی

بادشاہ اور ابراہیم لودھی نے اپنی اپنی فوجیں مرتب کیں پانی پت کے میدان میں صف آرا ہوئے- بابر شاہ دشمن سے چھ کوس کے فاصلے پر ٹھہرا اور اپنے خیمے نصب کیے، جیسے ہی ابراہیم لودھی کو خبر ملی کہ بابر شاہ مقابلے پر آ گیا ہے اس نے اسی وقت پیش قدمی کی، دوسرے روز دسویں (۳۹) رجب کو بابر کی فوج بھی مقابلے پر آ گئی- فردوس مکانی نے برانغار میں تو شہزادہ ہمایوں، خواجہ کلال بیگ، سلطان محمد دندی، ہندو بیگ، ولی بیگ اور پیر علی شیبانی کو مقرر کیا اور برانغار کی حفاظت محمد سلطان مرزا، مہدی خواجہ، غازی خاں، امیر چند برلاس کے ہاتھوں میں دے دی اور پھر دائیں طرف حسین تیمور مرزا، مرزا مہدی کو کلتاش، شاہ منصور اور دوسرے نامی گرامی مشہور سردار مقرر کیے گئے- اور بائیں طرف میر خلیفہ تردی بیگ، محب علی خلیفہ وغیرہ رکھے گئے- خسرو کو کلتاش اور محمد علی خنگ خنگ میرزا، سلیمان بن خان مرزا کے تحت میں مقدمہ لشکر رکھا گیا- عبد العزیز میر آخور چند وغیرہ دوسرے امرا اور ولی قراول کے ساتھ برانغار کے اوپر رکھے گئے اور قراقوزی بہادر جرانغار پر مقرر ہوئے- ملک قاسم تیولقہ کو جرانغار بنایا گیا اور علی بہادر تیولقہ کو جرانغار مقرر کیا گیا ادھر اس طرح لشکر کی ترتیب و تنظیم کی گئی اور ادھر سلطان ابراہیم کی فوج بھی میدان میں اتر آئی-

ابراہیم لودھی کی شکست

دونوں فوجیں باہم دست و گریباں ہو گئیں، لودھی کی فوج نے پہلے تو بہت سرعت اور تیزی دکھائی، لیکن رفتہ رفتہ اس کی قوت سلب ہوتی نظر آئی فوج میں بے قاعدگی پیدا ہو گئی خونریزی بڑھتی گئی اور شام ہوتے ہوتے صرف تلواروں کی آوازیں آتی رہیں- زمین پر خون کی ندیاں بہتی رہیں آخر میں بابر شاہ کے جاہ و جلال اور بخت بیدار نے اس جنگ کو اختتام پر پہنچایا- ابراہیم لودھی مع اپنی پانچ چھ ہزار کی فوج کے اس جنگ میں ختم ہو گیا- لودھی کی فوج نے میدان چھوڑنا چاہا مگر بابری سپاہی کسی طرح سے بھی ان کا تعاقب کرکے اور گروہ کے گروہ قتل کرکے اور ہاتھیوں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنے لشکر میں لے آئے- اس وقت تک چونکہ ابراہیم لودھی کا قتل مشکوک تھا لہٰذا جو سپاہی ملتا موت کے گھاٹ اتارا جاتا-

بابر شاہ آگے بڑھ کر دریائے جمنا کے ساحل پر خیمہ زن ہوا تاکہ لودھی کی سلطنت کی وسعت اور مال و متاع کا اندازہ ہو سکے- یہاں ابراہیم کا بیٹا بادشاہ کے سامنے آیا اور یہ بات بھی پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اس جنگ میں سولہ ہزار افغان مارے گئے اور ہندی پچاس ہزار کی تعداد میں کام آئے- جس میں پانچ ہزار کی سپاہ تو ابراہیم لودھی کے ساتھ فنا ہو گئی- شہزادہ محمد ہمایوں، خواجہ کلال، شاہ منصور اور ولی خازن

بہت سرعت کے ساتھ خزانے پر قبضہ کرنے کے لئے آگرہ چل دیئے اور محمد سلطان مرزا' مہدی خواجہ اور سلطان جنید برلاس مال و متاع کے تحفظ کے خیال سے دہلی روانہ کیے گئے۔ رجب کی بارہ تاریخ سہ شنبہ کے دن دہلی آئے اور شیخ زین صدر نے بابر شاہ کے نام کا خطبہ پڑھا۔ بادشاہ نے سارے شہر کو خوب دیکھا بھالا' سیر کی اور اولیاء اللہ کے مزاروں پر فاتحہ خوانی کی اور اس کے بعد آگرہ چلا گیا۔

بابر کا آگرہ میں ورود

بائیس رجب جمعرات کے دن بادشاہ دار السلطنت (۴۰) آگرہ میں پہنچا۔ آگرہ کا قلعہ ابھی سلطان ابراہیم لودھی کے مقربین کے ہاتھ میں تھا بابر شاہ نے قلعہ کو گھیر لیا۔ راجہ بکرماجیت کے ملازم موجود تھے راجہ ابراہیم لودھی کے ساتھ اس جنگ میں ختم ہو چکا تھا راجہ کے نوکر ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ایک الماس جس کا وزن آٹھ مثقال تھا ہمایوں کی خدمت میں پیش کیا یہ الماس ان لوگوں کو سلطان علاؤ الدین خلجی مالوہی کے خزانے سے ملا تھا۔ جوہریوں کا خیال تھا کہ ساری دنیا کی ایک دن کی آمدنی کے برابر اس کی قیمت ہے۔ ہمایوں نے یہ الماس بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بابر نے ہمایوں کا تحفہ قبول کرکے یہ قیمتی تحفہ پھر شاہزادے کو واپس دے دیا۔ آگرے کے قلعہ بند داود گرانی' فیروز خاں سورما اور مادر سلطان ابراہیم لودھی وغیرہ نے بادشاہ سے امان چاہی اور محاصرے کے پانچویں دن قلعہ بابر کے حوالے کر دیا۔ بابر نے اپنی کتاب واقعات بابری میں لکھا ہے کہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے اس وقت تک تین فرمانروائے اسلام ہندوستان آئے اور اس ملک پر قبضہ کیا۔ اول سلطان محمود غزنوی کیونکہ عرصے تک اس بادشاہ کی اولاد ہندوستان کی حکومت کرتی رہی۔ دوسرے سلطان شہاب الدین غوری جس کے لے پالک بیٹوں نے بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حکومت کی اور تیسرا میں لیکن میرا حال میرے دونوں پیشرو حکمرانوں سے بالکل مختلف ہے۔

سلطان محمود غزنوی نے جب ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت وہ ماوراء النہر' خوارزم اور خراسان کا بھی حاکم تھا اور غزنوی فوج کی تعداد بھی ایک لاکھ سے کم نہ تھی۔ دوسرے ہندوستان کی حالت بھی ٹھیک نہ تھی یہاں کوئی عظیم الشان بادشاہ نہ تھا' جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے راجے حکومت کرتے تھے۔ اگرچہ سلطان شہاب الدین غوری خراسان کا بادشاہ نہ تھا تاہم اس کا بھائی بادشاہ تھا اور سلطان غوری ایک لاکھ بیس ہزار سوار لے کر ہندوستان آیا تھا۔ غزنوی سلطان کی طرح غوری کے وقت میں بھی ہندوستان میں طوائف الملوکی تھی لیکن میرا حال یہ ہے کہ جب میں پہلی بار ہندوستان آیا تو ڈیڑھ دو ہزار سوار میرے ہمرکاب تھے۔ بدخشاں' کابل اور قندھار کی حکومت میری تھی' لیکن ان شہروں سے نصف خراج بھی مجھ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ مملکت کے بعض حصے ایسے تھے کہ دشمن کے قریب ہونے کی وجہ سے مدد کے محتاج تھے۔ ہندوستان میں بہرہ سے بہار تک افغانوں کا تسلط تھا۔ ہند کی طاقت کو دیکھتے ہوئے میرے ساتھ پانچ لاکھ فوج ہونی چاہیے تھی۔ ابراہیم کا لشکر ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھا اس کے علاوہ ایک ہزار جنگی ہاتھی بھی اس کی فوج میں تھے۔ اس سے زیادہ یہ بات تھی کہ اوزبک جیسے زبردست حریف کو اپنے پیچھے چھوڑ کر لودھی جیسے خونخوار دشمن سے میں نے ٹکر لی' لیکن خدا کا بھروسا اور فضل کام آیا اور ان تمام مشکلات کے ہوتے ہوئے بھی مجھے کامیابی ہوئی اور ہندوستان میرے قبضے میں آگیا۔ میں اس کو صرف اپنی کوشش اور جدوجہد کا نتیجہ نہیں سمجھتا بلکہ یہ فتح محض خدا کی عنایت اور کرم کی وجہ سے مجھے نصیب ہوئی یہ میرا ایمان ہے۔

شاہان ہند کے خزانوں کا معائنہ

انتیس رجب کو بابر نے شاہان ہند کے دفینوں کا معائنہ کیا۔ بادشاہ نے ساڑھے تین لاکھ روپیہ نقد اور ایک سربمہر خزانہ ہمایوں کو عنایت فرمایا۔ محمد سلطان میرزا کو ایک کمربند اور مرصع شمشیر اور ایک لاکھ روپے نقد دیئے۔ اسی طرح دوسرے امیروں اور میرزادوں اور لشکریوں کو ملک۔ طالب علموں اور سوداگروں کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اس کے علاوہ بابر نے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو جو سمرقند و خراسان'

جگہوں و مزاروں پر نذریں چڑھائیں' فقراء اور حاجتمندوں کے لئے روپے تقسیم کرنے کے لئے بھیجے۔ کابل کے تمام باشندوں کو شاہی انعام سے نوازا۔ ہر شخص کے لئے ایک شاہرخی جس کا وزن ایک مثقال چاندی کے برابر تھا فی کس کے حساب سے روانہ کی۔ المختصر پرانے بادشاہوں کی برسوں کی جمع شدہ دولت اس فقیر منش بادشاہ نے ایک ہی محفل میں لٹادی اور اپنی بے نیازی کا سکہ دلوں پر بٹھایا۔

ہندوستانیوں کی نافرمانی

ہندوستان کے باشندے مغلوں کی سیاست اور حکومت سے ڈرے ہوئے تھے اس لئے وہ بابر کے ابتدائی ایام میں اطاعت گزاری کی طرف مائل نہ ہوئے بلکہ ہر کوئی اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے پوری طرح بادشاہ کی مخالفت کی فکر میں رہتا تھا۔ چنانچہ قاسم خاں سنبل میں' علی خاں قرلی میوات میں' محمد زیتون دیپالپور میں' تاتار خاں بن مبارک خاں گوالیار میں' حسین خاں لوحانی رابری میں' قطب خاں اٹاوہ میں' عالم خاں کالپی میں اور نظام خاں بیانہ میں خود مختاری کا اعلان کرنے لگے۔ دریائے گنگا کے اس پار کے علاقے پر طاقتور افغان امیر نصیر خاں لوحانی اور معروف خاں قرلی قابض ہو گئے تھے۔ گو یہ امیر ابراہیم لودھی کے مطیع و فرمانبردار نہ تھے تاہم مصلحت وقت کو دیکھتے ہوئے پانی پت کے معرکے کے بعد انہوں نے بہار خاں ولد دریا خاں لودھی کو سلطان محمد کا لقب دے کر اسے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا۔

یہ ایک لشکر جرار لے کر قنوج سے آگرہ کی طرف بڑھے اور دو تین منزلیں طے کرنے کے بعد ایک جگہ خیمہ زن ہو گئے۔ اس دوران میں ملن خاں جلوانی شہنشاہ بابر سے ناراض ہو کر سلطان محمد سے جا ملا۔ شہروں اور قصبوں کے باشندے مخالفت کرنے لگے۔ نوبت یہاں پہنچی کہ لوگوں کو اناج اور مویشیوں کا چارہ مشکل سے دستیاب ہونے لگا۔ خلاف معمول اس سال گرمی بھی زیادہ پڑی۔ گرمی کی شدت اور لو سے مغل سردار ہلاک ہونے لگے۔ ان واقعات کے پیش نظر خواجہ کلال اور دوسرے معزز سرداروں نے بابر سے کہا کہ مصلحت اس میں ہے کہ جلد سے جلد کابل واپس ہو جائیں اور اس فتح کو غنیمت سمجھیں۔ بادشاہ یہ سن کر بے حد غضب ناک ہوا اور کہا کہ محنت و مشقت سے فتح کیے ہوئے ملک کو چھوڑ کر کابل جا کر شاہ شطرنج کی طرح بیٹھنا میرے فتوحات کے منصوبوں کے خلاف ہے۔ ارکان سلطنت نے باایں ہمہ اس پر اصرار کیا بادشاہ نے تمام امیروں کو جمع کر کے ان سے کہا کہ میرا ارادہ ہندوستان میں قیام کرنے کا ہے جس کا جی چاہے میرے ساتھ ہند میں ٹھہرے اور جو جانا چاہے بصد اشتیاق کابل کی راہ لے۔ امیروں کو جب بادشاہ کا ارادہ معلوم ہو گیا کہ وہ پورا قبضہ کیے بغیر افغانستان کا رخ نہ کرے گا تو انہوں نے بھی اپنا ارادہ بدل دیا۔ ان امیروں میں خواجہ کلال ہندوستان سے بیزار ہو چکا تھا گو کامیابیوں میں اس کا بڑا حصہ تھا' لیکن آب و ہوا کی ناموافقت اور بیماری کی وجہ سے یہ امیر کابل واپسی پر قطعی آمادہ ہو گیا۔ بادشاہ نے اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا کابل اور غزنی کی حکومت خواجہ کلال کے سپرد کر کے اسے افغانستان روانہ کیا۔ خواجہ نے چلتے وقت دہلی کی ایک عمارت پر یہ شعر لکھ دیا۔

اگر بخیر و سلامت گزرز سند کنم ۔۔۔ سیاہ روئے شوم گر ہوائے ہند کنم

بابر کے تیور دیکھتے ہوئے کہ یہ شیر دل حاکم اپنے جد امیر تیمور کی طرح ہندوستان چھوڑ کر اپنی موروثی سلطنت پر قناعت نہ کرے گا ہندی صوبہ داروں نے حلقہ اطاعت میں آنا شروع کر دیا۔

سب سے پہلے شیخ گھورن دو تین ہزار سپاہیوں کے ساتھ میان دو آب سے آگرے آیا اور شاہی ملازمت اختیار کی۔ علی خاں قرلی اپنے بیٹوں کے بلانے سے جو بابر کے قیدی تھے میوات سے آگرے آگیا اور بابر کے امراء میں شامل ہو گیا۔ نوبت' نقارہ اور دوسرے سامان شان و شوکت سے سرفراز ہو کر اپنے ہم نشینوں میں امتیاز حاصل کیا۔ علی قرلی اپنے موٹاپے کی وجہ سے مشہور تھا۔ اور پان کا بہت شوقین تھا ہر وقت منہ لال رہتا' کمر سے ہر وقت شمشیر بندھی رہتی' قرلی اس کو کبھی جدا نہیں کرتا تھا۔ علی قرلی کے بعد فیروز خاں اور شیخ بایزید قرلی اپنے اپنے لشکروں سمیت بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے انہیں جاگیروں اور منصب سے نوازا۔ محمود خاں لوحانی اور قاضی

حبیب بھی بابر کے سلسلہ ملازمت میں داخل ہو کر صاحب منصب و جاگیر ہوئے۔ ان سرداروں کے حلقہ بگوش ہونے کی وجہ سے کچھ حالات سدھرے، امن بحال ہوا۔ بہت سے پرگنے اور قصبے بادشاہ کی سلطنت کا جزو بنے۔ ان ہی دنوں میں میں خان افغان نے سنبل کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قاسم سنبل نے بادشاہ سے اپنی اطاعت کا اظہار کیا اور مدد کی درخواست کی۔ بابر نے میرزا مہدی کو کلتاش کو قاسم کی مدد کے واسطے بھیجا۔ مہدی نے دریائے جمنا کو عبور کیا اور ببن سے جا ٹکرایا اسے شکست دی اور سنبل کی حدود سے باہر نکالا۔ قاسم سنبل نے اس احسان کے بدلے میں قلعے کو کوکلتاش کے سپرد کیا خود بابر کے امراء میں شامل ہو گیا۔ بابر نے سنبل شہزادہ ہمایوں کے سپرد کیا اور مشرق کے افغانوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔

ہمایوں کی روانگی

ہمایوں قنوج کے حوالی میں پہنچا افغان جن کی تعداد چالیس ہزار تھی، بغیر لڑے بھڑے جونپور کی طرف بھاگ گئے۔ ان افغان امیروں میں فتح خاں شیروانی شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہزادہ نے شیروانی کو تسلی دی اور اسے مہدی خواجہ کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ بادشاہ فتح خاں پر بے حد مہربان ہوا اسے مجلس نشاط میں بلا کر اپنا خاص لباس عطا کیا اور اچھی جاگیر بخشی۔ بابر کے اس مہربان برتاؤ نے افغانوں کو گرویدہ کر لیا۔ وہ ایک ایک کر کے چغتائی خاندان کے اطاعت گزار بن گئے۔ نظام خاں حاکم بیانہ بھی جو رانا سانگا سے خوفزدہ تھا بادشاہ کا مطیع ہو گیا۔ بابر خاں نے نظام خاں سے قلعہ حوالے کرنے کو کہا مگر نظام خاں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے بابا قلی بیگ کو قلعے کی مہم پر بھیجا اور مندرجہ ذیل قطعہ لکھ کر نظام خاں کے پاس روانہ کیا۔

با ترک ستیزہ بکن اے میر بیانہ ... چالاکی و مردانگی ترک عیاں است
گر زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش ... آں جا کہ عیانست چہ حاجت بیان است

نظام خاں کی سرکشی

نظام خاں نے اطاعت نہ کی قلعے سے باہر نکل کر بابا قلی بیگ سے برسرپیکار ہوا اور اسے شکست دے کر پھر قلعہ بند ہو گیا۔ رانا سانگا اطلاع ملتے ہی نظام خاں کی تباہی کی سوچنے لگا اور اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اب نظام خاں نے عاجزانہ طور پر بابر سے اپنے اس قصور کی معافی مانگی بادشاہ نے معاف کر دیا۔ نظام خاں نے قلعہ بادشاہ کے امیروں کے سپرد کر دیا اور خود بادشاہ کی ملازمت میں آ گیا۔ اسے میان دو آب کے محاصل سے بیس لاکھ تنگ کے منصب سے سرفرازی ملی۔

اس دوران میں منکٹ رائے جو گوالیار کے قدیم راجاؤں کے خاندان میں سے تھا ایک باغی خاں جہاں کی موافقت سے گوالیار پر حملہ آور ہوا اور تاتار خاں کا محاصرہ کر لیا، تاتار خاں قلعہ گوالیار کا حاکم تھا۔ اس نے زمینداروں کی باغیانہ روش دیکھ کر بادشاہ کی اطاعت کا اقرار کر لیا اور بابر سے مدد مانگی۔ بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ وہ قلعہ بادشاہ کے امیروں کے حوالے کر دے گا۔ بابر نے رحیم داد اور شیخ گھورن کو تاتار خاں کی مدد کو بھیجا۔ ان امیروں نے تاتار خاں کو منکٹ رائے سے نجات دلائی بعد میں تاتار خاں نے بدعہدی کی اور شاہی امیروں کو قلعے میں آنے کی اجازت نہ دی۔

حضرت شیخ محمد غوث گوالیار کے مشہور بزرگ اور صاحب ارشاد تھے ان کے مریدوں کی بہت بڑی جماعت تھی انہوں نے رحیم داد کو پیغام بھیجا کہ وہ کسی طرح سے قلعے کے اندر آ جائیں۔ پھر تاتار خاں کا معاملہ آسانی سے حل ہو جائے گا۔ رحیم خاں نے حضرت شیخ کے کہنے کے مطابق تاتار خاں کو کہلا بھیجا کہ شاہی فوج منکٹ رائے کے شبخون کی وجہ سے خطرے میں ہے اگر اجازت مل جائے تو رحیم داد اپنے چند امرائیوں کے ساتھ قلعے کے اندر آ کر پناہ لے لے اور لشکر قلعے کے باہر ہی رہے، رحیم داد اس کا تمام عمر احسان مند رہے گا۔ اگر اس کی درخواست قبول

تاتار خاں کے کہنے کے مطابق دربانوں کے پاس چھوڑ دیا تاکہ وہ رحیم داد کے خاص آدمیوں کو پہچان کر قلعے کے اندر لے آئے۔ تاتار خاں پر غرور کا نشہ سوار تھا اس رات وہ احتیاط اور ہوشیاری کو بھول کر نہایت غافل ہو کر سویا قلعے کے اکثر دربان جو حضرت شیخ گوالیاری کے مرید تھے، رحیم داد کے پیادہ سپاہیوں سے مل گئے اور بعض چند ضروری اشیاء لانے کا بہانہ کرکے اسی رات قلعے سے باہر چلے گئے اور اچھی خاصی تعداد میں سپاہیوں کو اندر لے آئے۔ صبح ہونے پر تاتار خاں پر حقیقت واضح ہوگئی اب اس کے لئے سوائے خاموشی کے اور کوئی چارہ نہ تھا للذا وہ قلعہ حوالے کرکے آگرہ پہنچ گیا اور امراء کے گروہ میں شامل ہوگیا۔ بادشاہ کی طرف سے بیس لاکھ تنکے انعام حاصل کیا۔

محمد زیتون بھی دھولپور سے آکر امراء کے گروہ میں داخل ہوا۔ حمید خاں سارنگ خاں، اور دوسرے افغان سرداروں نے حصار فیروزہ کے نواح میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ حسین تیمور سلطان اور ابو الفتح ترکمان نے حصار پہنچ کر ان باغیوں کو سزا دی۔

زہر خوارنی کا واقعہ

خواجگی اسد عراق میں شاہ طہماسپ صفوی کے پاس کابل کا ایلچی ۹۳۳ھ میں سلیمان ترکمان کے ساتھ واپس لوٹا بہت سے سوغات ایران سے لایا ان میں دو کنواری کنیزیں بھی تھیں۔ بادشاہ کو ان کے ساتھ بیحد محبت ہو گئی۔ اس دوران میں بادشاہ ابراہیم کی ماں نے جو بہت اقتدار حاصل کر چکی تھی اور مقرب تھی۔ احمد چاشنی گیر اور دوسرے باورچیوں سے مل کر جو حقیقتاً بادشاہ ابراہیم کے ملازم تھے سازشیں کی۔ بادشاہ کے کھانے میں جو اس دن خشکہ اور خرگوش کے گوشت کے سالن پر مشتمل تھا زہر ملا دیا۔ کھانا کھاتے کھاتے بادشاہ کا دل کچھ دھڑکنے لگا چنانچہ بادشاہ نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔ پھر بار بار قے کرکے زہر کو پیٹ سے خارج کیا اور اس مصیبت سے نجات پائی۔ واقعے کی تحقیقات کی گئی۔ چاشنی گیر اور باورچیوں نے سب کچھ بتا دیا۔ کھانے کا امتحان کیا گیا اس میں سے چند لقمے ایک کتے کو ڈالے گئے کھاتے ہی کتے کا سارا جسم پھول گیا۔ غریب ایک دن اور رات اپنی جگہ پر پڑا رہا۔ اس کے علاوہ وہ ملازموں نے بھی آزمائش کے طور پر تھوڑا کھانا کھایا تھا بڑی مشکل سے بیچاروں کی جان بچی بادشاہ کے حکم سے چاشنی گیر کی کھال کھینچی گئی دوسرے باورچی تہہ تیغ کیے گئے۔ سلطان ابراہیم کی ماں کا گھر لوٹا گیا اور بیگم کو قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ بادشاہ نے سلطان ابراہیم کے لڑکے کو کامران مرزا کے پاس روانہ کیا اور اس طرح کچھ اطمینان ہوا۔

شاہزادہ ہمایوں جونپور پر قبضہ کرنے گیا ہوا تھا اس نے اپنا کام پورا کرکے شہر کو جنید برلاس کے سپرد کیا اور خود آگرہ کی طرف لوٹ آیا۔ جب شہزادہ کالپی پہنچا تو عالم خاں حاکم کالپی ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا پھر اس کے ساتھ آگرے پہنچا۔ عالم خاں بادشاہ کی عنایتوں سے سرفراز ہوا۔

رانا سانگا

رانا سانگا ہندوستان کے ہندو راجاؤں میں سب سے بڑا راجہ تھا۔ ہندوستان میں اسلامی فتوحات سے بہت پہلے سے حکومت اور امارت اس کے خاندان میں چلی آ رہی تھی یہ راجہ میوات کا حاکم تھا۔ دہلی اور اجمیر کے راجے جو سلطان قطب الدین ایبک کے ہاتھوں تباہ ہوئے تھے رانا سانگا کے قبیلے میں سے تھے۔ دو چار پشتوں کے بعد ان کا سلسلہ نسب آپس میں مل جاتا ہے۔ بابر کے حملے کے وقت تقریباً ایک لاکھ راجپوت رانا کے تابع تھے۔ اس کے علاوہ سلطان ابراہیم لودھی کے بہت سے امیر جو بابر کے مخالف تھے اور حلقہ اطاعت میں اب تک داخل نہیں ہوئے تھے رانا سانگا کے خیر خواہ تھے۔ محمود خاں سلطان سکندر کا بیٹا بھی دس ہزار سواروں کے ساتھ رانا سے مل گیا۔ مارواڑ کے تمام راجے پرم دیو، نرسنگی دیو، میدنی رائے، راجہ چندیری، راولدیو ولد واوسنگ، راجہ دونگر پور رائے چندربھان چوہان، مانک چند چوہان اور رائے دلیپ وغیرہ بھی پچاس یا ساٹھ ہزار کا لشکر لے کر رانا سانگا سے آ ملے۔ حسن خاں میواتی بھی دس ہزار سواروں کے ساتھ رانا سانگا کی مدد کے لئے آ پہنچا الغرض یہ تمام سردار دو لاکھ سواروں کا لشکر عظیم لے کر بابر سے جنگ کرنے اور ہندوستان کو مغلوں کی حکومت

سے بچانے کے لئے آگرہ روانہ ہوئے۔

بابر کی آگرہ سے روانگی

بابر کو بعض ہندوستانی امراء پر اعتماد نہ تھا اس لئے اس نے اس قسم کے امراء کو سرحدی شہروں کی فتح اور ان کے انتظامی امور کی دیکھ بھال کرنے کے لئے ادھر ادھر روانہ کر دیا۔ اور خود اپنے مغل لشکریوں جنہیں وہ کابل سے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ اور چار ہندوستانی امیروں یعنی سلطان علاؤ الدین کے بیٹوں کمال خاں اور جلال خاں اور علی قرلی خاں اور بیانہ کے حاکم نظام خاں کے ساتھ آگرہ سے روانہ ہو گیا۔

جب بابر بیانہ کے مضافات میں کانوہ نامی قصبے میں پہنچا تو اس نے غیر مسلموں سے جنگ کرنے کا پکا ارادہ کر لیا۔ شہزادہ ہمایوں نے ابھی تک شراب کبھی نہ پی تھی' بابر نے اسے شاہی محفل میں طلب کیا۔ اور خود اپنے ہاتھوں سے ایک جام بھر کر اسے دیا۔ بیانہ کے نواح میں فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ شاہی فوج کے دستے جو خبر رسانی کے لئے گئے ہوئے تھے زخمی ہو کر اور شکست کھا کر لوٹے۔ بیانہ کے قلعے کے رہنے والے بھی چار دیواری سے نکل کر جنگ و جدل میں شریک ہوئے اور دشمن کے ہاتھوں شکست کھا کر پھر قلعہ بند ہو گئے۔ الغرض لوگ طرح طرح کے توہمات اور شک و شبہ میں مبتلا ہو کر سہم گئے۔ ہیبت خاں نیازی سنبھل کے علاقے کی طرف فرار ہو گیا۔

اس زمانے میں ایک بہت فاضل اور تجربہ کار منجم محمد شریف تھا۔ لوگ اس کی بیان کردہ پیشگوئیوں کا بہت اعتبار کرتے تھے اور اسی سبب سے چاروں طرف ایک خوف و ہراس سا پھیلا رہتا تھا اس نجومی کا یہ کہنا تھا کہ مریخ مغرب کی طرف سے طالع ہے اور کوئی بھی اس طرف سے حملہ آور ہو گا اسے اپنے مقابل کے ہاتھوں شکست ہو گی۔ بادشاہ نے اپنی مجلس مشاورت کی اور جنگ کے بارے میں مشورہ کرنے لگا۔ اکثر درباریوں نے یہ رائے دی کہ دشمن کی بڑھتی ہوئی قوت پوری طرح سامنے ہے بہتر یہی ہے کہ بادشاہ بڑے بڑے قلعوں کو امراء کے حوالے کر کے خود پنجاب کی طرف روانہ ہو اور وہاں غیبی امداد کا انتظار کرے۔

ترک بادہ نوشی

بابر نے یہ بات سنی اور پھر قدرے غور اور تامل کے بعد کہا "میری اس بزدلی اور کمزوری پر دنیائے اسلام کے فرماں روا مجھے کیا کہیں گے۔ یہ روشن ہے کہ سبھی یہی کہیں گے کہ میں نے محض جان کے خوف سے اتنے بڑے ملک کو اپنے ہاتھوں سے گنوا دیا۔ میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ درجہ شہادت حاصل کرنے کا خیال دل میں لے کر مردانگی اور بہادری کے ساتھ میدان جنگ میں ثابت قدم رہوں۔" اہل محفل نے بابر کی یہ بصیرت افروز تقریر سنی اور سبھی نے بالاتفاق جہاد کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بادشاہ کی اس تقریر کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ سبھی نے اس کی رائے کو تسلیم کیا اور کہا شہادت سے بڑھ کر اور کون سی سعادت ہو سکتی ہے۔ مسلمانوں کا یہ عقیدہ اپنی مثال آپ ہے کہ مارا تو غازی مرے تو شہید۔ ہم سب حلفیہ وعدہ کرتے ہیں کہ کبھی بھی میدان جنگ سے منہ نہ موڑیں گے۔" اس کے بعد امراء نے بادشاہ کے مزید اطمینان کے لئے باقاعدہ حلف اٹھایا۔ بابر نے کہ جسے شراب کے بغیر ایک لمحہ بھی گراں گزرتا تھا حالات کے اقتضاء کو سمجھتے ہوئے شراب نوشی اور دیگر مکروہات یہاں تک کہ داڑھی کترانے سے بھی توبہ کر لی اور ممالک محروسہ کے مسلمانوں کو تمغے عطا کیے اور اس سلسلے میں پوری سلطنت میں فرمان جاری کر دیا۔

جمادی الآخر کی ۹ تاریخ بروز سہ شنبہ جو نو روز کا دن تھا لشکر کی صفیں مرتب کی گئیں اور اہل روم کے طریقہ جنگ کے مطابق بارود کے ارابے لشکر کے آگے نصب کیے گئے۔ بابر دشمن کی طرف جو تین کوس کے فاصلے پر مقیم تھا' روانہ ہوا۔ ایک کوس کا سفر طے کرنے کے بعد بادشاہ نے اثنائے راہ میں قیام کیا۔ ملک قاسم اور بابا قشقہ مغل کی نگرانی میں چغتائی سورماؤں نے' جن کے حوصلے بہت بڑھے ہوئے تھے' دشمن کے جاسوس دستوں کو بڑی خوش اسلوبی سے مار بھگایا۔ جمادی الآخر کی ۱۳ تاریخ کو بابر نے اس مقام سے بھی کوچ کیا اور ایک

طرح لگائے بھی نہ تھے کہ دشمن کی فوج' کیڑوں' مکوڑوں کی طرح' زبردست ہاتھیوں کو ساتھ لے کر سامنے کی طرف سے نمودار ہوئی۔

طرفین کا آمنا سامنا

اس موقع پر نجومی محمد شریف نے بادشاہ کو ایک بار پھر جنگ کرنے سے روکا اور اپنے دعوے کے دلائل پیش کیے' لیکن بابر نے اس کی کوئی بات نہ مانی اور اپنی فوج کی صفوں کو جو چوبیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی پانی پت کے معرکے کے انداز میں مرتب کرنے کا حکم دیا۔ جو غیر مسلم راجہ اور امراء بابر سے جنگ کرنے کے لئے آئے تھے ان میں سے ہر شخص ہندوستان کے کسی نہ کسی حصے کے ہندوؤں کی جماعت کا سردار تھا۔ ان لوگوں نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے اپنی فوجیں مرتب کیں اور فوج کے میمنہ' میسرہ اور قلب کو ترتیب دے کر مرنے مارنے کے جذبات لیے ہوئے میدان جنگ میں اتر آئے۔

بابری لشکر کی ترتیب

مسلمانوں کی فوج کو مرتب کرنے کا کام نظام الدین علی خلیفہ کے سپرد کیا گیا۔ نظام الدین نے بڑی جان فشانی اور محنت سے یہ فریضہ انجام دیا اور یہ انتظام کیا کہ بادشاہ کا قیام قول (۴۱) میں ہو۔ قول کی داہنی طرف حسین تیمور سلطان' سلیمان شاہ' خواجہ دوست خازن' یونس علی بیگ' شاہ منصور برلاس' درویش محمد ساربان' عبد اللہ کتاب دار اور دوست بیگ کو متعین کیا گیا۔ قول کی بائیں طرف عالم خاں بن سلطان بہلول لودھی' شیخ زین صدر' محب علی' تردی بیگ شیر افگن۔ آرائش خاں' خواجہ حسن دیوان وغیرہ کو مقرر کیا۔ جرانغار (۴۲) کی نگرانی شہزادہ ہمایوں کے سپرد کی گئی۔ ہمایوں کی داہنی طرف شیخ قاسم حسین سلطان' احمد یوسف' ہندو بیگ' خسرو کو کلتاش ملک قاسم' بابا قشقہ مغل' قوام بیگ ولد شاہ ولی خازن' میرزا تبر علی' پیر قلی شیبانی' خواجہ پہلوان بدخشی' عبد الشکور' سلیمان آقا ایلچی عراق اور حسین خاں ایلچی سیستان کو مناسب مقام پر کھڑا کیا گیا۔ جرانغار کی بائیں طرف میر شاہ محمد کوکلتاش' خواجگی اسد سرجاندار خان خاناں ولد دولت خاں لودھی' ملک داؤد کرانی اور شیخ گھورن وغیرہ کو متعین کیا گیا۔

ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر لڑنے مرنے کے لئے تیار ہوا جرانغار کی نگرانی سید خواجہ کے سپرد کی گئی اور سید خواجہ کے دائیں بائیں محمد سلطان میرزا' عادل سلطان' عبد العزیز امیر آخور' محمد علی خنگ خنگ' قتلق قدم' امیر خانچی میرزائی مغل' جان بیگ آتکہ' جلال خاں اور کمال خاں (بادشاہ علاؤ الدین کی یادگاریں) علی خاں شیخ زادہ قرلی اور نظام خاں بیانوی کو مقرر کیا گیا۔ تردی بیگ موض بیگ آتکہ اور رستم ترکمان' تینوں بہادروں کو ایک گروہ کے ساتھ تیولقمہ (۴۳) جرانغار کا محافظ بنایا گیا اور لقمہ جرانفار بھی دیگر منصب داروں اور امراء کے سپرد کیا گیا۔ سلطان محمد بخشی لشکر' تواچیوں اور یساولوں (۴۴) کے ساتھ سلطانی احکامات سننے کے لئے بابر کے سامنے کھڑا ہوا۔

جنگ کا آغاز

ابھی دن کا ایک پہر اور دو گھڑیاں ہی گزری تھیں کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے معرکہ آرائی کے لئے آگے بڑھے۔ فریقین کی شان و شکوہ اور جاہ و حشمت سے زمین اور آسمان میں ایک ہلچل سی پڑ گئی۔ سب سے پہلے ہندوؤں نے بڑی شان سے مسلمانوں کے جرانغار پر چڑھائی کی اور خسرو کوکلتاش اور ملک قاسم پر حملہ آور ہوئے۔ بادشاہ کا حکم پاتے ہی حسین تیمور سلطان جرانغار کی مدد کے لئے آگے بڑھا اس نے ہندوؤں کو ان کے عقب لشکر تک پیچھے دھکیل دیا اور میدان اسی کے ہاتھ میں رہا۔

ہندوؤں کی شکست

اس کے بعد بابر نے مغلوں کے طریقے کے مطابق چاروں طرف سے لڑائی کی ابتدا کر دی جس طرف مدد کی ضرورت ہوتی' فوج کا زیادہ حصہ اسی طرف مصروف کار ہو جاتا۔ استاد علی قلی رومی اور دیگر ہنرمندوں نے آتش بازی اور بارود کے آلات سے بھی خوب خوب کام لیا اور اپنی ہنرمندی کا مظاہرہ کیا۔ معرکہ کارزار تقریباً چار بجے دن تک جاری رہا۔ ہندی سپاہی بھی بڑی ثابت قدمی کے ساتھ میدان

جنگ میں اپنی بہادری کے جوہر دکھاتے رہے۔ دشمن کی ثابت قدمی اور استقلال کو دیکھ کر بابر نے اپنے قول لشکر کو ساتھ لے کر دشمن پر زبردست حملہ کیا ایک خونریز اور زبردست جنگ کے بعد ہندوؤں کو شکست ہوئی ان کا لشکر میدان جنگ سے منہ موڑنے لگا۔ حسین خاں میواتی جس کے باپ دادا دو سو برس سے حکمرانی کرتے چلے آ رہے تھے ایک نیزے کی ضرب سے جاں بحق ہوا۔ رائے راول دیو' چندربھان چوہان مانک چند چوہان اور کرم سنگھ راجپوت جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر عالی جاہ اور گردوں مرتبت امیر تھا' میدان جنگ میں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

دشمنوں کے سروں سے مینار کی تعمیر

رانا سانگا جو اپنی قوت اور غرور کے نشے میں بڑی شان دکھاتا ہوا میدان جنگ میں آیا تھا بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا۔ اس عظیم الشان اور یادگار فتح کے بعد سب لوگ بابر کو غازی کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ "فتح بادشاہ اسلام" سے اس تاریخی معرکے کی تاریخ نکالی گئی۔ بابر نے حکم دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر جو لڑائی کا میدان واقع ہے وہاں دشمنوں کے سروں سے ایک مینار تعمیر کروایا جائے۔ بابر نے نجومی محمد شریف کو اس کی بیہودہ گوئی اور جھوٹی پیشین گوئی پر بے حد لعنت ملامت کی اور اسے ایک لاکھ تنکہ انعام میں دے کر اپنے مقبوضات سے شہر بدر کر دیا۔

محمد علی خنگ خنگ' عبد المالک قورچی اور شیخ گھورن جو اپنی اپنی جاگیروں پر مقیم تھے انہوں نے آپس میں مل کر الیاس خاں کا مزاج درست کرنے کا فیصلہ کیا۔ میاں دوآب کی طرف روانہ ہوئے کہ جہاں اس نے علم سرکشی بلند کر رکھا تھا۔ ان امراء نے الیاس خاں کو مسل دیا اور میوات فتح کرنے کے لئے پیش قدمی کی۔ ماہر خاں ولد حسن خاں میواتی نے اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ وہ بادشاہ کی اطاعت گزاری کے دائرے میں داخل ہو جائے۔ لہٰذا اس نے شہر خالی کر دیا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بابر نے میوات اور اس کے گرد و نواح کی حکومت حسین تیمور کے حوالے کی اور اسے میوات کی طرف روانہ کر دیا۔

سرکشوں کی سرکوبی

آگرے کی طرف واپسی کے وقت بابر نے شہزادہ ہمایوں کو کابل اور بدخشاں کے انتظام اور بلخ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ محمد علی خنگ خنگ کو چندروار' رابری اور اٹاوہ کے باغیوں اور سرکشوں یعنی حسین خاں' دریا خاں اور قطب خاں کی سرزنش کے لئے مقرر کیا۔ حسین خاں تو جنگ کیے بغیر ہی فرار ہو گیا اور دریائے جمنا کو پار کرتے وقت ڈوب گیا۔ دریا خاں جنگلوں کی طرف نکل گیا اور وہاں کی خاک چھاننے لگا۔ ببن افغان کی سرکوبی کے لئے محمد سلطان میرزا قنوج پہنچا' لیکن یہ باغی و سرکش افغان قنوج سے فرار ہو گیا۔

قلعہ ارک کی فتح

۹ ذی الحجہ ۹۳۳ھ میں بادشاہ سیر و شکار کے لئے کول اور سنبھل کی طرف روانہ ہوا ان علاقوں میں سیر و تفریح کرنے کے بعد واپس آیا۔ اس اثنا میں بابر کو بخار آنے لگا لیکن کچھ دنوں بعد وہ صحت یاب ہو گیا۔ اس کے بعد بابر چندیری کی طرف روانہ ہوا تاکہ میدنی رائے کو تباہ و برباد کرے۔ میدنی رائے کو جب یہ اطلاع ملی تو وہ دوسرے راجپوتوں کے ساتھ ارک کے قلعے میں قلعہ بند ہو گیا۔ مسلمان فوج نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ دوسرے ہی روز قلعہ تسخیر کر لیا گیا اور تقریباً پانچ چھ ہزار راجپوتوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ ہندوؤں کی ایک جماعت اپنے بیوی بچوں اور ہم قوموں کے ساتھ میدنی رائے کے مکان میں جو قلعے کے اندر واقع تھا پناہ گزین ہو گئی۔ ان ہندوؤں نے قلعے کا دروازہ بند کر لیا اس بناء پر لڑائی شروع ہو گئی۔ راجپوتوں نے جب یہ دیکھا کہ پانی سر سے گزر چکا ہے تو ان میں سے ہر ایک نے قدیم دستور کے مطابق ننگی تلوار ہاتھ میں لے کر اپنی گردن آپ ہی اڑا ڈالی۔ میدنی رائے کا حشر بھی یہی ہوا اور یوں ارک کے قلعے پر

میدنی رائے نے اپنے اقتدار کے زمانے میں چندیری' سارنگپور' رنتھنبور اور راسین کی مساجد کو اصطبلوں اور جانوروں کے رہنے کی جگہوں میں تبدیل کر دیا تھا- نیز ان مقدس مقامات کو گوبر سے لیپ پوت دیا تھا بابر نے ان مساجد کو از سر نو بحال کیا- اور شیخ زین صدر نے ان عبادت گاہوں کو نجاست سے پاک کروایا- بابر نے ان مساجد میں موذن اور جاروب کش مقرر کیے اور ان کے اخراجات کے لئے وظائف عطا کیے- غرض اس طرح تمام مفتوحہ شہروں میں بابر نے اسلام کا بول بالا کیا- شیخ زین صدر نے اس تاریخی واقعے کی تاریخ "فتح دار الحرب" سے نکالی- بابر نے اس کو ذیل کے دو شعروں میں منظوم کر دیا-

بود چندے مقام چندیری پر زکفار دوار حربی ضرب
فتح کردم بہ حرب قلعہ آں گشت تاریخ "فتح دار الحرب"

بابر نے چندیری کی حکومت اس کے قدیم وارث احمد شاہ بن محمد شاہ کے سپرد کی جو اس وقت بابر کے ساتھ تھا-

شرقی افغانوں کی بغاوت کا خاتمہ

اسی زمانے میں بابر کو معلوم ہوا کہ شرقی افغانوں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے امراء کے جس گروہ کو روانہ کیا گیا تھا وہ دشمن سے بلاضرورت جنگ کر کے شکست کھا چکا ہے- بابر یہ خبر سنتے ہی جلد از جلد قنوج کی طرف روانہ ہوا رابری کے مقام پر شکست خوردہ امراء بھی بادشاہ سے آ ملے- بابر دریائے گنگا کے کنارے پہنچا اور دریا پر تیس چالیس کشتیوں کا پل باندھا اور حسین تیمور سلطان اور دیگر امراء نے دریا پار کرنا شروع کر دیا- افغانوں نے جب دیکھا کہ اب ٹھہرنا مصلحت کے خلاف ہے تو وہ بھاگ نکلے- حسین تیمور سلطان نے ان کا تعاقب کیا اور ملک سے باہر کر دیا- ان کے بال بچے بابر کے ہاتھ آئے انہیں گرفتار کر لیا گیا- گنگا کے قرب و جوار میں بابر شکار کھیل کر واپس آ گیا-

بابر کا گوالیار جانا

بابر نے محمد زمان میرزا بن بدیع الزمان میرزا کو جو بلخ سے فرار ہو کر آگرہ آ گیا تھا حاکم اکبر آباد مقرر کیا اور خود ۵ محرم ۹۳۵ھ کو بڑے اطمینان کے ساتھ گوالیار روانہ ہوا- یہاں پہنچ کر اس نے گوالیار کے قلعے' سنگی ہاتھی' بکرماجیت اور مان سنگھ کی تباہ شدہ اور ویران عمارتوں کی سیر کی جو قلعے کے اندر واقع تھیں- نیز باغ اور رحیم داد کے بنوائے ہوئے حوض کو دیکھا اس باغ میں بابر کو سرخ رنگ کے گلاب کا پھول' جو بہت ہی نایاب ہے' نظر آیا- اس نے حکم دیا کہ اس پودے کی ایک شاخ آگرے میں بھی لگائی جائے- کیونکہ آگرے میں گلاب کا پھول شفتالو کے رنگ کا ہوتا تھا' یہ سرخ' آتشی رنگ کا پھول نظر نہیں آتا تھا- بابر نے گوالیار میں سلطان شمس الدین کی تعمیر کردہ مسجد کی زیارت بھی کی اور بار بار سلطان کی مغفرت کی دعا کی اس کے بعد وہ گوالیار سے لوٹ آیا-

بیماری

"واقعات بابری" میں خود بابر نے یہ تحریر کیا ہے کہ ۲۳ صفر ۹۳۷ھ کو مجھے اپنے بدن میں ایسی حرارت محسوس ہوئی کہ میں نے نماز جمعہ مسجد میں بڑی مشکلوں سے ادا کی- اس کے تیسرے روز یعنی یک شنبہ کو مجھے سردی لگ کر بخار آ گیا- اس زمانے میں میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کے رسالے "ولدیہ" کو نظم کا لباس پہنا رہا تھا میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر میری یہ خدمت حضرت شیخ کی بارگاہ میں سرفراز ہوئی تو مجھے اپنے موجودہ مرض سے ضرور نجات مل جائے گی بالکل اسی طرح جس طرح "قصیدہ بردہ" کے مصنف نے اپنی طویل نظم کی مقبولیت سے اپنے مرض سے شفا پائی- میں نے اس رسالے کو اسی وزن میں نظم کیا کہ جس میں حضرت مولانا جامی کا سبحہ ہے- یعنی بحر رمل مسدس مجنون میں(۴۵)"

صحت یابی اور جشن مسرت

میری فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ جب بھی کوئی مرض لاحق ہوتا ہے تو وہ تیس چالیس روز سے پہلے میرا پیچھا نہیں چھوڑتا' لیکن اس بار ایسا نہ ہوا اور میں آٹھویں ربیع الاول کو ہی صحت یاب ہو گیا۔ اور خداوند تعالے کی بارگاہ میں سجدہ شکر ادا کیا اس خوشی میں میں نے باغ ہشت بہشت میں ایک جشن مسرت منایا اور اس جشن میں آس پاس کے تمام ایلچی قزلباش اور ازبک اور ہندو شریک ہوئے۔ میں نے کشتی بھر بھر کر سونا اور چاندی ان لوگوں میں تقسیم کیے ان کے علاوہ دیگر حقداروں کو بھی اسی طرح فیضیاب کیا۔

مشہور کتاب "حبیب السیر" کے مصنف اخوند میر' مولانا شہاب الدین معمائی اور میرزا ابراہیم قانونی جو اپنے اپنے فن میں بے نظیر تھے وہ لوگ ہرات سے نئے نئے ہندوستان میں آئے تھے۔ انہوں نے بھی جشن مسرت میں شرکت کی بابر نے ان پر نوازشات کی بارش کر کے انہیں مالا مال کر دیا اور اپنے مقربین میں شامل کر لیا۔ بادشاہ کے علاوہ امراء اور سرداروں وغیرہ نے بھی خوب جی کھول کر خوشیوں کی مجلسیں منعقد کیں۔

اسی سال ملتان سے شہزادہ عسکری بابر کی خدمت میں حاضر ہوا وہ ملک نصرت پر حملہ کرنے کی تیاریاں کر ہی رہا تھا کہ ملک نصرت نے اپنا پیامبر بھیج کر بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کر لی۔ اسی سال یعنی ۹۳۵ھ میں احمد نگر کے حکمران برہان نظام شاہ بحری نے بابر کو اس کی گزشتہ اور حالیہ فتوحات اور کامیابیوں پر مبارک باد کا ایک عریضہ روانہ کیا۔ اسی سال بابر کو اطلاع ملی کہ سلطان سکندر لودھی کے بیٹے سلطان محمود نے بہار پر قبضہ کر لیا ہے نیز ملتان میں بلوچوں نے آپس میں اتحاد کر کے بغاوت و سرکشی کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

بہار کو روانگی

بابر نے ملتان کی طرف جانے کا ارادہ تو چند دنوں کے لئے ملتوی کیا اور بہار کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب وہ کڑہ پہنچا تو جلال الدین شاہ شرقی نے بادشاہ کی خوب خاطر تواضع کی اور شاہی بارگاہ میں نذر پیش کر کے شاہی الطاف سے بہرہ ور ہوا۔ بابر نے محمد زمان میرزا کو بہار کی مہم سر کرنے کے لئے روانہ کیا۔ محمد زمان میرزا جلد از جلد سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا سلطان محمود کے پاس جا پہنچا۔ سلطان محمود اپنے دشمن کا مقابلہ نہ کر سکا اور بھاگ گیا۔ کچھ دنوں بعد افغانوں نے بہار میں پھر ایک زبردست لشکر تیار کر لیا اور جنگ کی نیت سے دریائے گنگا کے کنارے پر جمع ہو گئے۔

افغانوں کا فرار

بابر نے شہزادہ عسکری کو ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ گزر بیدی کی طرف روانہ کیا تاکہ شہزادہ دریا کو پار کر کے دشمن پر حملہ آور ہو سکے۔ بابر نے خود بھی دریا کو پار کرنے کا ارادہ کیا' سب سے پہلے حسین تیمور سلطان اور توختہ توبغا خاں ساٹھ ستر سپاہیوں کو ساتھ لے کر گنگا کو پار کر کے دشمن کے سامنے پہنچ گیا۔ یہ عالم دیکھ کر افغانوں کی ہمت جواب دے گئی ان کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے فرار ہی میں سلامتی دیکھی۔

حضرت شیخ یحییٰ کے مزار کی زیارت

نصرت شاہ نے بادشاہی اطاعت کے دائرے میں قدم رکھ کر اس علاقے کے افغانوں کی سرکشی کو ختم کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔ اسی زمانے میں برسات کا موسم بھی آگیا لہٰذا بابر نے افغانوں کے گروہ کی طرف بذات خود کچھ زیادہ توجہ نہ کی۔ اس علاقے کا تمام انتظام سلطان جنید برلاس کے حوالے کر کے آگرے کی طرف واپس ہوا۔ بابر جب منیر نامی قصبے میں پہنچا تو اس نے حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے والد حضرت شیخ کے مزار کی زیارت کی اور وہاں خوب جی کھول کر خیرات کی اور کامیاب و کامران آگرہ پہنچا۔

سلطان سعید کا بدخشاں پر حملہ

آگرہ پہنچ کر بابر نے بدخشاں سے شہزادہ ہمایوں کو بلایا۔ ہمایوں نے بدخشاں کی حکومت اپنے بھائی ہندال میرزا کے حوالے کی اور خود بابر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسی اثناء میں آور کند کے حاکم سلطان سعید نے موقع پا کر بدخشاں کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ سلطان سعید نے پہلے میرزا حیدر دوغلات کو روانہ کیا اور پھر خود بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ ہندال میرزا نے اسی میں عافیت دیکھی کہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ سلطان سعید نے قلعے کا محاصرہ کر لیا' لیکن اسے اپنی کوششوں میں کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی۔ اہل بدخشاں نے بھی جنہوں نے سلطان سعید کو حملہ کرنے کی دعوت دی تھی' اس کی کوئی مدد نہ کی اس صورت حال سے سعید بہت پریشان ہوا۔ اس نے غصے میں آکر شہر میں لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا پھر اپنے وطن کو واپس روانہ ہو گیا۔

سلطان میرزا کا امیر بدخشاں مقرر ہونا

سلطان سعید کی واپسی کی خبر ابھی آگرے پہنچی بھی نہ تھی کہ بابر نے بدخشاں کی حکومت میرزا خاں کے بیٹے میرزا سلیمان کے حوالے کر دی اور سلطان سعید کو لکھا۔ "مجھے معلوم نہیں کہ ایسی کونسی بات ہوئی کہ تم نے یوں مخالفت پر کمر باندھ لی ہے۔ ہم دونوں کے بہت سے پرانے اور نئے حقوق ایک دوسرے پر واجب ہیں اگر تمہیں یہ پسند نہیں ہے کہ ہندال بدخشاں کا حاکم ہو تو میں سلیمان میرزا کو' جو میرا اور تمہارا دونوں کا بیٹا ہے بدخشاں کا حاکم مقرر کرتا ہوں۔ مجھے پوری پوری توقع ہے کہ تم سلیمان میرزا کی ویسی ہی مدد کرو گے جو مجھے منظور ہے۔" سلیمان میرزا جب بدخشاں پہنچا تو دشمن کا لشکر وہاں سے رخصت ہو چکا تھا اس لئے میدان خالی پا کر اس نے بغیر کسی رکاوٹ اور محنت کے بدخشاں کی حکومت کی عنان ہاتھ میں لے لی ہندال واپس ہندوستان آگیا اس وقت سے اب تک بدخشاں کی حکومت سلیمان میرزا کی اولاد میں وراثتاً چلی آرہی ہے ان لوگوں کے حالات کسی مناسب جگہ پر قلم بند کیے جائیں گے۔

بابر کا انتقال

۹۳۶ھ میں رجب کے مہینے میں بابر بیمار پڑ گیا۔ اس کی یہ بیماری روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی علاج معالجہ کیا گیا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ اس کے برعکس مرض کو ترقی ہوتی چلی گئی آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ بابر اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا۔ ان دنوں شہزادہ ہمایوں کالنجر کے قلعے کی تسخیر کے لئے گیا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اسے واپس دار السلطنت میں بلایا اور اپنا جانشین مقرر کر دیا۔ ۵ جمادی الاول ۹۳۷ھ کو بابر نے داعی اجل کو لبیک کہا اس کی وصیت کے مطابق لاش کابل روانہ کر دی گئی جہاں اسے حضرت محمد صلعم کی قدم گاہ میں دفن کر دیا گیا۔

عادات و خصائل

"بہشت روزی باد" سے بابر کے سال وفات کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔ بابر بارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا اور اس نے اڑتیں سال تک حکومت کی' جود و سخا اور انسانی ہمدردی اس کی طبیعت کی نمایاں خصوصیات تھیں' اس کے ملازموں نے کئی بار اس کے ساتھ بددیانتی اور بے وفائی سے کام لیا' یہاں تک کہ اس کی جان لینے تک سے دریغ نہ کیا لیکن اس انسان دوست حکمران نے ان پر غلبہ حاصل کرنے کے باوجود بھی ان سے کسی قسم کا انتقام نہ لیا بلکہ اس کے برعکس انعام و اعزاز سے سرفراز کیا۔ بابر حنفی المذہب اور مجتہد تھا۔ اس نے کبھی نماز ترک نہیں کی ہر جمعے کے روز وہ روزہ رکھتا تھا موسیقی' شاعری' املاء اور انشا وغیرہ علوم میں وہ مہارت تامہ رکھتا تھا۔ اس کے اپنے عہد حکومت کے واقعات ترکی زبان میں ایسی عمدگی اور شائستگی سے لکھے ہیں کہ اس زبان کے بڑے بڑے علماء نے اس کی استادی کو تسلیم کیا ہے۔ جلال الدین اکبر کے عہد میں بیرم خاں کے بیٹے خان خاناں نے اس کتاب کا ترکی سے فارسی ترجمہ کیا جو آج تک مروج ہے۔

شخصیت

بابر شکل و صورت اور ظاہری ہیئت کے لحاظ سے ایک دلکش اور خوب صورت شخصیت کا مالک تھا۔ خوش بیانی اور خندہ روئی نے اس

کے حسن میں بہت اضافہ کر دیا تھا- بابر ذہانت اور فطانت میں بھی اپنی مثال آپ تھا- جب شیخ زین صدر نے اس سے ملاقات کی تو بابر نے پوچھا کہ تمہاری عمر کیا ہے؟ اس نے جواب میں کہا "آج سے سات سال قبل میں چالیس سال کا تھا اس سے دو سال پہلے بھی میرے پاس چالیس (۴۰) تھے اور اس وقت بھی میں چالیس (۴۰) کا مالک ہوں-" بابر نے فوراً شیخ زین صدر کا اصل مطلب سمجھ لیا اور اس کی بہت تعریف کی-"

انصاف پسندی

بابر کی منصف مزاجی بھی اعلیٰ درجے کی تھی اس کے انصاف کا یہ حال تھا کہ ایک بار شہر اندجان میں ملک خطا کا ایک قافلہ آیا- اس قافلے پر بجلی گری اور سوائے دو افراد کے تمام اہل قافلہ لقمہ اجل ہو گئے- بابر کو جب اس واقعے کی اطلاع ملی تو اس نے اپنے خدمتگاروں کو اس قافلے کے تمام مال و اسباب کو جمع کرنے کا حکم دیا اگرچہ اس وقت مال و اسباب کا کوئی وارث موجود نہ تھا' لیکن بابر نے تمام سامان اپنے پاس بڑی احتیاط سے رکھا- آس پاس کے علاقوں میں اپنے آدمی بھیج کر مرحومین کے وارثوں کو بلوایا- یہ وارث کامل دو سال کے بعد بابر کی خدمت میں حاضر ہوئے بابر نے تمام سامان جو اس کے پاس محفوظ تھا' ان کے حوالے کر دیا-

عیش کوشی و حسن پرستی

بابر کی ساری زندگی اگرچہ میدان جنگ میں گزری اور اس کا بیشتر حصہ معرکہ آرائیوں ہی میں بسر ہوا' لیکن وہ عیش و عشرت سے مجتنب نہ رہا اس کی محفل میں پری چہرہ حسینوں کا ہجوم رہتا تھا- بابر نے کابل میں ایک جنت مثال مرغزار میں پتھر کا ایک حوض بنوایا تھا- اسے شراب ناب سے پر کروا دیا- وہ اس حوض کے کنارے' اپنے خوش مزاج اور ذی عقل دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر عیش و عشرت کی محفلیں منعقد کرتا تھا اس نے اپنا ایک شعر اس حوض پر کندہ کروایا تھا' جو یہ ہے-

نو روز دنو بہاروئے دلبری خوش است   بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

زمین کی پیمائش کرنے کی وہ طناب جس سے بادشاہ کے سفر اور شکار میں اس کے پیچھے پیچھے چل کر زمین کو ناپا جاتا ہے بابر کی ایک عظیم الشان یادگار ہے- اس نے سو طنابوں کو ملا کر ایک طناب بنائی تھی- ہر طناب چالیس (۴۰) گز کی ہوتی تھی اور ہر گز نو (۹) مٹھی کا ہوتا تھا- بابر کے عہد حکومت سے قبل ہندوستان میں سکندری گز مروج تھا' لیکن بابر نے اسے مسترد قرار دے کر بابری گز کو متعارف کروایا- پھر سارے ملک میں اس کا رواج ہو گیا- بابری گز جہانگیر کے عہد حکومت کے ابتدائی زمانے تک مروج رہا-

بابر کا نسب

اب چونکہ ہندوستان کی حکومت دست بہ دست ہوتی ہوئی مغلوں کے قبضے میں آ گئی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس جگہ بابر کے نسب کی بھی تھوڑی سی کیفیت درج کر لی جائے- چنگیز خاں بن یبو کا بن بہادر کے چار بیٹے تھے- چنگیز نے اپنی زندگی ہی میں ان چاروں کے لیے امراء کے قبیلے اور ممالک مقرر کر کے چار الگ الگ قومیں بنا دی تھیں- اس نے ایک قانون' جسے ترکی میں "تورہ" کہتے ہیں وضع کیا تھا تاکہ اس کے بیٹوں کو ہدایت و رہنمائی ملتی رہے- ان چاروں بیٹوں کے نام یہ ہیں- (۱) اوکتائی قاآں (۲) چغتائی خاں (۳) جوجی خاں (۴) تولی خاں-

اوکتائی قاآں

اوکتائی قاآں ہرچند کہ چنگیز کا سب سے بڑا بیٹا نہ تھا لیکن اچھی عادتوں اور عدل پسندی کی وجہ سے اپنے بھائیوں میں سب سے ممتاز اور بہتر تھا- چنگیز کے حکم سے وہی باپ کا جانشین مقرر ہوا اور چنگیزیوں کے اصل وطن قراقرم اور کلوران میں حکمرانی کے فرائض انجام

چغتائی خاں

چغتائی خاں چنگیز خاں کا منجھلا بیٹا تھا وہ اپنے باپ کی وصیت کے مطابق اپنے چھوٹے بھائی کی فرمانبرداری اور اطاعت پورے خلوص کے ساتھ کرتا رہا- اوکتائی قاآن بھی اپنے بڑے بھائی کا بہت خیال رکھتا تھا اور ہر طرح اس کا ادب اور احترام ملحوظ خاطر رکھتا تھا- یہاں تک کہ اس نے اپنے بیٹے کیوک کو چغتائی خاں کا ملازم رکھوا دیا- چنگیز کے حکم کے مطابق چغتائی خاں کے حصہ میں ماوراء النہر' ترکستان' بلخ اور بدخشاں کی حکمرانی آئی- وہ بادشاہی رعب داب اور سیاسی معاملات نیز تورہ (چنگیز خاں کا وضع کردہ قانون) کے بارے میں معلومات رکھنے کے سلسلے میں اپنے تمام بھائیوں سے آگے تھا- امیر تیمور کا جد پنجم (۵) قراچار نویاں' چنگیز کے حسب الحکم چغتائی خاں کا امیر الامراء تھا'

چغتائی خاں کو سیر و شکار اور عیش و عشرت سے بے پناہ لگاؤ تھا- لہٰذا وہ انہیں مشاغل میں کھویا رہتا اس لئے قراچار نویاں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی تھیں' امور سلطنت کو پورا کرنا ملکی ضروریات کا خیال رکھنا اور چغتائی قبیلے کی نگہداشت اور نگرانی کرنا اسی کے فرائض میں شامل تھی-

جوجی خاں

جوجی خاں چنگیز کا سب سے بڑا بیٹا تھا وہ اپنے باپ کی ہدایت کے مطابق قبچاق' خوارزم خزر' بلغار' سقسین' آلان ماس' اوس اور شمالی حدود پر حکمرانی کرتا تھا- جوجی خاں اوکتائی قاآن اور چغتائی خاں اگرچہ ایک ہی ماں کے پیٹ سے تھے لیکن تینوں میں بڑی مخالفت تھی چغتائی اور اوکتائی' جوجی کے نسب پر طعن و تشنیع کیا کرتے تھے- ان کی ماں کا نام بوربیہ قوچین تھا اور یہ مصر کے بادشاہ کی بیٹی تھی' جوجی نے اپنے باپ کی وفات سے چھ مہینے پہلے ۶۳۴ھ کے شروع میں داعی اجل کو لبیک کہا-

قبچاق کا ساتواں حکمران' اوزبک خاں اسی جوجی خاں کی نسل سے ہے- یہ بادشاہ بہت ہی عادل و منصف مزاج اور خدا پرست مسلمان تھا- ساری قوم اوزبک اسی نیک دل بادشاہ سے منسوب ہے اور اسی نے قبچاق کے صحرا میں مذہب اسلام کی ترویج و اشاعت کی-

تولی خاں

چنگیز خاں کا سب سے چھوٹا اور عزیز ترین بیٹا تولی خاں تھا- وہ اپنے سب بھائیوں میں سب سے زیادہ حق گو تھا اور حق پسند تھا- اوکتائی قاآن کے عہد حکومت میں ملک خطا کے ہنگامے میں ۶۲۸ھ میں وہ مارا گیا- تولی خاں کا ایک بیٹا قبلا قاآن ملک خطا کا بادشاہ تھا- اس بادشاہ نے خان بالیغ نامی شہر آباد کیا اور ہندوستان کی مشہور بندرگاہ زیتون سے ایک بہت بڑی نہر نکالی یہ نہر چالیس روز کا راستہ طے کرکے خان بالیغ میں بہتی تھی- تولی خان کا دوسرا بیٹا ہلاکو خاں اپنے بھائی منکو قاآن کے حکم کے مطابق ایران کے سیاسی حالات کی طرف متوجہ ہوا-

چنگیز خاں کے قبیلے کے اس قدر حالات جان لینے کے بعد یہ معلوم کرنا بھی ضروری ہے کہ امیر تیمور کا سلسلہ نسب قراچار نویاں تک اس طرح پہنچتا ہے- امیر تیمور بن امیر طراغائی بن امیر برکل بن امیر ایلنگیز بہادر بن آنچل نویاں بن قراچار نویاں --- قراچار نویاں کا سلسلہ نسب الانقوا تک اس طرح پہنچتا ہے- قراچار نویاں بن سوغوچی بن امیر ایجل برلاس بن ایردی برلاس بن قاچولی بہادر بن تومنائی خاں بن بائیسنقر خاں بن قیدو خاں بن توشین بن بوقائی بن بوزنجیر بن الانقوا--- الانقو کی ماں بہرام چوبینہ کی بیٹی تھی- بہرام چوبینہ یلدوز کا نواسہ تھا- یلدوز کا تعلق قوم برلاس سے تھا- جیسا کہ کتابوں میں لکھا ہے چنگیز خاں کا سلسلہ بھی بوزنجیر تک پہنچتا ہے- امیر تیمور کے چار بیٹے تھے (۱) میرزا جہانگیر جو باپ کی زندگی میں سمرقند میں فوت ہوا (۲) میرزا شاہرخ حاکم ہرات (۳) میرزا عمر شیخ حاکم اندجان (۴) میرزا میراں شاہ حاکم تخت ہلاکو خاں-

تیمور کے ان چار بیٹوں کی وجہ سے چار مختلف تیموری خاندان قائم ہوئے- اور یہ چاروں بھائی اپنی موت کے وقت تک حکمرانی کرتے رہے- چنانچہ آج' جبکہ یہ کتاب لکھی جا رہی ہے' چوتھا خاندان میراں شاہیہ عنان حکومت سنبھالے ہوئے ہے- ہندوستان کابل' غزنی'

قندھار، غور اور بامیان میں اسی خاندان کی حکومت ہے۔

حوالہ جات

۱- حصار (شادماں) یہ جگہ سمرقند سے ڈیڑھ سو میل جنوب مشرق میں ہے۔

۲- فرغانہ ترکستان کا مشرقی حصہ ہے۔

۳- گوگان یہ امیر لوگوں کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور مغلوں میں زیادہ تر شاہی دامادوں کو اس لقب سے یاد کیا جاتا تھا امیر تیمور نے جب امیر قرغن کی بیٹی سے شادی کی تو یہ لقب اسے ملا۔

۴- یہ لفظ اصل میں دوزکندیا دوز کنت ہے۔ یہ جگہ اندجان کے مشرق میں واقع ہے اور اب اس کے پہاڑوں کو 'کوہستان فرغانہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۵- اخسی فرغانہ کا بہت مشہور شہر ہے۔ اندجان کی طرف واقع ہے۔

۶- صحیح نام ابراہیم سارو ہے۔

۷- صحیح نام اراتہ ہے۔ جو خجند اور زرفشاں (سمرقند) کے درمیان مشہور شہر تھا۔

۸- قشلاق اس چھاؤنی کو کہا جاتا ہے۔ جہاں سردی کا موسم گزارا جاتا ہے۔

۹- شیبانی خاں ازبک قوم کے مغلوں کا جو بحر ارال اور بحر خزر کے درمیان آباد ہو گئے تھے۔ ایک مشہور بادشاہ گزرا ہے جس نے خوارزم، ماوراء النہر اور فرغانہ خراساں وغیرہ ملک فتح کر لیے تھے (ملاحظہ ہو شیبانی خاں از محمد رحیم دہلوی)

۱۰- یہ مقام خجند اور تاشقند کے درمیان واقع تھا۔

۱۱- یہ مقام فرغانہ کے جنوب میں واقع ہے۔

۱۲- وہ مقام جہاں امراء گرمی کا موسم گزارتے ہیں۔

۱۳- یہ نام غلط ہے۔ مرغینان ہونا چاہیے۔

۱۴- اوش ایک مشہور قصبہ ہے جو اندجان کے جنوب میں چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

۱۵- بادورد فرغانہ کا کوئی قلعہ ہے جو اب لاپتہ ہے۔

۱۶- اس مقام کے بارے میں صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کہاں واقع ہے۔

۱۷- کش، حصار اور چغتانیاں، ماوراالنہر کے تینوں مشہور شہر ہیں۔

۱۸- صحیح نام "سرہ تاق" ہونا چاہیے، سرماق کتابت کی غلطی ہے۔

۱۹- یورت خاں سمرقند سے تین چار میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔

۲۰- سمرقند کے جنوب مغرب میں تقریباً اسی میل کے فاصلے پر قرشی اور خضار (خزار) واقع ہیں۔

۲۱- ماروزن مرو سے تقریباً ساٹھ میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں واقع ہے۔ جدید نقشوں میں "کارش گن" کے نام سے ہے۔

۲۲- [illegible]

۲۳- قشلاقات ہزارجات سے ہزارستان کے زیریں میدان مراد ہیں۔
۲۴- اویماقات' پہاڑی اضلاع کو کہتے ہیں۔
۲۵- مرغاب' افغانستان کے شمالی حصے خراسان میں ایک مشہور ندی اور قلعہ ہے۔
۲۶- فراہ' ہرات اور گرم سیر کے درمیان افغانستان کے مغربی علاقے کا نام ہے۔
۲۷- "بیادل" غلط ہے۔ شال یا شاول صحیح نام ہے جو کوئٹہ کا اصلی نام ہے۔
۲۸- سنگھار (شنگھر) ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے ساٹھ ستر میل مغرب میں قندہار کے راستے پر واقع ہے۔
۲۹- قراش یا قراس غلط ہے۔ قرشی ہونا چاہیے۔
۳۰- غجدوان' سمرقند سے تقریباً دو سو میل شمال مغرب میں مشہور تاریخی قلعہ ہے۔
۳۱- "شاہرخی" امیر تیمور کے جانشین شاہرخ مرزا کا نقرئی سکہ ہے۔
۳۲- تکہ۔ کوکاتر کی زبان میں رضاعی بھائی کو کہتے ہیں۔
۳۳- قلعہ "پربالہ" دوآبہ سندھ ساگر میں واقع تھا۔
۳۴- سید پور' لہور کا پرگنہ یا تعلقہ تھا۔
۳۵- سلطان علاؤ الدین لودھی' سلطان سکندر لودھی کا بھائی تھا اور سلطان ابراہیم لودھی اپنے بھتیجے کے مقابلے میں حکومت ہند کا دعویدار تھا۔
۳۶- کلانور ضلع گورداسپور میں مشہور مقام ہے۔
۳۷- بیر سرور غلط ہے۔ پسرور ضلع سیالکوٹ میں واقع ہے۔
۳۸- ملوٹ نام کا مشہور قلعہ ضلع ہوشیارپور تھا۔ جس کے کھنڈرات موجود ہیں۔ اسی نام کا ایک پہاڑی قلعہ ضلع جہلم میں واقع ہے۔
۳۹- کئی مستند تاریخوں کے بموجب یہ لڑائی ۸ رجب یوم جمعہ کو ہوئی تھی' بابر کی فتح کا باعث یہ تھا کہ اگرچہ اس کی فوج دشمن کی فوج کے آٹھویں حصے سے کم تھی۔ مگر اس کے پاس سات سو چھوٹی توپیں تھیں۔
۴۰- سلطان سکندر لودھی کے زمانے ہی سے آگرہ پایہ تخت بن گیا تھا۔
۴۱- "قول" فوج کے اس حصے کو کہا جاتا ہے۔ جو لشکر کے درمیان میں متعین ہو۔
۴۲- "جرانغار" دائیں طرف کی فوج کو کہا جاتا ہے۔
۴۳- "تولقمہ" لشکر کے اس حصے کو کہتے ہیں جو میمنہ یا میسرہ کے ساتھ اس مقصد کے لئے رکھا جاتا ہے کہ جب حریف جنگ میں مصروف ہو تو اس پر ایک پہلو سے یا پیچھے کی طرف سے حملہ کیا جا سکے۔
۴۴- "تواچی" اور "بیادل" نقیبوں اور چوبداروں کو کہا جاتا ہے۔
۴۵- بحر رمل مسدس مجنوں کا وزن یہ ہے۔ "فاعلاتن فاعلاتن فاعلات۔"

نصیرالدین ہمایوں

ہمایوں کی تخت نشینی

نصیرالدین ہمایوں اعلیٰ طبیعت اور عمدہ اخلاق کا فرمانروا تھا اسے عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے علاوہ علم ریاضی اور نجوم سے بڑی دلچسپی تھی اور وہ ان علوم میں اچھی خاصی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس نے عناصر اور آسمانوں کی مختلف صورتوں اور پردوں کے ساتھ کرہ ارض کا ایک نقشہ تیار کیا تھا۔ اس نقشے کے ہر حصے کو اس نے مناسب اور موزوں رنگوں سے رنگا تھا اور ہر آسمان کے ستاروں کو ان کی جگہ پر نصب کر دیا تھا۔ اسی طرح اس نے پورے ہفتے کے لئے سات محفلیں ترتیب دی تھیں۔ پہلی محفل میں جو چاند سے منسوب ہے' قاصدوں مسافروں اور پیغام بروں کا مجمع رہتا تھا۔ دوسری محفل عطارد سے منسوب تھی' اس میں مصنفین انشا پرداز اور اہل علم جمع رہتے تھے۔ اسی طرح سات رنگوں میں سے کسی ایک رنگ سے ہر محفل کو زینت بخشی جاتی تھی۔ اور ہر محفل میں حاضرین اسی محفل کے رنگ کے مطابق کپڑے پہن کر شریک محفل ہوتے تھے۔ بادشاہ کا دستور تھا کہ وہ ہر روز ایک محفل میں شرکت کرتا اور حاضرین سے گفتگو کرکے ان کی عزت افزائی کرتا اس بلند حوصلہ اور عالی ہمت بادشاہ کو ہم اپنی اس کتاب میں "جنت آشیانی" کے لقب سے یاد کریں گے۔ (۱)

الغرض بابر کی وفات کے بعد ہمایوں کے نام کا سکہ ملک میں جاری ہوا اور خطبہ پڑھا گیا۔ ہمایوں کا بھائی کامران مرزا بادشاہ کی پرسش احوال اور تخت نشینی کی مبارک باد دینے کے بہانے سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اس کا اصل مقصد پنجاب پر قبضہ کرنا تھا۔ ہمایوں کی صلح پسند طبیعت نے کامران کی اس بدنیتی کو بالکل نظر انداز کر دیا کامران' کابل اور قندھار کا حکمران تو پہلے ہی تھا۔ ہمایوں نے پنجاب' پشاور اور طغان کی حکومت کا فرمان حکمرانی بھی اس کے نام لکھ کر روانہ کر دیا۔ ہندال میرزا کو میوات کا اور عسکری میرزا کو سنبھل کا حکمران مقرر کیا گیا۔

قلعہ کالنجر پر حملہ

۹۱۸ھ میں ہمایوں نے کالنجر کے قلعے پر حملہ کرکے اس کا محاصرہ کر لیا۔ اسی زمانے میں سلطان سکندر لودھی کے بیٹے محمود خاں نے ببن افغان کی مدد سے اور اشتراک سے جونپور پر قبضہ کر رکھا تھا اور اس کے اطراف میں غارت گری و تباہی کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ یہ حالات دیکھ کر ہمایوں نے کالنجر کے قلعے کا محاصرہ اٹھا لیا اور راجہ کالنجر سے پیشکش وصول کرتا ہوا جونپور جا پہنچا۔ ہمایوں کے لشکر اور افغانوں کی فوج کے درمیان زبردست معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں افغانوں کو شکست ہوئی قدیم دستور کے مطابق ہمایوں نے یہاں کی حکومت جنید برلاس کے حوالے کی اور خود آگرہ واپس آ گیا۔

دار السلطنت میں واپس پہنچ کر ہمایوں نے ایک بہت بڑا جشن مسرت منعقد کیا۔ نظام الدین احمد بخشی کے بیان کے مطابق بارہ ہزار اشخاص کو مرصع اور جواہر نگار خلعت سے سرفراز کیا۔ جشن سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ہمایوں نے ایک ایلچی شیر خاں کے پاس روانہ کیا اور اس سے چنار کا قلعہ واپس طلب کیا۔ شیر خاں نے قلعہ واپس دینے سے انکار کیا یہ جواب پا کر ہمایوں نے اس علاقے کا سفر اختیار کیا۔ اس زمانے میں بہادر شاہ گجراتی نے بڑے ہنگامے پیدا کر رکھے تھے اور اس علاقے میں چاروں طرف فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا۔ اس لئے ہمایوں نے یہی مناسب سمجھا کہ قلعہ چنار شیر خاں کے قبضے ہی میں رہنے دیا جائے۔ بادشاہ نے مناسب شرائط پر شیر خاں سے صلح کر لی اور آگرے کی طرف واپس ہوا۔ ابھی وہ آگرے پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ شیر خاں نے ... بادشاہ کا

ملازم تھا، لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی، اور چنار کی طرف فرار ہو گیا۔ اسی زمانے میں سلطان حسین مرزا کے نواسے محمد زمان میرزا نے چغتائی امراء سے مل کر ہمایوں کو تخت سے اتار کر خود بادشاہت کرنے کی سازش کی۔ ہمایوں کو اس سازش کی اطلاع مل گئی۔ اس نے اس مرتبہ محمد زمان کی غداری کو معاف کر دیا اور اس سے قرآن شریف کا حلف لے کر آئندہ اس قسم کی غداری نہ کرنے کا وعدہ لے کر اسے چھوڑ دیا، لیکن اس سیاہ کار کو ہنگامہ اور فتنہ و فساد پیدا کرنا اپنے باپ سے ورثے میں ملا تھا۔ اس لیے محمد زمان کی فتنہ پرداز طبیعت نے اصلاح کو پسند نہ کیا اور تخریبی کاروائیاں شروع کر دیں۔ ہمایوں نے اس مرتبہ محمد زمان کو گرفتار کر کے یادگار بیگ چغتائی کے حوالے کر دیا اور اسے حکم دیا کہ محمد زمان کو قلعہ بیانہ میں قید کر دیا جائے۔

محمد سلطان اور نخوت سلطان دونوں سلطان حسین مرزا کے نواسے تھے۔ یہ دونوں نامی گرامی امیر اور مغل شہزادے تھے چونکہ انہوں نے محمد زمان کا ساتھ دیا تھا اور سازش میں اس کے شریک رہے تھے۔ اس لئے ان دونوں کی آنکھوں میں سلائی پھیر دینے کا حکم صادر ہوا۔ جس شخص کو اس کام پر مقرر کیا گیا تھا اس نے نخوت سلطان کو تو اندھا کر دیا، لیکن محمد سلطان کو اس نے کچھ نہ کہا۔ محمد زمان میرزا قلعہ بیانہ کے ملازمین کے ساتھ سازش کر کے قلعے سے نکل گیا اور گجرات کی طرف چلا گیا۔ محمد سلطان جو بناوٹی اندھا بنا ہوا تھا اس نے بھی قلعے والوں کے ایک گروہ کے ساتھ سازباز کر لی اور اپنے بیٹوں الغ میرزا اور شاہ میرزا کو ساتھ لے کر قنوج کی طرف بھاگ نکلا۔ محمد سلطان میرزا نے قنوج کے ایک چھوٹے سے حصے پر قبضہ کر لیا اور تقریباً پانچ چھ ہزار مغل اور راجپوت سپاہیوں کا سردار بن گیا۔ ہمایوں نے پہلے تو اپنا ایک آدمی بہادر شاہ کے پاس بھیجا اور محمد زمان میرزا کو طلب کیا۔ بہادر شاہ نے شاہی حکم کو بجالانے کی بجائے غرور کے نشے میں سرشار ہو کر ایسی باتیں کیں جن سے بادشاہ کی بے ادبی و توہین ہوتی تھی۔ ہمایوں نے ایسے بے ادب کو سزا دینا ضروری خیال کیا اور سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔

بہادر شاہ کی ہنگامہ خیزی

اسی زمانے میں بہادر شاہ نے چتوڑ کے قلعے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ حصار کا حاکم رانا بکرما جیت سے مدد کا خواہاں ہو کر اس کے دامن میں پناہ گزین ہوا۔ ہمایوں رانا کی مدد اور بہادر شاہ کی سرزنش کے لئے دہلی سے روانہ ہو گیا۔ جب وہ گوالیار پہنچا تو وہاں کچھ ایسے امور پیش آئے کہ اسے دو ہفتے تک گوالیار میں ٹھہر کر واپس آنا پڑا۔ رانا بکرماجیت جب ہمایوں کی مدد سے مایوس ہو گیا تو اس نے بہت سے تحفے تحائف اور تاج مرصع بہادر شاہ کو نذر کر کے قلعے کو محاصرے سے بچایا۔ شہر مندو اور چتوڑ کو فتح کرنے کے بعد بہادر شاہ اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی خیال کرنے اور محمد زمان میرزا کی عزت بھی بہت کرنے لگا۔ بہادر شاہ نے اپنی حکمت عملی سے سکندر لودھی کے بیٹے علاؤ الدین کی بھی بہت ہمت افزائی کی اور اسے دہلی فتح کرنے کے خواب دکھائے۔

ہمایوں نے تاتار خاں ولد علاؤ الدین کو چالیس ہزار افغانوں کا سردار بنا کر ان ممالک کو فتح اور تاراج کرنے کے لئے روانہ کیا۔ کچھ ہی دنوں میں بیانہ فتح کر لیا گیا اور اس شہر سے لے کر آگرہ تک سارا علاقہ افغانوں کے قبضے میں آ گیا۔ ہمایوں نے مغل امراء کی ایک جماعت کے ساتھ میرزا ہندال کو تاتار خاں کی سرزنش کے لئے روانہ کیا۔ مغل فوج کی آمد کی خبر سن کر دشمن کے لشکر کے بیشتر سپاہی تتر بتر ہو گئے۔ تاتار خاں کے لئے سوائے معرکہ آرائی کے اور کوئی چارہ کار نظر نہ آیا لہٰذا وہ مجبوراً دس ہزار لشکریوں کے ساتھ میرزا ہندال کے مقابلے پر آیا۔ دونوں میں جنگ ہوئی ہندال کو فتح ہوئی اور تاتار خاں میدان جنگ میں تین سو افغانوں کے ساتھ کام آیا۔ ہندال میرزا نے موقع پا کر بیانہ کو بھی فتح کر لیا اور کامیاب و کامران واپس آیا۔

چتوڑ کی فتح کا ارادہ

۹۴۰ھ میں بہادر شاہ نے دوبارہ چتوڑ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے لشکر کو اس مقصد کے لئے روانہ کیا۔ ہمایوں نے احتیاطی تدابیر کے

پیش نظر دریائے جمنا کے کنارے ایک نہایت ہی مضبوط اور مستحکم قلعہ تعمیر کروایا اور اسے "دین پناہ" کے نام سے موسوم کیا۔ اس قلعے کی تکمیل کے بعد ہمایوں نے اپنے معتمد امراء کو حاکم مقرر کیا اور خود سارنگ پور کی طرف روانہ ہوا۔ سارنگ پور بہادر شاہ گجراتی کے مقبوضات کا ایک حصہ تھا۔ ہمایوں نے ذیل کے دو اشعار منظوم کرکے بہادر شاہ کے پاس بھیجے۔

اے کہ ہستی غنیم شہر چتور کافراں راچہ طور می گیری
بادشا ہے رسید برسر تو تونشستہ چتور می گیری

بہادر شاہ نے بھی اسی انداز اور اسی لہجے میں جواب منظوم دیا۔

منکہ ہتم غنیم شہر چتور کافراں را بجور می گیرم
ہر کہ بکند حمایت چتور توبہ بیں کش چہ طور می گیرم

کہا جاتا ہے کہ بہادر شاہ نے یہ درشت جواب ہمایوں کو بھیجنے کے بعد اپنے اراکین حکومت سے لڑائی کے متعلق مشورہ کیا اکثر امراء نے یہ مشورہ دیا کہ ہمایوں ایک بہت بڑا فرماں روا ہے پہلے اس سے فراغت حاصل کر لی جائے تو بہتر ہو گا۔ چتور کو بعد میں دیکھا جائے لیکن بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ہمایوں بڑا مذہبی اور پابند شریعت انسان ہے وہ کافروں کی طرفداری کرنے کی بدنامی کبھی نہ لے گا اور غیر مسلموں کا ساتھ دے کر ہمارے مقابلے پر نہ آئے گا۔ اس سے بہتر یہی ہے کہ پہلے کافروں کے ساتھ معرکہ آرائی کی جائے اور جس قلعے کا محاصرہ ہم ایک عرصے سے کیے ہوئے ہیں اس کو جلد از جلد فتح کیا جائے۔ اس کو فتح کرنے کے بعد ہی کسی دوسرے کام میں ہاتھ ڈالنا مناسب ہو گا۔ بہادر شاہ نے اس رائے کو پسند کیا اور اہل قلعہ پر محاصرے کی سختیاں پہلے سے کہیں زیادہ کر دیں۔ ہمایوں کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اس نے سارنگ پور میں بہادر شاہ کے قلعے کو فتح کرنے تک توقف کیا۔

بہادر شاہ اور ہمایوں میں جنگ

بہادر شاہ کے برے دن آچکے تھے اس نے کسی طرح بھی اپنے کو جھکنے پر آمادہ نہ کیا اور ہمایوں جیسے عظیم المرتبت بادشاہ سے جنگ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ۹۴۱ھ میں اس نے ہمایوں کے لشکر کی طرف رخ کیا اور اپنے آپ کو متعدد مشکلات اور مصائب میں گرفتار کیا۔ ہمایوں بہادر شاہ پر ہر طرح کے احسانات کر چکا تھا اسے بہادر شاہ کی طرف سے ایسی بے مروتی اور احسان ناشناسی کا گمان بھی نہ تھا۔ ہمایوں کو بہت غصہ آیا وہ اس بے وفا بہادر شاہ کی سرزنش کے لئے آگے بڑھا۔ مندرسور کے نواحی علاقے میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ بہادر شاہ نے ایک بہت بڑا توپ خانہ جمع کر لیا تھا اس نے اپنے توپ خانہ کے سردار رومی خاں کی مدد سے اپنے لشکر کے اردگرد خندق کھدوا کر اس میں بارود بھر دیا تھا۔ بہادر شاہ اپنی اس قوت پر بے حد نازاں تھا دو مہینے تک ہر روز چغتائی لشکر سے کچھ نہ کچھ چھیڑ چھاڑ کرتا رہا۔ بہادر شاہ یہ چاہتا تھا کہ وہ کسی نہ کسی طرح چغتائی فوج کو اپنے توپ خانے کی زد پر لا کر تباہ و برباد کر دے۔ ہمایوں بہادر شاہ کے اس ارادے سے پوری طرح باخبر تھا اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ توپ خانوں کے سامنے نہ جائیں۔

اس کے علاوہ ہمایوں نے پانچ چھ ہزار تیر انداز سپاہیوں کو گجرات کے آس پاس کے علاقوں میں تباہی و بربادی پر متعین کر رکھا تھا۔ یہ لوگ بہادر شاہ کی فوج تک غلہ اور چارہ وغیرہ نہ پہنچنے دیتے تھے۔ اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہادر شاہ کے لشکر میں زبردست قحط پڑ گیا گھوڑے' اونٹ' ہاتھی اور انسان' غرض سبھی بھوک کی وجہ سے مرنے لگے۔ بہادر شاہ پر پوری طرح ظاہر ہو گیا کہ اس جگہ زیادہ دیر ٹھہرنا اب موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ایک رات پانچ سو آدمیوں کے ساتھ بہادر شاہ ہمایوں بادشاہ کے خیمے کے پیچھے سے ہو کر شاہ آباد اور مندو کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے ساتھ برہان پور کا حاکم مبارک شاہ فاروقی اور مالوہ کا حاکم قادر شاہ بھی تھا۔ جب گجراتی لشکر کو

پیچھا کیا۔ جو بھی گجراتی سپاہی ملا چغتائی تلوار سے بچ نہ سکا۔ بہادر شاہ نے قلعہ مندو میں پناہ لی۔ ہمایوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور ایک عرصے تک محاصرہ جاری رکھا۔ ہمایوں نے مورچل تقسیم کرکے محاصرے کی تنظیم کی کچھ دنوں کے بعد تین سو مغل ایک رات قلعے کی دیواروں پر چڑھ گئے گجراتیوں پر مغلوں کا خوف اس طرح چھایا ہوا تھا کہ بغیر یہ جانے ہوئے کہ کتنے مغل سپاہی قلعے میں داخل ہوئے ہیں۔ گجراتی ان کی صورت دیکھتے ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ بہادر شاہ بھی خواب غفلت سے بیدار ہوا اور بگڑی ہوئی حالت دیکھ کر خود بھی بھاگ نکلا۔ پانچ یا چھ ہزار سواروں کے ساتھ جاپانیر جو گجرات کا دار الخلافہ تھا کا رخ کیا۔ صدر جہاں بادشاہ کا امیر الامراء اور اپنے وقت کا فاضل اثنائے تعاقب میں زخمی ہو چکا تھا اس لئے وہ بھاگ نہ سکا اور حصار سے باہر نکل کر قلعہ بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ ہمایوں تعاقب کے دوران میں اس فاضل امیر کی شجاعت اور بہادری دیکھ چکا تھا۔ بادشاہ نے صدر جہاں کو اپنے خاص مقربوں میں شامل کرکے اسے نوازا۔

گجراتیوں پر حملہ

صدر جہاں کا بیان ہے کہ جس وقت ہمایوں بہادر شاہ کا تعاقب کر رہا تھا اور سیلاب کی طرح بڑھتا جا رہا تھا اسے بہادر شاہ کی فوج نظر آئی۔ ہمایوں نے اپنے بہادر سپاہیوں کے ساتھ گجراتیوں پر حملہ کر دیا۔ صدر جہاں نے بہادر شاہ کی ڈھال بن کر ایسی ہمت اور استقلال سے کام لیا کہ اس کا آقا صحیح و سلامت میدان جنگ سے بچ کر نکلا۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس مقابلے میں ہمایوں نے خود بھی صدر جہاں سے مقابلہ کیا اور اسے زخمی کرکے سامنے سے بھگا دیا۔

بہادر شاہ کا تعاقب

ہمایوں نے مندو کے بلند قلعے کو اپنے ساتھیوں کے سپرد کیا اور تیسرے دن بہادر شاہ کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ بہادر شاہ جس قدر مال و دولت جاپانیر سے لا سکا محمد آباد کے قلعے میں لے آیا۔ پھر وہاں سے احمد آباد کی طرف بھاگ نکلا۔ بادشاہ نے جاپانیر کو تاخت و تاراج کرکے قلعہ محمد آباد کا محاصرہ خواجہ برلاس کے سپرد کیا پھر احمد آباد کا رخ کیا۔ بہادر شاہ ہمایوں کے تعاقب کی خبر سن کر کھمبایت پہنچ گیا' بادشاہ نے بھی ادھر کا رخ کیا۔

بہادر شاہ یہ خبریں سن کر بے حد مضطرب ہوا اور جزیرہ دیو میں جا کر پناہ لی ہمایوں نے بھی اپنا رخ بدل لیا۔ جس دن بہادر شاہ فرار ہوا اسی دن کمبایت جا پہنچا۔ وہاں دو دن قیام کیا۔ وہاں سے یہ معلوم کرکے کہ گجراتیوں کا سب مال و دولت اور خزانہ قلعہ جاپانیر میں ہے پھر اسی طرف رخ کیا۔ وہاں پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے کے گجراتی حاکم اختیار خاں نے بڑی ہوشیاری سے حفاظت کی اور دشمن کا مقابلہ کیا۔ باوجود اس کے کہ قلعے میں اس قدر سامان تھا کہ برسوں کے لئے کافی ہوتا پھر بھی قلعے کے ایک طرف سے جنگل کے راستے گرد و نواح کے زمینداروں کی مدد سے روشن' غلہ اور چارہ طنابوں کے ذریعے قلعے میں منگواتا رہا۔ ایک دن ہمایوں قلعے کے گرد پھر رہا تھا کہ ایک جماعت نظر آئی جو جنگل سے قلعے کی طرف آ رہی تھی' یہ لوگ فوجی سپاہیوں کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے اور جنگل میں روپوش ہو گئے۔ بادشاہ نے سپاہیوں کو ان کی تلاش میں روانہ کیا۔ سپاہی چند آدمیوں کو گرفتار کر لائے قلعہ دار کا راز فاش ہو گیا۔ بادشاہ نے بذات خود اس مقام کو دیکھا جہاں سے غلہ قلعے کے اندر کھینچا جاتا تھا۔ ہمایوں اس مقام کا اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد خوب سوچ سمجھ کر لشکر کو واپس لے آیا۔

قلعے پر قبضہ

بادشاہ نے بیشمار فولادی میخیں تیار کرائیں۔ مہینے کی چودھویں رات کو قلعے پر ہر طرف سے حملہ کیا۔ خود تین سو سواروں کے ساتھ اس جگہ پر گیا۔ فولادی میخیں پہاڑ میں مضبوطی سے گڑوائیں اہل قلعہ اس طرف سے بالکل مطمئن تھے۔ ہمایوں کی تدبیروں سے قطعاً آگاہ نہ ہو سکے جب سب کچھ مکمل ہو گیا تو سب سے پہلے انتالیس آدمی جن میں سب سے آخری جانباز بیرم خاں تھا قلعے کے اوپر چڑھے اس کے بعد بادشاہ بھی سوار ہوا۔ صبح تک تین سو سوار قلعے کے اوپر پہنچ چکے تھے۔ ان سواروں کے قلعے پر پہنچتے ہی فوج نے ہر طرف سے حملہ کیا۔

ہمایوں کی فطری بہادری کی مثال مشکل سے دوسرے فرمانرواؤں کے کارناموں میں ملتی ہے۔ بہ آواز بلند تکبیر کہی اور قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ ایسے مضبوط اور سربفلک قلعہ کو آسانی کے ساتھ دیکھتے ہی دیکھتے فتح کر لیا اور یہ فتح ایک یادگار بن گئی۔ اختیار خاں اور اس کے متعلقین کو چھوڑ کر جو قلعہ ارک موسوم بہ مویسہ میں آ گئے تھے باقی سب اہل قلعہ قتل ہو گئے۔ اختیار خاں بھی ہمت ہار بیٹھا جان کی امان مانگ کر قلعے سے باہر آیا۔ اختیار خاں گجراتیوں میں علم و فضل کی وجہ سے ممتاز تھا لہٰذا ہمایوں نے اس کی سرپرستی کی اور اپنے خاص حلقے میں شامل کر لیا۔ گجرات کے شاہوں کا خزانہ جو کئی سالوں سے جمع تھا چغتائیوں کے قبضے میں آ گیا۔ تمام رومی، فرنگی، خطائی اور ہندی کپڑے اور مال و دولت جو خزانہ میں اکٹھا تھا، لوٹا گیا۔ بہادر شاہ بندر دیو میں پہنچا اس نے چنگیز خاں مقتول کے باپ عماد الملک چرکس کو مالیہ اور دوسرے محصول وصول کرنے کے لئے اور لشکر جمع کرنے کو احمد آباد روانہ کیا۔ عماد الملک نے کچھ قیام کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں پچاس ہزار سپاہی اکٹھے کر لیے، مالگزاری بھی وصول کرنا شروع کی۔ دن بدن قوت میں اضافہ ہونے لگا۔

احمد آباد پر قبضہ

ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہمایوں نے قلعہ چاپانیر اور گرد و نواح کا انتظام تردی بیگ مغل کے سپرد کیا۔ اور خود احمد آباد روانہ ہو گیا۔ قلعہ محمود آباد کے گرد و نواح میں چغتائی لشکر کے مقدمۃ الجیش مرزا عسکری اور عماد الملک میں آمنا سامنا ہوا۔ عماد الملک کو شکست ہوئی۔ بادشاہ احمد آباد جیسے خوبصورت شہر میں داخل ہوا۔ احمد آباد کی حکومت مرزا عسکری کو عطا کی۔ گجرات کو امیروں کی جاگیر میں تقسیم کیا۔

برہان پور کو روانگی

گجرات کے بعد ہمایوں برہان پور فتح کرنے کے لئے آگے روانہ ہوا۔ برہان نظام شاہ اور عماد شاہ وغیرہ دکن کے حاکموں نے پریشان ہو کر بادشاہ کے حضور میں عریضے روانہ کیے اور بادشاہ سے درخواست کی کہ ان کا علاقہ چغتائی سواروں کی آماجگاہ نہ بنے۔ ان حاکموں کے عریضے ابھی پہنچے بھی نہ تھے کہ شیر شاہ کی بغاوت کی خبریں ملیں۔ بادشاہ برہان پور کے قریب پہنچا اس علاقے پر قبضہ کر لیا اسی دوران میں "حبیب السیر" کتاب کا مولف جو بادشاہ کے ہمراہ تھا۔ اسہال کی وجہ سے انتقال کر گیا اس کی وصیت کے مطابق لاش دہلی لائی گئی اور حضرت نظام الدین محبوب الٰہی اور حضرت امیر خسرو کے قریب دفن کی گئی۔

عماد الملک اور دوسرے امیروں نے دوسری مرتبہ لشکر تیار کیا اور پھر احمد آباد روانہ ہوئے۔ یادگار ناصر مرزا پٹن کا حاکم اور قاسم حسین سلطان حاکم بھروچ کنہ اور قوم کے سلاطین میں سے تھے۔ یہ دشمن کے غلبے کی وجہ سے تنگ آ کر عسکری مرزا کے پاس آ گئے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ ایک رات عسکری مرزا شراب کے نشے میں مست تھا اس نے اسی حالت میں یہ جملہ کہہ دیا کہ "ہم بادشاہ ظل اللہ ہیں" مہدی قاسم خاں کے بھائی غضنفر میرزا کے کوکہ نے آہستہ سے کہا کہ ہاں مگر خود نہیں ہو" حاضرین اس جملے پر ہنس پڑے۔ میرزا نے اپنے جلیسوں کو ہنستے دیکھ کر غضنفر کوکہ کو نظربند کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد کوکہ رہائی حاصل کر کے بادشاہ کے پاس جزیرہ دیو چلا گیا۔ اس نے بہادر شاہ کو احمد آباد پر حملہ کرنے کی ترغیب دی اور بتایا کہ میں مغلوں سے واقف ہوں وہ مشورے کر رہے ہیں اور طے کر لیا ہے کہ دشمن کا حملہ ہوتے ہی شہر سے بھاگ جائیں گے اب وہ صرف بہانہ ڈھونڈ رہے ہیں۔ تم مجھے قید میں رکھو اور مغلوں پر حملہ کر دو اگر وہ میری بات کے مطابق فرار ہونے کی بجائے مقابلے میں آ گئے تو تم مجھے سزا دینا۔"

بہادر شاہ نے سورت کے زمینداروں سے مل کر اچھی خاصی جمعیت تیار کر لی پھر احمد آباد کا رخ کیا۔ اسی زمانے میں امیر ہندو بیگ نے میرزا عسکری سے کہا کہ ملک میں خطبہ اور سکہ اپنے نام کا جاری کرو اور خود مختاری کا اعلان کر دو۔ تمام فوجی جو کسی نہ کسی کرم اور نوازش کے امیدوار ہیں اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ گو یہ بات میرزا عسکری کے دل کو بھائی لیکن اس وقت میرزا نے پسند نہ کیا بلکہ مشیر کو برا بھلا کہا۔ میرزا اپنے ...

سے میرزا کے لشکر میں ایک توپ چل گئی جس کی وجہ سے بہادر شاہ کی بارگاہ سرنگوں ہو گئی۔ بہادر شاہ کو بہت غصہ آیا اس نے غضنفر کو کہ کو سزا دینے کے لئے سامنے طلب کیا۔ غضنفر نے التجا کی کہ صف آرائی تک میری جان بخشی کی جائے مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میرزا آج ہی رات یہاں سے فرار ہو جائے گا۔ رات کی تاریکی اچھی طرح چھا گئی میرزا نے قلعہ جاپانیر کا اس ارادے سے رخ کیا تاکہ وہاں کے شاہی خزانے پر قبضہ کرکے گجرات میں اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر سکے۔ گجرات کے سابق حاکم بہادر شاہ نے دو تین روز تک عسکری میرزا کا تعاقب کیا اور پھر واپس لوٹ آیا۔ اس کے بھتیجے تردی بیگ کو عسکری میرزا کے ارادوں کا پتہ چلا۔ تردی بیگ نے عسکری میرزا کے مقابلے کرکے اس کو اس مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ عسکری میرزا مایوس ہو کر آگرہ روانہ ہوا اور سامان جنگ و لشکر فراہم کرنے لگا۔

ہمایوں نے اس خیال کے تحت کہ عسکری میرزا آگرہ پہنچ کر بڑا فتنہ نہ کھڑا کر دے۔ مندو کے انتظام سے دستبردار ہو کر آگرہ کا رخ کیا۔

عسکری میرزا نے جب دیکھا کہ بادشاہ ادھر ہی آ رہا ہے تو وہ اپنی نفسانی لغزشوں اور شیطانی منصوبوں پر نادم ہو کر یادگار ناصر مرزا اور قاسم حسین سلطان و دیگر امراء کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یوں عرض کی کہ وہ گجرات کا انتظام کرنے سے قاصر رہا اس لئے جان بچا کر آگرہ چلا آیا۔ ہمایوں نے چشم پوشی کرتے ہوئے کچھ نہ کہا۔ تردی بیگ نے بہادر شاہ سے صلح کر لی اور جاپانیر کا قلعہ اس کے سپرد کر دیا۔ پھر خود بادشاہ کے پاس چلا آیا۔ مالوہ اور گجرات کے علاقہ جات جو ہزار دقتوں اور پریشانیوں کے بعد قبضے میں آئے تھے ہاتھ سے جاتے رہے۔ سلطان کی عظمت میں بھی فرق آ گیا۔ ان ایام میں افیون کے زیادہ استعمال کی وجہ سے بادشاہ کی خلوت نشینی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ اور دربار میں بیٹھنا کم ہو گیا بادشاہ کو اس حالت میں دیکھ کر تاک میں لگے ہوئے دشمنوں نے سر اٹھایا اس دوران میں سلطان جنید برلاس حاکم جونپور نے انتقال کیا یہ مقتدر امیر تھا۔ تمام مشرق کے افغانوں کو تلوار سے اور حسن تدبیر سے جیسا موقع ہوتا دبا دیتا۔ جنید برلاس نے ۹۴۳ھ میں رحلت کی۔

شیر خاں

شیر خاں نے (جو شرقی افغانوں کا سرغنہ تھا) بڑی شان و شوکت پیدا کر لی اور بے حد شوخیاں کرنے لگا۔ ہمایوں نے اس کی تنبیہہ کے لئے خود سفر کرنے کا ارادہ کیا۔ ۱۸ صفر ۹۴۴ھ میں اس نے جون پور کا رخ کیا ان دنوں شیر خاں بنگال گیا ہوا تھا۔ ہمایوں نے چنار کے قلعے کے پاس قیام کرکے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ غازی خاں سور' قلعے کے ضابطہ دار نے بادشاہ کی مدافعت کی پورے چھ مہینے تک محاصرہ جاری رہا بہت سے سپاہی مارے گئے۔ ہمایوں نے رومی خاں کو منتخب کرکے چنار کی مہم اس کے سپرد کی۔ رومی خاں بہادر شاہ گجراتی سے جدا ہو کر ہمایوں کی خدمت میں آیا تھا اس نے قلعہ کی اطراف کا معائنہ کیا۔ معلوم ہوا کہ تین اطراف سے قلعہ خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ ان ہی اطراف سے یہ اس قدر زیادہ مضبوط ہے کہ مقصد کسی طرح بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ چوتھی سمت دریائے گنگا کا ساحل تھا۔ رومی خاں نے اس سمت کو پسند کیا ایک بڑی کشتی بنوائی اس پر سرکوب اٹھانا شروع کیا۔ جب یہ کشتی بوجھ نہ اٹھا سکی تو اس کے ادھر ادھر اور دوسری کشتیاں باندھ دیں اور سرکوب کو اور زیادہ بلند کیا جب بوجھ زیادہ ہوا تو اسی طرح دوسری کشتیوں کا اضافہ کرتا گیا یہاں تک کہ سرکوب کو قلعہ کی دیوار سے ملا دیا اس تدبیر سے قلعے کو آسانی سے فتح کر لیا۔ بادشاہ نے رومی خاں کو اس کے صلے میں بے حد نوازا۔

بنگال کا رخ

اسی دوران میں سلطان محمود حاکم بنگالہ' جلال خاں ولد شیر خاں کے مقابلے میں میدان جنگ سے زخمی ہو کر بھاگا اور بادشاہ کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے ہمایوں سے بنگالہ پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ سلطان محمود نے عاجزانہ طور پر اس قدر اصرار کیا کہ ہمایوں نے ۹۴۵ھ کے شروع میں بنگالے کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس طرف کا رخ کیا۔ شیر خاں کو اس کی اطلاعات ملیں اس نے اپنے بیٹے جلال خاں کو جو خواص خاص کے ساتھ گڑھی کی حفاظت کے لئے روانہ کیا۔ یہ گڑھی بنگال کے راستے میں ہے جو مملکت بنگالہ اور بہار کے درمیان ایک

مضبوط مقام ہے۔ گڑھی کے ایک طرف بلند پہاڑ ہے جس میں نہایت گنجان اور خطرناک جنگل ہے۔ دوسری طرف گنگا بہتی ہے جس کے پاس اترنا نہایت مشکل ہے۔ ہمایوں نے راستہ ہی میں جہانگیر بیگ مغل کو گڑھی کی مہم پر اور ہندال میرزا کو محمد سلطان اور اس کے بیٹوں کے فتنوں کو دبانے کے لئے روانہ کیا۔ جب جہانگیر بیگ گڑھی پہنچا اسی دن جلال خاں اور خواص خاں اس کے سر پر پہنچ گئے۔ جہانگیر بیگ زخمی اور پریشان وخستہ حال شاہی لشکر میں آکر پناہ گزیں ہوا۔ بادشاہ خود فوراً گڑھی پہنچ گیا۔

جلال خاں و خواص خاں حملے کی تاب نہ لا کر کور کی طرف چلے گئے۔ ہمایوں اطمینان کے ساتھ گڑھی سے گزر گیا شیر خاں نے جب یہ سنا تو بہت پریشان ہوا۔ وہ شاہان کو روبنگالہ کا وہ خزانہ جو حال ہی میں اسے ملا تھا اپنے ساتھ لے کر جھار کھندہ کے پہاڑوں کی طرف چلا۔ ہمایوں بنگال کے دار الخلافے کور میں داخل ہوا۔ فتح کے بعد اس کے غیر دلکش نام کو بدل کر جنت آباد رکھا۔ بادشاہ نے یہاں تین ماہ تک قیام کیا یہاں کی خراب آب و ہوا، اور سفر کی تکان کی وجہ سے بہت سے گھوڑے اور اونٹ ضائع ہو گئے۔ سپاہی بھی تندرست نہ رہے غرضیکہ عجیب حالت رونما ہوئی۔

انہی ایام میں ہندال میرزا نے محمد سلطان میرزا کی مہم سے علیحدگی اختیار کی اور سیدھا آگرہ پہنچا۔ ہندال میرزا کھلم کھلا مخالفت پر اتر آیا۔ شیخ بہلول ہمایوں کے پیر و مرشد تھے۔ انہیں یہ بہانہ بنا کر کہ وہ افغانوں سے ملے ہوئے ہیں تہہ تیغ کیا سب سے پہلے یہی کام کیا۔ پھر آگرہ میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا پھر دہلی کو فتح کرنے کے ارادے سے دہلی کا محاصرہ کر لیا۔

بادشاہ کو ہندال کے تکلیف دہ رویے سے بڑا صدمہ اور پریشانی ہوئی۔ بنگالے کی مہم دو مشہور مغل امیروں جہانگیر بیگ اور ابراہیم بیگ کے سپرد کر کے بادشاہ خود آگرے روانہ ہوا۔ راستے میں محمد زمان میرزا جو بہادر شاہ گجراتی کے اشارے سے سندھ اور لاہور ہو کر واپس گجرات جا رہا تھا بادشاہ سے معافی کا خواستگار ہوا۔ محمد زمان میرزا کا قصور معاف کر دیا گیا۔

کامران میرزا کا خواب حکمرانی

شیر شاہ افغان ہندال میرزا کی مخالفت اور چغتائی لشکر کی بے سرو سامانی سے باخبر ہو کر ایک لشکر جرار کے ساتھ رہتاس سے روانہ ہوا۔ شاہی لشکر چوسا پہنچا شیر شاہ پورے تین مہینے تک بادشاہ کے مقابلے میں خیمہ زن رہا اور راستہ روکے یا اس دوران میں وہ جو نقصان پہنچا سکتا تھا پہنچاتا رہا اور ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کیں۔ کامران میرزا بادشاہ کو اس مصیبت میں گھرا دیکھ کر دہلی کی حکومت کرنے کا خواب دیکھنے لگا لہٰذا ہمایوں کی مدد کا بہانہ کر کے دس ہزار سواروں کے ہمراہ تیزی سے راستہ طے کرتا ہوا دہلی جا پہنچا ہندال میرزا جو پہلے سے وہیں تھا اور محاصرہ کیے ہوئے تھا اس سے مل گیا۔ کامران میرزا نے بھی شہر کا محاصرہ کر لیا۔ فخر الدین کوتوال قلعے سے باہر کامران میرزا کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ میں اپنے آقا سے نمک حرامی نہیں کروں گا بہتر یہ ہے کہ آپ پہلے سلطنت مغلیہ کے دار الخلافہ آگرہ کو فتح کریں۔ دہلی اس طرح خود بخود آپ کے قبضے میں آجائے گی۔ ہندال میرزا کو کوتوال کی یہ بات پسند آگئی لہٰذا وہ کامران میرزا کو ساتھ لے کر آگرہ روانہ ہو گیا۔ آگرہ کے قریب پہنچ کر کسی طرح دونوں بھائیوں میں اختلاف ہو گیا۔ ہندال میرزا پانچ ہزار سپاہیوں اور تین سو ہاتھیوں کو لے کر الور چلا گیا۔ کامران میرزا نے آگرے میں آکر اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اس سے ہمایوں کی پریشانی بڑھی۔ اس نے اپنے بھائیوں کے نام کئی دفعہ اس مضمون کے خطوط لکھے کہ "اس فتنے کا بانی شیر خاں پوری قوت اور بے حد ساز و سامان کے ساتھ مقابلے میں ڈٹا ہوا ہے اور حالت خراب ہو رہی ہے لہٰذا اس وقت یہ ضروری ہے کہ ہم سب بھائی مل کر شیر خان کو بھگائیں تاکہ ہندوستان کی حکومت جسے ہمارے باپ نے انتہائی مصیبتوں اور مشکلات سے حاصل کیا تھا اس طرح ضائع نہ ہو اور چغتائی خاندان کی تباہی نہ ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ دشمن کو چلنے کے بعد ہندوستان کی حکومت ہم آپس میں تقسیم کر لیں گے اور میں تم بھائیوں کی مرضی کے خلاف ہرگز کچھ نہ کروں گا۔" ہمایوں کی باتیں بدنصیب میرزا اور ...

کی نوید ہو گا- ہمایوں کا قدم درمیان سے اٹھنے کے بعد ہم شیر شاہ کو آسانی کے ساتھ پامال کر لیں گے اور پھر دونوں بھائی اطمینان اور سکون کے ساتھ پورے ہندوستان پر حکومت کریں گے-

صلح کی گفتگو

اس دوران میں شیر شاہ نے اپنے پیرو مرشد خلیل درویش کو فریب دے کر بادشاہ کی خدمت میں صلح کی درخواست دے کر بھیجا- ہمایوں نے وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اس شرط پر صلح کر لی کہ رہتاس اور بنگالے پر شیر شاہ کا قبضہ رہے گا اس سے زیادہ کی وہ ہوس نہیں کرے گا- ساتھ ہی یہ بھی شرط ہو گی کہ شیر شاہی مقبوضات میں خطبہ و سکہ ہمایوں کا جاری رہے گا- شیر شاہ نے ان شرطوں کو مان لیا اس نے کلام اللہ ہاتھ میں لے کر قسم کھائی کہ وہ ہمیشہ ان شرطوں پر کاربند رہے گا اور اس عہد کو نہیں توڑے گا اس عہد و پیمان کے بعد مغل سپاہ میں اطمینان و سکون ہو گیا-

بد عہدی

دوسرے دن ۹۴۶ھ میں شیر خاں نے مغل لشکر پر یکبارگی حملہ کر دیا- شاہی لشکر کو صف آرائی کی بھی مہلت نہ ملی افغان فوج چاروں طرف سے حملہ آور ہوئی- شیر خاں نے دریا کے تمام گھاٹ جہاں جہاں کشتیاں لنگر انداز تھیں بالکل بند کر دیئے- اس پریشانی کے عالم میں ہر شخص بلا امتیاز و لحاظ افغان فوجوں کے تعاقب سے بدحواس ہو کر دریائے گنگا پر پہنچا اور بے اختیار پانی میں کود گیا- روایت کے مطابق ہندوستانیوں کے علاوہ سات یا آٹھ ہزار مغل سپاہی دریا میں غرق ہو گئے ان میں محمد زمان میرزا بھی شامل تھا دریا میدان قیامت کا نقشہ بنا ہوا تھا- بادشاہ بھی پانی میں کود پڑا اور ایک شخص نظام سقہ کی مدد سے بڑی مشکل سے ساحل پر پہنچا اور اس مصیبت سے نجات پائی' ہمایوں نے اس سقے سے وعدہ فرمایا کہ آگرہ پہنچ کر آدھے دن کی بادشاہت عطا کروں گا- ہمایوں نے اپنے قول کو پورا کیا- نظام نے آدھے ہی روز میں بادشاہی کر کے اپنی قوم کو دولت سے مالا مال کر دیا- غرضیکہ جن سپاہیوں کی زندگی باقی تھی- وہ کسی نہ کسی طرح دریا پار کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے- ہمایوں بچے کھچے لشکر کے ساتھ آگرہ روانہ ہوا- کامران میرزا یہ جانکر کہ ہمایوں آگرہ کے قریب پہنچ چکا ہے ہندال میرزا کے پاس الور چلا گیا- افغانوں کے غلبے کی وجہ سے ان دونوں بھائیوں کو الور کے گرد و نواح میں چین و سکون سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوا- یہ دونوں اپنی خطاؤں سے نادم اور پشیمان ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے- جہانگیر بیگ اور ابراہیم بیگ بھی بنگالے سے آ گئے- باغی محمد سلطان میرزا مع اپنے بیٹوں کے قنوج سے پہنچ گیا یہ سب اپنے اپنے علاقے دشمن کے حوالے کر کے مفلس اور قلاش ہو کر آئے ان سب کے پہنچنے پر مشورہ شروع ہوا-

کامران میرزا کی طبیعت ابھی تک راستی پر نہ تھی اور ابھی تک اس کا دل نفاق سے سیاہ اور غبار آلودہ تھا مجلس کا انعقاد بھی بے فائدہ ثابت ہوا- کامران مرزا دشمنی اور غداری پر تلا بیٹھا تھا اور تہیہ کیے ہوئے تھا اس نے اپنی ساری کوشش اس پر صرف کر دی کہ بادشاہ اسے لاہور جانے کی اجازت دے دے- خواجہ کلاں بیگ چغتائی فوج کا بہترین افسر ہمایوں سے رخصت لے کر کابل چلا گیا تھا- اور پھر کامران میرزا کے ہمراہ ہندوستان آ چکا تھا- بار بار یہ کہتا تھا کہ اگر ہم مل کر شیر خاں افغان کو زیر نہ کریں گے تو اس دفعہ اس کے ہاتھوں سب کو نقصان پہنچے گا- بادشاہ کی یہ بات بھی کارگر نہ ہوئی اور اسی حیل و حجت میں چھ مہینے گزر گئے-

کچھ عرصے کے بعد کامران میرزا بد پرہیزی اور کھانے پینے کی بداحتیاطی کی وجہ سے اچانک بیمار ہو گیا مرض نے سوء القینہ کی صورت اختیار کر لی- کامران اپنی بدنیتی کی وجہ سے یہ سمجھا کہ ہمایوں کے اشارے سے اسے زہر دیا گیا ہے اور اسی زہر نے اسے بیمار کر دیا ہے اسی وہم میں کامران واپسی پر اور زیادہ مصر ہوا- ہمایوں نے مجبور ہو کر اس شرط پر منظور کر لیا کہ میرزا تنہا لاہور جائے گا اس کی فوج کا بہترین حصہ بادشاہ کی مدد کے لئے آگرہ ہی میں رہے گا- کامران مرزا نے یہ بہانہ کر کے خواجہ کلاں بیگ کو اپنے جانے سے پہلے ہی روانہ کر دیا کہ

وہ اپنی جاگیر سے اس مہم کے اخراجات کا بندوبست کرے گا۔ ساتھ ہی اپنی فوج کا بیشتر حصہ اس بہانے سے کہ یہ خواجہ کلاں بیگ کے ملازم ہیں علیحدہ کر لیا۔ ایک ہزار سپاہیوں کو سکندر سلطان کی ماتحتی میں دے کر آگرہ چھوڑ کر کچھ دنوں بعد لاہور روانہ ہو گیا۔ اس کو تاہ اندیش شہزادے نے ایسے نازک وقت میں فوج میں اس قدر بے چینی پھیلا دی کہ ہمایوں کے اکثر سپاہی جو افغانوں کے خوف سے سہمے ہوئے تھے کامران میرزا کے ساتھ چلے گئے میرزا کامران کے ملازموں سے میرزا صدر دوغلات نے ہمایوں کی ملازمت اختیار کر لی اور شاہی مقرب بن گیا۔ میرزا صدر بیشتر مہموں میں اعلیٰ افسر رہا۔

شیر خاں کو جب بھائیوں کے نفاق اور نااتفاقی کا پتہ چلا تو فوراً ایک جرار لشکر لے کر دریائے گنگا کے کنارے خیمہ زن ہو گیا۔ اپنے بیٹے قطب خاں کو بہت بڑی فوج دے کر گنگا کے پار اتار دیا اس طرح اس طرف کے ساحلی شہر بھی اس کے قبضے میں آ گئے۔ ہمایوں نے یہ اطلاعات سن کر قاسم حسین کو یادگار ناصر میرزا اور سکندر سلطان کے ساتھ اس مہم پر مقرر کیا۔

لشکر کی ابتری

کالپی کے گرد و نواح میں دونوں فوجیں معرکہ آرا ہوئیں سخت خونریزی کے بعد مغلوں کو فتح ہوئی۔ قطب خاں اور بہت سے افغان میدان جنگ میں مارے گئے۔ قاسم حسین سلطان نے مقتول سردار کا سر آگے روانہ کر دیا اور شیر خاں کی فتنہ پردازی کو ختم کرنے کے لئے ہمایوں سے آنے کی درخواست کی۔ ہمایوں سفر کا سامان تیار کر کے ایک لاکھ سوار لے کر آگرہ سے روانہ ہوا اور قنوج کے قریب دریائے گنگا کے پار شیر شاہ کے لشکر کے سامنے پورا ایک مہینہ تک خیمہ زن رہا۔ شیر شاہ کی فوج میں پچاس ہزار سوار تھے۔ اس وقت بھی محمد سلطان میرزا اور اس کے بیٹوں نے بیوفائی کی اور لشکر کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور ہمیشہ کے لئے کلنک کا ٹیکہ ماتھے پر لگوایا۔ ان کے بھاگنے کی وجہ سے لشکر میں بے چینی پیدا ہوئی چنانچہ کامران میرزا کے سارے آدمی لشکر سے علیحدہ ہو گئے۔ ہمایوں کے سپاہی جنہیں پہلا واقعہ ابھی بھولا نہیں تھا اور جو بھاگنے کا سبق سیکھ چکے تھے موقع ملتے ہی لشکر سے فرار ہونے لگے۔ ادھر سپاہ کا یہ عالم ادھر برسات کا موسم آپہنچا سلطانی لشکر گاہ میں پانی بھر گیا خیمے تنکوں کی طرح تیرنے لگے طے یہ پایا کہ یہ جگہ چھوڑ دی جائے اور کسی اونچی جگہ خیمے نصب کیے جائیں۔ عاشورہ ۹۴۷ھ کا دن روانگی کے لئے مقرر ہوا۔

ہمایوں کا فرار

ابھی شاہی لشکر اپنی جگہ سے اٹھا بھی نہ تھا کہ شیر خاں نے حملہ کر دیا۔ شدید لڑائی ہوئی شیر خاں اس مرتبہ بھی غالب ہوا اس دفعہ پھر سب دریا کی طرف بھاگے۔ گنگا کا ساحل تین میل کے فاصلے پر تھا یہ لوگ دشمن کے تعاقب کے خوف سے بغیر دم لیے ہوئے دریا میں کود گئے۔ جن کی زندگی ابھی باقی تھی وہ صحیح و سلامت ہمایوں کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور پھر آگے پہنچے۔ جب دشمن اور نزدیک آ گیا تو آگرہ چھوڑ کر لاہور چلے آئے۔ غرہ ربیع الاول ۹۴۷ھ میں تمام چغتائی میرزا اور قبیلوں کے سردار لاہور جمع ہو گئے۔ شیر شاہ نے یہاں بھی نہ بیٹھنے دیا جیسے ہی شیر شاہ نے سلطان پور کو پار کیا بادشاہ غرہ رجب میں دریائے لاہور کو پار کر کے ٹھٹ اور بھکر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں قصبہ لہڑی میں ٹھہر کر ایک قاصد کو مع خلعت اور اسپ کے ٹھٹ کے حاکم شاہ حسین ارغون کے پاس بھیجا اور مدد طلب کی۔ ہمایوں کا ارادہ شاہ حسین ارغون کے ساتھ مل کر گجرات پر قبضہ کرنے کا تھا۔ میرزا شاہ حسین نے پانچ مہینے بہانہ سازی میں گزار دیے اس طویل ٹال مٹول میں شاہی سپاہی بادشاہ سے علیحدہ ہو گئے۔ میرزا ہندال ساتھ چھوڑ کر قندھار چلا گیا اس کے جانے کا سبب یہ تھا کہ قراچہ خاں قندھار کے حاکم نے ہندال کو عریضہ لکھ کر مدد مانگی تھی۔ اسی پریشانی کی حالت میں یادگار ناصر مرزا نے بھی ساتھ چھوڑ دینے کا ارادہ کیا۔ ہمایوں نے اسے تسلیاں دے کر بھکر بھیجا طے یہ ہوا کہ وہ وہیں ٹھہرے گا اور بادشاہ خود سہوان کا رخ کرے گا۔ یادگار ناصر مرزا

سہوان کا محاصرہ

بادشاہ نے سہوان کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور سات ماہ تک جاری رکھا۔ حسین ارغون دریائی راستے سے رسد رسانی میں رخنہ انداز ہوا غلے اور چارے کی کمی ہو گئی۔ سپاہیوں نے جانوروں کے گوشت سے بھوک کا علاج کیا۔ ہمایوں نے یادگار ناصر مرزا کو لکھا کہ قلعے کی فتح تمہارے آنے پر ہے۔ میرزا حسین ارغوان نے یادگار ناصر کو بیٹی کا رشتہ دے دیا اور ساتھ ہی یہ سبزباغ دکھایا کہ شہر میں ناصر میرزا کے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا جائے گا۔ ناصر مرزا بادشاہ کی اطاعت سے پھر گیا بادشاہ کے بلانے پر بھی نہ پہنچا۔ ناصر میرزا کو اپنے جال میں پھنسا کر حسین ارغوان کو تسلی ہو گئی لہٰذا وہ شاہی لشکر کو مزید نقصان پہنچانے لگا۔ ہمایوں نے مجبور ہو کر محاصرہ اٹھا لیا اور بھکر واپس ہوا۔ یہاں پہنچ کر میرزا سے کشتی طلب کی میرزا نے اہالیان ٹھٹ کو کشتیاں ہٹا لینے کا اشارہ کیا وہ دور ہٹ گئے۔ صبح کو میرزا نے عذر پیش کیا۔ اس طرح کئی دن تک بادشاہ کو بے کار ٹھہرنا پڑا۔ بالآخر دو تین آدمیوں نے چند غرق شدہ کشتیاں دریا سے نکالیں ہمایوں دریا کو پار کر کے کنارے پر پہنچا۔ ناصر مرزا نادم ہو کر گردن جھکائے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن اس فرشتہ خصلت بادشاہ نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔ بادشاہ کی اس نرمی اور بربادی پر بھی ناصر کم بخت نے شاہ ارغون کا سکھایا ہوا سبق پڑھنا شروع کیا۔ اپنی چالوں سے شاہی سپاہیوں کو ورغلا کر اپنے جال میں پھنسانے لگا یہاں تک کہ ایک دن بغیر کسی وجہ کے لڑائی کا ارادہ کر کے سوار ہو کر میدان میں آ گیا۔ مجبور ہو کر ہمایوں نے بھی ناصر کو دور کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس سے پہلے کہ دونوں میں جنگ ہوتی ایک گروہ نے میرزا کو لعنت ملامت کر کے واپس کر دیا۔

راجہ مالدیو کی بدنیتی

ہمایوں نے جب یہ دیکھا کہ سپاہی روزانہ لشکر سے علیحدہ ہو رہے ہیں اور خود بھی وہ بے سروسامانی کے عالم میں ہے دوسرے یہ بھی خدشہ تھا کہ کہیں ناصر مرزا آئندہ نقصان نہ پہنچائے لہٰذا ہمایوں نے جیسلمیر کے راستے راجہ مالدیو کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ ہندو راجاؤں میں مالدیو سب سے زیادہ طاقتور تھا اور اکثر اس مضمون کے عریضے بھی بادشاہ کی خدمت میں بھیجا کرتا تھا کہ بادشاہ اس کے علاقے میں آئیں اور مالدیو ہر طرح سے ہندوستان فتح کرنے میں مدد اور جان نثاری کے لئے تیار ہے۔ راجہ جیسلمیر نے بیوفائی کی اور ایک گروہ بھیج کر بادشاہ کا راستہ روک لیا۔ ہمایوں نے اس گروہ کو مار بھگایا اور خود مالدیو کی سرحد تک پہنچ گیا۔ بادشاہ نے سرحد پر قیام کیا اور ایک قاصد مالدیو کے پاس بھیجا۔ مال دیو کو ہمایوں کی پریشانیوں اور بے سروسامانی کا حال معلوم تھا لہٰذا وہ اپنی اس دعوت پر دل ہی دل میں افسوس کرنے لگا کہ کیوں بادشاہ کو بلایا۔ اب وہ اس فکر میں ہوا کہ ہمایوں کو گرفتار کر کے شیر شاہ کے حوالے کر دے اور شیر شاہ کا اعتماد حاصل کرے۔ راجہ کے ایک نوکر نے جو کبھی ہمایوں کا کتاب دار رہ چکا تھا بادشاہ کو حقیقت سے آگاہ کیا۔ ہمایوں اسی رات امرکوٹ کو روانہ ہو گیا راستے میں بادشاہ کا گھوڑا کچھ سست ہو گیا۔ ہمایوں نے تردی بیگ سے ایک گھوڑا مانگا تردی بیگ نے نہایت بے مروتی سے کام لیا اور عذر کرنے لگا۔ ہمایوں کو گھڑی گھڑی اطلاعیں مل رہی تھیں کہ مالدیو کا ایک لشکر گرفتاری کے لئے تیزی سے آ رہا ہے۔ مجبوراً اونٹ پر سوار ہوا ندیم کوکہ خود پیدل چل رہا تھا اور اپنی ماں کو گھوڑے پر سوار کیا ہوا تھا۔ اس نے ماں کو اونٹ پر سوار کیا اور گھوڑا بادشاہ کے حوالے کیا۔

یہ تمام علاقہ ریگستان کا تھا پانی کہیں ملتا ہی نہیں تھا۔ لوگ پیاسے تڑپنے لگے واقعہ کربلا کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا ہندوؤں کے تعاقب کی اطلاعات لگاتار مل رہی تھیں۔ ہمایوں نے چند سرداروں کو حکم دیا کہ وہ پیچھے آئیں اور خود اہل و عیال اور اسباب کو ساتھ لے کر پچیس آدمیوں کے ہمراہ آگے بڑھ گیا۔ اتفاق سے رات کے وقت یہ سردار راستہ بھول گئے اور دوسری طرف جا پہنچے۔ صبح کے ہوتے ہی ہندوؤں کا لشکر دور سے نظر آیا۔ شاہی حکم ملتے ہی امیر شیخ علی وغیرہ جن کی تعداد بیس سے زیادہ نہ تھی کلمہ شہادت پڑھ کر جاں نثار کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور نہایت تسلی کے ساتھ دشمنوں سے دو دو ہاتھ کرنے لگے۔ حسن اتفاق ہے کہ مسلمانوں کا پہلا تیر ہندو سردار کے لگا

اور وہ گھوڑے سے گر گیا۔ اس کے زمین پر گرتے ہی باقی فوج میدان سے بھاگ نکلی۔ مسلمانوں نے تعاقب کرکے بہت سے اونٹ گرفتار کیے بادشاہ نے خدا کا شکر ادا کیا ایک کنویں کے کنارے خیمے نصب کرائے۔ کنویں میں پانی بہت کم تھا جو سردار راستہ بھول گئے تھے وہ بھی آملے۔ اس واقعے سے بادشاہ کی پریشانی کچھ کم ہوئی اگلے دن یہاں سے کوچ کیا گیا۔ تین منزل تک پانی بالکل نہ ملا پیاس کی شدت سے لوگوں کی حالت ناقابل بیان ہو گئی۔ چوتھے دن پر قافلہ ایک کنویں پر پہنچا یہ کنواں بہت گہرا تھا۔ ڈول کنویں سے نکالتے وقت ڈھول بجایا جاتا تھا تاکہ بیل جو جرس کھینچتے تھے آواز سن کر ٹھہر جائیں۔ پیاس کی شدت سے ہر مرتبہ دس دس پانچ پانچ آدمی ایک ڈول پر گر جاتے۔ اسی طرح رسی ٹوٹ جاتی اور ڈول کنویں میں گر جاتا۔ سپاہیوں کی چیخ و پکار نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا ایک گروہ پیاس سے بیتاب ہو کر کنویں میں کود پڑا اور اس طرح جان دے دی۔ دوسرے دن روانہ ہو کر ایک نہر کے کنارے پہنچے' اونٹ اور گھوڑوں نے کئی دن سے پانی نہ پیا تھا وہ اس قدر پانی پی گئے کہ پیٹ پھول گیا اس طرح وہ ہلاک ہوئے۔ بڑی مشکل اور محنت کے بعد ہمایوں امرکوٹ پہنچا۔

امرکوٹ کا راجہ رانا کہلاتا تھا رانا بہت اچھی طرح سے پیش آیا اور خوب مہمان نوازی کی خدا خدا کرکے یہاں سپاہیوں کو آرام ملا۔

اکبر کی ولادت

اسی امرکوٹ میں پانچویں رجب ۹۴۹ھ شہزادہ جلال الدین محمد اکبر حمیدہ بانو بیگم کے بطن سے پیدا ہوا۔ ہمایوں نے بیٹے کی پیدائش پر خدا کا شکر ادا کیا جشن منانے کے بعد بادشاہ نے اہل و عیال کو امرکوٹ میں چھوڑا اور خود راجہ امرکوٹ کو ساتھ لے کر بھکر کی مہم پر روانہ ہوا لیکن تھوڑے ہی عرصے میں لشکریوں نے ساتھ چھوڑ دیا اس طرح کوئی کام نہ بنا۔ اس معرکے میں منعم خاں بھی فرار ہو گیا۔ چغتائی فوج کا مشہور بہادر امیر شیخ علی اسی معرکے میں شاہ ارغون کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ ہمایوں نے مجبوراً قندھار کا رخ کیا اس وقت تک بیرم خاں بھی گجرات سے بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گیا اس دوران میں کامران مرزا نے قندھار کا قلعہ ہندال مرزا سے لے کر عسکری مرزا کو وہاں کا حاکم بنا دیا تھا۔ شاہ حسین ارغون نے عسکری مرزا کو لکھا کہ بادشاہ اس وقت بہت پریشان ہے اگر تم گرفتار کرنا چاہتے ہو تو یہ بہترین موقع ہے عسکری مرزا نے نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھا اور ہمایوں پر دھاوا کر دیا۔ ہمایوں نے فوراً بادشاہ بیگم کو سوار کرایا شہزادے کو گرمی اور سفر کا خیال کرکے لشکر میں ہی چھوڑا خود بائیس آدمیوں کے ہمراہ بلا راستہ متعین کیے ہوئے خراسان روانہ ہوا اس کے ساتھ بیرم خاں بھی تھا۔

مرزا بدنصیب لشکر میں پہنچا ہمایوں کو نہ پا کر کف افسوس ملنے لگا شاہی اسباب اور مال پر قبضہ کر لیا شہزادہ جلال الدین کو اپنے ساتھ قندھار لے گیا۔

ہمایوں سیستان میں

بادشاہ کو اپنے بھائیوں کی وجہ سے کسی جگہ بھی قیام کرنے کا موقع نہ ملا وہ سفر کرتا ہوا سیستان کی سرحد پر پہنچ گیا۔ سید احمد سلطان شاملو نے ہمایوں کا استقبال کیا۔ سید احمد سلطان' شاہ طہماسپ کی طرف سے سیستان کا حاکم تھا۔ سید شاملو نے کچھ دن بادشاہ کی خدمت میں گزاری کی اس نے جو کچھ بچایا ہوا تھا۔ سب کا سب ہمایوں کی خدمت میں پیش کیا۔ اپنی عورتوں کو لونڈیوں کی طرح بیگم کی خدمت کے لئے مقرر کیا۔ ہمایوں نے ضرورت کے مطابق سامان اور نقد لے کر باقی سید شاملو کو واپس لوٹا دیا اور خود ہرات پہنچا۔

ہرات میں ورود

شاہ کا سب سے بڑا فرزند سلطان محمد حاکم ہرات اپنے استاد محمد خاں تکلو کے ساتھ استقبال کے لئے آیا بے حد تعظیم و تکریم اور مہمان نوازی سے پیش آیا۔ سلطان محمد نے سامان سفر ایسا درست کر دیا کہ شاہ کی ملاقات تک ہمایوں کو کسی چیز کی ضرورت نہ پڑی۔ سیر و تفریح

آگے بڑھا۔ شہر قزوین تک تمام راستے میں عراق کے سردار اور شرفاء استقبال کرنے کو آئے۔ شاہ ایران کی طرف سے دعوت اور مہمانداری کرتے رہے۔ ہمایوں نے قزوین میں قیام کرکے بیرم خان کو شاہ طہماسپ کے پاس روانہ کیا۔

حوالہ جات

۱۔ لیکن اس ترجمے میں "ہمایوں" ہی استعمال کریں گے جنت آشیانی طوالت کا باعث ہوگا۔

افغانوں کی حکومت

شیر شاہ افغان بن حسن سور

شیر شاہ کا نام فرید خاں تھا اور باپ کا نام حسن خاں تھا' حسن خاں افغاناں روہ کی نسل سے تھا۔ سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں حسن سور کا باپ ابراہیم خاں ملازمت کی تلاش میں دہلی آیا۔ افغانوں کے مسکن روہ کی تعریف اس کتاب کے مقدمے میں کی گئی ہے۔ یہ وہ کوہستانی علاقے ہیں جن کا سلسلہ طول میں سواد بجور سے لے کر مضافات بکر تک اور عرض میں حسن ابدال سے لے کر کابل تک پھیلا ہوا ہے۔ یہاں افغانوں کے مختلف فرقے آباد ہیں جن میں سے ایک قبیلے کا نام سور ہے' اس فرقے والے اپنے آپ کو سلاطین غور کی نسل سے بتاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک غوری شہزادہ محمد سوری اپنے وطن سے جلاوطن ہو کر کسی زمانے میں ان افغانوں میں آکر آباد ہو گیا۔ ایک افغان رئیس کو محمد سوری کے حسب و نسب معلوم ہو گیا اور باوجود اس کے کہ اس قوم میں غیر گھرانے میں لڑکی دینے کا رواج نہ تھا۔ اس افغانی سردار نے اپنی بیٹی کو محمد سوری سے بیاہ دیا اس افغانی بیوی سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ سوری افغان کے نام سے مشہور ہے اسی وجہ سے سوری قبیلے کو تمام افغانی قبائل سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

ابراہیم خاں دہلی میں

بہلول لودھی کے زمانے میں ابراہیم خاں اپنے قبیلے سے جدا ہو کر نوکری کے لئے دہلی آیا اور ایک لودھی امیر کے ہاں ملازمت کر لی۔ ابراہیم خاں نے کچھ دن قلعہ فیروز پور میں اور کچھ دن پرگنہ نارنول میں گزارے۔ بہلول لودھی کے بعد اس کا بیٹا سلطان سکندر بادشاہ ہوا۔ جمال خاں سکندر لودھی کا مشہور امیر جون پور کا حاکم مقرر ہوا۔ جمال نے حسن بن ابراہیم سور کی جو اس کا پرانا ملازم تھا بہت عزت افزائی کی۔ مضافات رہتاس میں سہرامپور اور خواص پور ٹانڈہ حسن کو بطور جاگیر عطا کیے اور پانچ سو سواروں کا امیر مقرر کیا۔ حسن کے گھر میں آٹھ لڑکے پیدا ہوئے۔ فرید اور نظام افغان بیوی کے پیٹ سے ہوئے' دوسرے بیٹوں کی ماں حسن کے حرم سے تھی۔ حسن کو فرید کی ماں سے انس نہ تھا' اسی لئے فرید دوسرے فرزندوں کی طرح لاڈلا نہ تھا' فرید باپ سے ناراض ہو کر جمال خاں کے پاس چلا گیا۔

حسن نے جمال خاں کو لکھا کہ فرید کو راضی کرکے واپس بھیج دے تاکہ اس کی تعلیم و تربیت پوری ہو جائے۔ جمال نے فرید کو بہت سمجھایا کہ وہ باپ کے پاس چلا جائے' لیکن فرید نہ مانا۔ کہنے لگا کہ "سہرامپور سے زیادہ علماء جونپور میں موجود ہیں' میں یہیں رہ کر علم حاصل کروں گا۔" فرید ایک عرصے تک جون پور میں رہا اس زمانے کا درس گلستاں' بوستاں' سکندر نامہ پڑھ کر پھر کافیہ اور اس کے حواشی اور دوسری علمی کتابوں کو پڑھا نظم و نثر اور تاریخ میں عبور حاصل کیا دو تین برس کے بعد حسن جونپور میں آیا۔ سوری قبیلے کے دوسرے لوگوں نے مل کر باپ بیٹوں میں صلح کرا دی۔ حسن نے فرید کو اپنی جاگیر کا داروغہ بنا دیا اور اسے کام پر روانہ ہونے کو کہا۔

فرید خاں داروغہ جاگیر

فرید نے روانگی کے وقت باپ سے کہا کہ "دنیا کے ہر کام کا دارومدار خصوصاً سرداری اور امیری کا انصاف پر ہے اگر تم مجھے جاگیر پر بھیجتے ہو تو میں عدل و انصاف سے نہیں ہٹوں گا' تمہارے اکثر نوکر تمہارے قریب کے عزیز ہیں جو کوئی بھی انصاف ہاتھ سے جانے دے گا اسے ضرور سزا دوں گا۔" فرید باپ سے اس قسم کی باتیں کر کے رخصت ہو گیا اور جاگیر پر پہنچ کر کفایت شعاری سے کام لینے لگا۔ اس نے

سے مشورہ کیا۔ ماتحتوں نے اتفاق رائے سے یہ کہا "چونکہ لشکر آپ کے والد کے ساتھ ہے اور وہ یہاں سے بہت دور کسی مہم پر نامزد کیے گئے ہیں اس لیے ان کی واپسی تک صبر و سکون بہتر ہے۔" فرید نے حکم دیا کہ دو سو زینیں تیار کرو۔"

فرید نے ہر موضع کے کھیا سے ایک ایک گھوڑا عاریتاً مانگا۔ گرد و نواح میں جو بیکار سپاہی تھے ان کو بلا کر ان کی مدد کی' خرچ اور کپڑے سے ان کی ضرورت پوری کی' آئندہ کے لیے انعام کا وعدہ کیا' ان نئے بھرتی شدہ سپاہیوں کو مانگے ہوئے گھوڑوں پر سوار کیا پھر ان سرکش زمینداروں کے مسکن پر پہنچا اور ان کے گاؤں کے قریب ٹھہرا۔ فرید نے اپنے گرد حصار بنا کر ہر روز جنگل کی کٹوائی شروع کی۔ پھر سرکش زمینداروں کے قلعے تک پہنچا۔ سرکوب تیار کر کے دشمنوں پر غالب ہوا' بہت سے سرکش قتل ہوئے اور بہت سے نظر بند کیے گئے۔ اس واقعے کے بعد فرید کی ہیبت لوگوں کے دلوں پر بیٹھ گئی اس علاقے کے تمام شرپسند اس کے مطیع اور فرمانبردار بن گئے۔ مالگزاری وقت پر ادا کرنے لگے جاگیر کے سب پرگنے آباد ہو گئے۔ اس طرح فرید کو پوری قوت حاصل ہو گئی اور وہ اپنی شجاعت اور سیاست کے لئے مشہور ہو گیا۔

حسن کی عاشقی

کچھ عرصے کے بعد حسن جاگیر میں آیا وہ فرید کے انتظام اور اس کی سرداری کے طریقے کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بیٹے کی تعریفیں کیں۔ حسن کے ہاں ایک کنیز تھی جس سے دو بیٹے سلیمان اور احمد پیدا ہوئے تھے۔ حسن اس لونڈی پر بہت فدا تھا' اس نے حسن سے کہا کہ "تم نے وعدہ کیا تھا کہ جب تمہارے بیٹے جوان ہو جائیں گے تو پرگنوں کی داروغگی انہیں دے دی جائے گی اب چونکہ دونوں بالغ ہو چکے ہیں لہٰذا اپنا وعدہ پورا کرو۔" حسن نے یہ سوچ کر کہ فرید اس کا بڑا بیٹا ہے اور بہت نیک ہے اپنی محبوبہ کو ٹال دیا۔ فرید اس بات کو سمجھ گیا۔ لہٰذا وہ داروغگی سے علیحدہ ہو گیا۔ حسن نے جاگیر سلیمان اور احمد کے سپرد کر دی اور فرید سے کہا کہ اس تبدیلی کی وجہ محض یہ ہے کہ جس طرح تم کام کر کے تجربہ کار ہو گئے ہو اسی طرح میں چاہتا ہوں کہ تمہارے بھائی بھی کام کرنے کے قابل ہو جائیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ میرے بعد میرا جانشین تمہارے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے اس طرح پرگنوں کی حکومت سلیمان اور احمد کے ہاتھ میں آئی۔

فرید کا آگرہ میں قیام

فرید آزردہ ہو کر اپنے بھائی نظام کو ساتھ لے کر آگرہ آ گیا۔ یہاں آ کر سلطان ابراہیم لودھی کے مشہور امیر دولت خاں لودھی کے ہاں ملازمت کر لی۔ فرید ایک عرصے تک لودھی امیر کے پاس رہا اور اپنی خدمت سے اسے بے حد خوش کر لیا۔ ایک دن دولت خاں نے فرید سے اس کا اصل مقصد دریافت کیا۔ فرید نے اسے بتایا کہ "میرا باپ ایک ہندوستانی کنیز کی محبت میں گرفتار ہے اور وہ عورت میرے باپ پر اس قدر غالب ہے کہ اس کی وجہ سے جاگیر بالکل تباہ ہو رہی ہے اور سپاہی پریشان حال ہیں اگر باپ کی جاگیر ہم دونوں بھائیوں کو مل جائے تو ہم میں سے ایک بھائی پانچ سو سواروں کے ساتھ ہمیشہ بادشاہ کی خدمت میں رہے گا اور دوسرا جاگیر کی دیکھ بھال کر کے سپاہیوں کے اخراجات اور رعایا کی دیکھ بھال اور باپ کی خدمت کا کام کرے گا۔ دولت خاں نے ایک دن فرید کا معروضہ سلطان ابراہیم لودھی تک پہنچا دیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ "یہ بدطینت شخص کیسا ہے جو باپ کی شکایت کرتا ہے۔" دولت خاں نے فرید کو بادشاہ کا جواب بتایا اور تسلی دی کہ "کسی مناسب وقت پھر بادشاہ سے عرض کروں گا اور تمہارا کام بناؤں گا۔" دولت خاں نے فرید کی تسلی و تشفی کے لئے اس کے یومیے میں اضافہ کر دیا۔ اس ہوشیار افغانی نے اپنی خوش خلقی اور مروت کی وجہ سے سب کے دل میں اپنے لئے جگہ بنا لی۔ دولت خاں ہر بات میں فرید کا ساتھ دیتا تھا۔ جب فرید کے باپ حسن سور نے انتقال کیا تو دولت خاں نے اس کے انتقال کی خبر بادشاہ کو دی اور حسن کے پرگنوں کی داروغگی فرید اور نظام کے نام منتقل کرا دی۔

دونوں بھائیوں میں ناراضگی

فرید سہرام' خواص پور اور ٹانڈے کی حکومت کا فرمان لے کر جاگیر کو چلا- سلیمان اپنے بھائی فرید کا مقابلہ نہ کر سکا اس نے پرگنہ جونپور کے حاکم محمد خاں سور کے پاس پناہ لی اور اس سے شکایت کی- محمد خان پندرہ سو سواروں کا مالک تھا اس نے سلیمان سے کہا کہ چونکہ بادشاہ بابر ہندوستان پہنچ چکا ہے اور جلد مغلوں اور افغانوں میں معرکہ آرائی ہونے والی ہے اگر ابراہیم لودھی فتح مند ہوا تو میں تمہیں اس کی خدمت میں لے چلوں گا اور سفارش کروں گا سلیمان نے کہا کہ میں اتنا انتظار نہیں کر سکتا- کیونکہ میری ماں اور ملازمین مارے مارے پھر رہے ہیں- محمد خاں نے ایک ایلچی فرید کے پاس بھیجا اور آپس میں صلح کرنے کو کہا- فرید نے جواب بھیجا کہ باپ کی زندگی میں سلیمان کو جو کچھ ملتا تھا وہ اسے دینے میں کوئی عذر نہیں' لیکن میں اسے حکومت میں حصہ دار نہیں بناؤں گا کیونکہ ایک شہر کے دو حاکم نہیں ہو سکتے بالکل ویسے ہی جیسے کہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں آ سکتیں- سلیمان کا مقصد حکومت میں شریک ہونے کا تھا لہٰذا وہ اس بات پر راضی نہ ہوا-

محمد خاں سور نے سلیمان کو تسلیاں دیں اور کہا کہ تم صبر کرو میں اپنی قوت سے تمہیں فرید سے حکومت چھین کر دوں گا- فرید کو بھی معاملے سے آگاہی ہوئی لہٰذا اس نے بھی غور و خوض کیا- وہ بابر اور ابراہیم لودھی کی جنگ کا انتظار کر رہا تھا چنانچہ اسی دوران میں بابر کی فتح کی خبر سارے ہندوستان میں پھیل گئی- فرید کو یہ خبر سن کر بڑی تشویش ہوئی وہ بہادر خاں ولد دریا خاں لوحانی کے پاس پہنچا بہادر خاں نے اس عرصے میں بہار پر قبضہ کر لیا تھا- وہ سلطان محمد کا لقب اختیار کر کے بہار کا بادشاہ بنا بیٹھا تھا- فرید نے اس کی ملازمت اختیار کر لی ایک دن سلطان محمد شکار کھیلنے شہر سے باہر گیا کہ اچانک سامنے شیر آ گیا' فرید نے شیر کا مقابلہ کیا اور اسے تلوار سے ہلاک کر دیا- سلطان محمد فرید پر بےحد مہربان ہو گیا اور اسے شیر خاں کے خطاب سے نوازا- شیر خاں نے رفتہ رفتہ سلطان کے مزاج سے واقف ہو کر اپنے لیے اس کے دل میں خاص جگہ حاصل کر لی- سلطان نے شیر خاں کو اپنے چھوٹے لڑکے جلال خاں کا اتالیق مقرر کیا کچھ عرصے کے بعد شیر خاں رخصت لے کر اپنی جاگیر میں گیا- اتفاقاً اسے وہاں اپنی رخصت سے کچھ دن زیادہ ٹھہرنا پڑ گیا-

شیر خاں کی مخالفت

ایک دن سلطان اپنی محفل میں بیٹھا ہوا شیر خاں کی باتیں کرنے لگا کہ یہ شخص وعدے کا سچا نہیں اور ابھی تک واپس نہیں آیا- حاکم جونپور محمد خاں نے موقع کو غنیمت جانتے ہوئے بادشاہ سے کہا کہ شیر خاں بڑا دغاباز اور مکار ہے' وہ سلطان محمود بن سکندر لودھی کی آمد کا منتظر ہے- اسی طرح کی باتیں کر کے حاکم جون پور نے بادشاہ کو شیر خاں کے خلاف کر دیا جب اسے یقین ہو چکا کہ بادشاہ اب شیر خاں سے ناراض ہے تو اس نے عرض کی کہ شیر خاں کی حق ناشناسی کا علاج یہ ہے کہ اس کی جاگیر اس کے بھائی سلیمان کو دے دی جائے کیونکہ سلیمان اپنے باپ حسن کی زندگی ہی میں اس کا قائم مقام ہو گیا تھا اس نے بھاگ کر میرے ہاں پناہ لی ہے- اس کاروائی سے وہ یقیناً آپ کے پاس پہنچے گا-" سلطان محمد نے شیر خاں کی خدمت کا لحاظ کرتے ہوئے بغیر جرم کے کسی قسم کی کاروائی کو مناسب خیال نہ کیا- سلطان نے محمد خاں سور سے کہا کہ وہ جاگیر کو مناسب طریقے سے بھائیوں میں تقسیم کر دے تاکہ یہ جھگڑا طے ہو جائے-

محمد خاں کا پیغام اور شیر خاں کا جواب

محمد خاں سور اپنی جاگیر میں واپس آیا اور سادی نام کے ایک غلام کو شیر خاں کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ "سلیمان اور احمد تمہارے دونوں بھائی میرے پاس مدت سے مقیم ہیں اور اپنے حصہ میراث سے محروم ہیں لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ان کا حصہ ان کو دو-" شیر خاں نے جواب دیا کہ "یہ سرزمین کسی کی ذاتی ملکیت نہیں یہ مملکت ہندوستان ہے- لہٰذا جاگیر اسی کے قبضے میں رہتی ہے جس کو بادشاہ سرفراز کرتا

میں جو سرداری کے قابل ہوتا ہے حکومت اسی کو دی جاتی ہے۔ میں بھی سلطان ابراہیم لودھی کے حکم سے سہرام، خواص پور اور ٹانڈے پر قابض ہوں۔" غلام سادی واپس آگیا اور شیر خاں کا جواب محمد خاں تک پہنچا دیا۔

محمد خاں غصے میں آپے سے باہر ہو گیا اس نے سادی کو حکم دیا کہ میری تمام فوج کو ساتھ لے کر سلیمان اور احمد کے ساتھ جاؤ۔ تلوار کے زور سے شیر خاں سے جاگیر چھین کر ان دونوں کے سپرد کرو اور فوج کا زیادہ حصہ ان کی حفاظت کے لئے سہرام میں چھوڑ کر واپس آ جاؤ۔" اتفاق سے ان دنوں ملک سکھ نامی غلام شیر خاں کی طرف سے خواص پور ٹانڈے کا داروغہ تھا۔ شیر خاں نے دشمن کی آمد کی خبر پا کر ملک سکھ کو لکھا کہ دشمن کے مقابلے میں کوئی کمی نہ کی جائے۔ سادی غلام وغیرہ خواص پور کے نواح میں پہنچے ملک سکھ ان کے مقابلے میں آیا اور مارا گیا۔ شیر خاں کا لشکر تتر بتر ہو کر سہرام واپس آ گیا ان سے مقابلے کرنے کی طاقت شیر خاں میں نہ تھی چنانچہ اس نے کہیں بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ بعض آدمیوں نے رائے دی کہ پھر سلطان محمد کی خدمت میں حاضر ہونا بہتر ہے۔ شیر خان نے جواب دیا کہ محمد خاں سلطان کا مشہور امیر ہے لہٰذا یقیناً بادشاہ میری خاطر اس کو آزردہ نہیں کرے گا۔ شیر خاں نے اپنی سمجھ سے کام لے کر یہ طے کیا کہ اس وقت جنید برلاس کے ہاں پناہ لینی چاہیے۔

جنید برلاس بابر کی طرف سے کڑہ مانک پور کا حاکم تھا۔ شیر خاں کے بھائی نظام نے بھائی کی رائے سے اتفاق کیا چنانچہ شیر خاں نامہ و پیام اور قول و قرار کے بعد جنید برلاس کی خدمت میں حاضر ہوا اور نذرانہ وغیرہ پیش کیا۔ اس طرح وہ مقربوں میں داخل ہو گیا۔ شیر خاں نے حاکم کڑہ سے فوج کی امداد لی اور اپنی جاگیر میں واپس آیا۔ محمد خاں سور شیر خاں کا مقابلہ نہ کر سکا اور وہ رہتاس کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ شیر خاں اپنے دونوں پرگنوں کے علاوہ جونپور اور اس کے گرد و نواح پر بھی قابض ہو گیا۔ اس نے اپنے مددگاروں کی خوب خاطر مدارات کی، سپاہیوں کو انعام و اکرام دے کر رخصت کیا اور ان کے ہاتھ سلطان جنید برلاس کو بھی بیش قیمت تحفے بھیجے۔ شیر خاں نے اپنے قبیلے کے ان لوگوں کو جو پہاڑوں میں جا چھپے تھے اپنے پاس بلا لیا اور ایک اچھی خاصی جمعیت بنا لی۔ اس نے محمد خاں سور کو بھی لکھا کہ میرا مقصد بھائیوں سے بدلہ لینا تھا میں آپ کو اپنے چچا کے برابر سمجھتا ہوں لہٰذا میری عرض ہے کہ آپ کوہستان کی تنگ قیام گاہ سے نکل کر اپنی جاگیر میں واپس آ جائیں اور قبضہ کریں اور میرے لیے ذاتی پرگنات اور سلطان ابراہیم کی جاگیر کا وہ حصہ جو میرے ہاتھ آیا تھا بالکل کافی ہیں۔

محمد خاں سور اپنی جاگیر میں آ گیا اور شیر خاں کا ممنون و مشکور ہوا۔ اب شیر خاں کو اس کی طرف سے پورا اطمینان ہو گیا چنانچہ اپنے بھائی نظام کو پرگنوں کے انتظام کے لئے چھوڑ کر خود سلطان کی خدمت میں کڑہ چلا گیا۔ اتفاق سے سلطان بابر سے ملنے جا رہا تھا وہ شیر خاں کو بھی اپنے ہمراہ آگرہ لے گیا۔ شیر خاں بابر کے حضور میں پہنچ کر خیر خواہان سلطنت میں داخل ہو گیا۔ چندیری کے سفر میں شیر خاں بھی بادشاہ کے ہمراہ تھا کچھ دن اس نے بادشاہ کے لشکر میں بسر کیے اس نے مغلوں کے طور طریقوں اور عادات سے اچھی خاصی واقفیت حاصل کر لی۔ ایک دن شیر خاں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مغلوں کو ہندوستان سے باہر نکال دینا بالکل آسان ہے۔ مصاحبین نے اس دعوے کی دلیل پوچھی شیر خاں نے جواب دیا کہ اس قوم کا بادشاہ سلطنت کے معاملات پر خود بہت کم توجہ دیتا ہے۔ سارے معاملات و مہمات کا انحصار وزیروں پر ہے۔ وزراء کی یہ حالت ہے کہ وہ رشوت لے کر شاہی حقوق کو بھول جاتے ہیں۔ ہم افغانوں میں یہ برائی کہ وہ ایک دوسرے کے آپس ہی میں دشمن ہیں اگر میری تقدیر یاوری کرے تو میں افغانوں کے دلوں سے نفاق کو دور کروں اور پھر اپنا کام پورا کروں۔"

اس کے دوست اس خیال پر جو ان کی نگاہ میں ناممکن تھا، ہنسے اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔ ایک دن بابر کے دسترخوان پر ایک طباق ماہیچہ کا شیر خاں کے سامنے بھی رکھا ہوا تھا اس نے دیکھا کہ وہ اسطرح اس کو نہیں کھا سکتا لہٰذا سوری افغان نے ماہیچہ کو روٹی پر رکھا۔ پھر چھری سے اس کو ٹکڑے کر کے پھر پیالے میں رکھا اور کھانا شروع کیا۔ بادشاہ یہ ماجرا دیکھ رہا تھا اس نے میر خلیفہ سے کہا کہ اس پٹھان نے

آج عجیب کام کیا- شیر خاں نے جو کچھ محمد خاں سور کے ساتھ کیا تھا اس کی اطلاع بادشاہ کو پہلے مل چکی تھی- بادشاہ کے اس جملے کا اشارہ شیر خاں کی فہم و فراست کی طرف تھا- اس نے بھی بادشاہ اور امیر خلیفہ کی گفتگو سنی اور وہ یہ سمجھ گیا کہ بادشاہ نے مجھے عبرت کی نگاہ سے دیکھا ہے- چنانچہ وہ تو پہلے ہی توہمات میں مبتلا تھا اور بھی پریشان ہو گیا اور اسی رات شاہی لشکر سے بھاگ کر اپنی جاگیر میں جا پہنچا وہاں پہنچ کر اس نے سلطان جنید برلاس کو خط لکھا کہ محمد خاں سوری نے میرے خلاف سلطان محمد کے کان بھرے ہیں اور اس کا مقصد ہے کہ وہ میری جاگیر پر فوج کشی کرے لہٰذا میں پریشان ہو کر یہاں چلا آیا ہوں اور اسی پریشانی میں رخصت بھی نہیں لے سکا ہوں میں اب بھی بہی خواہوں میں سے ہوں- شیر خاں کو مغلوں سے بالکل مایوسی ہو گئی چنانچہ وہ اپنے بھائی نظام کو لے کر دوبارہ سلطان محمود کی خدمت میں حاضر ہوا- سلطان نے شیر خاں پر مہربانی کی اور اسے دوبارہ شہزادے جلال کا اتالیق مقرر کر دیا- شیر خاں کو پھر وہی تقرب حاصل ہو گیا قضائے الٰہی سے سلطان کا انتقال ہو گیا اس کا کم عمر لڑکا جلال باپ کا جانشین ہوا-

شیر خاں کا اقتدار

جلال خاں کی ماں لاڈو ملکہ نے سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا- شیر خاں کی مدد سے ملکی معاملات انجام دینے لگی کچھ عرصے کے بعد جلال خان کی ماں نے انتقال کیا چنانچہ اب بہار کی حکومت پوری طرح سے شیر خاں کے قبضے میں آ گئی- بنگال کے حاکم کے ایک امیر مخدوم عالم حاجی پور نے شیر خاں سے دوستی اور راہ و رسم پیدا کی بنگال کا حاکم سلطان مخدوم عالم سے اس کی اس حرکت پر ناراض ہو گیا- اور منگیر کے حاکم قطب خاں کو بہار فتح کرنے اور مخدوم عالم و شیر خاں کو تباہ کرنے کے لئے نامزد کیا- شیر خاں نے بہت کوشش کی' التجائیں کیں تاکہ صلح ہو جائے لیکن کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی چنانچہ اس نے افغانوں کو متحد کیا اور جان سے ہاتھ دھو کر لڑنے پر تیار ہو گیا-

حاکم بنگالہ سے جنگ

فریقین صف آرا ہوئے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی کافی خونریزی کے بعد قطب خاں مارا گیا اور شیر خاں کو فتح ہوئی- دشمن کے ہاتھی' خزانے اور دوسرے سامان شیر خاں کے قبضے میں آئے اب وہ پہلے سے بھی زیادہ صاحب قوت اور بااقتدار تھا- اس کے اس ٹھاٹھ سے لوحانی پٹھان جلنے لگے وہ اس کی جان لینے کی فکر میں رہنے لگے- انہوں نے جلال خاں سے جو ان کا ہم قوم تھا اپنے ارادوں سے متعلق مشورے کیے' لیکن جلال خاں کے ملازموں نے شیر خاں کو سارا حال آ کر بتا دیا- شیر خاں نے جلال خاں سے کہا کہ تمہارے امیر مجھ سے حسد کرتے ہیں- اور میرے ساتھ نفاق برتتے ہیں ان کا تدارک کرو ورنہ میں تم سے علیحدگی اختیار کر لوں گا-" جلال خاں نے کہا کہ تم جو کہو میں اس پر عمل کرنے کو تیار ہوں-" شیر خاں نے جواب دیا "اپنے امیروں کو دو گروہوں میں تقسیم کرو- ایک گروہ کو مالیہ وصول کرنے کے لئے پرگنات میں روانہ کرو اور دوسری جماعت کو حاکم بنگالہ کے مقابلے پر بھیجو-" اس کے بعد شیر خاں نے اپنی حفاظت کا اتنا اچھا بندوبست کیا کہ لوحانی پٹھان اس کا کچھ نہ بگاڑ سکے چنانچہ لوحانی پٹھانوں نے فیصلہ کیا کہ محمود شاہ بنگالی کی ملازمت اختیار کی جائے- اور اسے بہار پر قبضے کے لئے اکسایا جائے لہٰذا وہ مغلوں سے مقابلہ کرنے کے بہانے سے بہار چھوڑ کر سلطان محمود کے پاس گئے-

ابراہیم خاں کی شکست

سلطان محمود نے ابراہیم خاں' قطب خاں کے بیٹے کو فوج دے کر شیر خاں کے مقابلے پر بھیجا- شیر خاں مٹی کے بنائے ہوئے قلعے میں بند ہو گیا اور روزانہ ایک گروہ کو دشمن سے جنگ کرنے کے لئے بھیجنے لگا یہاں تک کہ ابراہیم خان کو اپنے بادشاہ سے مدد طلب کرنی پڑی شیر خاں بھی اس سے باخبر ہوا- چنانچہ اپنے سپاہیوں کی صفیں درست کرکے صبح کو لشکر لے کر قلعے سے باہر گیا- بنگالی سپاہی بھی میدان میں آئے ان کے سوار اور پیادے صف بستہ ہوئے- شیر خاں نے اپنی فوج کے ایک حصے کو دشمن کے مقابل کھڑا کیا اور سپاہیوں کے ایک گروہ

بعد میدان جنگ سے منہ موڑ کر بھاگیں تاکہ دشمن ان کا تعاقب کر سکے اور اس طرح وہ اپنے توپ خانہ سمیت باہر آ جائیں چنانچہ اسی طرح کیا گیا- بنگالی سپاہیوں نے شیر خاں کی فوج کا تعاقب کیا اور وہ ان چھپے ہوئے سپاہیوں کی زد پر آ گئے- فوج کے اس حصے نے ایک دم ان پر حملہ کر دیا اور ان کو خاک و خون میں ملا دیا- ابراہیم خاں بھی اپنے والد کی طرح لڑائی میں مارا گیا- جلال خاں جنگ سے نیم جان ہو کر بھاگا سیدھا بنگالے پہنچا- بنگالیوں کے ہاتھی اور توپ خانہ شیر خاں کے قبضے میں آیا- اس طرح بہار دشمنوں سے پاک ہوا اور شیر شاہ کو حکومت کرنے کی پوری قوت حاصل ہو گئی-

لاڈو ملکہ

مورخ لکھتے ہیں کہ اسی زمانے میں تاج خاں ایک امیر قلعہ چنار پر سلطان ابراہیم کی طرف سے حکومت کرتا تھا اس کی ایک بیگم لاڈو نام کی تھی- اگرچہ یہ عورت بانجھ تھی مگر اس کے باوجود تاج خاں اس سے بہت محبت کرتا تھا' اس کے بیٹے جو دوسری بیگموں کے بطن سے تھے لاڈو ملکہ سے حسد کرتے تھے انہوں نے اسے مار ڈالنے کا ارادہ کر لیا- ایک رات تاج خاں کے بڑے لڑکے نے لاڈو ملکہ پر تلوار سے وار کیا ملکہ کے گہرا زخم لگا محل میں شور و غل ہوا کہ ملکہ ماری گئی- تاج خاں بھی ننگی تلوار لیے ہوئے پہنچا اور بیٹے پر جھپٹا بیٹے نے یہ دیکھ کر کہ اب باپ کے ہاتھوں سے بچنا مشکل ہے' تاج خاں پر وار کیا- نا خلف لڑکے کا ہاتھ پورا پڑا اور تاج خاں ٹھنڈا ہو گیا- اس کے مرنے کے بعد لڑکے قلعے کا انتظام نہ کر سکے- شیر خاں (جو ان کے پڑوس میں ہی تھا) کو بھی واقعات کا علم ہوا- اس نے لاڈو ملکہ کے ماموں میر احمد ترکمان کی معرفت تاج خاں کے نالائق بیٹوں کو تنبیہہ کرنے کے لئے خط و کتابت کی- میر احمد ترکمان تاج خاں کا بڑا معتبر ملازم تھا نامہ و پیام کے بعد طرفین میں یہ طے ہوا کہ شیر خاں لاڈو ملکہ سے شادی کر لے اور چنار کے قلعے پر قبضہ کر لے- شیر خاں نے ملکہ سے شادی کر کے قلعے کو قبضے میں کیا اس طرح خزانے اور دفینے بھی شیر خاں کے قبضے میں آئے-

محمد شاہ بن سلطان سکندر لودھی نے بابر کے حملوں سے تباہ حال ہو کر رانا سانگا کے ہاں پناہ لی- رانا سانگا حسن خاں میواتی اور چند دوسرے زمینداروں کے ساتھ مل کر بابر کے مقابلے میں آیا- قصبہ جالوہ کے قریب جنگ ہوئی محمود شاہ شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگا جیسا کہ لکھا جا چکا ہے- محمود شاہ چیت پور کے پاس تنہا دن گزار رہا تھا کہ لودھی پٹھانوں کے ایک گروہ نے جو پٹنہ میں جمع ہو گئے تھے' محمود شاہ کو بلایا محمود شاہ فوراً وہاں پہنچا اور دوبارہ پٹنہ کی حکومت پر قابض ہو گیا- محمود شاہ پٹنے سے ایک لشکر جرار لے کر بہار پہنچا- شیر خاں یہ دیکھ کر کہ افغان یقیناً محمود شاہ کی اطاعت کریں گے اس کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور اس کی جاں نثاری کا دم بھرنے لگا-

محمود شاہ کے امیروں نے بہار کو اپنی جاگیروں میں تقسیم کر لیا شیر شاہ کے حصے میں بھی ایک چھوٹا سا ٹکڑا آیا- لودھی امیروں نے شیر خاں کو تسلی دی اور کہا جون پور کو مغلوں سے چھڑانے کے بعد پورا بہار تمہارے قبضے میں دے دیا جائے گا-" شیر خاں نے محمود شاہ سے اس کے متعلق وعدہ لیا اور لشکر کو منظم کرنے کے بہانے سے اپنی جاگیر میں واپس آ گیا- کچھ دنوں کے بعد سلطان محمود شاہ لودھی مغلوں سے جون پور واپس لینے کے لئے لڑائی پر آمادہ ہوا اس نے شیر خاں کو بھی بلا بھیجا' شیر خاں نے بہانہ کیا کہ میں لشکر کو درست کر کے بہت جلد بادشاہ کے پیچھے پیچھے پہنچ جاؤں گا- محمود شاہ کے امیروں نے مشورہ دیا- "چونکہ شیر خاں بڑا مکار اور بہانے باز ہے لہٰذا ہمیں جاگیر میں جا کر اسے اپنے ہمراہ لے کر چلنا چاہیے-" محمود شاہ فوج لے کر جون پور کی طرف بڑھا ہمایوں کے جونپوری امیر محمود شاہ کا مقابلہ نہ کر سکے وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گئے- جونپور کے علاقے پر افغانوں کا قبضہ ہو گیا بلکہ مانکپور تک کا علاقہ ان کی آماج گاہ بن گیا-

ہمایوں کی فتح

اس حملے کے وقت ہمایوں کالنجر میں تھا افغانوں کے غلبے کی اسے اطلاع پہنچی لہٰذا اس نے جون پور کا رخ کیا- ببن افغان اور بایزید ہمایوں کے مقابلے میں آئے- شیر خاں ان دونوں کی امیری اور سرداری سے جلتا تھا اور ان سے عزت اور وقعت میں بڑھنا چاہتا تھا- حالات

دو واقعات کو دیکھ کر وہ مغلوں کے غلبے کا بھی اندازہ کیے ہوئے تھا چنانچہ اس نے مغلوں کے مشہور امیر اور فوج کے سپہ سالار میر مندو بیگ کو خفیہ طور پر پیغام بھیجا کہ میں بابر کا نمک خوار ہوں لہٰذا تم دیکھنا کہ افغانوں کو شکست میری ہی وجہ سے ہو گی۔ اپنے قول کے مطابق شیر خاں لڑائی کے دن اپنی فوج کو لے کر افغان لشکر سے علیحدہ ہو گیا ہمایوں کو فتح نصیب ہوئی محمود شاہ لودھی پریشان ہو کر پٹنہ واپس آ گیا اور گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ ۹۴۹ھ میں محمود شاہ اڑیسہ چلا گیا اور وہیں وفات پائی۔

ہمایوں کی قلعہ چنار کو روانگی

اس فتح کے بعد ہمایوں آگرہ روانہ ہوا' امیر مندو بیگ کو شیر خاں کے پاس بھیجا اور حکم دیا کہ چنار کا قلعہ اس کے حوالے کر دے شیر خاں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ مندو بیگ ناکام واپس آیا ہمایوں نے قلعہ چنار کا رخ کیا امیروں کے ایک گروہ کو اپنے آگے روانہ کر دیا تاکہ قلعے کا محاصرہ کریں۔ شیر خاں نے ہمایوں کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا کہ میں حضور بابر کی توجہ اور امداد سے اس مرتبے کو پہنچا ہوں اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ افغانوں اور بایزید کے خلاف بادشاہ کی فتح کا سبب میں ہی ہوں۔ اور اگر بادشاہ چنار کا قلعہ میرے قبضے میں رہنے دیں تو میں اپنے لڑکے قطب خاں کو لشکر کے ہمراہ شاہی خدمت میں روانہ کروں گا تمام عمر اطاعت و فرمانبرداری کروں گا۔ اسی زمانے میں ہمایوں کو بہادر شاہ گجراتی کے حملوں نے پریشان کر رکھا تھا لہٰذا مصلحتاً شیر خاں کی درخواست کو منظور کیا۔ شیر خاں نے قطب خاں کو اپنے نائب کل عیسیٰ خاں حاجب کے ساتھ ہمایوں کی خدمت میں بھیج دیا۔

گجرات کی مہم

بادشاہ گجرات کی مہم پر روانہ ہوا قطب خاں پانچ سواروں کے ساتھ کچھ دن ہمایوں کے ہمراہ رہا پھر وہاں سے بھاگ کر شیر خاں کے پاس پہنچ گیا۔ اس دوران میں شیر خاں نے بہار کو دشمنوں اور باغیوں سے خالی کر دیا اور پھر بنگالے پر فوج کشی کی۔ بنگال کے امیر گڑھی کی حفاظت میں مصروف ہوئے ایک مہینے تک شیر خاں سے جنگ ہوتی رہی۔ فتح شیر خاں کو ہوئی چنانچہ وہ بنگال میں داخل ہوا۔ محمود شاہ بنگالی شیر خاں کے سامنے جم نہ سکا وہ قلعہ گور میں محصور ہو گیا۔ ایک عرصے تک شیر خاں نے محاصرہ جاری رکھا' لیکن یہ خبر سن کر کہ بہار میں ایک زمیندار نے فساد مچا رکھا ہے اس نے خواص خاں اور دوسرے امیروں کو بنگالہ کی فتح کے لئے وہیں چھوڑا اور خود واپس بھاگ گیا۔ شیر خاں نے بہار کے فتنہ و فساد سے فرصت پا کر سلطان محمود شاہ کا پیچھا کیا۔ سلطان کو مجبوراً شیر خاں کے مقابلے میں آنا پڑا چنانچہ وہ زخمی ہو کر بھاگا اس طرح بنگال شیر خاں کے قبضے میں آ گیا۔

شیر خاں کی بیخ کنی کا عزم

ہمایوں گجرات سے فارغ ہو کر آگرے پہنچا۔ بادشاہ نے شیر خاں کی بیخ کنی کرنا ضروری سمجھا چنانچہ فوج لے کر چنار روانہ ہو گیا۔ قلعے کا حاکم جلال خاں' غازی خاں سور اور دوسرے افغانی امیروں کو قلعے میں چھوڑ کر چھار کھنڈ کے کوہستانوں میں بھاگ گیا۔ محاصرے کو چھ مہینے گزر گئے رومی خاں مہتمم توپ خانہ شاہی نے دریا میں سرکوب بنا کر مغل سپاہیوں کو قلعے میں داخل کر دیا قلعہ ہمایوں کے قبضے میں آ گیا۔ سلطان محمود شاہ شیر خاں کے ہاتھوں زخمی ہو کر ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہمایوں دولت بیگ کو قلعے میں چھوڑ کر شیر خاں سے مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ شیر خاں نے یہ خبر سن کر جلال خاں اور خواص خاں کو اپنی فوج کا بڑا حصہ دے کر گڑھی کی حفاظت کے لئے بنگال کی مہم پر روانہ کیا۔ ہمایوں نے جہانگیر قلی بیگ اور دوسرے مغل سرداروں کو آگے روانہ کیا۔ خواص خاں وغیرہ نے مغل امیروں سے جنگ کی اور انہیں ہرا دیا۔ ہمایوں نے دوبارہ فوج بھیجی اور پیچھے پیچھے خود بھی روانہ ہو گیا گڑھی فتح ہو گئی۔ جلال خاں گڑھی سے بھاگ گیا۔ دوسری طرف وہاں سے آ کر شیر خاں گور کو خالی کر کے جھارکھنڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ رہتاس کے قلعے پر قبضے میں تدبیریں سوچنے لگا۔ شیر خاں

ساتھ معرکہ آرائیوں میں مصروف ہو جائے۔

قلعہ رہتاس پر قبضہ

شیر خاں نے محسوس کیا کہ لڑائی کر کے قلعہ فتح کرنا مشکل ہے چنانچہ اس نے راجہ کو مکر و فریب دے کر قلعہ حاصل کرنے کی تدبیر سوچی۔ اس نے ایک قاصد کو راجہ ہرکشن کے پاس بھیج اور یہ پیغام بھیجا کہ میرے پاس بہت بڑا لشکر جمع ہو گیا ہے۔ ملک بہار بہت چھوٹا ہے اس لیے میرا ارادہ یہ ہے کہ بنگال بھی فتح کروں لیکن چاروں طرف مغلوں کا دور دورہ ہے اس لیے مجھے سکون و اطمینان نہیں مجھے تمہاری دوستی پر پورا بھروسا ہے۔ میری یہ تمنا ہے کہ تم میرے اور میرے سپاہیوں کے اہل و عیال کو اپنے قلعے میں جگہ دو پھر میں آرام و اطمینان کے ساتھ اپنے مقصد کو پورا کرتا رہوں گا۔ راجہ نے شیر خاں کی اس درخواست کو منظور کر لیا۔ شیر خاں نے دوبارہ نفیس تحفے و تحائف اپنے باتونی ایلچیوں کے ہاتھ راجہ کو بھیجے اور یہ کہلا بھیجا کہ میں اپنی اور سپاہیوں کی عورتیں اور کچھ خزانے قلعے میں بھیجوں گا۔ اگر میری قسمت میں بنگالے کی فتح ہوئی تو میں واپس آکر اس احسان کا بدلہ دے سکوں گا۔ اور اگر خدا نہ کرے کوئی حادثہ ہو گیا تو اس حالت میں میرے اہل و عیال و مال دولت کا تمہارے پاس رہنا نسبتاً اچھا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرے پرانے دشمن مغل میرے ملک پر قابض اور متصرف ہوں۔" ہرکشن تو لالچ میں شیر خاں کی بات مان ہی چکا تھا۔

شیر خاں نے ایک ہزار ڈولیاں تیار کیں اور عام رواج کے مطابق ڈولیوں پر پردہ ڈال کر (جس طرح کہ ہندوستان میں عورتوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں) ہر ڈولی میں دو سپاہی بٹھائے اور پانچ سو سواروں کو مزدوروں کا لباس پہنا کر روپوں کے توڑے ان کے سروں رکھے اور ہتھیار کی بجائے لکڑیاں اور ڈنڈے ان کے ہاتھوں میں دیئے اس صورت میں ان لوگوں کو قلعہ رہتاس کی طرف روانہ کیا پہلی چند ڈولیوں میں بوڑھی عورتوں کا ایک گروہ بٹھایا ہوا تھا۔ اور ان کے ہمراہ خواجہ سرا تھے چنانچہ راجہ اور اس کے اہل کاران کو دیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ مزید کسی کی تفتیش نہ کی اہل و اسباب کو اپنا سمجھ کر جلدی جلدی قلعہ کے اوپر بھیجنے لگے ڈولیاں اس حویلی میں پہنچا دی گئیں جو راجہ نے ان کے لئے مقرر کی تھی چنانچہ تجربہ کار سپاہی جنہیں راجہ عورتیں سمجھ بیٹھا تھا یکدم تلواریں لیے ڈولیوں سے نکل پڑے۔ مزدوروں نے بھی لوہے کی اشرفیاں جنہیں سونے کے سکوں کی طرح اٹھایا ہوا تھا سر سے پھینک کر اپنی لاٹھیاں سنبھال لیں۔ پھر یہ لوگ قلعے کے دروازے کی طرف جھپٹے غافل راجہ اور اس کے سپاہی ان کی زد میں تھے۔ اسی اثنا میں شیر خان نے بھی جو لشکر کو تیار کیے بیٹھا تھا اور آواز کا منتظر تھا قلعے کے دروازے تک پہنچ گیا۔ اسے قلعے کا دروازہ کھلا ہوا ملا چنانچہ وہ بہت سے سپاہیوں کے ساتھ قلعہ میں گھس آیا۔ راجہ ہرکشن اور اس کے سپاہیوں نے کچھ دیر مزاحمت کی مگر یہ دیکھ کر کہ اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ قلعے کے عقبی دروازے سے بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ چنانچہ اس طرح رہتاس کا بے نظیر اور مشہور و معروف قلعہ مع خزینوں اور دفینوں کے اس قدر آسانی سے شیر خاں کے قبضے میں آ گیا۔

قلعہ رہتاس

رہتاس کے متعلق یہ کہنا کچھ مبالغہ آمیز نہیں کہ یہ قلعہ مضبوطی میں بہت بے نظیر تھا۔ مولف تاریخ ہذا نے ہندوستان کے اکثر مشہور اور بڑے قلعے دیکھے ہیں، لیکن رہتاس کا دوسروں سے مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قلعہ ایک اونچے پہاڑ پر بہار کے صوبے سے متصل واقع ہے۔ طول و عرض میں پانچ کوس سے زیادہ ہے پہاڑ کے دامن سے لے کر قلعے کے دروازے تک ایک کوس سے زاید راستہ ہے۔ قلعہ کے اکثر مکانوں میں میٹھے پانی کے چشمے موجود ہیں۔ قلعے میں جہاں کہیں بھی کنواں کھودا جاتا ہے زیادہ سے زیادہ دو گز کے فاصلے پر میٹھا پانی نکل آتا ہے۔ جس نے بھی اس قلعے کو دیکھا ہے۔ اسی نے خدا کی قدرت اور کاریگری کی تعریف کی ہے۔ شیر خاں سے قبل کسی بادشاہ کو اس قلعے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی، لیکن شیر خاں کی خوبی قسمت سے نہایت آسانی کے ساتھ یہ قلعہ مل گیا۔

افغانوں کے حوصلے بڑھ گئے انہوں نے اپنے اہل و عیال کو قلعے میں چھوڑا اور تمام بندوبست کرنے کے بعد سکون و اطمینان کا سانس لیا۔

ہمایوں شہر کور میں جسے پرانی کتابوں میں لکھنوتی کہا گیا ہے تین مہینے سے آرام کی زندگی بسر کر رہا تھا اسے یہ پتہ چلا کہ ہندال میرزا نے آگرے اور میوات میں فساد برپا کیا ہے اور شیخ بہلول کو قتل کر دیا گیا ہے نیز خطبہ میرزا کے نام کا پڑھا جاتا ہے۔ ہمایوں نے جہانگیر بیگ کو پانچ ہزار چیدہ سواروں کے ساتھ شہر کور میں چھوڑا اور خود آگرے کی طرف چل پڑا۔ برسات کی شدت' کیچڑ اور گندگی کی وجہ سے شاہی لشکر میں بے سروسامانی اور تباہی مچ گئی۔

شیر خاں نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور ایک جرار لشکر لے کر راہ میں آن ڈٹا اس نے جوسا کے قریب ڈیرے ڈالے اور اپنے لشکر کے گرد حصار بنا کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ خط و کتابت کرنے کے بعد شیر خاں نے اپنے مرشد شیخ خلیل کو ہمایوں کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بہار سے لے کر گڑھی تک سارا علاقہ میں بادشاہ کے تصرف میں چھوڑتا ہوں' یہاں خطبہ اور سکہ بادشاہ کے نام کا جاری کروں گا۔"

چنانچہ صلح کی شرائط طے ہو جانے کے بعد شاہی لشکر دشمن سے بے خوف ہو گیا اور انہوں نے دریائے جوسا پر پل باندھ کر پار اترنے کا ارادہ کیا۔ شیر خاں نے دیکھا کہ ہمایوں کی فوج دشمن سے بالکل غافل ہے چنانچہ رات کو اس نے لشکر پر دھاوا بول دیا۔ اور صبح کو (۹۴۶ھ میں) باقاعدہ فوج اور کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ لڑائی کے میدان میں آ گیا' شاہی لشکر کو صفیں درست کرنے کا بھی موقع نہ ملا۔ اس کاروائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایوں کو شکست ہوئی اور وہ بڑی پریشانی سے آگرے کی طرف بھاگا۔ شیر خاں بنگالے واپس آ گیا۔

جہاں گیر قلی بیگ نے اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ کئی دفعہ شیر خاں سے مقابلہ کیا لیکن چونکہ اس کے پاس رسد کی کمی تھی لہٰذا مجبوراً اسے شیر خاں کا شکار بننا پڑا۔

شیر خاں کے نام کا خطبہ و سکہ

اب شیر خاں نے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا اور شیر شاہ کا لقب اختیار کیا دوسرے سال بڑی شان و شوکت کے ساتھ آگرے کا رخ کیا۔ نازک وقت پر جب لوگ غیروں کو اپنا بناتے ہیں کامران مرزا بادشاہ کو چھوڑ کر لاہور چلا گیا۔ چغتائی امیروں نے بادشاہ کی مخالفت اس بنا پر شروع کی کہ ہمایوں ترکمانی شیعوں کی بہت پرورش اور عزت کرتا ہے۔ ان تمام مشکلات کے باوجود ہمایوں آگرہ سے قنوج روانہ ہوا اور دریائے گنگا کو عبور کیا اس وقت مغلوں کا لشکر ایک لاکھ پر مشتمل تھا اور افغان پچاس ہزار تھے۔ دس محرم ۹۴۷ھ کو مغل سپاہیوں نے پیش قدمی کی اور بلندی سے نیچے اترنا شروع کیا۔ شیر شاہ فوراً ہوشیار ہو گیا' اور صفیں درست کر کے سامنے آ کھڑا ہوا مغلوں نے بغیر لڑائی کے شکست کھائی۔ ہمایوں نے گھوڑا دریا میں ڈال دیا اور بڑی مشکل سے پار پہنچا پھر لاہور کا رخ کیا۔ شیر شاہ نے لاہور تک تعاقب کیا۔ ہمایوں سندھ روانہ ہو گیا شیر شاہ نے خوشاب تک پیچھا کیا۔ اس جگہ اسمٰعیل خاں غازی خاں اور فتح خاں بلوچ دوذائی بلوچوں کے سردار' شیر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیر شاہ نے کوہستان نندنہ اور کوہ بالناتھ کے حوالی کا معائنہ کیا اور ایک جگہ پر قلعہ تعمیر کروایا اور رہتاس نام رکھا۔ اپنے غلام خواص خاں کو جس کی وجہ سے اسے ہندوستان کی سلطنت نصیب ہوئی تھی امیر الامراء مقرر کیا اور ممالک محروسہ کا دسواں حصہ اسے جاگیر میں دیا۔ خواص خاں کی بہادری اور مردانگی کا شیر شاہ کی فتوحات میں بڑا حصہ ہے۔ شیر شاہ نے خواص خاں کو ہیبت خاں نیازی اور ایک لشکر جرار کے ساتھ وہیں چھوڑا اور خود آگرہ روانہ ہوا۔ یہاں آ کر اسے معلوم ہوا کہ خضر خاں شیروانی جو شیر شاہ کی طرف سے بنگالے کا حاکم تھا۔ سلطان محمود شاہ بنگالی کی بیٹی سے شادی کر کے شاہانہ عظمت و اقتدار کا مالک بن بیٹھا ہے۔ شیر شاہ نے یہ خیال

اسے نظربند کر لیا۔ اس کے بعد بنگال کو چند آدمیوں میں تقسیم کیا اور اس طرح مرکزی طاقت کو توڑا، کڑہ کے مشہور و معروف فاضل قاضی فضل کو جو نہایت دیانتدار اور پرہیز گار تھا اور عام طور پر قاضی فصیح کے نام سے مشہور تھا یہاں کا امین مقرر کیا اور اسے سیاہ و سفید کا مالک بنا کر خود آگرہ آ گیا۔

مالوہ پر حملہ

۹۴۹ھ میں شیر شاہ نے مالوہ پر حملہ کیا اور گوالیار پہنچا۔ شیر شاہ کے امیر شجاعت خاں افغان نے جو اس سے قبل گوالیار کے محاصرے کے لئے نامزد کیا گیا تھا، ہمایوں کے قلعہ دار ابو القاسم بیگ کو نکال کر قلعے پر قبضہ کر لیا تھا۔ شیر شاہ مالوے پہنچا مالوے کا حاکم ملوخاں خلجی بادشاہوں کا غلام تھا وہ صلح کا طالب ہو کر بغیر بلائے چلا آیا کچھ دنوں کے بعد ملوخاں اس قدر خوفزدہ ہو کر جس طرح آیا تھا اسی طرح بلا اجازت چلا گیا۔ شیر شاہ نے حاجی خاں کو مالوے کا حاکم بنا دیا۔ شجاعت خاں کو سیوو اس کی جاگیر دے کر دونوں کو وہاں چھوڑا اور خود رنتھنبور روانہ ہوا۔

شیر شاہ کی روانگی کے ساتھ ملوخاں مالوہ پہنچا۔ حاجی خاں اور شجاعت سے لڑا مگر شکست کھا کر بھاگا۔ اس فتح کا سہرا شجاعت خاں کے سر رہا۔ شیر شاہ نے حاجی خاں کو بلوا کر شجاعت خان کو مالوے کا حاکم بنا دیا۔

شیر شاہ نے رنتھنبور پہنچ کر چرب زبان اور باتونی ایلچیوں کو سلطان محمود لودھی کے گماشتوں کے پاس بھیجا اور ان سے صلح کر کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

شیر شاہ رنتھنبور سے آگرے آیا یہاں اس نے ملوخاں کے لڑنے اور بھاگنے کی خبر سنی اور فی البدیہہ مصرعہ پڑھا۔

بلاچہ کرد دیدی ملوغلام گیدی

شیخ عبد الحی ولد شیخ جمالی نے دوسرا مصرعہ عرض کیا۔

قولے ست مصطفےٰ رالا خیر فی العیدی۔

ملتان کی فتح

شیر شاہ نے یہاں ایک سال قیام کیا اور ملک اور فوج کے انتظام کو درست کیا پھر ہیبت خاں کو حکم دیا کہ ملتان کو بلوچیوں سے چھڑا کر شیر شاہ کی حکومت میں شامل کرے۔ ہیبت خاں، فتح خاں بلوچ سے معرکہ آرا ہوا اور ملتان کو فتح کر کے شیر شاہ کی سلطنت میں شامل کیا۔ شیر شاہ نے ہیبت خاں کو "اعظم ہمایوں" کے خطاب سے نوازا۔

پورن مل کی بغاوت

۹۵۰ھ میں پورن مل ولد راجہ سلہدی پورمیہ نے قلعہ رائے سین میں طاقت پکڑ کر بغاوت کی پورن مل نے اس علاقے کے اکثر پرگنات پر قبضہ کر کے دو ہزار مسلمان عورتیں اپنے حرم میں داخل کر رکھی تھیں یہ مسلمان عورتیں رقاصاؤں اور گائیوں کا کام انجام دیتی تھیں۔ شیر شاہ یہ واقعہ سن کر بہت غصے میں آیا چنانچہ اس نے رائے سین کے قلعے پر حملہ کر دیا اور محاصرہ کر لیا۔ محاصرے کی طوالت کی وجہ سے شیر شاہ نے صلح کی بات چیت شروع کی۔ اس نے پورن مل سے وعدہ کر لیا کہ اس کی جان کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ پورن مل اپنے بال بچوں اور چار ہزار راجپوتوں کے ساتھ قلعے سے باہر ایک جگہ پر قیام پذیر ہوا۔ علمائے وقت میں سے میرزا رفیع الدین صاحب نے باوجود عہد و پیمان کے پورن مل کے قتل کا فتویٰ دے دیا۔ شیر شاہ نے اپنے لشکر اور ہاتھی راجہ کے سر پر لا کھڑے کیے اور شاہی لشکر نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا۔ راجپوت اس قدر بہادری سے لڑے کہ رستم اور اسفند یار کی داستانیں بھی ان کی بہادری و مردانگی کے آگے بچوں کا کھیل معلوم ہونے لگیں۔ تلواروں اور تیروں اور ہاتھیوں پر گر کر پروانوں کی طرح ساری قوم قتل ہو گئی۔

مارواڑ پر حملہ

شیر شاہ اس معرکے سے فارغ ہو کر آگرے آیا چند مہینے قیام کر کے لشکر کو نئے سرے سے منظم کیا اور پھر مارواڑ پر حملہ کر دیا۔ ہر منزل کے بعد شیر شاہ لشکر کے گرد قلعے بنواتا اور خندقیں کھدواتا چلا گیا۔ اس طرح سے احتیاط اور دور اندیشی سے کام لیتا ہوا وہ ریگستان میں پہنچا یہاں قلعے بنوانا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ عقلمند بادشاہوں نے بوروں میں بالو بھرنے کا حکم دیا اور بوروں کو اوپر نیچے رکھ کر قلعہ بندی کی۔ شیر شاہ کا پہلا حملہ ناگور اور جودھپور کے راجہ مالدیو پر ہوا۔ یہ راجہ فوج اور شان و شوکت میں تمام ہندوستانی راجاؤں میں ممتاز تھا۔ پچاس ہزار راجپوت راجہ کے گرد جمع ہو گئے راجہ اپنے بھائیوں کے ہمراہ ایک مہینے تک اجمیر کے قریب خیمہ زن رہا فریقین میں سے کسی نے پیش قدمی نہ کی۔ جب شیر شاہ کو راجہ کے لشکر کا حال معلوم ہوا تو اسے اپنے اس سفر پر قدرے افسوس ہوا۔

جعلی خطوط

راجہ مالدیو نے حکومت وراثت میں حاصل نہیں کی تھی بلکہ اس علاقے کے تمام راجاؤں کو زیر کر کے مہاراجہ بنا تھا' مظلوم راجاؤں نے موقع پا کر شیر شاہ سے پناہ مانگی۔ شیر شاہ کے مشورے سے ان راجاؤں نے مالدیو کے افسروں اور سرداروں کی طرف سے شیر شاہ کے نام ہندی زبان میں خطوط لکھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "ہم لوگ مجبوراً مالدیو کی اطاعت کر رہے ہیں اور ہم نے کسی غیبی امداد کے بھروسے پر راجہ کے ظلم و ستم برداشت کیے' خدا کا شکر ہے کہ آپ جیسا بادشاہ اس ملک پر حملہ آور ہوا ہے تاکہ اس ظالم سے ہمارے بدلے لے۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جس وقت آپ کی فوج یہاں پہنچ جائے گی ہم مالدیو سے علیحدہ ہو کر آپ کی مدد کریں گے۔" ان خطوط کے مضمون کے مطابق شیر شاہ کا جواب بھی بادشاہ کی طرف سے اسی طرح لکھا گیا کہ "اگر خدا نے چاہا تو میں مالدیو کو شکست دے کر تمہاری دادرسی کروں گا اور تمہارے موروثی علاقے تمہیں دے کر تمہارے مراتب بلند کروں گا تم لوگوں کو چاہیے کہ صبر و سکون کے ساتھ میرا ساتھ دو۔"

مالدیو کی پریشانی

یہ جعلی خطوط کسی طرح سے مالدیو تک پہنچائے گئے راجہ ہمیشہ اپنے زمینداروں اور امیروں سے خائف رہتا تھا ان خطوط کو دیکھ کر اس کے اوسان جاتے رہے۔ اور اس کے باوجود کہ وہ تین چار منزلیں طے کر چکا تھا جہاں تھا وہیں سہم کر رہ گیا۔ راجہ کے ایک کنہیا نامی سردار نے جو اپنی فوج اور ذاتی بہادری کی وجہ سے تمام امیروں میں ممتاز تھا۔ راجہ کو آگے بڑھ کر معرکہ آرائی کرنے کا مشورہ دیا۔ ان جعلی خطوط میں ایک خط کنہیا کے نام کا بھی تھا للہذا راجہ کا شبہ یقین میں بدل گیا کہ کنہیا مصلحتاً" اسے لڑائی کے لئے ابھار رہا ہے' چنانچہ اس کے وہم میں اور اضافہ ہوا اور اس نے واپسی کا مصمم ارادہ کر لیا۔ کنہیا اور چند دوسرے سرداروں نے راجہ کو سمجھایا مگر وہ نہ مانا ان ہندو سرداروں کو بھی ان خطوط کی اصلیت معلوم ہوئی چونکہ غداری کا جرم عام طور پر ہر مذہب میں ناقابل معافی ہوتا ہے اور خاص طور پر راجپوت" مسلمانوں کی طرح اسے بڑے شرم کی بات سمجھتے ہیں۔

اس تجویز کے بعد اس رات جبکہ مالدیو اپنے دور دراز ملک کو واپس جا رہا تھا کنہیا اور اس کے دوسرے ساتھی امیر راجہ سے رخصت ہوئے اور دس بارہ ہزار سواروں کے ساتھ جن کی بہادری آزمائی ہوئی تھی۔ شیر شاہ کے لشکر پر شب خون مارنے کے لئے دشمن کی طرف بڑھے اتفاق سے یہ سردار راستہ بھول گئے اور بجائے رات کے دن کو شیر شاہ کے لشکر کے قریب پہنچے۔ ان ہندو سرداروں نے افغانی لشکر پر جو اسی ہزار سے کم نہ تھا بڑی جرات اور بہادری کے ساتھ حملہ کیا اور افغانوں کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں قریب تھا کہ شیر شاہ کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ جاتے کہ اچانک ایک افغان امیر جلال خاں جلوانی جس کی شجاعت اور پختگی مشہور تھی تازہ لشکر کے ساتھ عین

شکست کے بعد فتح نصیب ہوئی- شیر شاہ نے کہا خیر گزری ورنہ ایک مٹھی بھر باجرے کے لئے ہندوستان کی سلطنت کھو بیٹھا تھا۔" بات یہ تھی کہ مالدیو کے علاقے میں ریگستان ہونے کی وجہ سے جوار اور باجرے کے سوا گیہوں' چاول' جو اور نیشکر اور ترکاریاں وغیرہ بہت کم پیدا ہوتی تھیں اس علاقے میں اکثر کھیت باجرے کے ہی ہوتے ہیں- مالدیو کو بھی اپنے بے گناہ امیروں کی لڑائی اور مارے جانے کا حال اور افغانوں کے مکر و فریب کا پتہ چلا تو اسے بےحد افسوس ہوا- وہ کوہستان جودھ پور کی طرف ناکام ہو کر بھاگ نکلا' شیر شاہ اس غیبی امداد سے کامیاب ہو کر قلعہ چتوڑ کی طرف روانہ ہوا-

کالنجر پر لشکر کشی

چتوڑ پر صلح صفائی سے قبضہ کرنے کے بعد وہ رنتھنبور پہنچا' رنتھنبور کو شیر شاہ نے اپنے بڑے لڑکے کو جاگیر میں دے دیا تھا- اس لئے اس کے لڑکے عادل خاں نے قلعے میں انتظام کی غرض سے چند روز کی اجازت حاصل کی- اس کے بعد شیر شاہ ہندوستان کے مشہور ترین اور سب سے مضبوط حصار قلعہ کالنجر کی طرف چلا- قلعے کا راجہ' پورن مل کے ساتھ افغانوں کی بدعہدی سے باخبر تھا لہٰذا راجہ نے اطاعت سے انکار کیا اور لڑائی کے لئے تیار ہو گیا- شیر شاہ نے قلعے کو چاروں طرف سے گھیر لیا جہاں بادشاہ خود کھڑا تھا- اسی جگہ بارود سے بھرے ہوئے ڈبے رکھے ہوئے تھے ان کو سپاہی آگ لگا کر قلعے کے اندر پھینک رہے تھے- اتفاق سے ایک ڈبہ قلعے کی دیوار سے ٹکرا کر الٹ گیا- اور دوسرے ڈبوں کے درمیان میں آ گرا اس کے گرتے ہی سارے ڈبوں کو آگ لگ گئی- شیر شاہ مع اپنے مرشد شیخ خلیل خاں صاحب اور ملا نظام دانشمند و دریا خاں شیروانی کے جل گیا- شیر شاہ اسی حالت میں مورچے تک پہنچا بے ہوشی طاری تھی- جب کبھی سانس ٹھیک چلنے لگتی اور ہوش آ جاتا تو بلند آواز سے لشکر کو لڑنے کی تاکید کرتا اور اپنے خاص امیروں کو بڑے اہتمام اور تاکید کے ساتھ دشمن کے مقابلے پر روانہ کرتا-

اسی دن جبکہ شام ہو رہی تھی ۹۵۲ھ بارھویں ربیع الاول کو شیر شاہ نے قلعے کے فتح ہونے کی خبر سنی اور اس دنیا سے رخصت ہو گیا- شیر شاہ نے پندرہ برس امارت اور افسری میں گزارے اور پانچ سال پورے ہندوستان پر حکومت کی شیر شاہ بڑا عقلمند اور مدبر تھا- اس بادشاہ نے اپنے کارناموں کے پسندیدہ آثار دنیا میں چھوڑے- اس نے اپنے عہد میں بنگالے اور سنار گاؤں سے دریائے سندھ تک پندرہ سو میل پختہ سڑک بنوائی اور ہر کوس پر ایک سرائے' ایک کنواں اور ایک پختہ مسجد تعمیر کی گئی- مسجدوں میں امام' قاری اور موذن مقرر کیے گئے ان کو وظیفہ سرکاری خزانے سے ملتا تھا-

ہر سرائے کے دو دروازے تھے ایک دروازے پر پکا ہوا کھانا و جنس اور غلہ وغیرہ مسلمانوں کو اور دوسرے پر اسی طرح ہندوؤں کو تقسیم کیا جاتا تاکہ مسافروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو- اسی طرح ہر سرائے میں ڈاک چوکی کے دو گھوڑے ہر وقت موجود رہتے- اس حسن انتظام کی وجہ سے سندھ اور بنگالے کی خبریں روزانہ بادشاہ کو ملتی رہتی تھیں- سڑک کے دونوں طرف کھرنی' جاموں اور دوسرے میوہ جات کے درخت لگائے گئے- تاکہ رعایا ان کے سائے میں آرام کے ساتھ سفر طے کرے اسی طرح آگرے سے مندو تک تین سو کوس تک میوہ دار درخت سڑک کے دونوں طرف لگائے گئے- سرائے' مسجد اور کنوئیں وغیرہ تعمیر کرائے گئے- شیر شاہ کا عہد اتنا پر امن تھا کہ مسافر جنگل میں بھی بے کھٹکے اپنا اسباب سرہانے رکھ کر آرام اور اطمینان سے سوتے تھے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ایک بڑھیا بھی روپے اور اشرفیوں کا گھڑا اپنے پاس رکھ کر سوتی تو اسے پاسبان کی ضرورت نہ ہوتی تھی-

شیر شاہ جب کبھی آئینے میں اپنی سفید ڈاڑھی دیکھتا تو کہتا کہ "دولت نے شام ہوئے پر میرا ساتھ دیا-" اور پھر اس پر افسوس کرتا شیر شاہ ہندوستانی طریقے کے مضحکہ خیز شعر بھی کہتا تھا اس کی انگوٹھی پر یہ سجع کندہ تھا-

شہ اللہ باقی ترا باد دائم

ایک شاعر نے اس کی رحلت کی یہ تاریخ لکھی ہے۔

خاں شیر شہ حسن قائم سور — شیر شا ہے کہ از مہابت او
شیر و بز آب راہم می خورد — چوں بہ رفت از جہاں بدار بقا
گشت تاریخ اوز آتش مرد

سلیم شاہ بن شیر شاہ سوری

شیر شاہ کی وفات کے بعد اس کا بڑا بیٹا عادل خاں جو ولی عہد تھا رنتھنبور کا قلعہ دار تھا اور چھوٹا بیٹا جلال خاں پٹنہ کے مضافات میں قصبہ ریون میں تھا۔ امیروں نے یہ مشورہ کیا کہ چونکہ عادل خاں دور ہے اور بغیر حاکم کے رہنا بھی محال ہے لہٰذا جلال خاں کو بلوایا جائے جلال خاں پانچ روز میں شاہی لشکر گاہ میں پہنچ گیا۔ اس نے عیسیٰ خاں حاجب اور دوسرے امیروں کی کوشش سے پندرھویں ربیع الاول ۹۵۲ھ کو کالنجر کے قلعہ میں تخت نشینی کی۔ جلال خاں نے اسلام خان لقب اختیار کیا' لیکن خاص و عام کی زبان پر بجائے اسلام شاہ کے سلیم شاہ چڑھ گیا لہٰذا وہ اسی لقب سے مشہور ہوا۔ سلیم نے تخت سلطنت پر بیٹھ کر بڑے بھائی عادل خاں کو ایک خط لکھا جس میں یہ تحریر کیا۔ "چونکہ تم مرحوم بادشاہ سے بہت دور تھے اور میں قریب تھا لہٰذا تمہارے آنے تک فتنہ و فساد روکنے کے لئے عنان حکومت میں نے سنبھالی ہے اور لشکر و سپاہ کی حفاظت کر رہا ہوں میں تمہارا مطیع و فرمانبردار ہوں۔" سلیم شاہ بھائی کو یہ خط لکھ کر کالنجر سے آگرہ روانہ ہوا۔ جب وہ قصبہ کور کے نزدیک پہنچا تو خواص خاں اپنی جاگیر سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور از سرنو جشن جلوس مرتب کیا۔ امیروں کے مشورے سے سلیم شاہ کو دوبارہ تخت پر بٹھا کر اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ سلیم شاہ نے دوسرا خط عادل خاں کے نام روانہ کیا اور اس میں بھی اپنے خلوص کا اظہار کیا اور اس سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔

عادل خاں نے سلیم شاہ کے امیروں قطب خاں نائب' عیسیٰ خاں نیازی' خواص خاں اور جلال خاں جلوانی سے اپنے آنے کے متعلق پوچھا اور سلیم شاہ کو بھی لکھا کہ اگر یہ چاروں امیر مجھے مطمئن کر دیں تو مجھے آنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔"

سلیم شاہ نے ان چاروں امیروں کو عادل خاں کے پاس بھیجا انہوں نے عادل خاں سے بات چیت کے بعد یہ طے کیا کہ پہلی ملاقات میں عادل خاں کو اجازت دے دی جائے گی کہ ہندوستان کے جس گوشے میں چاہے اپنی جاگیر پسند کرے اور وہاں چلا جائے۔ عادل خان ان کے ہمراہ آگرہ روانہ ہوا۔ عادل خاں قصبہ سیکری میں جو اب فتح پور کے نام سے مشہور ہے پہنچا۔ سلیم شاہ شکار گاہ میں تھا اس نے یہ خبر سنی اس جگہ کو دونوں بھائیوں کی ملاقات کے لئے تجویز کیا گیا تھا لہٰذا اسے آراستہ کیا گیا۔ وہاں دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوئی تھوڑی دیر دونوں وہاں بیٹھے پھر آگرہ روانہ ہوئے۔

عادل خاں

سلیم شاہ کو بھائی کی طرف سے اندیشہ تھا لہٰذا اس نے یہ طے کیا کہ عادل خاں کے ہمراہیوں میں سے دو تین سے زیادہ آگرے کے قلعے میں نہ رہنے پائیں' مگر سلیم شاہ کے اس حکم کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ قلعے کے دروازے پر اس کے ساتھیوں کا ایک گروہ جمع ہو گیا۔ سلیم شاہ نے ملائمت اور نرمی سے کام لیا اور خوشامد سے کہا کہ "اب تک تو افغانوں کا میں نگران رہا' مگر اب سے تم ان کے سردار ہو اور اس سرکش قوم کے ذمہ دار ہو۔ میں تمہاری قوم تمہیں سپرد کرتا ہوں" یہ کہنے کے بعد عادل خاں کا ہاتھ پکڑ کر اسے تخت پر بٹھا دیا اور چاپلوسی کرنے لگا۔ عادل خاں عیش پسند اور آرام طلب تھا' سلیم شاہ کی مکاری کو سمجھ گیا لہٰذا وہ خود تخت سے اترا اور سلیم شاہ کو مسند شاہی پر بٹھا دیا۔ عادل نے پہلے خود سلام کیا اور مبارک باد دی پھر امیروں نے مبارک باد دے کر نچھاور اور صدقے کی رسم ادا کی۔ اس محفل میں قطب خاں اور دوسرے امیر حاضر تھے جو عادل خاں سے عہد و پیمان کر کے اسے یہاں لائے تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے عرض کی کہ ہمارا وعدہ یہ تھا کہ عادل خاں کو پہلی ملاقات میں رخصت کر کے بیانہ اور اس کے گرد و نواح کا علاقہ اسے جاگیر میں دے دیں سلیم شاہ نے اس کو منظور

کیا۔ اس نے عادل خاں کو عیسیٰ خاں اور خواص خاں کے ساتھ بیانہ جانے کی اجازت دے دی۔

عادل خاں کی گرفتاری کا حکم

دو تین مہینے کے بعد سلیم نے ایک امیر غازی محلی کو جو بادشاہ کا رازدار تھا سونے کی بیڑی دے کر حکم دیا کہ عادل خاں کو قید کر کے پابہ زنجیر سلیم شاہ تک لے آئے۔

خواص خاں کی بغاوت

عادل خاں نے یہ خبر سنی اور خواص خاں کے پاس میوات میں چلا گیا اور اس سے سلیم شاہ کی وعدہ شکنی کی شکایت کی۔ خواص خاں کو عادل خاں کے حال پر ترس آیا چنانچہ اس نے غازی محلی کو بلا کر وہی بیڑی اس کے پیروں میں ڈال دی اور سلیم شاہ کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا۔ خواص خاں نے دوسرے امیروں کو بھی جو سلیم شاہ کے گرد جمع تھے خط لکھ کر اپنا ہمنوا بنا لیا پھر ایک جرار لشکر لے کر عادل خاں کے ہمراہ آگرے روانہ ہوا۔

قطب خاں نائب اور عیسیٰ خاں نیازی نے سلیم شاہ سے بد دل ہو کر عادل خاں کو لکھا اور ترغیب دی کہ رات کے آخری حصے میں وہ آگرہ میں پہنچ جائے پھر ہم سب لوگ بلا روک ٹوک عادل خاں سے آملیں گے۔ عادل خاں اور خواص خاں آگرہ سے بارہ کوس کے فاصلہ پر قصبہ سیکری میں پہنچے اور اس علاقے کے ایک بڑے بزرگ حضرت شیخ سلیم سے ملاقات کرنے گئے چونکہ یہ رات شب برات کی تھی لہٰذا خواص خاں کو اس رات کی نماز پڑھنے میں کچھ دیر ہو گئی۔ اور یہ لوگ بجائے رات کے پچھلے حصے کے چاشت کے وقت آگرہ پہنچے۔ سلیم شاہ کو بھی ان کی آمد کی اطلاع مل گئی وہ پریشان ہو کر قطب خاں نائب، عیسیٰ خاں نیازی وغیرہ سے کہنے لگا اگر مجھ سے عادل خاں کے ساتھ کوئی بد عہدی کی بات ہو گئی ہے تو خواص خاں اور عیسیٰ خاں نے مجھے خبردار کیوں نہ کیا تاکہ میں اپنے برے ارادوں سے باز رہتا۔" قطب خاں نے سلیم کو پریشان دیکھ کر کہا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ابھی تک مرض لا علاج نہیں ہوا ہے میں اس جھگڑے کو ختم کرنے کی ضمانت دیتا ہوں۔

سلیم شاہ کی حکمت عملی

سلیم شاہ نے قطب خاں نائب اور دوسرے امیروں کو جو عادل خاں کی طرف مائل ہو چکے تھے صلح کی گفت و شنید کے لئے اس کے پاس بھیجا اور خود قلعہ چنار جانے کی تیاری کرنے لگا تاکہ خزانے پر قبضہ کر کے سامان جنگ مہیا کرے اور پھر پوری قوت سے معرکہ آرائی کر سکے۔ عیسیٰ خاں نیازی نے سلیم شاہ کو اس ارادے سے منع کیا اور اس سے کہا "اگر تم کو دوسروں پر بھروسا نہیں ہے تو کیا ان دس ہزار قرلی افغانوں پر بھی اعتماد نہیں کرتے جو تمہارے شہزادگی کے زمانے سے نمک خوار ہیں اور باوجود اس کے کہ طاقت اور قوت تمہارے پاس موجود ہے۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ تم خدا کی دی ہوئی دولت پر بھروسا نہیں کرتے اور بجائے ثابت قدم رہنے کے بھاگنے کو ترجیح دیتے ہو۔ یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ اپنے امیروں کو چاہے وہ تمہارے خلاف ہی کیوں نہ ہوں دشمن کے پاس بھیجنا دوراندیشی اور احتیاط کا کام نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ تم بذات خود اپنی فوج سے چار قدم آگے میدان میں نکل آؤ اور اپنی ثابت قدمی دکھاؤ۔ اس طرح کوئی بھی تمہاری موجودگی میں دشمن کا ساتھ نہ دے گا۔

ان باتوں سے سلیم شاہ کو کچھ تسلی ہوئی اور اس میں کچھ مستقل مزاجی پیدا ہوئی اس نے ان امیروں کو جنہیں وہ عادل خاں کے پاس بھیجنے کے لئے کہہ چکا تھا بلایا اور ان سے کہا کہ "اپنے ہی ہاتھوں سے میں تمہیں دشمن کے حوالے نہیں کر سکتا ہو سکتا ہے کہ وہ تم سے بری طرح پیش آئیں۔" [illegible]

طرفداروں میں شامل ہو گئے۔

معرکہ آرائی

آگرے کے قریب جنگ ہوئی قدرت نے سلیم شاہ کا ساتھ دیا۔ خواص خاں اور عادل خاں کی فوج میں پھوٹ پڑ گئی چنانچہ عیسیٰ خاں نیازی اور خواص خاں میوات کی طرف بھاگے عادل خاں اکیلا پٹنے کی طرف چلا گیا۔ پھر عادل خاں پر گمنامی کا ایسا پردہ پڑا کہ کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ وہ کس حال میں ہے اور اس کا انجام کیا ہوا۔

سلیم شاہ نے عیسیٰ خاں اور خواص خاں کے تعاقب میں فوج بھیجی فیروزپور میں دونوں کا مقابلہ ہوا۔ سلیم شاہ کی فوج کو شکست ہو گئی۔ سلیم شاہ نے دوبارہ فوج بھیجی چنانچہ عیسیٰ خاں اور خواص خاں ان نئے سپاہیوں سے مقابلہ نہ کر سکے اور کمایوں کے پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ سلیم شاہ نے قطب خاں نائب اور دوسرے سرداروں کو ادھر روانہ کیا قطب خاں نے کوہ کمایوں میں ٹھہر کر اس کے گرد و نواح کے علاقوں کو زیر زبر کرنا شروع کر دیا اسی دوران میں سلیم شاہ نے خود چنار کا رخ کیا۔

جلال خاں کا قتل

راستے میں بادشاہ نے جلال خاں جلوانی اور اس کے بھائی کو گرفتار کر کے قتل کرا دیا ان پر یہ جرم لگایا گیا کہ انہوں نے عادل خاں کا ساتھ دیا تھا۔ سلیم نے چنار پہنچ کر خزانے کو گوالیار بھیج دیا اور خود آگرے واپس آ گیا۔

قطب خاں کی گرفتاری

قطب خاں بھی چونکہ عادل خاں کو بلانے والے گروہ میں شریک تھا للذا اس کو بھی سلیم شاہ کی طرف سے خوف تھا چنانچہ قطب خاں اس وہم میں مبتلا ہو کر کوہ کمایوں سے بھاگا۔ اور ہیبت خاں نیازی اعظم ہمایوں کے ہاں لاہور میں پناہ گزین ہوا۔ سلیم شاہ نے ہیبت خاں کو حکم دیا کہ وہ قطب خاں کو پیش کرے چنانچہ اعظم ہمایوں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی۔ سلیم شاہ نے قطب خاں کو اور چودہ دوسرے مجرموں کو قید کر کے جن میں شہباز خاں لوحانی' سلیم کا بہنوئی بھی تھا' گوالیار بھیج دیا۔ پھر اس نے مالوے کے حاکم شجاعت خاں اور اعظم ہمایوں کو طلب کیا شجاعت خاں تو حاضر ہو گیا' مگر اعظم ہمایوں نے عذر کیا' شجاعت خاں کو واپس مالوے بھیج دیا گیا۔ اور سلیم خود رہتاس کا خزانہ لانے کے لئے روانہ ہوا۔ سعید خاں اعظم ہمایوں کا بھائی ہمیشہ بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا وہ راستے ہی سے بھاگ کر لاہور جا پہنچا۔ سلیم شاہ بھی راستے ہی سے واپس آگرے آ گیا اور اپنے لشکر کو جمع ہونے کا حکم دیا پھر دہلی کی طرف روانہ ہوا۔

سلیم شاہ کی لاہور کو روانگی

شہر کا قلعہ بادشاہ ہمایوں نے بنوایا تھا۔ سلیم شاہ نے اس کی جگہ پختہ قلعہ تعمیر کرنے کا حکم دیا' سلیم شاہ کی آمد کی خبر دہلی میں پہنچی شجاعت اس خبر کو سن کر اپنے خلوص کا اظہار کرنے کے لئے چند دوستوں کے ساتھ سلیم شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلیم شاہ نے اس کو تسلی دی پھر چند دن دہلی میں رہنے کے بعد اپنے لشکر کو ترتیب دے کر لاہور کی طرف روانہ ہوا۔

اعظم ہمایوں کی شورش

اعظم ہمایوں بادشاہ کے مخالفین کے ہمراہ پنجابی لشکر لے کر بادشاہ سے مقابلے کے لیے آگے بڑھا یہ لشکر بادشاہ کی فوج سے دوگنا تھا اور خواص خاں بھی ان کے ساتھ تھا انبالے کے قصبے کے قریب مقابلہ ہوا۔ مورخ لکھتے ہیں کہ سلیم شاہ نیازیوں کی فوج کے پہنچتے ہی سواری سے اترا اور چند درباریوں کو لے کر دشمن کی سپاہ دیکھنے کے لئے چلا یہ ایک ٹیلے پر چڑھے بادشاہ نے دشمن کی فوج کو دیکھ کر کہا کہ میں یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ باغی زندہ رہیں میں صبر نہیں کر سکتا چنانچہ فوج کو تیاری کا حکم دے دیا گیا۔ لڑائی سے قبل رات کو اعظم ہمایوں' اس کے بھائیوں اور خواص خاں میں مشورے ہوئے کہ سلیم شاہ کی بجائے کس کو حاکم بنایا جائے۔ خواص خاں نے کہا کہ عادل خاں کو تلاش

کر کے اسے بادشاہ بنایا جائے۔ اعظم ہمایوں اور اس کے بھائیوں نے کہا کہ "ملک وراثت سے نہیں بلکہ تلوار سے قبضے میں آتا ہے" ان باتوں سے ان امیروں میں اختلاف ہو گیا۔

سلیم شاہ کی فتح

اگلی صبح دونوں فوجیں صف بستہ ہوئیں لڑائی شروع ہوئی۔ خواص خاں بغیر لڑے ہوئے میدان جنگ سے بھاگا نیازیوں نے شاہی فوج کا مقابلہ کیا۔ یہ درست ہے کہ نمک حرامی کی سزا ہمیشہ ندامت اور بدنامی ہوا کرتی ہے۔ اعظم ہمایوں اور ان کے ساتھی بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ سلیم شاہ کو غیب سے مدد ملی اور فتح نصیب ہوئی۔ اعظم ہمایوں کے بھائی سعید خاں نے جو مسلح تھا اور جسے کوئی پہچان نہ سکتا تھا وس ہمراہیوں کے ساتھ مبارک باد کے بہانے سے سلیم شاہ تک پہنچ کر اس کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک فیل بان نے اسے پہچان لیا اور اسے نیزہ مارا۔ سعید خاں ہاتھیوں کے گھیرے اور سلیم شاہ کے خاصے کی فوج سے نکل کر دائیں طرف آیا اور میدان جنگ سے نکل گیا۔ شکست کے بعد نیازی دھن کوٹ جوزدہ کے قریب چلے گئے۔ سلیم شاہ نے ان کا پیچھا کیا اور اپنے باپ کے بنائے ہوئے قلعے رہتاس تک بڑھتا گیا۔ پھر اس نے خواجہ اویس شیروانی کو فوج دے کر نیازیوں کو کچلنے کے لئے چھوڑا اور خود آگرے لوٹ آیا۔ بعد ازاں سلیم آگرہ سے گوالیار پہنچا اسی زمانے میں ایک دن شجاعت خاں قلعے کے اوپر سلیم شاہ سے آگے جا رہا تھا۔ ایک شخص عثمان' جس کا ہاتھ شجاعت خاں نے کٹوا ڈالا تھا راستے میں چھپا ہوا تھا' اور موقع کا متلاشی تھا' جوں ہی شجاعت خاں قریب پہنچا عثمان نے نکل کر شجاعت خاں پر وار کیا۔ شجاعت خاں زخمی ہو کر اپنے مکان میں لوٹ آیا۔ اسے مغالطہ ہوا کہ عثمان' سلیم شاہ کا سکھایا ہوا تھا س چنانچہ وہ گوالیار سے آگرہ بھاگ گیا سلیم شاہ نے مندو تک اس کا پیچھا کیا۔ شجاعت بانس واڑے پہنچا۔ بادشاہ عیسیٰ خاں سور کو اجین میں چھوڑ کر واپس آگیا یہ ۹۵۴ھ کا واقعہ ہے۔

خواجہ اویس شیروانی نے دھن کوٹ میں نیازیوں سے مقابلہ کیا مگر اسے شکست ہو گئی اور وہ میدان سے بھاگا اعظم ہمایوں نے نوشہرہ تک اس کا پیچھا کیا۔

نیازیوں اور کھوکھروں کی شکست

سلیم نے یہ خبر سن کر ایک منظم لشکر کو نیازیوں کے تباہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ اعظم ہمایوں نوشہرہ سے لوٹا اور دھن کوٹ آگیا سلیم شاہ کا لشکر سنبلہ کے قریب پہنچا۔ نیازیوں نے شاہی فوج سے مقابلہ کیا فتح بادشاہ کے لشکر کو ہوئی۔ اعظم ہمایوں کی ماں اور بیوی بچے گرفتار ہوئے قیدی سلیم شاہ کی خدمت میں بھیج دیئے گئے۔ نیازیوں نے کھوکھروں کے دامن میں پناہ لی اور کشمیر کے قریب ایک پہاڑ میں قیام پذیر ہوئے۔ سلیم شاہ نے دوبارہ ایک لشکر کو منظم کیا اور نیازیوں کے فتنے کو ختم کرنے کے لیے خود پنجاب آیا۔ بادشاہ اور کھوکھروں میں دو سال تک جنگ ہوتی رہی۔ اسی دوران میں ایک شخص نے بادشاہ پر حملہ کیا۔ سلیم شاہ مان کوٹ کے پہاڑ پر چڑھتے وقت ایک راستے سے گزر رہا تھا۔ اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا بچاؤ کیا اور دشمن کو مار ڈالا۔ بادشاہ نے دشمن کی تلوار پہچانی یہ تلوار بادشاہ نے اقبال خاں کو دی تھی بالآخر کھوکھر مغلوب ہوئے اور ان کی قوت ختم ہو گئی۔ اعظم ہمایوں اور اس کا بھائی سعید لڑائی میں مارے گئے۔ حاکم کشمیر نے ان کے سر سلیم شاہ کو بھیج دیئے۔ سلیم شاہ نیازیوں سے فارغ ہو کر واپس لوٹا اس دوران میں کامران مرزا' ہمایوں سے علیحدہ ہو کر سلیم شاہ کے پاس پناہ گزین ہوا۔ سلیم شاہ نے کبر و نخوت سے کام لیا اس کی طرف توجہ نہ دی۔ اس بدسلوکی کی وجہ سے کامران اس سے علیحدہ ہوا اور "۔۔۔" کی راہ لی پھر وہاں سے کھوکھروں کے علاقے میں چلا گیا۔

سلیم شاہ دہلی واپس چلا آیا اور کچھ دنوں تک اس نے آرام کیا۔

سلیم شاہ کی لاہور کو روانگی

سلیم شاہ کو پتہ چلا کہ ہمایوں دریائے سندھ تک آگیا ہے مورخین نے لکھا ہے کہ جس وقت سلیم شاہ سوری کو یہ اطلاع ملیں وہ اس وقت اپنے گلے میں جونکیں لگائے ہوئے خون نکلوا رہا تھا وہ فوراً دشمن سے مقابلے کے لیے روانہ ہوا۔ پہلے دن بادشاہ نے تین کوس فاصلہ طے کیا توپخانہ بھی بادشاہ کے ساتھ تھا۔ ان دنوں ارابے کھینچنے والے بیل پرگنوں میں بھیج دیئے گئے۔ بادشاہ کو آگے بڑھنے کی عجلت تھی چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ پیادے ارابے کھینچیں ہر توپ کو ہزار دو ہزار پیادے کھینچنے لگے اور سلیم شاہ لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔
ہمایوں' سلیم شاہ کے پہنچنے سے پہلے ہی دریا کے کنارے سے واپس ہو چکا تھا لہٰذا سلیم شاہ بھی لاہور سے لوٹ آیا اور قلعہ گوالیار میں قیام پذیر ہوا۔

مفسدوں کی حرکت

ایک دن سلیم شاہ انتری کے قریب شکار کھیل رہا تھا کہ فسادیوں کی ایک جماعت مخالفین کے بھڑکانے سے سلیم شاہ کے راستے میں حائل ہوئی۔ اتفاق سے سلیم شاہ دوسرے راستے سے لوٹ آیا مفسد کھڑے کے کھڑے ہی رہ گئے۔ اس واقعے کا جب بادشاہ کو علم ہوا تو اس نے سید بہاء الدین' محمود اور مدار تین شخصوں کو جو اس فساد کے سرغنہ تھے قتل کر دیا اور خود گوالیار ہی میں مقیم رہا۔ سلیم شاہ اپنے امیروں میں کسی کو طاقت پکڑتے دیکھتا تو اسے گرفتار کر کے نظر بند کر دیتا یا قتل کرا دیتا۔

خواص خاں کا قتل

بادشاہ کے اس رویے سے خواص خاں جو نہایت سخی اور شجاع تھا خوفزدہ ہوا۔ وہ جنگلوں اور میدانوں میں جان بچانے کے لئے آوارہ گردی کرنے لگا۔ خواص خاں اس حالت سے تنگ آ گیا۔ ۹۵۹ھ میں سنبھل میں اپنے معتبر امیر تاج خاں کرانی سے امان لے کر اس کے پاس آیا۔ تاج خاں نے سلیم شاہ کے حکم کی خلاف ورزی کی اور خواص خاں کو دھوکا دے کر قتل کر ڈالا۔ لوگ خواص خان کا جنازہ لیکر دہلی آئے اور وہاں اسے دفن کیا۔ ہندوستان کے لوگ خواص خان کو ولی سمجھتے تھے اور وہ خواص خاں ولی کے نام سے مشہور تھا۔ خواص کی موت سلیم شاہ کے لیے مبارک نہ ہوئی چنانچہ ۹۶۰ھ کے شروع میں اس کے دونوں سرین کے درمیان ایک دنبل نکلا بادشاہ نے درد کی شدت سے بیتاب ہو کر فصد کھلوائی اس کے بعد وہ گھر سے باہر نکلا ٹھنڈی ہوا کا اثر ہوا اور اس وجہ سے سلیم شاہ کا انتقال ہو گیا اس بادشاہ نے نو سال حکومت کی۔

تعمیرات

سلیم شاہ نے سندھ سے بنگالے تک شیر شاہ کی بنوائی ہوئی سراؤں کے درمیان میں ایک ایک اور نئی طرز کی سرائے تعمیر کروائی۔ اور ہر سرائے میں شیر شاہ کے طریقے کے مطابق بلا لحاظ عہد و مرتبہ پکا کھانا اور کچی جنس تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ انہی دنوں محمود شاہ گجراتی اور برہان نظام الملک بحری نے بھی وفات پائی۔ مورخ فرشتہ کے باپ نے ان تینوں حاکموں۔ کے ایک ہی سال میں انتقال کے واقعے کا مادہ تاریخ "زوال خسرواں" نکالا تھا۔

شیخ علائی کا واقعہ

سلیم شاہ کے عہد کا سب سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ شیخ علائی کا ہے۔ شیخ علائی کے باپ شیخ حسن حضرت شیخ سلیم چشتی کے مرید اور ان کے خلیفہ تھے۔ شیخ حسن قصبہ بیانہ میں بیٹھ کر لوگوں کو ہدایت کرتے رہتے تھے۔ شیخ حسن نے انتقال کیا تو شیخ علائی جو صاحب علم و فضل تھے اور باپ کی بہترین یادگار تھے شیخ حسن کے سجادہ نشین ہوئے۔ اپنے والد کی طرح لوگوں کے باطنی تعلیم سے فیضیاب کرنے لگے اتفاق سے ایک نیازی افغان شیخ عبد اللہ جو خود بھی حضرت سلیم چشتی کا مرید تھا کی معظم ... [illegible]

اس فرقے کے لوگ اسلامی عقائد کے خلاف سید محمد جونپوری صاحب کو مہدی موعود مانتے تھے۔ چنانچہ یہ مہدوی افغان بھی بیانہ میں مقیم ہوا۔ شیخ علائی کو عبد اللہ افغان کے طریقے پسند آئے چنانچہ وہ دن رات اسی کے ساتھ رہنے لگے۔

یہ تعلق اس قدر بڑھا کہ شیخ صاحب باپ دادا کا عقیدہ ترک کرکے لوگوں کو مہدوی مشرب اختیار کرنے کی دعوت دینے لگے۔ مہدوی فرقہ کی رسم کے مطابق شہر کے باہر شیخ عبد اللہ کے پڑوس میں خود بھی سکونت اختیار کی۔ وہ اپنے احباب اور عقیدت مندوں کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دنیا سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارنے لگے۔ شیخ علائی ہر نماز کے بعد قرآن شریف کی تفسیر اس طرح بیان کرتے کہ سننے والا دنیا سے کنارہ کش ہو کر مہدوی فرقے میں داخل ہو جاتا اور تمام چیزوں سے توبہ کرکے سید جونپوری کا کلمہ پڑھنے لگتا اگر وہ کھیتی باڑی یا تجارت کرتا تو اپنی آمدنی کا دسواں حصہ خدا کی راہ میں صرف کرتا تھا۔

ایسے واقعات کثرت سے رونما ہوئے کہ باپ بیٹے سے بھائی بھائی سے اور عورت شوہر سے علیحدہ ہو کر فقر کے متوالے بن گئے۔ جو نذرانے اور پیش کش کی رقم شیخ علائی کے پاس آتی اس میں سب برابر کے شریک ہوتے اور اگر کچھ نہ آتا تو دو دو تین تین دن سارا گروہ فاقہ کشی کرتا اور شکایت کا حرف زبان پر نہ لاتا۔ اس طرح سارا دن خدا کی یاد میں گزر جاتا علائی کا ہر شیدائی تلوار سپر اور کٹار ہر وقت اپنے پاس رکھتا تھا۔ اسی حالت میں وہ شہر میں جاتے اور بازاروں میں گھومتے کسی کو خلاف شروع کوئی بات کرتے دیکھتے تو نرمی سے اسے سمجھاتے' اگر زبان سے کام نہ چلتا تو یہ جبراً اس کو اس کام سے روکتے' اگر وہ شخص شہر کے حاکم سے کسی نہ کسی طرح سے متعلق ہوتا تو لوگ اس کی طرف داری کرتے ورنہ کوئی ان مہدیوں کو روکنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔

شیخ علائی کا عزم حجاز

شیخ عبد اللہ نیازی نے محسوس کیا کہ ان حالات میں کہیں ایسا نہ ہو کہ فساد ہو جائے۔ چنانچہ اس نے علائی کو سفر مکہ کی ہدایت کی۔ شیخ علائی اسی حالت میں تین سو ستر گھرانوں کے ساتھ عازم حجاز ہو گئے۔ جب یہ جودھپور کے قریب موضع خواص پور میں پہنچے تو خواص خاں نامی امرائی امیر شیخ کے استقبال کے لئے آیا۔ اور ان کے معتقدوں میں داخل ہو گیا' لیکن جلد ہی اس فرقے کے برے نتائج سے باخبر ہوا اور شیخ علائی سے برداشتہ ہو گیا۔ شیخ نے خواص خاں کی حالت کو تاڑ لیا چنانچہ یہ بہانہ کرکے کہ خواص اچھائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو روکنے کے لئے پوری کوشش سے کام نہیں لیتا اس سے ناراضگی ظاہر کی اور اس سے علیحدہ ہو کر جودھ پور کی حدود سے باہر چلے آئے۔

شیخ علائی نے سفر کا ارادہ ترک کرکے واپس بیانہ لوٹے اسی زمانے میں سلیم شاہ تخت نشین ہوا تھا لہٰذا شیخ علائی بادشاہ کے حکم سے آگرہ پہنچے اور شاہی دربار میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے درباری طریقوں اور قاعدوں کی پابندی نہ کی بلکہ صرف شرعی سلام علیک کی۔ سلیم شاہ نے بھی کراہیت کے ساتھ جواب میں علیک السلام کہا۔ شیخ علائی کا یہ طریقہ درباریوں کو برا محسوس ہوا۔ ملا عبد اللہ سلطان پوری مخدوم الملک نے شیخ علائی کی مخالفت کی اور قتل کا فتوی صادر کیا چنانچہ سلیم شاہ نے میرزا رفیع الدین آنجو' ملا جلال کیم دانشمند' ابو الفتح تھانیسری اور دوسرے علمائے وقت کو طلب کیا اور یہ فیصلہ ان کے سامنے پیش کیا طے یہ ہوا کہ ایک مجلس مباحثہ سلیم شاہ کی موجودگی میں منعقد کی جائے۔

شیخ علائی کسی شخص کی تقریر سے متاثر نہ ہو سکے اور نہ دبا سکے بلکہ ان کی دلیلوں کے آگے لاجواب ہو گئے اس مجبوری کے عالم میں انہوں نے قرآن کی تفسیر کے دامن میں پناہ لی اور آیات کلام اللہ کا ترجمہ اس انداز سے کیا کہ بادشاہ کے دل پر اس کا اثر پڑا۔ چنانچہ سلیم شاہ نے شیخ علائی سے کہا کہ "اے خدا کے بندے اپنے جھوٹے عقیدے سے توبہ کرو میں تمہیں تمام علاقے کا محتسب مقرر کروں گا۔ اب تک تم نے میری اجازت کے بغیر لوگوں کو ممنوعات سے روکا۔ آئندہ سے تم میرے حکم سے خدا کی مخلوق کو برائیوں سے روکنا۔" شیخ

دیا۔

شیخ علائی کی مقبولیت

سلیم شاہ کا نامی گرامی امیر نیاز خاں حاکم ہندیہ اور اس کی فوج کے تمام آدمی شیخ پر فریفتہ ہو کر اس کے معتقد ہو گئے۔ مخدوم الملک نے اس بات کو بری طرح سے سلیم شاہ کے گوش گزار کیا چنانچہ علائی کو دوبارہ بلایا گیا اس مرتبہ پہلی دفعہ سے زیادہ تحقیق و تفتیش کی گئی۔ ملا عبد اللہ سلطان پوری نے کہا کہ یہ شخص خود مہدی ہونے کا دعوی کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ مہدی تمام دنیا کا بادشاہ ہو گا۔ اس خیال کی وجہ سے تیرا سارا لشکر اس فقیر کا گرویدہ ہو رہا ہے۔ تیرے بہت سے عزیز چوری چھپے اس کے مذہب میں داخل ہو گئے ہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ تیری حکومت اور سلطنت میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو جائے۔" مگر اس دفعہ بھی سلیم شاہ نے مخدوم الملک کی کوئی بات نہ سنی۔ شیخ علائی کو شیخ بڑہ طبیب کے پاس بھجوا دیا یہ بڑے سمجھ دار بزرگ تھے ان کا شیر شاہ بہت معتقد تھا وہ شیخ کی جوتیاں اپنے ہاتھوں سے سیدھی کیا کرتا تھا۔ سلیم شاہ نے علائی کو شیخ بڑہ کے پاس اس غرض سے روانہ کیا تاکہ شیخ کے حکم کے مطابق علائی کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

علائی کا قتل

سلیم شاہ خود پنجاب چلا گیا اور مانکوٹ کے قلعے کی تعمیر کرانے لگا۔ شیخ علائی بہار میں حضرت بڑہ کے پاس پہنچے' شیخ بڑہ نے بھی مخدوم الملک کے خیال کے مطابق فتویٰ لکھ کر محضر سلیم شاہ کے پاس روانہ کیا۔ اس دوران میں ہندوستان میں طاعون کی وبا پھیلی اور شیخ علائی بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئے۔ ان کے حلق میں کافی گہرا زخم پڑ گیا ایک انگشت کے برابر بتی زخم کے اندر چلی جاتی تھی۔ اس پر سفر کی تکان نے شیخ علائی کو اور زیادہ نڈھال کر رکھا تھا۔ شیخ صاحب جب سلیم شاہ کے پاس پہنچے تو ان سے بولا نہ جاتا تھا۔ بادشاہ نے آہستہ سے ان کے کان میں کہا کہ کہو میں مہدوی نہیں ہوں اب بھی تم آزاد ہو۔" علائی نے بادشاہ کی بات نہ سنی۔ سلیم شاہ مایوس ہوا۔ چنانچہ اس نے علائی کو چند کوڑے لگانے کا حکم دیا علائی نے تیسرے ہی کوڑے میں جان دے دی۔ علائی کا واقعہ ۹۵۵ھ میں ہوا۔ "ذاکر اللہ" سے علائی کے سال وفات کے اعداد برآمد ہوتے ہیں۔

فیروز شاہ کی تخت نشینی اور قتل

سلیم شاہ کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا فیروز شاہ بارہ سال کی عمر میں امیروں کے اتفاق رائے سے گوالیار میں تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کو پورے تین دن بھی نہ ہوئے تھے کہ مبارز خاں ولد نظام خاں سور نے اپنے بھانجے فیروز شاہ کو قتل کر دیا اور خود امیروں اور وزیروں کے مشورے سے تخت پر متمکن ہوا۔ یہ شیر شاہ کا بھتیجا تھا اور سلیم شاہ کا چچیرا بھائی اور سالار تھا اس نے محمد شاہ عادل کا لقب اختیار کیا۔ خواجہ نظام الدین بخشی "تاریخ اکبری" میں لکھتے ہیں کہ سلیم شاہ نے مرنے سے پہلے اپنی منکوحہ بی بی بائی سے کئی دفعہ کہا کہ اگر تمہیں اپنے بیٹے فیروز شاہ سے محبت ہے تو مجھے اجازت دو میں تمہارے بھائی مبارز خاں کو درمیان سے ہٹا دوں یہ ذہن نشین کر لو کہ مبارز خاں تمہارے بیٹے کی راہ میں ایک بڑا پتھر ہے اگر بھائی سے محبت ہے تو بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھو فیروز شاہ کا وجود مبارز خاں کی زندگی میں خطرے میں ہے۔"

سلیم شاہ کی بیوی نے کہا کہ میرا بھائی عیش و عشرت کا دلدادہ ہے اور چنگ و رباب میں ہر وقت گزارتا ہے اس کو بادشاہی حاصل کرنے کا وہم بھی نہیں ہے۔"

سلیم نے بیوی کو اکثر اس بارے میں برا بھلا کہا' لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ سلیم کے انتقال کے تیسرے دن مبارز خاں اپنے حمایتوں کے ساتھ محل میں گیا اور فیروز کو قتل کرنے لگا۔ بہن نے گریہ و زاری کی اور بھائی سے بیٹے کی سفارش کی اور کہا کہ "اس کو چھوڑ دو میں اسے لے کر ایسی جگہ چلی جاؤں گی جہاں کسی کو اس کے بارہ میں کوئی علم نہ ہو سکے گا۔" مگر مبارز خاں کا دل نہ پسیجا چنانچہ اس نے بے گناہ لڑکے کو تلوار سے قتل کر ڈالا۔

محمد شاہ عادل

مبارز خاں تمام ظاہری اسباب حکمرانی کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنا لقب عادل اختیار کیا لوگوں نے الف اڑا دیا اور اسے عدلی کہنے لگے۔ عدلی نے اپنی ناقابلیت کی وجہ سے کمینہ صفت لوگوں کی دستگیری کی اور حکومت کے بڑے بڑے عہدے ان کو دیئے ان میں ایک ہندو ہیمو نام کا تھا یہ قوم کا بقال تھا اور قصبہ ریواڑی کا رہنے والا تھا۔ سلیم شاہ نے اسے اپنے نئے منصب داروں میں داخل کرکے بازار کا کوتوال مقرر کیا تھا۔ عدلی نے بازار کے بدلے سارے ملک کی باگ ہیموں کے ہاتھ میں دے دی۔ اور خود عیاشی اور شراب نوشی میں مصروف ہو گیا۔ عدلی نے محمد شاہ تغلق کی فیاضی اور سخاوت کا حال سنا ہوا تھا چنانچہ اس کوتاہ اندیش نے تغلق کی نقل کرنے کا ارادہ کیا۔ تخت نشینی کے ابتدائی ایام میں خزانے کا منہ کھول دیا اور دولت لٹانی شروع کر دی۔

عدلی جب سوار ہو کر گزرتا تو کہتہ باسی (جو ایک قسم کا تیر تھا جس پر ایک تولہ سونا چڑھا ہوا ہوتا تھا۔) کمان میں رکھ کر ہر طرف پھینکتا تھا۔ یہ تیر جہاں گرتا جس کسی کے ہاتھ آتا وہ اسے دس روپے لے کر واپس بادشاہ کو دے دیتا اس طرح سے شیر شاہ اور سلیم شاہ کا جمع کیا ہوا روپیہ تھوڑے ہی عرصے میں ختم ہو گیا۔

خوش مزاج افغان' بادشاہ کے بے تکے کاموں کی وجہ سے اسے عدلی کی بجائے اندھلی کہتے تھے اندھلی ہندی میں اندھے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ ہیمو بقال نے بہت اقتدار حاصل کر لیا۔ افغان امیر بادشاہ کے غیر پسندیدہ کاموں کی وجہ سے ناراض ہو کر مخالف ہو گئے۔ ملک کے ہر کونے میں سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھے بہت سے امیر بادشاہ کی اطاعت اور فرمانبرداری سے منحرف ہو گئے اور شاہی حقوق کی انہیں پروا نہ رہی چنانچہ عدلی کی قدر و منزلت اور محبت دلوں سے رخصت ہو گئی۔ شان و شوکت اور حسن انتظام اس کے عہد حکومت میں ختم ہو گیا۔

دربار عام

ایک روز عدلی نے گوالیار کے قلعے کے دیوان خانے میں دربار عام کیا تمام مشہور معروف امیر حاضر تھے۔ عدلی امیروں کو جاگیریں تقسیم کر رہا تھا اس دوران میں بادشاہ نے کہا کہ قنوج کا علاقہ محمد شاہ قرملی کی جاگیر سے علیحدہ کرکے سرمست خاں شیروانی کو دیا جائے۔ "دونوں امیر اہل قبیلہ تھے چنانچہ وہ اس تغیر و تبدل پر گفتگو کرنے لگے۔ سکندر خاں ولد محمد شاہ قرملی' نوخیز اور بہادر جوان تھا اس نے بلند آواز میں کہا کہ اب نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ ہماری جاگیر شیروانیوں کو دی جانے لگی۔" اس کے بعد دوسری آوازیں بھی بلند ہوئیں۔ سکندر خاں کا باپ اسی وقت کمزور اور بیمار تھا اس نے بیٹے کو سختی سے منع کیا' مگر بیٹا اس وقت آپے سے باہر تھا۔ اس نے باپ کو جواب دیا کہ ایک دفعہ تم شیر شاہ کے ہاتھوں لوہے کے پنجرے میں قید ہو کر سلیم شاہ کی سفارش سے بچ چکے ہو اب سوری تمہاری تباہی اور بیخ کنی کا ارادہ رکھتے ہیں اور تم سمجھتے نہیں یہ لوگ ہمیں جلد از جلد تباہ کر دیں گے۔"

سرمست خاں بڑا قد آور اور قوی ہیکل تھا اس نے سکندر خاں کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ اے فرزند یہ جوش و غضب کس لیے ہے۔" سرمست کا ارادہ تھا کہ وہ اسی بہانے سکندر کو گرفتار کر لے۔ سکندر خاں سرمست کا مقصد سمجھ گیا چنانچہ اس نے اس کے شانے پر کاری زخم لگایا وہ اسی وقت زمین پر گرا اور ہلاک ہو گیا۔ دوسرے چند درباری سکندر خاں کو روکنے کے لئے بڑھے اور وہ بھی سکندر کی

سکندر خاں کا ہنگامہ

اکثر امیر جو دیوان خانے میں موجود تھے تلواریں پھینک کر دربار سے بھاگ گئے سکندر خاں دیوانوں کی طرح کچھ وقت تک دربار میں پھرتا رہا اور جس طرف جاتا لوگوں کو زخمی یا ہلاک کر دیتا چنانچہ عدلی کا بہنوئی اور شیر شاہ کے چچا کا پوتا ابراہیم خاں ایک گروہ کو ساتھ لے کر آیا اور سکندر خان پر حملہ کر دیا۔ ان لوگوں نے تلواروں سے سکندر خاں کا جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ دولت خاں لوحانی نے ایک ہی ضرب سے محمد شاہ قرملی کو بھی ہلاک کر دیا۔

عادل اور تاج خاں میں لڑائی

کہا جاتا ہے کہ اسی دن سلیم شاہ کا مشہور امیر تاج خاں کرانی قلعہ گوالیار کے دیوان خانے سے نکل کر جا رہا تھا دروازے کے قریب اس کو شاہ محمد قرملی ملا۔ قرملی نے تاج خاں سے حال پوچھا تاج خاں نے جواب دیا کہ "حالت بالکل خراب ہو گئی ہے میں ان معاملات سے کنارہ کش ہو گیا ہوں۔ تم بھی میری تقلید کرو۔" شاہ محمد نے تاج خاں کی نصیحت پر کوئی توجہ نہ دی چنانچہ اس کے ساتھ جو ہونے والا تھا وہی ہوا۔ تاج خاں نے بنگالہ کا رخ کیا عدلی نے ایک فوج اس کے پیچھے روانہ کی چھپرامپور کے قریب طرفین میں جھڑپ ہوئی یہ جگہ آگرے سے چالیس کوس اور قنوج سے تیس کوس کے فاصلے پر واقع ہے چنانچہ تاج خاں بھاگ کر چنار کی طرف چلا گیا۔ راستے میں عدلی کے خاصے کے کارندوں کو گرفتار کیا۔ ان سے نقد و جنس جو کچھ لے سکا لیا تاج خاں نے اس کے علاوہ پرگنات سے ایک حلقہ فیل (جو سو ہاتھیوں پر مشتمل ہوتا ہے) حاصل کیا۔ پھر اپنے بھائیوں سلیمان و الیاس سے جو کنار گنگ کے بعض شہروں اور ٹانڈہ، خواص پور کے حاکم تھے، جالملا اور بادشاہ کے خلاف بغاوت کر دی۔

عدلی نے کرانیوں پر فوج کشی کی گنگا کے کنارے دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا۔ ہیمو بقال نے عدلی سے کہا کہ اگر ایک حلقہ ہاتھیوں کا میرے ساتھ کر دیا جائے تو میں دریا پار کر کے کرانیوں پر حملہ کر دوں اور ان کو تباہ کر دوں۔" عدلی نے ہیموں کی بات مان لی چنانچہ ہیمو نے دریا پار کیا اور دشمن پر غالب ہوا۔

عیسیٰ خاں اور ابراہیم خاں میں جنگ

عدلی نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے بہنوئی ابراہیم خاں کو گرفتار کرے۔ ابراہیم خاں سوران دونوں میں بہت صاحب اقتدار ہو گیا تھا۔ عدلی کی بہن کو اس بات کا پتہ چل گیا اس نے اپنے شوہر کو حقیقت سے آگاہ کر دیا چنانچہ ابراہیم خاں چنار سے بھاگا اور اپنے باپ غازی خاں سور کے پاس چلا گیا۔ عدلی نے عیسیٰ خاں نیازی کو ابراہیم خاں کے پیچھے روانہ کیا اس نے کالپی میں ابراہیم خاں کو جا گھیرا فریقین میں لڑائی ہوئی عیسیٰ خاں کو شکست ہوئی۔

ابراہیم خاں کا اقتدار

ابراہیم خاں سور نے فوج جمع کر کے دار الخلافہ دہلی کی حکومت پر قبضہ کر لیا اور اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ پھر دہلی سے آگرہ تک کے علاقے کو زیر و زبر کیا اور اکثر شہروں پر قابض ہوا۔ ابراہیم خاں نے پوری طاقت حاصل کر لی۔ مجبوراً عدلی کو کرانیوں کا خیال ترک کرنا پڑا اور چنار سے روانہ ہو کر ابراہیم خاں کی طرف متوجہ ہوا۔ عدلی دریائے گنگا کے کنارے پہنچا۔ ابراہیم خاں نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ اگر حسین خاں، بہادر خاں شیروانی، اعظم ہمایوں اور چند دوسرے امیر میرے پاس آ کر وعدہ کریں تو میں ان پر بھروسا کر کے آپ کی ملازمت کر لوں" عدلی نے اپنی نا سمجھی کی وجہ سے ان لوگوں کو ابراہیم خاں کے پاس بھیج دیا چنانچہ ابراہیم خاں نے ان کو اپنے طرز عمل سے اپنا لیا اور عدلی کی مخالفت پر اکسایا۔ بادشاہ کو بھی اطلاع ہوئی اور اس نے یہ سوچا کہ اس میں مقابلے کی ہمت نہیں چنانچہ وہ دہلی اور آگرہ کا خیال چھوڑ چنار کی طرف چلا گیا اور گرد و نواح کے علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی قوت کی بنیاد مستحکم کر

ابراہیم کا انتظام حکومت

ابراہیم خاں سور نے ابراہیم شاہ کے نام سے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لی۔ اسی دوران میں پنجاب میں حاکم احمد خاں سور نے ابراہیم خاں کی طاقت' شان و شوکت اور عدلی کی کمزوری کا حال سنا۔ یہ بھی ابراہیم خاں کی طرح عدلی کا بہنوئی اور شیر شاہ کے چچا کا لڑکا تھا چنانچہ اسے بھی حکمرانی کا شوق ہوا۔ اس نے سلیم شاہ کے دو امیروں ہیبت خاں اور تاتار خاں کو اپنا ہمنوا بنالیا پھر خود کو سکندر شاہ کے نام سے مشہور کرکے دس ہزار سواروں کے ساتھ لاہور سے آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے آگرہ سے دس کوس کے فاصلے پر موضع فرح میں ڈیرے لگائے۔ ابراہیم شاہ بھی ستر ہزار سواروں کی فوج لے کر بڑے دبدبے کے ساتھ مقابلے پر آیا۔ ان لوگوں میں دو سو مشہور و معروف امیر تھے ان میں اکثر صاحب علم تھے۔ سکندر شاہ نے دشمن کی قوت دیکھ کر اپنے آنے پر افسوس کیا۔ ابراہیم شاہ اپنے لاؤ لشکر پر ایسا مغرور ہوا کہ اس نے سکندر کی خوشامد اور عاجزی پر ذرہ بھر بھی توجہ نہ کی بلکہ صفیں درست کرکے لڑائی کے لئے تیار ہو گیا۔

ابراہیم کی شکست اور فرار

سکندر شاہ نے جھنڈا اپنے امیروں کو دے کر مقابلے پر کھڑا کیا اور خود چند تجربہ کار سپاہیوں کے ساتھ کمین گاہ میں چھپ گیا۔ ابراہیم شاہ نے پہلے حملے میں ہی پنجاب کے لشکر کو منتشر کر دیا سپاہی لوٹ مار میں لگ گئے' سکندر شاہ نے موقع غنیمت سمجھا۔ چنانچہ وہ کمین گاہ سے نکل کر ابراہیم کے لشکر پر عقب سے حملہ آور ہوا اور چند گھڑیوں میں دشمن پر غالب آگیا۔ ابراہیم سنبل کی طرف بھاگا' سکندر شاہ نے فاتح کی حیثیت سے دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ اس لڑائی کے بعد جب سکندر شاہ ہمایوں سے لڑنے کے لئے پنجاب گیا۔ تو ابراہیم شاہ منظم ہو کر سنبھل سے کالپی پہنچا اس دوران میں عدلی نے بھی اپنے وزیر ہیمو بقال کو مسلح فوج اور کوہ پیکر ہاتھیوں کے ساتھ عمدہ توپ خانہ دے کر دہلی اور آگرہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔

بیانہ کا محاصرہ

ہیمو نے ابراہیم شاہ کا قلع قمع کرنا ضروری سمجھا چنانچہ وہ کالپی کے قریب اس سے معرکہ آرا ہوا اور اسے شکست دی۔ ابراہیم شاہ اپنے باپ کے پاس بیانہ بھاگ گیا ہیمو بھی تعاقب میں بیانہ پہنچا۔ تین مہینے تک شہر کا محاصرہ کیے رہا۔

حاکم بنگالہ کی بغاوت

اس عرصہ میں بنگالہ کے حاکم محمد خاں سور نے بغاوت کرکے چنار' جون پور اور کالپی پر حملہ کر دیا۔ عدلی نے موقع دیکھ کر ہیموں کو واپس بلا لیا۔ ہیمو محاصرہ چھوڑ کر چنار روانہ ہو گیا۔ ابراہیم شاہ نے ہیمو کا پیچھا کیا' مگر پھر آگرہ سے چھ کوس کے فاصلے پر مندا گھر کے مقام پر شکست کھا کر واپس باپ کے پاس بھاگا پھر کچھ دنوں کے بعد وہ پٹنہ پہنچا اور وہاں راجہ رامچند سے لڑ کر اس کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ راجہ نے موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے نظر بند دشمن کو تخت پر بٹھا دیا اور خود ملازموں کی طرح ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

چند دنوں کے بعد بیانہ کے ان افغانوں کے ساتھ (جو رائسین کے پاس آباد ہیں) مالوہ کے حاکم باز بہادر کا جھگڑا ہو گیا چنانچہ ان افغانوں نے راجہ رام چند کے پاس آدمی بھیجا اور ابراہیم خاں کو اس سے طلب کرکے اسے اپنا بادشاہ بنا لیا پھر انہوں نے ولایت کدہ کی رانی درگاوتی سے مدد طلب کی۔ رانی نے ان کی درخواست منظور کر لی اور اپنے علاقے سے روانہ ہوئی افغانوں کا ارادہ باز بہادر سے جنگ کرنے کا تھا' لیکن اسی اثناء میں باز بہادر نے بھی آدمی رانی کے پاس بھیجا اور اسے افغانوں کی مدد سے باز رکھا ابراہیم شاہ نے یہ دیکھ کر کہ

۹۷۵ھ میں سلیمان کرانی نے اڑیسہ پر قبضہ کر لیا اور ابراہیم شاہ کو اپنے پاس بلا کر دھوکے سے قتل کر دیا۔

محمد خاں پر حملہ

ہیمو بقال عدلی کے پاس چنار پہنچا عدلی کو یہ اطلاع ملی کہ ہمایوں نے سکندر شاہ کو شکست دے کر دہلی اور آگرہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس تباہی و بربادی کے باوجود بھی افغانوں کی خود سری اور جہالت ان کو ایک پل بھر بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ عدلی کو اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ دشمن سے آگرہ اور دہلی واپس لے سکے۔ اس نے محمد خاں کوریہ پر جس نے حال ہی میں بغاوت کی تھی فوج کشی کی۔ کالپی سے پندرہ کوس دور موضع چترکہ کے مقام پر دونوں میں جنگ ہوئی محمد کوریہ لڑائی میں مارا گیا۔ عدلی فتح مند ہو کر چنار واپس آگیا اور دہلی کو دشمن سے واپس لینے کی تدبیریں کرنے لگا۔ اس دوران میں ہمایوں نے انتقال کیا۔ عدلی نے پچاس ہزار سوار اور پانچ سو ہاتھی دے کر ہیمو کو دہلی روانہ کیا تاکہ وہ دہلی آگرہ اور پنجاب کو مغلوں سے واپس لے سکے۔ افغانوں کی باہمی مخالفت کی وجہ سے عدلی چنار سے کہیں جا نہ سکا ہیموں آگرہ کے قریب پہنچا مغل امیر جو وہاں تھے انہیں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ دہلی روانہ ہو گئے۔ ہیمو نے آگرہ پر قبضہ کرکے اپنے معتبر آدمیوں کے حوالے کیا اور خود دہلی روانہ ہوا۔

دہلی کے حاکم تردی بیگ نے ہیمو سے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر پنجاب چلا گیا ہیمو نے دہلی پر بھی قبضہ کر لیا اور پنجاب کی طرف جانے کا ارادہ کرکے تیاری شروع کر دی۔

بیرم خاں کی پیش قدمی

اس دوران میں بیرم خاں ترکمان نے جو اکبر کا سرپرست تھا پیش قدمی کی اور خاں زماں مغل کو فوراً دہلی روانہ کیا اور خود بادشاہ کے ہمراہ پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ ہیمو اطلاع پاکر بڑی شان و شوکت کے ساتھ خاں زماں سے لڑنے کے لئے آگے بڑھا پانی پت کے قریب ہیموں نے ہاتھی پر سوار ہو کر مقابلے کے لئے صفیں باندھیں۔ ہیموں کے پرزور حملے نے مغلوں کے میمنہ میسرہ اور قلب کی فوج کو پریشان کر دیا۔ اس وقت جلال الدین محمد اکبر کے اقبال نے کام کیا افغانی فوج دشمن کو چھوڑ کر لوٹ مار میں مصروف ہو گئی۔ اتفاق سے مغلوں کا ایک گروہ ہیمو بقال سے ٹکرا گیا انہوں نے ہیمو بقال کو پہچان لیا چنانچہ انہوں نے اس کے ہاتھی کو گھیر کر اسے زندہ گرفتار کر لیا اور اکبر کے پاس لے آئے۔ ہیمو بقال کو قتل کر دیا گیا اس کے قتل کے بعد عدلی کی طاقت ختم ہو گئی اور وہ ذلیل و خوار ہوا اس طرح افغان ایک بار پھر پریشان حال ہو گئے۔

خضر خاں کا اقتدار اور عادل کا قتل

خضر خاں ولد محمد خاں کوریہ نے اپنے باپ کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا چنانچہ اس نے ایک جماعت کو اکٹھا کیا اور پوزب کے کچھ علاقوں پر قبضہ کرکے وہاں خطبہ و سکہ اپنے نام کا جاری کیا اور اپنے آپ کو بہادر شاہ کے نام سے مشہور کیا پھر اس نے عدلی پر فوج کشی کی خونریز جنگ کے بعد عدلی مارا گیا۔ اس طرح اس کی زندگی اور حکومت دونوں کا خاتمہ ہو گیا۔

سکندر شاہ

سکندر شاہ نے آگرے میں تخت نشینی کی' عیش و نشاط کی محفلیں منعقد کرنے کے بعد اس نے امیروں اور سرداروں کو طلب کیا۔ ان سے کہا کہ "میں بھی تم لوگوں میں سے ہوں۔ میں کسی طرح تم سے بزرگ و برتر نہیں سلطان بہلول نے لودھی افغانوں کو مشہور کیا اور شیر شاہ نے ہزار مصیبتوں اور تکلیفوں کے بعد ہندوستان کی سلطنت حاصل کی اس طرح سوری قبیلے کا نام دنیا میں روشناس کر دیا۔ اب اس وقت ہمایوں ہندوستان کی حکومت کا وارث وقت کے انتظار میں ہے لہٰذا تمہیں ایسے دشمن سے کبھی بھی غافل نہیں ہونا چاہیے اس سے بے خوفی ٹھیک نہیں اب اگر تم لوگ خوشی کے ساتھ میری حکومت کو منظور کرتے ہو تو حسد اور نفاق کو چھوڑ دو۔ باہمی کدورتوں کو ترک کرو' تاکہ اتفاق کی برکت سے سلطنت میں شان و شوکت پیدا ہو اور انتظام ٹھیک ہو جائے' اور اگر مجھے حکومت کا اہل نہیں سمجھتے تو اپنی جماعت میں سے کسی اور کا انتخاب کرو جو اس عظیم الشان عہدے کا اہل ہو۔ میں بھی دل و جان سے اس کی اطاعت کروں گا اور اس کا حکم بجا لاؤں گا۔" افغان امیروں نے سکندر شاہ کی تقریر سنی اور سب نے مل کر یہ کہا کہ "ہم سب نے تم کو جو شیر شاہ کے چچا کی یادگار ہے اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔" اور پھر افغانوں نے قرآن شریف کی قسم کھائی اور کہا کہ ہم تمہاری کبھی بھی مخالفت نہیں کریں گے۔"

افغانوں میں اختلاف

اس عہد و پیمان کے کچھ ہی دن بعد عہدوں' خطابوں اور جاگیروں کی تقسیم پر افغانوں میں آپس میں اختلاف پیدا ہو گئے اور وہ متحد نہ رہ سکے یہ بھی اتفاق کی بات ہے کہ انہیں دنوں میں ہمایوں نے پنجاب کا رخ کیا تاتار خاں رہتاس اور پنجاب سے بھاگ کر دہلی آیا چنانچہ مغلوں نے لاہور پہنچ کر افغانوں کو پامال کیا اور سرہند تک قبضہ کر لیا۔

سکندر شاہ نے پچاس ہزار یا ایک لاکھ افغان اور راجپوت سوار تاتار خاں اور ہیبت خاں کی سرکردگی میں مغلوں کے مقابلے پر بھیجے۔ افغانوں نے بری طرح شکست کھائی وہ ہاتھی اور گھوڑے چھوڑ کر ایسے بھاگے کہ دہلی جا کر دم لیا۔

سکندر شاہ افغانوں کے باہمی اختلافات اور کدورتوں کو جانتے ہوئے بھی اسی ہزار سوار ساتھ لے کر ۹۶۲ھ میں پنجاب روانہ ہوا۔ سرہند کے قریب بیرم خاں ترکمان سے جو شہزادہ اکبر کے ساتھ تھا لڑائی ہوئی جنگ میں افغانوں کو شکست ہوئی چنانچہ سکندر شاہ وہاں سے بھاگ کر شوالک کے پہاڑوں میں آ چھپا۔

سکندر کا انتقال

دار الخلافت دہلی اور آگرہ دونوں شہر دوبارہ ہمایوں کے قبضے میں آ گئے۔ سرزمین ہند دوبارہ سرسبز شاداب ہوئی۔ بیرم خاں کی کوششوں سے سکندر شاہ کوہ شوالک سے بھاگ کر بنگالہ کی طرف گیا اس کے تھوڑے سے علاقے پر کچھ دن قابض رہا پھر کچھ عرصے بعد اس کا انتقال ہو گیا سکندر شاہ کے بعد تاج خاں کرانی بنگال کا حاکم بنا۔

نصیر الدین ہمایوں کی آمد اور دوبارہ ہندوستان پر قبضہ

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے بیرم خاں ترکمان قزوین سے ییلاق قیدار کو گیا۔ یہ جگہ ییلاق قیدار' ابھر اور سلطانیہ کے درمیان واقع ہے (ییلاق ترکی کی زبان میں سرد اور ہوا دار جگہ کو کہتے ہیں جہاں امیر آدمی گرمیاں بسر کرتے ہیں) بیرم خاں وہاں سے خط کا جواب لایا اس میں عراق تک بخیر و عافیت پہنچنے پر مبارک باد اور ملاقات کے لئے اشتیاق ظاہر کیا گیا۔ ہمایوں قزوین سے روانہ ہوا چنانچہ جمادی الاول ۹۵۱ھ میں شاہ ایران طہماسپ صفوی اور ہمایوں کی ملاقات ہوئی۔ شاہ ایران نے اس عظیم الشان مہمان کے شایان شان خاطر تواضع کی۔ ایک دن گفتگو کے دوران میں شاہ طہماسپ نے ہمایوں سے پوچھا کہ آپ جیسے بادشاہ پر کمزور دشمن کے غالب آنے کا سبب کیا ہے۔" ہمایوں نے کہا "بھائیوں کا نفاق" شاہ ایران نے کہا کہ جو سلوک آپ نے اپنے بھائیوں سے کیا وہ مناسب نہ تھا۔" اس کے بعد دستر خوان بچھایا گیا شاہ ایران کا بھائی بہرام میرزا بھی وہاں دست بستہ کھڑا تھا چنانچہ وہ آیا اور طشت لے کر شاہ کے ہاتھ دھلانے لگا پھر وہ ملازموں کی طرح کام کرنے لگا۔

شاہ ایران نے ہمایوں سے کہا کہ "بھائیوں کو اس طرح رکھنا چاہیے۔" بہرام شاہ اس بات سے بیحد سنجیدہ ہوا چنانچہ جب تک ہمایوں ایران میں رہا وہ ہمایوں کا دشمن بنا رہا۔ بہرام مرزا نے ایک ایرانی گروہ کو اپنا ہمنوا بنا لیا اسے جب موقع ملتا وہ زہر افشانی کرتا اور دلائل سے شاہ ایران کو ذہن نشین کراتا کہ ہندوستان جیسے پڑوسی ملک پر امیر تیمور کی اولاد کی حکومت غیر مناسب ہے۔

شاہ طہماسپ نے ییلاق قیدار کے دوران میں ہمایوں کا دل بہلانے کے لئے تین مرتبہ جرکہ کے شکار کھیلنے کا بندوبست کیا' ہر مرتبہ شاہ ایران ہمایوں کو پہلے شکار کھلواتا اس کے بعد بیرم خان کی باری آتی بیرم خاں کے بعد بہرام مرزا کی باری آتی۔ بعد ازاں امیروں اور سپاہیوں کو موقع ملتا وہ ترتیب اور قاعدے کے ساتھ تیز رفتار گھوڑوں پر سوار ہو کر شکار کے پیچھے بھاگتے اور تلوار اور خنجر سے شکار کھیلتے اور شکار گاہ کو خون سے سیراب کرتے۔

شاہ ایران ییلاق سے قزوین آیا۔ بہرام مرزا اور دوسرے درباریوں نے شاہ کو ہمایوں سے برگشتہ کر دیا' ہمایوں نے بھی احتیاط کو مد نظر رکھا اور بیرم خاں کے مشورے کے مطابق نرمی اور فروتنی کے ساتھ وقت گزارنا مناسب سمجھا۔

شاہ طہماسپ کی بہن سلطانہ بیگم' قاضی جہاں قزوینی' ناظر دیوان اور حکیم نور الدین جیسے امیروں نے مل کر کوشش شروع کی کہ شاہ کا دل صاف ہو جائے چنانچہ ایک دن سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی رباعی پڑھ کر شاہ ایران کو سنائی۔

ہستیم زجاں بندہ اولاد علی ہستیم ہمیشہ شاد با یاد علی

چوں سر ولایت ز علی ظاہر شد کردیم ہمیشہ ورد خود ناد علی

شاہ ایران یہ رباعی سن کر بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر ہمایوں اس بات کا وعدہ کرے کہ اپنے ملک کے تمام منبروں پر دوازدہ امام کے نام کا خطبہ جاری کرے گا تو میں اس کی مدد کر کے کھویا ہوا موروثی علاقہ واپس دلا دوں گا۔" سلطانہ بیگم نے ہمایوں کو شاہ کی باتیں کہلا بھیجیں۔ ہمایوں نے جواب دیا کہ "بچپن سے لے کر آج تک خاندان رسالت کی محبت میرے دل میں رہی ہے۔ چغتائی امیروں اور کامران میرزا کی ناراضگی کا بھی یہی سبب ہے۔"

شاہ نے بیرم خاں کو تنہائی میں بلایا اور ہر پہلو پر گفتگو ہوئی چنانچہ ان باتوں سے شاہ ایران کا دل ہمایوں سے بالکل صاف ہو گیا۔ اور اسی

مجلس میں حکم دیا کہ شہزادہ مراد جو اس وقت کمسن تھا اپنے سپہ سالار بداغ خاں قاچار کے ساتھ دس ہزار سوار لے کر ہمایوں کے ہمراہ روانہ ہو تاکہ وہ بھائیوں کو مناسب سزا دے کر کابل' قندہار اور بدخشاں کو فتح کر سکے۔ چند ہی دنوں میں شاہ نے تمام بندوبست کر دیا اور ہمایوں کو جانے کی اجازت دے دی۔ ہمایوں نے کہا میرا دل تبریز اور اردبیل کی سیاحت کے لئے بے چین ہے ان شہروں کو دیکھ کر شیخ صفی اور ان کی اولاد کی ارواح سے دشمن سے مقابلے کرنے کے لئے مدد مانگوں گا اور پھر اپنا کام شروع کروں گا۔" شاہ ایران نے اس بات کو پسند کیا۔ چنانچہ ان علاقوں کے حاکموں کے نام اطاعت گزاری کی ہدایت جاری کیں اور حکم جاری کیا گیا کہ وہ ہمایوں کی تعظیم و تکریم میں کمی نہ کریں۔ ہمایوں نے ان شہروں کی سیر اور مشائخین کی زیارت کی پھر شہزادہ مراد اور قزلباش امیروں کے ہمراہ مشہد مقدس کے راستے سے قندھار روانہ ہوا۔

ہمایوں کے مقبوضات

سب سے پہلے گرم سیر کے قلعے ہمایوں کے قبضے میں آئے وہاں ہمایوں کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ عسکری میرزا کو بھی اس کی اطلاع ہوئی چنانچہ اس نے شہزادہ اکبر کو جو نامہربان چچا کے ہاتھ میں گرفتار تھا۔ کامران میرزا کے پاس کابل روانہ کیا اور خود تمام ساز و سامان کا بندوبست کر کے قندھار میں قلعہ بند ہو گیا۔ ہمایوں بداغ خاں قاچار کے ہمراہ قلعے کے قریب پہنچا ساتویں محرم ۹۵۲ھ کو قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے نے چند دن تک طول کھینچا۔ ہمایوں نے بیرم خاں ترکمان کو کامران میرزا کے پاس کابل بھیجا۔ راستہ میں ہزارہ قوم کا ایک گروہ آڑے آیا مگر شکست کھا کر بھاگا۔ بیرم خاں ان پر فتح پا کر کامران میرزا کی خدمت میں پہنچا۔ اس نے ہمایوں کی اطاعت کرنے اور قلعہ اور دوسرے علاقہ جات حوالے کرنے کے سلسلے میں کامران میرزا سے گفت و شنید کی' لیکن میرزا پر کوئی اثر نہ ہوا۔ چنانچہ بیرم خاں ناکام ہو کر واپس آ گیا اور کامران کی نالائقی کا قصہ ہمایوں کو سنایا۔

قزلباش سپاہی کچھ محاصرے کے طول کی وجہ سے اور کچھ چغتائی خاندان کے نفاق سے رنجیدہ ہو رہے تھے۔ اسی اثناء میں محمد سلطان میرزا' الغ میرزا' قاسم حسین میرزا' میرزا میرک' شیر افضل بیگ اور فضل بیگ (منعم خاں کا بھائی) وغیرہ کامران ان سے علیحدہ ہو کر ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے علاوہ قلعے کے لوگوں کا ایک معتبر گروہ بھی باہر نکل کر ہمایوں کے پاس پہنچا۔ عسکری نے پریشان ہو کر امان چاہی اور اپنے امیروں کے ساتھ نادم و شرمندہ شاہ کے حضور میں آیا قلعہ ہمایوں کے سپرد کر دیا۔ شاہ ایران سے یہ طے ہو چکا تھا کہ قندھار کا قلعہ شہزادہ مراد کے زیر حکومت رہے گا۔ چنانچہ ہمایوں نے قلعہ شہزادہ کے سپرد کیا۔ شہزادہ بداغ خاں قاچار' ابو الفتح' سلطان افشار اور صوفی ولی شاملو سردیوں کی وجہ سے قلعے میں ٹھہر گئے۔ باقی قزلباش امیر واپس چلے گئے۔

چغتائی خاندان والوں کو قلعہ قزلباشوں کے قبضے میں جانے سے بہت رنج ہوا۔ جاڑے کی وجہ سے چغتائیوں کے لئے پناہ کی کوئی جگہ نہ رہی اکثر مغل سردار کابل چلے گئے۔ عسکری مرزا نے پھر فساد برپا کرنے کا ارادہ کیا وہ شاہی لشکر سے بھاگ گیا ایک گروہ اس کے تعاقب میں بھیجا گیا چنانچہ وہ اسے گرفتار کر کے واپس لے آیا۔

کابل کو روانگی

ہمایوں لشکر کے ساتھ کابل روانہ ہوا کچھ دنوں کے بعد شہزادہ مراد انتقال کر گیا۔ ہمایوں نے راستے ہی سے واپس ہو کر قلعے کو واپس لینے کا ارادہ کیا۔ ہمایوں نے بداغ خاں قاچار کو پیغام بھیجا کہ قلعہ قندھار چند مہینوں کے لئے عاریتہ" ہمیں دے دیا جائے اور وعدہ کیا کہ کابل و بدخشاں فتح ہو جانے کے بعد قندھار کا قلعہ واپس کر دیا جائے گا۔ بداغ خاں نے یہ بات نہ مانی ہمایوں خاموش ہو گیا' تنہائی میں بیرم خاں' الغ میرزا اور حاجی محمد سے کہا کہ کسی نہ کسی طریقے سے قلعہ فتح کرنا چاہیے۔

میں چھپ کر شہر کے دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازے کے محافظین نے مزاحمت کی مگر حاجی نے انہیں قتل کر دیا۔ اسی وقت بیرم خاں اور الغ میرزا بھی اپنی فوج ساتھ لے کر وہاں پہنچ گئے اور قلعے میں داخل ہو گئے۔

بداغ خاں قاچار نے بے خبری کے عالم میں لڑنا مناسب نہ سمجھا چنانچہ وہ اجازت لے کر عراق چلا گیا۔

ہمایوں نے قندھار کی حکومت بیرم خاں کے سپرد کی اور کابل پر حملے کی تیاری شروع کر دی۔ یادگار ناصر مرزا (بابر بادشاہ کا بھائی) حسین ارغون کی بدسلوکی سے بھاگ کر کابل آ گیا تھا۔ وہ ہندال میرزا کے ساتھ ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے کابل کے باہر کامران مرزا کے مقابلے کے لیے ڈیرے ڈالے۔ اس دوران میں میرزا کے ملازمین اور خیر خواہوں کا کوئی نہ کوئی گروہ روزانہ ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوتا حتیٰ کہ ایک دن کامران کا نامی گرامی امیر قیلان بیگ بھی حاضر ہو گیا۔ کامران میرزا پریشانی کے عالم میں سورج غروب ہونے کے وقت ارک کے حصار میں قلعہ بند ہو گیا ہمایوں بھی فوراً وہاں پہنچ گیا۔ کامران میرزا نے ٹھہرنا باعث ہلاکت سمجھا چنانچہ وہ غزنی بھاگ گیا۔ ہمایوں نے ہندال میرزا کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔

ہمایوں رمضان کی دسویں رات کو قلعے میں داخل ہوا شہزادہ جلال الدین محمد اکبر اس وقت چار سال کا تھا چنانچہ بیگمات کے ساتھ اسے ہمایوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ میرزا کامران نے غزنی میں بھی قیام نہ کیا بلکہ ہزارہ قوم کے پاس زمین داور چلا گیا۔ ان لوگوں نے کامران کو پناہ نہ دی لہٰذا اسے وہاں سے شاہ حسین ارغون کے پاس بھاگنا پڑا۔ شاہ حسین نے اپنی لڑکی کی شادی کامران سے کر دی وہ اس کی مدد کو آیا۔ کامران میرزا بظاہر تو خوش و خرم دن گزار رہا تھا۔ مگر درحقیقت وہ دل ہی دل میں ہر وقت فکرمند رہتا تھا۔

بدخشاں پر حملہ

ہمایوں نے اکبر کو محمد علی طغائی کی نگرانی میں کابل میں چھوڑا اور خود ۹۵۳ھ میں بدخشاں پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ چلتے وقت یادگار ناصر میرزا جو متعدد بار بادشاہ کی مخالفت کر چکا تھا پھر بھاگنے کی تیاری کرنے لگا۔ ہمایوں کو اس بات کا پتہ چل گیا چنانچہ بادشاہ نے اس فسادی کو قتل کر دیا۔ ہمایوں کوہ ہندوکش سے گزر کر تیرگراں میں ٹھہرا۔ میرزا سلیمان بدخشاں سے فوج لے کر مقابلے پر آیا مگر پہلے ہی حملے میں بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ نے طالقان کا رخ کیا اس سفر میں ہمایوں کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی۔ دو مہینے کے بعد اسے صحت ہوئی۔ اس دوران میں جو فتنے اور فساد پیدا ہوئے وہ خود بخود دب گئے۔ انہی دنوں میں جولی بیگم کے بھائی خواجہ معظم نے خواجہ رشید کو قتل کر دیا اور خود کابل کی راہ لی۔ خواجہ رشید 'معظم کے ساتھ عراق سے آیا تھا' خواجہ معظم کو بادشاہ کے حکم سے نظربند کر لیا گیا۔ میرزا کامران کو بادشاہ کی روانگی بدخشاں کے متعلق اطلاعات ملیں اس نے غوربند پر ایک دم حملہ کر دیا۔ راستے میں سوداگروں کے ایک قافلے کو لوٹا اور ان کا سامان چھین کر غزنی پہنچا۔ اس نے غزنی کے اوباشوں کی مدد سے غزنی کے حاکم زاہد بیگ کو قتل کیا۔ پھر کابل پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھے وہ صبح کے قریب وہاں پہنچا جونہی قلعے کا دروازہ کھلا وہ اندر داخل ہو گیا اور جلدی سے قلعہ بند ہو گیا۔ اس نے محمد علی طغائی کو قتل کیا جو اس وقت حمام میں تھا۔ افضل بیگ اور مہتر وکیل کو اندھا کر کے شہزادے کو مع شاہی حرم کے موکلوں کے حوالے کیا اس نے حسام الدین ولد میر خلیفہ کو بھی مار ڈالا۔

کہا جاتا ہے کہ جب کامران میرزا قلعے میں داخل ہوا اس کی ملاقات حاجی محمد سے ہوئی یہ بابر کا مسخرا تھا۔ کامران نے اس سے پوچھا کہ "دیکھا تم نے میں کس طرح گیا اور کیسے لوٹا" اس نے کہا تم رات کو گئے اور صبح پھر چلے آئے۔"

ہمایوں کو یہ اطلاعات ملیں چنانچہ بدخشاں کے سلیمان میرزا سے صلح کی قلعہ بدخشاں اس کے حوالے اور قندھار ہندال میرزا کے سپرد کیا پھر خود کابل کا رخ کیا۔ ضحاک اور غوربند کے نزدیک کامران میرزا کی فوج کا کچھ حصہ راہ میں مزاحمت کے لئے آیا ہوا تھا ہمایوں نے ان کو ادھر ادھر منتشر کیا۔ یہاں شیر افگن بیگ اور کامران کا باقی لشکر جمع تھا۔ انہوں نے ہمایوں کو گھیر لیا چنانچہ جنگ ہوئی۔ یہاں بھی

دشمنوں کو شکست ہوئی۔ شیر افگن لڑائی میں مارا گیا ہمایوں کابل کے قریب پہنچ گیا روزانہ لڑائی ہونے لگی۔

اسی دوران میں کامران کو اطلاع ملی کہ ایک بڑا قافلہ کسی موضع میں ٹھہرا ہوا ہے اور ان کے پاس بہت سے گھوڑے ہیں۔ چنانچہ اس نے ایک بہادر سپاہی شیر علی کو سپاہیوں کی ایک جماعت دے کر قافلے والوں کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں گرفتار کرکے شہر کے اندر لے آئیں۔ ہمایوں کو بھی اس کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ وہ فوراً قلعے کے نزدیک پہنچ گیا اور آمدورفت کا راستہ بالکل بند کر دیا۔ شیر علی واپس آیا اس نے بادشاہ کے مقابلے کرنے کی ٹھانی مگر پھر فرار ہو گیا۔

انہیں دنوں میرزا سلمان بیگ بدخشاں سے' میرزا الغ بیگ' قاسم حسین سلطان اور بیرم خاں ترکمان کے ملازمین بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قراچہ خاں اور مانوس بیگ قلعے سے بھاگ کر ہمایوں سے آملے۔ مرزا بہت پریشان ہوا اس نے مانوس بیگ کے تینوں بیٹوں کو قتل کر ڈالا وہ قلعے میں تھے۔ پھر قلعے کی دیوار سے نیچے پھینک دیا کامران نے قراچہ خاں کے لڑکے کو بھی فصیل کے اوپر قلعے کی دیوار سے باندھ دیا۔ قراچہ خاں قلعے کے قریب پہنچا اس نے چلا کر کہا "اگر میرا بیٹا مارا گیا تو یاد رکھو تم اور عسکری میرزا بھی زندہ نہ رہو گے۔"

کامران کا فرار

کامران ہر طرف سے مایوس ہو گیا چنانچہ رات کے وقت قلعے کی دیوار پھاند کر حصار سے بھاگ گیا قلعہ دوبارہ بادشاہ کے قبضے میں آ گیا۔ کامران نے کول کابل کے دامن میں پناہ لی۔ میرزا کو یہ مامن بھی راس نہ آیا ہزارہ قوم کا ایک گروہ وہاں پہنچا انہوں نے میرزا کا تمام اسباب جس میں کپڑے بھی شامل تھے اپنے قبضے میں کر لیا۔ بعد میں انہیں جب معلوم ہوا کہ انہوں نے کامران کو لوٹا ہے تو انہوں نے اس کی مدد کی اور اسے اس کے ملازموں کے پاس غور بند پہنچا دیا۔ وہ یہاں بھی نہ ٹھہر سکا اور بلخ کی طرف چلا گیا۔ حاکم بلخ شیر محمد خاں کامران کی مدد کے لئے آمادہ ہوا اس نے غور اور بغلان کے دونوں شہر کامران کے حوالے کیے۔

میرزا نے فوج جمع کرکے جلد ہی بدخشاں پر حملہ کر دیا۔ میرزا سلیمان اور اس کا لڑکا ابراہیم مرزا اس کا مقابلہ نہ کر سکے اور کولاب کی طرف بھاگ گئے۔

قراچہ خاں اور مانوس بیگ نے اس دوران میں کئی منصوبے بنائے انہوں نے خواجہ بخاری وزیر کو قتل کرکے خواجہ قاسم کو اس کا جانشین مقرر کرنے کا ارادہ کیا۔ ہمایوں کو ان کی یہ باتیں پسند نہ آئیں ان امیروں نے بادشاہ کا ساتھ چھوڑا اور میرزا عسکری کو لے کر بدخشاں روانہ ہو گئے۔ ہمایوں نے ان مفروروں کا تعاقب کیا مگر ان تک پہنچ نہ سکا لہٰذا واپس ہوا۔

ہمایوں نے میرزا ہندال اور میرزا ابراہیم بن سلیمان کے نام طلبی کا حکم صادر کیا ابراہیم حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا۔ قرعلی سنقانی مفرور امیروں کی طرف سے راستے میں بیٹھ کر شاہی لشکر کی خبریں ان تک پہنچا رہا تھا' ابراہیم نے اس کو قتل کیا اور حاضر خدمت ہو گیا۔ میرزا ہندال نے راستے میں شیر علی کو زندہ گرفتار کیا اور بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔

کامران اور ہندال کی لڑائی

کامران میرزا قراچہ خاں کو کشم میں چھوڑ کر خود طالقان میں ٹھہر گیا تھا۔ ہمایوں نے ہندال میرزا کو حاجی محمد کوکہ کے ہمراہ کچھ سپاہی دے کر اپنے آگے کشم کی طرف روانہ کیا۔ قراچہ خاں نے کامران میرزا کو اطلاع دی۔ کامران میرزا نے کشم کی طرف پیشقدمی کی اور وہاں جا پہنچا۔ ہندال میرزا نے دریائے طالقان کو عبور ہی کیا تھا اور اس کی فوج ابھی ادھر ادھر بکھری ہوئی تھی کہ کامران میرزا وہاں پہنچ گیا لڑائی شروع ہو گئی۔ کامران نے ہندال میرزا کو شکست دی اور اس کا سارا سامان لوٹ لیا اسی اثنا میں ہمایوں بھی وہاں پہنچ گیا۔ کامران بادشاہ سے مقابلہ نہ کر سکا اور طالقان بھاگ گیا' اس نے جو کچھ ہندال میرزا سے چھینا تھا لٹیروں کے سپرد کیا چنانچہ اگلے دن وہ طالقان کے

اجازت مانگی' ہمایوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ کامران اور عسکری دونوں بھائی قلعے میں حرمین شریفین کی زیارت کے لئے روانہ ہو گئے۔ دونوں نے ابھی دس کوس فاصلہ طے کیا تھا کہ ان کو خیال ہوا کہ ہمایوں کی فوج ان کے تعاقب میں آئے گی مگر یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ چنانچہ وہ ہمایوں کی عنایات سے شرمندہ ہو کر واپس لوٹے اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہمایوں نے مغل سرداروں کو ان کے استقبال کے لئے بھیجا' بادشاہ نے دونوں سے بڑی مہربانی کا سلوک کیا اور ان کو کولاب کا شہر جاگیر میں دے دیا۔ پھر ان کو کولاب کی طرف رخصت کرکے خود کابل آ گیا۔

ہمایوں نے فتح نامہ بیرم خاں کے پاس قندھار میں بھیجا اس فتح نامہ کے حاشیے پر اپنی کہی ہوئی نظم لکھی اور اپنے خاص قلم سے بیرم خاں کی جدائی کے اظہار کے لئے ایک رباعی بھی اس وقت لکھ دی۔ اس نے بھی رباعی کا مناسب جواب بھیجا' بیرم خاں کو ازبکوں کے ہاتھوں سخت تکلیفیں پہنچی تھیں۔ لہٰذا ۹۵۶ھ میں ہمایوں ہندال میرزا اور سلیمان میرزا کو لے کر بلخ پہنچا' کامران اور عسکری نے اس وقت بھی مخالفت کی اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ ہمایوں کی عدم موجودگی میں کامران کابل میں پھر کوئی نیا ہنگامہ پیدا کرے گا مگر ہمایوں نے ارادہ نہ بدلا اور بلخ پہنچ گیا۔

شاہ محمد سلطان اوزبک تین ہزار سوار لے کر مقابلے میں آیا مگر اس روز بغیر فتح و شکست کے چلا گیا۔ اگلے دن پیر محمد خاں' عبد العزیز خاں ولد عبد اللہ خاں اور خضار کے فرماں روا شاہ محمد سلطان کی مدد کو آئے۔ شاہ محمد سلطان تیس ہزار سوار لے کر بادشاہ کے مقابلے پر آیا۔ سلیمان مرزا' ہندال میرزا اور حاجی محمد سلطان نے انہیں شکست دی۔ پیر محمد اوزبک یہ حال دیکھ کر شام کے وقت اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شہر میں چلا گیا۔

چغتائی لشکر کامران کی وجہ سے اپنے اہل و عیال کے بارے میں متفکر تھا۔ جس رات کے بعد صبح کو بلخ پر حملے کا ارادہ تھا اسی رات تمام فوج نے بادشاہ سے درخواست کی کہ بلخ کے لئے جنگ کرنا مناسب نہیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ درہ کنز کی طرف سے چل کر کوئی مضبوط جگہ تلاش کی جائے اور پھر اہل بلخ کی دلداری کرکے بغیر لڑے شہر پر قبضہ کیا جائے سپاہیوں نے اس پر بہت اصرار کیا۔ ہمایوں نے مجبوراً کوچ کیا درہ کنز کابل کی جانب واقع ہے۔ چونکہ کسی کو اس مشورے کا علم نہ تھا لہٰذا سب یہ سمجھے کہ بادشاہ واپس کابل جا رہا ہے۔ چنانچہ ہر شخص فوراً روانہ ہوا اوزبکوں کا حوصلہ بڑھ گیا انہوں نے شاہی لشکر کا تعاقب کیا۔ اوزبک سپاہیوں' نے فوج کے محافظ دستوں کو جو لشکر کے عقب میں تھے مغلوب کیا۔ سلیمان میرزا اور حسن قلی سلطان ان دستوں کی کمان کر رہے تھے چنانچہ اوزبک لشکر تک پہنچ گئے۔ ہمایوں نے پلٹ کر ایک شخص کو نیزہ مار کر گھوڑے سے گرا دیا یہ شخص ان سب سے آگے تھا۔ ہندال میرزا' تردی بیگ اور تولک خاں قوچین نے بھی خوب بہادری دکھائیں مگر چغتائی فوج کی بے نظمی کی وجہ سے کچھ فائدہ نہ ہو سکا۔

ہمایوں کا عزم کابل

ہمایوں کامران کا جھگڑا ختم کرنے کے لئے کابل روانہ ہوا۔ اس نے کامران کے بہترین دوست اور خیر خواہ علی بیگ کو مرزا کا دشمن بنایا۔ میرزا نے ارادہ کیا کہ بادشاہت کو چھوڑ کر ضحاک اور بامیان کے راستے ہزارہ میں پہنچے اور پھر وہاں سے سندھ چلا جائے۔ ہمایوں نے ایک گروہ کو اس کا راستہ روکنے کے لئے روانہ کیا۔ قراچہ خاں اور قاسم حسین وغیرہ نے جو دو مرتبہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے۔ میرزا کامران کو خفیہ طور پر پیغام بھیجا کہ شاہی لشکر کا اچھا حصہ ضحاک اور بامیان چلا گیا ہے لہٰذا تمہیں چاہیے کہ کوتل قپچاق کے راستے ہمارے پاس پہنچ جاؤ اور ہمیں اپنا خیر خواہ سمجھو۔ کامران نے ان لوگوں کی ہدایت پر عمل کیا۔ وہ بامیان سے قپچاق چلا گیا ہمایوں بھی وہاں پہنچ گیا۔ چنانچہ قراچہ خاں اور اس کے ساتھی لڑائی کے دوران میں کامران سے جا ملے۔ ہمایوں تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ استقلال کے ساتھ برابر لڑتا رہا۔ پیر محمد اختر اور احمد ولد مرزا قلی جنگ میں مارے گئے بادشاہ کے سر پر زخم آیا اور اس کا گھوڑا زخمی ہو گیا

اس حالت میں بادشاہ نیزے سے دشمن کو دور رکھنے میں کامیاب ہوا۔

کابل پر کامران کا دوبارہ قبضہ

ہمایوں نے ضحاک اور بامیان کا رخ کیا کابل پر کامران کا دوبارہ قبضہ ہو گیا۔ ہمایوں بدخشاں پہنچا یہاں ایک قافلے کے پاس اسباب اور گھوڑے کثرت سے تھے۔ بادشاہ نے ان سے سامان جنگ بطور قرض لیا اور اپنے سپاہیوں میں تقسیم کیا۔ پھر شاہ بداغ تولک خاں قوچین اور مجنوں خاں وغیرہ کو جو تعداد میں دس تھے کابل روانہ کیا۔ تاکہ وہ دیکھ بھال کر سکیں مگر سوائے تولک خاں کے کوئی واپس نہ لوٹا ہمایوں کو ان پرانے ملازمین کی بد عہدی پر بہت حیرت ہوئی۔

کابل کی فتح

سلیمان مرزا' ابراہیم میرزا اور ہندال میرزا اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ پہنچ گئے چنانچہ پانچویں دن ہمایوں نے کابل کا رخ کیا۔ کامران بھی آگے بڑھا۔ دریائے پنجتر (۱) کے کنارے جنگ ہوئی کامران ہار گیا۔ میرزا نے سر اور ڈاڑھی کے بال منڈوا ڈالے اور قلندروں کے روپ میں کوہ ہندوکش اور طغان کے دامن میں جا چھپا۔ فرار کے وقت میرزا عسکری گرفتار ہو گیا قراچہ خاں مارا گیا ہمایوں فاتح کی حیثیت سے کابل میں داخل ہوا۔

کامران پر حملہ

ایک سال سکون و آرام کے ساتھ بسر کرنے کے بعد ہمایوں نے سامان حرب درست کیا اور پھر کامران پر فوج کشی کی۔ اس دوران میر کامران کے گرد پھر کچھ من چلے سپاہی جمع ہو گئے اور اسطرح ایک ہزار پانچ سو آدمی اس کے پاس یک جا ہو گئے۔ حاجی محمد خاں اور بابا قشقہ بھی بغیر اجازت کے غزنی چلے گئے۔ کامران مرزا' مہمندی خلیل اور داؤد زئی افغانوں اور طغانات کے سرداروں کے ساتھ سندھ کی طرف بھاگا' ہمایوں واپس کابل آ گیا۔ کامران سندھ کی طرف سے پھر افغانوں کے پاس لوٹ آیا اور وہی فتنہ و فساد شروع کر دیا۔ ہمایوں کو دوبارہ فوج کشی کرنی پڑی' بادشاہ نے بیرم خاں ترکمان کو لکھا کہ وہ غزنی آ کر حاجی محمد کا بندوبست کرے ادھر حاجی نے کامران کو پیغام بھیجا کہ "تم یہاں غزنی پہنچو اور میں تمہارا فرمانبردار ہوں۔" میرزا کامران طغائن سے بھاگ کر پشاور آ گیا تھا وہ بنگش (۲) اور گردیز کے راستے غزنی روانہ ہو گیا۔ پیشتر اس کے کہ کامران غزنی پہنچتا بیرم خاں وہاں پہنچ چکا تھا اس نے حاجی کو نرمی سے سمجھایا بجھایا اور پھر اسے کابل لے گیا' کامران مجبوراً پشاور لوٹ آیا۔ ہمایوں کابل پہنچا حاجی خوف کھا کر غزنی لوٹ گیا۔ بیرم خاں دوبارہ اسے تسلیاں دے کر کابل لے کر آیا ان ہی دنوں میں ہمایوں نے کامران کے حقیقی بھائی میرزا عسکری کو میرزا سلیمان کے پاس بھیجا تاکہ وہ انتظام کر کے میرزا کو بلخ کے راستے مکہ معظمہ بھیج دے۔ عسکری میرزا نے شام اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک وادی میں ۹۶۱ھ میں وفات پائی۔ عسکری میرزا کی ایک بیٹی تھی جسے جلال الدین اکبر نے یوسف خاں مشہدی کے ساتھ بیاہ دیا۔

کامران کے سر پر ابھی تک حکومت کا بھوت سوار تھا چنانچہ وہ افغانوں میں رہ کر لشکر جمع کرنے کی تدبیریں کرتا رہا۔ ہمایوں نے پہلے تو حاجی محمد خاں کو تہہ تیغ کیا جو سارے فساد کی جڑ تھی اور پھر کامران کو راہ راست پر لانے کے لئے روانہ ہوا۔ خیبر کے قریب میرزا نے افغانوں کے ہمراہ ذیقعدہ ۹۵۸ھ میں شاہی لشکر پر شب خون مارا۔ میرزا ہندال شہید ہو گیا۔ ناسعادت مند میرزا کو بھائی کے مارے جانے کی اطلاع ہوئی۔ چنانچہ وہ ناکام واپس آ گیا اور افغانوں سے جا ملا۔

افغانوں کی سرکوبی

ہمایوں نے میرزا کی بیٹی رقیہ سلطان بیگم اور ہندال میرزا کے ساتھ جلال الدین اکبر کو بڑی عزت کے ساتھ روانہ کیا۔ غزنی کو ان کی

اچھی طرح ذلیل و خوار کیا۔ افغان اب یہ سمجھ گئے کہ اس طرح سوائے نقصان کے اور کچھ حاصل نہیں لہٰذا وہ مجبوراً کامران سے علیحدہ ہو گئے۔ کامران کو بھی ہندوستان کا رخ کرنا پڑا اور اس نے سلیم شاہ سور کے ہاں پناہ لی مگر اس نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا وہ اسے قید کرنا چاہتا تھا۔ کامران کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ وہاں سے بھاگ کر راجہ نگر کوٹ کے ہاں پناہ گزین ہوا۔ سلیم شاہ چونکہ کامران کو بھی سلطنت کا دعویدار خیال کرتا تھا لہٰذا وہ پنجاب کے تمام راجاؤں کے خلاف فوج کشی کرنے کے لئے نکلا کامران خوف زدہ ہو کر وہاں سے بھی بھاگ کھڑا ہوا اور وہاں سے سلطان آدم ککھڑ کے ہاں چلا گیا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ ان دنوں میرزا حیدر دوغلات نے کشمیر کے زمینداروں کے سرکش ہونے کی شکایت ہمایوں سے کی اور مدد کے لئے آنے کی درخواست کی چنانچہ ہمایوں دریائے سندھ پار کر کے ہندوستان میں آ پہنچا۔ سلطان آدم نے ڈر کے مارے میرزا کامران پر پہرہ لگا دیا اور بادشاہ کو اس کی اطلاع کی۔ ہمایوں نے منعم خاں کو وہاں بھیجا وہ کامران کو وہاں سے لے آیا۔

میرزا کا اندھا ہونا

تمام چغتائی امیروں نے جو میرزا کے فتنہ و فساد کی وجہ سے اس سے بیزار تھے بادشاہ سے عرض کی کہ چغتائی قوم کی عزت اور بہتری کی خاطر میرزا کا کام تمام کر دیا جائے۔ ہمایوں اپنی نرمی طبیعت اور مروت کی وجہ سے اس پر آمادہ نہ ہوا لیکن امیروں کا دل رکھنے کے لئے حکم دیا کہ میرزا کی آنکھوں میں لوہے کی سلائی پھیر دی جائے۔

محمد مومن نے کامران کے اندھا ہونے کی یہ تاریخ نکالی۔ "چشم پوشید زبیداو سپہر۔"

ہمایوں میرزا سے ملنے کے لئے گیا میرزا نے چند قدم استقبال کیا اور سعدی کا قطعہ پڑھا۔

زقدر و شوکت سلطاں نہ گشت چیزے کم ز التفات بہ غربت سرائے دہقانے
کلاہ گوشہ دہقاں بر آفتاب رسید کہ سایہ برسرش انداخت چونتو سلطانے

ہمایوں پر رقت طاری ہو گئی اور وہ کوئی بات نہ کر سکا چنانچہ وہ وہاں سے افسوس کرتا ہوا واپس آ گیا۔ میرزا نے حج کی اجازت مانگی چنانچہ وہ سندھ کے راستے مکہ معظمہ پہنچا وہ اپنی بیوی (دختر شاہ حسین ارغون) کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ تین حج کرنے کے بعد گیارہویں ذی الحجہ ۹۶۴ھ کو میرزا کا وہیں انتقال ہو گیا۔ محلہ مز کے میں اسے دفن کیا گیا میرزا نے اپنے پیچھے تین لڑکیاں ایک بیٹا چھوڑا بیٹے کا نام ابو القاسم میرزا تھا۔

قاسم میرزا کا قتل

جلال الدین اکبر نے ابو القاسم میرزا کو ۹۶۴ھ میں گوالیار کے قلعے میں قید کیا جب اکبر نے خاں زماں پر لشکر کشی کی تو اس وقت ابو القاسم میرزا کو اکبر کے اشارے سے قتل کر دیا قاسم میرزا نے قتل کے وقت اپنا کہا ہوا یہ شعر پڑھا۔

فلک بکشتن من این قدر شتاب مکن چو خواہم از ستمت مردن اضطراب مکن

کامران کی ایک بیٹی میرزا ابراہیم حسین بن سلطان محمد کی بیوی تھی اس کے بطن سے ایک لڑکا مظفر حسین میرزا پیدا ہوا۔ کامران کی دوسری لڑکی عبد الرحمٰن مغل سے بیاہی ہوئی تھی، تیسری کا نکاح شاہ فخر الدین مشہدی رضوی کے ساتھ ہوا تھا۔

کشمیر پر لشکر کشی

ہمایوں کو میرزا کامران کے فتنہ و فساد سے نجات ملی تو اس نے کشمیر پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ان دنوں میں سلیم شاہ پنجاب پہنچ چکا تھا۔ اس لئے چغتائی سرداروں نے بادشاہ کی اس بات سے اتفاق نہ کیا انہوں نے کہا کہ کشمیر پہنچنے کے بعد اگر افغانوں نے تمام راستے بند کر دیئے تو بہت مصیبت پیش آئے گی۔ بادشاہ نے امیروں کی یہ بات پسند نہ کی۔ اور کشمیر کا رخ کیا۔ امیروں نے خوش طبعی کی اور بادشاہ کا

ساتھ نہ دیا۔ وہ کابل روانہ ہوئے۔ ہمایوں کو بھی مجبوراً ان کا ساتھ دینا پڑا دریائے سندھ کو پار کرنے کے بعد انہوں نے بنگرام کا قلعہ تعمیر کیا۔ پھر قلعے کو سکندر خاں اوزبک کے حوالے کیا اور خود یہ لوگ کابل کی طرف روانہ ہوئے۔ ہمایوں نے شہزادے جلال الدین اکبر کو جلال الدین محمود وزیر کے ساتھ غزنی روانہ کیا۔ ۹۶۱ھ میں شہزادہ محمد حکیم مرزا کابل میں پیدا ہوا۔

بیرم خاں سے برگشتگی

اس سال بادشاہ مفسدوں کی شرارت سے بیرم خاں سے برگشتہ ہو گیا۔ ہمایوں کو یہ خیال ہوا کہ مذہبی موافقت کی وجہ سے کہیں وہ قزلباشوں سے نہ مل جائے چنانچہ بادشاہ نے قندھار پر حملہ کرنے کی سوچی اور غزنی کے راستے قندھار جا پہنچے۔ بیرم خاں ترکمان اس الزام سے بری تھا اسے کسی معاملے کی خبر بھی نہ تھی چنانچہ وہ ہمایوں کی آمد کی اطلاع پا کر پانچ چھ معتمد امیروں کے ساتھ استقبال کو آیا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں تحائف پیش کیے ہمایوں کو معلوم ہو گیا کہ یہ محض دشمنوں کی بدگوئی تھی اور سب بہتان تھا۔

غلط فہمی کا ازالہ

ہمایوں نے بیرم خاں کی دلجوئی کے لئے قندھار میں مکمل دو مہینے آرام و سکون سے گزارے۔ ہمایوں نے فسادیوں کو ملامت کی اور بیرم خاں کو اپنی عنایتوں اور مہربانیوں سے سرفراز کیا۔ بیرم خاں نے بادشاہ سے عرض کی کہ قندھار کی حکومت منعم خاں یا کسی اور کو سپرد کر دی جائے اور خود بادشاہ کے ساتھ رہنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ ہمایوں نے بیرم خاں کی یہ بات نہ مانی مگر چلتے وقت بیرم خاں کی گزارش کے مطابق بہار خاں برادر علی قلی خاں سیستانی کو زمین داور کی جاگیر دے کر اسے وہیں چھوڑا بادشاہ کابل آ گئے۔

اس دوران میں آگرے اور دہلی سے بعض خیر خواہوں کی عرضیاں بادشاہ تک پہنچیں جن کا مضمون یہ تھا کہ "سلیم شاہ نے وفات پائی۔ اور افغان امیر آپس میں دست و گریباں ہیں یہی وقت ہے کہ بادشاہ اپنے موروثی ملک کی طرف توجہ کریں اور قبضہ کریں۔"

نیک شگون

ہمایوں کے پاس ہندوستان پر لشکر کشی کے لئے ساز و سامان نہ تھا لہٰذا وہ بےحد متردد ہوا۔ ایک دن سیر و شکار کے دوران میں بادشاہ نے چند معتبر امیروں سے کہا کہ میں ہندوستان کے سفر کے لیے اس طرح شگون لیتا ہوں کہ پہلے تین شخص جو سامنے سے نظر آئیں ان کے نام پوچھ کر ان کے ناموں سے اس سفر کی فال نکالتا ہوں۔ "چنانچہ پہلے جو نظر آیا اس کا نام دولت خواجہ تھا چند قدم کے بعد دوسرا دہقانی ملا اس کا نام مراد خواجہ تھا ہمایوں نے کہا کہ "کیا خوب ہوتا اگر تیسرے کا نام سعادت خواجہ ہوتا۔" کچھ دور جانے کے بعد تیسرا شخص ملا اس کا نام پوچھا گیا اتفاق سے اس کا نام سعادت خواجہ نکلا۔

ہندوستان کے سفر کی تیاری

ہمایوں اس نیک شگون سے بےحد خوش ہوا اور اس واقعے کو غیبی بشارت سمجھا چنانچہ اس کے باوجود کہ بادشاہ کے پاس صرف پندرہ ہزار سوار تھے اور افغان فوج ۱۱لاکھ دو لاکھ سے کم نہ تھی ہندوستان کے سفر کے لئے تیار ہو گیا۔

روانگی

ہمایوں نے شہزادہ محمد حکیم میرزا کو منعم خان کی نگرانی میں کابل میں چھوڑا اور پھر صفر کے مہینے ۹۶۲ھ میں ہندوستان روانہ ہوا۔ بیرم خاں ترکمان بھی اپنے بہادر اور تجربہ کار سپاہیوں کے ساتھ جو سب اس کے خاندانی ملازم تھے۔ شاہی حکم کے مطابق ہمایوں سے پشاور میں آ ملا۔ پھر بادشاہ نے دریائے سندھ کو پار کیا اور پھر بیرم خاں کو سپہ سالاری کا عہدہ عنایت فرمایا' خضر خاں' تردی بیگ خاں' سکندر سلطان اور علی قلی [illegible]

امیر جو وہاں تھے بغیر لڑے ہوئے بھاگ گئے ہمایوں بلا روک ٹوک شہر میں داخل ہوا۔

بیرم خاں کی کاروائیاں

بیرم خاں ترکمان اپنے ساتھیوں کے ہمراہ سرہند جا پہنچا اور ان علاقوں پر بغیر لڑے بھڑے قابض ہو گیا۔ سرہند کی رعایا اور زمینداروں نے بیرم خاں کی اطاعت قبول کی۔ اس اثناء میں اطلاع ملی کہ افغانوں کا ایک گروہ شہباز خاں اور نصیر خاں کی سرکردگی میں دیپالپور میں جمع ہے اور کچھ گڑ بڑ کرنے والا ہے۔ ہمایوں نے اپنے منہ بولے بیٹے ترند کو سید ابو المعالی کے علی قلی سیستانی کے ہمراہ ان افغانوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ شاہ ابو المعالی نے انہیں شکست دی اور تاخت و تاراج کرنے کے بعد واپس آ گیا۔

تاتار خاں اور ہیبت خاں سے معرکہ آرائی

سکندر شاہ نے تاتار خاں اور ہیبت خاں کو تیس ہزار سواروں کے ساتھ چغتائیوں سے لڑائی کے لیے بھیجا اور انہیں بڑے ساز و سامان کے ساتھ روانہ کیا۔ بیرم خاں دشمن کی تعداد سے بالکل خوفزدہ نہ ہوا چنانچہ وہ دریائے ستلج کو عبور کر کے ان سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ وہ غروب آفتاب کے وقت بچواڑہ کے کنارے دشمن کے سامنے خیمہ زن ہوا۔ سردیوں کا زمانہ تھا لہٰذا افغانوں نے اپنے خیموں کی گرد آگ روشن کی اور چوکس ہو کر دشمن کا خیال کرتے رہے۔ بیرم خاں یہ اطلاع پا کر بہت خوش ہوا چنانچہ وہ بغیر کسی کو بتائے ہوئے ایک ہزار خاصے کے سوار لے کر دشمن کے لشکر کے کنارے پہنچ گیا۔ افغان لشکر دور سے روشنی کی وجہ سے نظر آ رہا تھا بیرم خاں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ افغان تیروں کی بارش سے سراسیمہ ہو گئے اور اپنی فطری کم عقلی سے آگ کو زیادہ مشتعل کرنے میں اپنا بچاؤ سمجھے چنانچہ انہوں نے لشکر کی تمام لکڑیوں کو گٹھے اور جانوروں کا چارہ سب کا سب ایک دم آگ میں ڈال دیا۔ مغل اس سے اور زیادہ خوش ہوئے اور انہیں تقویت پہنچی چنانچہ تیروں کی بوچھاڑ میں اور اضافہ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد علی قلی سیستانی اور دوسرے سردار اس واقعے سے باخبر ہو گئے چنانچہ وہ بھی جلد سپہ سالار سے جا ملے اور تیر اندازی کرنے لگے۔ افغان بظاہر مقابلے کے لئے سوار ہو کر نکلے مگر لشکر سے نکلتے ہی دہلی کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے چنانچہ ہر دستے نے مختلف سمتوں میں فرار ہونا شروع کیا دیکھتے ہی دیکھتے ان کی قوت منتشر ہو گئی۔ تاتار خاں اور ہیبت خاں نے تھوڑی دیر تو لشکر میں قیام کیا مگر اپنے لشکر کی ابتری دیکھ کر ساز و سامان، گھوڑے، ہاتھی میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مغلوں نے خوش ہو کر افغانوں کے سامان کو لوٹا اور بے حد مسرور ہوئے۔

بیرم خاں نے ہاتھی بادشاہ کی خدمت میں لاہور بھیج دیئے۔ خود ماچیواڑے میں ٹھہر گیا پھر اپنے امیروں کو آگے روانہ کیا انہوں نے دہلی کے قرب و جوار کو اچھی طرح تاخت و تاراج کیا اور بہت سے پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔

بادشاہ اس فتح سے بیحد خوش ہوا۔ بیرم خاں کو خانخاناں اور یار وفادار، ہمدم غمگسار کے خطابات سے سرفراز کیا۔ پھر بیرم کے تمام ادنیٰ و اعلیٰ نوکروں کے نام شاہی دفتر میں لکھوائے اور ان کا رتبہ بلند کیا۔ ان ملازمین میں سے بہت سے ہوشیار جوان مستقبل میں خان و سلطان اور بہادر سمجھے گئے۔ سکندر شاہ نے تاتار خاں اور ہیبت خاں کی شکست کے بعد افغانوں سے اتحاد اور یک جہتی کی قسمیں لیں اور وعدے وعید کیے۔ پھر اسی ہزار سوار، توپوں، جنگی ہاتھیوں کو لے کر مغلوں سے لڑنے کے لئے پنجاب روانہ ہوا۔

سکندر خاں سے جنگ

بیرم خاں نوشہرہ پہنچا اس نے شہر کو مضبوط و مستحکم کیا۔ سکندر شاہ نوشہرہ کے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ بیرم نے ایک عریضہ ہمایوں کی خدمت میں بھیجا اور لاہور سے نوشہرہ آنے کی درخواست کی بادشاہ نوشہرے پہنچ گیا اور قلعے میں ٹھہر گیا۔ چند دن طرفین کے بہادر میدان جنگ میں اپنے اپنے جوہر دکھاتے رہے آخر ماہ رجب کی چاند رات کو ۹۶۲ھ میں افغانوں نے صفیں درست کر کے لڑائی کی تیاری کی۔ اس رات

جلال الدین اکبر کی قراولی کا دن تھا' چغتائی سپاہی بھی لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ ایک طرف بیرم خاں ترکمان اور اس کی مدد گار سپاہی اور دوسری طرف سکندر خاں' عبد اللہ خاں اوزبک' شاہ ابو المعالی' علی قلی سیستانی' بہادر خاں' تردی بیگ خاں وغیرہ نے چنگیزی آئین جنگ کے مطابق غنیم پر حملہ کیا اور اس قدر بہادری اور شجاعت دکھائی جو قیاس سے بعید ہے خدا کی مدد ہوئی اور افغان شکست کھا گئے۔

سکندر شاہ کوہ شوالک کی طرف بھاگا ہمایوں نے اوزبک سکندر خاں کو دوسرے افسران کے ساتھ دہلی اور آگرہ روانہ کیا۔ انہوں نے ان شہروں پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ نے ابو المعالی کو پنجاب کی حکومت دی اور سکندر شاہ کا قلع قمع کرنے کے لئے مقرر کیا۔ پھر رمضان کے مہینے میں دہلی پہنچ کر خدا کے فضل اور عنایت سے دوبارہ ہندوستان کے تخت پر رونق افروز ہوا۔ ہمایوں نے بیرم خاں کو جاگیر اور شاہانہ نوازشوں سے سرفراز فرمایا۔ تردی بیگ کو دہلی کا اور سکندر خان کو آگرے کا صوبے دار مقرر کیا' علی قلی سیستانی سنبھل اور میرٹھ کی حکومت کا فرمان لے کر روانہ ہوئے بیرم خاں نے اس فتح کی تاریخ پر یہ رباعی لکھی۔

منشی خرد طالع میموں علیہ انشائے سخن زطبع موزوں علیہ
تحریر چوکر دفتح ہندوستان را تاریخ زشمشیر ہمایوں علیہ

شاہ ابو المعالی اپنے مددگاروں اور امیروں کی قرار واقعی مدد نہیں کرتا تھا لہٰذا سکندر شاہ دن بدن طاقتور ہوتا جاتا تھا۔ ہمایوں نے بیرم خاں کو شہزادہ جلال الدین اکبر کا اتالیق بنا کر سکندر شاہ کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا اور شہزادہ کی خدمت میں بھیجا۔

ہمایوں کا انتقال

اسی دوران میں ایک شخص قنبر دیوانہ نے سنبھل میں سر اٹھایا وہ میان دوآب کے علاقے میں خونریزی کرنے لگا۔ علی قلی اس کی سرکوبی کے لئے پہنچا اور اس کا سر کاٹ کر پانچویں ربیع الاول ۹۶۳ھ میں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ دو دن بعد ہمایوں کتاب خانے کے کوٹھے پر چڑھا کچھ دیر بیٹھنے کے بعد نیچے اترنے لگا۔ بادشاہ نے ایک زینہ طے کیا تھا کہ موذن نے اذان دی۔ بادشاہ تعظیم میں دوسرے زینے پر بیٹھ گیا۔ اذان ختم ہونے کے بعد لاٹھی کے سہارے اپنی جگہ سے اٹھا لیکن قضائے الٰہی سے لاٹھی ڈگمگا کر ہاتھ سے چھوٹ گئی بادشاہ زینے سے نیچے گر پڑا۔ خدام بدحواس ہو کر بادشاہ کو غشی کے عالم میں محل سرا میں لے گئے۔ کچھ دیر بعد طبیعت سنبھلی اور کچھ باتیں بھی کیں۔ علاج شروع ہوا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا گیارھویں ربیع الاول ۹۶۳ھ کو غروب آفتاب کے وقت بادشاہ نے رحلت کی ہمایوں کی وفات کا تاریخی مصرعہ یہ ہے۔

ہمایوں بادشاہ از بام افتاد

بادشاہ کو نئی دہلی میں دریائے جمنا کے کنارے دفن کیا گیا ۹۷۳ھ میں ہمایوں کی قبر پر گنبد تعمیر کیا گیا اس نیک دل بادشاہ نے پچیس سال حکومت کی اس میں کابل اور ہندوستان دونوں ملکوں کے عہد حکومت شامل ہیں۔

ہمایوں فطری طور پر بہادر تھا سخاوت اور مروت سرشت میں داخل تھیں۔ علم ریاضی میں بہت دسترس تھی۔ بادشاہ ہمیشہ عالموں اور فاضلوں کی صحبت کو پسند کرتا تھا۔ اس کی مجلس میں علمی تذکرے ہوتے رہتے تھے۔ ہمیشہ بادشاہ باوضو رہتا اور بلا وضو خدا کا نام کبھی نہ لیتا۔ ایک دن ہمایوں نے میر عبد الحی صدر کو عبدل کہہ کر خطاب کیا۔ پھر وضو کر کے ان سے کہا کہ "میں تخاطب کے وقت باوضو نہ تھا اور تمہارے نام میں خدا کا نام ہے اس لئے میں تمہیں تمہارے پورے نام سے نہ پکار سکا۔ ہمایوں کا قد میانہ اور رنگ گندمی تھا۔ بادشاہ کا مذہب حنفی تھا لیکن کامران اور دوسرے چغتائی امیر ہمایوں کو ہمیشہ شیعہ سمجھتے رہے ان کی بدگمانی کی وجہ یہ تھی کہ شہزادگی کے عالم سے عراقی اور خراسانی شیعہ۔ بادشاہ کے گرد جمع تھے بادشاہ ان کی پوری خاطر داری کرتا تھا دوسرے بادشاہ کا رفیق بھی امامیہ فرقے کا شیدائی تھا۔ ہمایوں نے اپنے

ہمایوں سنی المذہب تھا۔ بادشاہ کے اشعار بھی چیدہ چیدہ کتابوں میں نظر آتے ہیں۔

اگر بہ پرسش عشاق می نہد قدمے ہزار جاں گرامی فدائے ہر قدمت
حقاکہ چوں ہمایوں در حال اصل بے خود بادوست در حکایت از خویش ستہ بودم
داغ عشق تو برجبین من است خاتم لعل تونگین من است
ہر کجا شاہ و شہریارے بود ایں زماں بندۂ کمین من است

شہنشاہ جلال الدین محمد اکبر (اکبر اعظم)

علامہ شیخ ابوالفضل برادر شیخ فیضی نے اس پر جاہ و جلال بادشاہ کے تمام حالات اور واقعات کو اکبر نامہ میں مفصل بیان کیا ہے۔ اکبر نامہ ایک لاکھ اور ایک ہزار سطور پر مشتمل ہے۔ فرشتہ اس کتاب کا خلاصہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

جب ہمایوں زینے سے گر کر صاحب فراش ہوئے تو سلطنت کے اراکین اور افسروں نے ایک معتمد امیر شیخ جولی کو ہمایوں کے حال سے مطلع کرنے کے لیے پنجاب روانہ کیا۔ شیخ جولی نے کلانور کے مقام پر اکبر سے ملاقات کی اور سارا حال تفصیلاً بتایا ابھی شیخ جولی پہنچے ہی تھے کہ ہمایوں کی وفات کی اطلاع پہنچ گئی۔ امیروں نے تعزیت کے بعد اتفاق رائے سے شہزادہ اکبر کو دوسری ربیع الثانی ۹۶۳ھ میں کلانور میں تخت پر بٹھایا۔ اکبر کی عمر اس وقت تیرہ برس کی تھی۔

بیرم خان ترکمان سپہ سالاری اور اتالیقی کے عہدے پر ہی فائز تھا اب اسے وکیل السلطنت بھی بنا دیا گیا چنانچہ تمام مالی اور ملکی مہمات اس کے سپرد کی گئیں۔ بیرم خاں نے سلطنت میں تخت نشینی کا اطلاعی فرمان جاری کیا اور سپاہ اور رعایا کی خوشنودی کی خاطر تحفہ جات راہ داری سالانہ پیشکش اور سرانہ تمام ملک میں معاف کر دیا۔ اس کے بعد شاہ ابو المعالی کو جو مخالفت پر اترا ہوا تھا' گرفتار کر لیا۔ بیرم خاں کا ارادہ تھا کہ اسے قتل کر دیا جائے مگر اکبر سید زادے کے قتل پر راضی نہ ہوا چنانچہ اس کو قید کرنے کا حکم دیا گیا۔ اکبر نے ابو المعالی کو لاہور کے کوتوال گل گیر کے پاس بھیج دیا۔ ابو المعالی کچھ دنوں بعد قید خانے سے فرار ہو گیا گل گیر نے پشیمان ہو کر خودکشی کر لی۔

تردی بیگ خاں نے شاہی سامان ابو القاسم میرزا کے ساتھ دہلی سے بادشاہی لشکر میں روانہ کیا۔ علی قلی حاکم سنبھل آگرے کے حاکم سکندر خاں اوزبک' دیپالپور کے حاکم بہادر خاں' منعم خاں اتالیق اور محمد حکیم میرزا وغیرہ نے بادشاہ کی خدمت میں عریضے بھیجے اور اپنے خلوص اور عقیدت کا اظہار کیا۔

سکندر شاہ پر حملہ

اب سب چیزوں سے فارغ ہو کر اکبر سکندر شاہ کا قلع قمع کرنے کے لیے کوہ شوالک کی طرف بڑھا ایک خونریز جنگ کے بعد سکندر شاہ پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ نگرکوٹ کا راجہ دھرام چند بادشاہوں کی خدمت میں حاضر ہو کر اکبر کی عنایات سے سرفراز ہوا اس کی خاندانی جاگیر اس کے نام بحال رہی ان دنوں بارش بہت ہو رہی تھی اس وجہ سے اکبر آگے نہ بڑھ سکا اور اسے مجبوراً کچھ دنوں تک جالندھر میں قیام کرنا پڑا۔ اس دوران میں سلیمان میرزا نے موقع پا کر کابل و بدخشاں پر لشکر کشی کر دی۔ منعم خاں جو تجربہ کار اور معاملہ شناس امیر تھا' قلعہ بند ہو گیا اور دشمن کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنے لگا۔

کابل میں شورش

اکبر کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی تو اس نے محمد قلی برلاس' خان اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ اور خضر خاں کو منعم خاں کی مدد کے لیے کابل روانہ کیا۔ ان امراء میں سے بعض تو قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور بعض باہر ہی مقیم رہے۔ ان لوگوں نے چار مہینے تک بدخشانیوں نے لشکر کو طرح طرح سے مصیبتوں اور مشکلوں میں ڈال کر پریشان کر دیا۔ سلیمان میرزا نے منعم خاں کو یہ پیغام دیا "اگر خطبے میں میرا نام بھی شامل کر لیا جائے تو میں اپنے ملک کو واپس چلا جاؤں گا۔" منعم خاں نے مصلحتاً اس شرط کو قبول کر لیا۔ اور منعم خاں کابل سے بدخشاں چلا آیا۔

علی قلی خاں کی شکست

انہیں دنوں سلطان عدلی کے وزیر ہیمو بقال نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ جو تیس ہزار سواروں اور پیادوں اور دو سو ہاتھیوں پر مشتمل تھا آگرے پر حملہ کیا۔ سکندر خاں اوزبک ہیمو کے حملے کی تاب نہ لا سکا اور آگرے کی سکونت ترک کر کے دلی میں آگیا۔ عدلی کے ایک دوسرے مشہور امیر شادی خاں افغان نے دریائے رہٹ کے کنارے پر اپنے خیمے لگائے۔ علی قلی خاں سیستانی جو اس زمانے میں "خاں زماں" کا خطاب حاصل کر چکا تھا دریائے رہٹ کو پار کر کے شادی خاں کے مقابلے پر آگیا۔ اس کے ساتھ مدد کے لیے مشہور امراء قاسم خاں' محمد امین اور بابا سعید قپچاقی نیز تین ہزار عراقی اور خراسانی سوار بھی تھے۔ فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی جس کے نتیجے میں علی قلی خاں کو شکست ہوئی۔ اس کے سپاہی کچھ تو لڑائی میں مارے گئے اور باقی ماندہ دریا کو پار کرتے وقت ڈوب مرے چنانچہ تین ہزار لشکریوں میں سے دو تین سو زندہ بچے۔

ہیمو بقال اور تردی بیگ کی جنگ

ہیمو بقال نے آگرے پر قبضہ کر لینے کے بعد دہلی کا رخ کیا۔ تردی خاں نے برق رفتار ایلچیوں کو بھیج کر آس پاس کے امیروں کو اپنے پاس بلایا۔ عبد اللہ خان لعل سلطان بدخشی' علی قلی خاں اندرابی اور میرک خاں کولابی وغیرہ جلد از جلد دہلی پہنچ گئے۔ علی قلی خاں سیستانی المخاطب بہ خاں زماں اور دوسرے معاون امراء ابھی دہلی پہنچے بھی نہ تھے کہ تردی بیگ نے ہیمو بقال سے لڑائی شروع کر دی۔ ہیمو طبعاً ایک بہادر اور جان باز انسان تھا اس نے تین چار ہزار چیدہ سواروں اور چند زبردست ہاتھیوں کو اپنے ساتھ لیا اور قلب لشکر سے نکل کر تردی بیگ پر حملہ آور ہوا۔ جو اس کے سامنے ہی معرکہ آرائی میں مصروف تھا۔ تردی ہیمو کے حملے کی تاب نہ لا کر پسپا ہو گیا اسی طرح ہیمو نے دوسرے امیروں کو بھی بھگا دیا اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔

تردی بیگ اور دوسرے شکست خوردہ امراء نے علی قلی خاں سیستانی اور دیگر سرداروں کے ساتھ مل کر دشمن سے انتقام لینے یا دہلی ہی میں مقیم ہو کر بادشاہ سے تازہ مدد کی درخواست کرنے کی بجائے نوشہرہ کا رخ کیا اور دہلی کو خالی کر کے دشمن کے حوالے کر دیا۔ یہ تمام حالات علی قلی خاں کو اس وقت معلوم ہوئے جب کہ وہ میرٹھ تک پہنچ چکا تھا۔ دہلی جا کر' تنہا طور پر دشمن سے مقابلہ کرنا اس کے بس کی بات نہ تھی اس لئے وہ بھی مجبوراً نوشہرے کی طرف چل دیا۔

بیرم خاں کا اقتدار

اکبر نے یہ تمام واقعات جالندھر میں سنے چونکہ اس وقت تک پنجاب کے علاوہ باقی تمام ہندوستان افغانوں کے قبضے میں آ چکا تھا اس لئے اکبر کو یہ سب کچھ سن کر بہت افسوس ہوا۔ اکبر کی عمر ان دنوں کچھ اتنی زیادہ نہ تھا' کہ وہ ملکی معاملات اور سیاسی گتھیوں کو بذات خود سلجھا لیتا۔ اس لئے اس نے بیرم خاں ترکمان کو "خان بابا" کا خطاب عنایت کر کے کہا۔ "تمام ملکی امور اور سیاسی معاملات میں تمہارے سپرد کرتا ہوں جو کچھ تم مناسب سمجھو کرو' اور میری منظوری کے انتظار میں کسی کام کو موقوف نہ رکھو۔" اکبر نے بیرم خاں کو اپنے سر اور ہمایوں کی روح کی قسم دے کر مزید یہ کہا "تمہارا یہ فرض ہے کہ ملکی معاملات کو طے کرنے میں تم کسی کی دشمنی اور مخالفت کا خیال نہ کرو۔"

اکبر نے تمام امراء کو طلب کر کے مجلس مشاورت منعقد کی۔ امیروں کو جب یہ معلوم ہوا کہ دشمن کے لشکر میں ایک لاکھ سوار موجود ہیں اور بادشاہی فوج بیس ہزار سپاہیوں سے زیادہ نہیں ہے تو انہوں نے کابل کی واپسی کا ارادہ کیا۔ بیرم خاں نے اس ارادے کی مخالفت کی اور دشمن سے معرکہ آرا ہونے کا خیال ظاہر کیا۔ اکبر اگرچہ کم عمر تھا لیکن اس نے دانش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے بیرم خاں کی رائے سے اتفاق کیا اور اسی وقت خواجہ خضر خاں کو لاہور کا حاکم مقرر کر کے سکندر خاں کے مقابلے کا حکم دیا۔ خواجہ خضر کاں مغل سلاطین کے

خاندان سے تعلق رکھتا تھا اور بابر کی بیٹی گلبدن بیگم سے اس کی شادی ہوئی تھی خود اکبر نے ہیمو بقال سے لڑآئی کرنے کی ٹھانی اور روانہ ہوا۔

تردی خاں کا قتل

نوشہرہ میں شکست خوردہ امراء بھی بادشاہ سے مل گئے۔ ایک روز جب کہ اکبر سیر و شکار میں مشغول تھا بیرم خاں نے تردی بیگ کو اپنی قیام گاہ پر بلایا اور اس کے جرائم کے پیش نظر بغیر کسی قسم کی پوچھ گچھ کے اس کو موقت کے گھاٹ اتار دیا۔ اکبر کو شکار گاہ ہی میں اس واقعے کی اطلاع ہوگئی۔ اور جب وہ واپس آیا تو بیرم خاں نے اس سے کہا مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ حضور تردی خاں کو اس کے جرائم کے باوجود قتل کرنے میں تامل فرمائیں گے' لیکن میں نے آپ کے حکم کے بغیر ہی تردی خاں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس ہنگامہ خیز زمانے میں جب کہ ایک طرف تو ہیمو جیسے زبردست دشمن کی فوج ہمارے قریب ہی خیمہ زن ہے اور دوسری طرف خونخوار افغان سارے ہندوستان پر چھائے ہوئے ہیں' تردی خاں جیسے زبردست سیاسی مجرم کا خاتمہ نہ کرنا دانش مندی سے بہت دور ہے۔" اکبر نے بیرم خاں کی عقل مندی کی تعریف کی اور اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی۔

بادشاہ کی دہلی کو روانگی

بعض معتبر اشخاص کا بیان ہے کہ اگر بیرم خاں تردی خاں کو قتل نہ کرتا تو چغتائی خاندان کبھی ملک پر قابو نہ پاتا اور شیر شاہ کا قصہ دوبارہ تازہ ہو جاتا۔ اس واقعے کے بعد تمام امراء نے جن میں ہر ایک اپنے آپ کو بجائے خود ایک حکمران تصور کرتا تھا بیرم خاں کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور بغاوت اور باہمی نفاق کی آلودگیوں کو اپنے دل و دماغ سے دور کر کے اپنے آقا پر جان نثار کر دینے کا ارادہ کیا۔ بادشاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ نوشہرہ سے دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ علی قلی خاں سیستانی کی ماتحتی میں سکندر خاں اوزبک' عبد اللہ خاں' علی قلی خاں اور مجنوں خاں قاشقال وغیرہ امراء' بطور ہراول کے روانہ ہوئے۔ ان کے ساتھ ساتھ حسین قلی بیگ محمد صادق خاں پراونچی شاہ قلی خاں محرم' میر محمد قاسم نیشاپوری اور سید محمد بارہہ' جو بیرم خاں کے خاصہ کے ملازم تھے وہ بھی روانہ ہوئے۔

شاہی لشکر اور ہیمو بقال میں لڑائی

دہلی میں ہیمو بقال نے اپنے آپ کو راجہ بکرماجیت مشہور کر رکھا تھا وہ بڑے غرور و تکبر کے ساتھ خود مختار حکومت قائم کئے ہوئے تھا۔ اکبر کی آمد کی خبر سن کر اس نے شادی خاں وغیرہ افغان امراء کو اپنے ساتھ ملایا اور ایک زبردست لشکر لے کر بادشاہ کے مقابلے کے لیے بڑھا۔ اس نے افغانوں کی ایک جماعت کو بہت بڑے توپ خانے کے ساتھ اکبر کے ہراول کے دستے پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا' بادشاہی ہراول سے اس جماعت کا مقابلہ ہوا۔ اکبری سپاہیوں نے افغانوں کو شکست دی اور ان کو توپ خانہ چھین لیا۔

ہیمو بقال پانی پت کے نواحی علاقے میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ چغتائی فوج قریب آگئی ہے ہیمو نے اپنے فوجی سرداروں میں ہاتھی تقسیم کئے تاکہ یہ سردار ہاتھیوں پر سوار ہو کر میدان کارزار میں جائیں ۲/ محرم ۹۶۴ھ کو جمعہ کے دن صبح کے وقت علی قلی خاں سیستانی نے بھی اپنے لشکر کو مرتب و منظم کر کے جنگ کی تیاری شروع کی۔ طرفین میں جب لڑائی شروع ہوئی دونوں کے تجربہ کار جنگجو بہادروں نے خوب جی کھول کر مردانگی کے جوہر دکھائے اور فتح و کامرانی کے لیے ہر ممکن کوشش کی' مغل سپاہی تردی خاں کا انجام دیکھ چکے تھے اس لئے وہ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ میدان کارزار میں جمے رہے۔

اسی دوران میں "ہوائی" نام کے ہاتھی پر ہیمو سوار ہوا۔ اس نے تین چار تجربہ کار سپاہیوں کو ساتھ لیا اور اپنے قلب لشکر سے جدا ہو کر شاہی فوج کی پہلی صف پر حملہ کر دیا۔ اس صف کو منتشر کرنے کے بعد ہیمو نے شاہی فوج کے قلب پر جہاں علی قلی خاں سیستانی موجود

ممکن تدبیر اختیار کی اسی ہنگامے میں ایک تیر ہیموں کی آنکھ پر لگا' اگرچہ اسے کاری زخم نہیں آیا تاہم اس کی آنکھ سے خون جاری ہو گیا۔ ہیمو کی آنکھ کی سرخی افغانوں کے لیے تیرہ بختی کا پیغام بن گئی اور وہ میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ ہیمو نے اسی حالت میں اپنی آنکھ سے تیر نکالا۔ اور اس پر رومال باندھ کر باقی ماندہ لشکر کے ساتھ اِدھر اُدھر حملہ کرنے لگا اتفاق سے اس کا سامنا شاہ قلی خاں سے ہو گیا۔ شاہ قلی خاں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہاتھی پر کون سوار ہے۔ اس نے مہاوت پر حملہ کیا مہاوت نے اپنی جان بچانے کے لیے شاہ قلی خاں کو بتا دیا کہ ہاتھی پر ہیمو بیٹھا ہوا ہے یہ سن کر شاہ قلی بہت خوش ہوا وہ ہاتھی' مہاوت اور ہیمو کو گرفتار کر کے میدان جنگ سے ایک طرف لایا اور بادشاہ کی خدمت میں روانہ ہوا۔

ہیمو کا قتل

مغلوں نے افغانوں کا تعاقب کر کے ان گنت افغانوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ بادشاہ اپنے لشکر سے دو تین کوس کے فاصلے پر پیچھے آ رہا تھا شاہ قلی ہیمو کو لے کر اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بیرم خاں نے بادشاہ سے درخواست کی "جہاد فی سبیل اللہ کو پورا کرنے کی نیت سے حضور خود اس غیر مسلم کو تلوار کے گھاٹ اتاریں۔" اکبر نے ہیمو کے سر پر تلوار کا ایک ہاتھ مارا اس وجہ سے وہ غازی کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کے بعد بیرم خاں نے اپنے ہاتھ سے ہیمو کا سر تن سے جدا کیا اور کابل روانہ کر دیا۔ ہیموں کا جسم دہلی بھجوا دیا گیا اس ہنگامے میں ڈیڑھ ہزار سے زیادہ ہاتھی مغلوں کے ہاتھ لگے۔

اکبر دہلی میں داخل ہوا اور بیرم خاں کے وکیل ملا پیر محمد شیروانی کو میوات روانہ کیا۔ اس کارروائی سے مقصد یہ تھا کہ پیر محمد شیروانی ہیمو بقال کے اہل و عیال اور خزانے پر قبضہ کرے نیز ان افغانوں کو قتل کرے جو میوات میں مقیم ہیں۔ شیروانی نے میوات پہنچ کر شاہی حکم کی تعمیل کی۔

انہیں دنوں سلطان میرزا ابن بہرام میرزا بن شاہ اسمٰعیل صفوی کی زیر نگرانی قزلباشوں کی ایک فوج نے شاہ طہماسپ کے حکم سے قندھار کے نواح میں پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ قزلباشوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے قلعے کو اپنے قبضے میں کر لیا' جو بیرم خاں کے ملازم محمد شاہ قندھاری کی تحویل میں تھا۔

اکبر کی پنجاب کو روانگی

اکبر نے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے سکندر شاہ کی سرکوبی کے لیے خواجہ خضر خاں کو مقرر کیا تھا خضر خاں نے سکندر شاہ کو شکست دی اور وہ لاہور جا کر پناہ گزین ہو گیا اکبر نے عزم جہاں کشائی میں کسی تاخیر کو مناسب خیال نہ کیا اور سکندر شاہ کے خاتمے کے لیے بذات خود پنجاب روانہ ہو گیا۔ سکندر شاہ اس وقت کلانور میں تھا بادشاہی لشکر سے مقابلہ کرنے کی سکت اس میں نہ تھی اس لئے وہ مانکوٹ کے قلعہ میں پناہ گزین ہو گیا۔ یہ قلعہ سلیم شاہ نے گکھڑوں کی بیخ کنی کے لیے پہاڑی علاقے میں ایک بلند ترین مقام پر تعمیر کروایا تھا۔ اکبر مان کوٹ گیا اور وہاں اس نے تین ماہ تک قیام کیا۔

اسی اثناء میں اکبر کی والدہ اور دیگر بیگمات اور امراء و سپاہ کے اہل و عیال جو اس وقت کابل میں تھے ان امیروں کے ساتھ اکبر کی خدمت میں پہنچے جو منعم خاں کی مدد کے لیے کابل گئے ہوئے تھے محمد حکیم میرزا اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ کابل ہی میں رہا اور وہاں کی حکومت اسی کے حوالے کی گئی۔ منعم خاں کو محمد حکیم میرزا کا اتالیق مقرر کیا گیا۔

سکندر شاہ کی اطاعت

جب مان کوٹ کے قلعے کے محاصرے کو چھ ماہ گزر گئے تو سکندر شاہ نے مجبور و معذور ہو کر بڑی عاجزی کے ساتھ بادشاہ سے درخواست کی۔ "حضور اپنا کوئی معتبر امیر میرے پاس بھیجیں تاکہ میں اسے اپنا سفارشی بنا کر آپ کے حکم کے مطابق عمل کر سکوں۔" اکبر نے خان

اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ کو سکندر خاں کے پاس بھیج دیا۔ سکندر شاہ نے خان اعظم سے کہا۔ "میرے جرائم اس قدر زیادہ ہیں کہ بادشاہ کے سامنے جاتے ہوئے مجھے شرم محسوس ہوتی ہے' لیکن میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ اپنے فرزند شیخ عبدالرحمٰن کو شاہی حضور میں بھیجوں اور خود بنگالہ روانہ ہو جاؤں میں اس بات کا عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی بادشاہ کے حلقہ اطاعت سے باہر نہ نکلوں گا۔" خان اعظم نے واپس آکر سکندر شاہ کی گفتگو اکبر سے بیان کی اکبر نے سکندر شاہ کی درخواست قبول کر لی۔ شیخ عبدالرحمٰن رمضان ۹۶۴ھ میں شاہی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے چند زنجیر ہاتھی بادشاہی خدمت میں پیش کیے سکندر شاہ قلعے سے نکل کر بنگالہ کی طرف چلا گیا۔

اکبر کی بیرم خاں سے بدگمانی

اکبر نے مان کوٹ کے قلعے کی حکومت اپنے قابل اعتبار درباریوں کے سپرد کی اور خود لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں بادشاہ کو بیرم خاں سے کچھ بدگمانی ہو گئی اور اس نے کچھ دن کے لیے سفر ملتوی کر دیا۔ ایک روز بادشاہ نے دو نامی گرامی ہاتھیوں کو لڑنے کے لیے میدان میں چھوڑا۔ یہ دونوں لڑتے ہوئے بیرم خاں کے خیمے کے پاس پہنچ گئے۔ تماشائیوں کے شور و غل سے میدان گونج اٹھا۔ بیرم خاں نے یہ سمجھا کہ مست ہاتھیوں کا لڑتے ہوئے اس کے خیمے کی طرف آنا' بادشاہ کے اشارے سے عمل میں آیا ہے۔ بیرم نے ماہم آنکہ کو یہ پیغام بھجوایا۔ "مست ہاتھیوں کا لڑتے ہوئے میرے خیمے کی طرف آنا کس کے اشارے سے عمل میں آیا؟ میں اس کا سبب سمجھنے سے قاصر ہوں اگر کسی چغلخور نے میری طرف سے کوئی ناگوار بات بادشاہ سے کہی ہو اور اس بنا پر بادشاہ مجھ سے ناراض ہو گیا ہو تو مجھے بتایا جائے میں آپ کا بہت ممنون ہوں گا۔" ماہم آنکہ نے جواب دیا ہاتھیوں کا لڑتے ہوئے آپ کے خیمہ کے قریب پہنچ جانا محض ایک اتفاقی امر تھا اسے کسی سازش کا نتیجہ نہ سمجھیے۔" لیکن اس جواب سے بیرم خاں مطمئن نہ ہوا۔

لاہور پہنچ کر اس سلسلے میں بیرم خاں نے خان اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ سے گفتگو کی۔ خان اعظم سے بیرم خاں پہلے ہی بدگمان تھا خان اعظم نے حلفیہ طور پر بیان کیا کہ اس نے خلوت و جلوت کسی موقع پر بھی بیرم خاں کے خلاف بادشاہ سے کوئی بات نہیں کی۔

بیرم خاں کی شادی

اکبر ۱۵/ صفر ۹۶۵ھ کو دہلی کی طرف روانہ ہوا اور راستے میں شکار کھیلتا ہوا اسی سال جمادی الثانی کی ۲۵/ تاریخ کو دہلی جا پہنچا۔ راستے میں جالندھر کے مقام پر بیرم خاں کا عقد سلیمہ سلطان بیگم سے کرا دیا گیا یہ رشتہ اکبر کے حکم سے کیا گیا سلیمہ میرزا نور الدین محمد کی بیٹی جو ہمایوں کا نواسہ تھا۔

علی قلی خاں سے اکبر کی ناراضگی

اسی سال شرقی صوبے کے حاکم اور پنج ہزاری امیر علی قلی سیستانی الخاطب بہ خاں زماں سے ایک ایسی ناشائستہ حرکت ہو گئی کہ اکبر اس سے کبیدہ خاطر ہو گیا۔ علی قلی کا قصور یہ تھا کہ اس نے شاہم بیگ نامی لڑکے کو اپنے پاس بلا لیا یہ لڑکا بادشاہ کے ملازمین میں شامل تھا اور اس سے پہلے خوبصورت اور تنومند جوان ہونے کی وجہ سے ہمایوں کا منہ چڑھا ملازم رہ چکا تھا۔ خاں زماں نے شاہم بیگ کو اپنے ساتھ رکھ کر ماوراء النہر کے بدمعاشوں کی طرح زندگی بسر کرنی شروع کر دی۔ خان زماں اس انداز سے شاہم بیگ کی آؤ بھگت اور تعظیم کیا کرتا تھا کہ جیسے غلام اپنے بادشاہوں کی عزت کیا کرتے ہیں۔

لوگوں کو ان تعلقات کا علم ہو گیا ہوتے ہوتے یہ واقعہ بادشاہ کے کانوں تک بھی پہنچا۔ اکبر نے خاں زماں اور شاہم بیگ دونوں کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ خاں زماں نے شاہم بیگ کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجنے میں تساہل سے کام لیا یہ صورت حال دیکھ کر بادشاہ نے ملا پیر محمد نے مشورے سے خان زماں کی [illegible]

اس سے ملنا چاہئے ملا پیر محمد خاں زماں کے شیعہ اور متعصب انسان ہونے کی وجہ سے اس سے بہت ناراض تھا نیز وہ خاں زماں کو بیرم خاں کا ہمدرد سمجھتا تھا جب فرجعلی پیر محمد کے پاس پہنچا تو پیر محمد نے اسے خوب مارا پیٹا اور پھر کوٹھے سے نیچے گرا کر اس کا کام تمام کر دیا۔

شاہم بیگ کا قصہ

علی قلی خاں سمجھ گیا کہ بادشاہ کا ماحول اس وقت بہت بگڑا ہوا ہے اور اس کے دشمن شاہم بیگ کے قصے کو بہانہ بنا کر اس کا کام تمام کرنا چاہتے ہیں علی قلی نے شاہم بیگ کو بادشاہ کے پاس دہلی روانہ کر دیا۔ شاہم سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا سرور پور نامی ایک پرگنے میں داخل ہوا یہ پرگنہ عبد الرحمن نامی ایک شخص کی جاگیر میں شامل تھا شاہم اور عبدالرحمٰن دونوں میں لڑائی ہو گئی۔ شاہم نے عبد الرحمٰن کو مغلوب کر لیا اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھوا دیئے عبد الرحمٰن کے بھائی موید بیگ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ ایک مسلح جماعت کے ہمراہ شاہم بیگ سے لڑنے کے لیے آیا اس لڑائی میں اتفاق سے شاہم بیگ کو ایک تیر لگا زخم بہت کاری لگا۔ اس وجہ سے اس کا انتقال ہو گیا۔

علی قلی خاں کو جب شاہم کے انتقال کی خبر ملی تو وہ اس کا انتقام لینے کے لیے سرور پور روانہ ہو گیا اس دوران میں عبد الرحمن بھاگ کر بادشاہ کے پاس جا چکا تھا اس لیے علی قلی شاہم کی لاش لے کر واپس جونپور آ گیا۔

مصاحب بیگ کا قتل

انہیں دنوں خواجہ کلاں بیگ کے بیٹے مصاحب بیگ نے جو بیرم خاں کا ملازم تھا اس نے اپنے اسلاف کی پیروی نہ کی اور بیرم خاں (جو تیں ہزار سواروں کا مالک تھا) کے خلاف ہو گیا مصاحب خاں کو اس کی اس حرکت پر بارہا ٹوکا بھی گیا' لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔ بیرم خاں نے مجبور ہو کر اس کو دہلی میں قتل کروا دیا' مصاحب کے قتل سے چغتائی امراء بہت جزبز ہوئے خود بادشاہ کو بھی مصاحب کی موت کا افسوس ہوا۔

ملا پیر محمد کی گرفتاری

۹۶۶ھ میں اکبر دریا کے راستے سے آگرہ روانہ ہوا۔ ابھی بادشاہ کے دل میں مصاحب کے واقعے کی یاد تازہ تھی کہ ایک اور حادثہ پیش آیا پیر محمد کا اقتدار اور غلبہ بیرم خاں کو پسند نہ تھا اس لئے خاں خاناں نے ملا کے قصے کو پاک کرنے کا ارادہ کر لیا۔ پیر محمد بادشاہ کا استاد اور مقرب خاص تھا۔ اکثر اراکین سلطنت اور امراء اس کے گھر کے چکر کاٹتے تھے لیکن ملاقات کی نوبت نہ آتی تھی انہیں دنوں ملا بیمار پڑا اور بیرم خاں عیادت کے لیے اس کے گھر گیا۔ دربان نے بیرم خاں سے کہا جب تک ملا پیر محمد اجازت نہ دے دے آپ مکان کے اندر نہیں جا سکتے اور اس وقت تک آپ کو باہر ہی انتظار کرنا ہو گا۔" اس بات سے بیرم خاں کو بہت افسوس ہوا ملا پیر کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو وہ فوراً باہر آیا اس نے بیرم خاں سے معذرت طلب کی اور اسے اپنے ساتھ اندر لے گیا۔ اس کے باوجود بھی بیرم خاں اپنے ساتھ ایک سے زیادہ ملازم اندر نہ لے جا سکا اس سے وہ اور زیادہ چراغ پا ہوا۔ اور ملا پیر محمد سے پہلے سے بھی زیادہ کبیدہ خاطر ہو گیا۔ بیرم خاں نے بادشاہ کی اجازت کے بغیر ملا پیر محمد کو قلعہ بیانہ میں قید کر دیا۔ اور چند روز کے بعد اسے خارج البلد کر کے بذریعہ کشتی مکہ معظمہ روانہ کر دیا۔ بیرم خاں نے ملا کی جگہ حاجی محمد خاں سیستانی کو وکیل السلطنت مقرر کیا۔ نیز دلی کے شاعر شیخ گدائی ولد شیخ جمالی کو (جس نے شیر شاہی ہنگامے کے دوران میں بیرم خاں کی گجرات میں بہت خدمت کی تھی) صدارت و امارت کے عہدوں پر مقرر کیا۔

قلعہ گوالیار کی تسخیر

ملا پیر محمد کیاو قعے سے اکبر کے دل میں بیرم خاں کی طرف سے کچھ اور بدگمانی بڑھی بیرم خاں نے بادشاہ کے ذہن سے یہ خیال دور کرنے کے لیے بادشاہ کو قلعہ گوالیار کی فتح کی طرف متوجہ رکھا یہ قلعہ سلیم شاہ کا مسکن تھا اس کا ایک غلام سہیل نامی محمد شاہ عدلی کی

طرف سے قلعے کا منتظم تھا سہیل کو جب بیرم خاں کے ارادے کا علم ہوا تو اس نے راجہ مان سنگھ کے پوتے رام شاہ کو یہ پیغام دیا تمہارے اسلاف اس قلعے کے حاکم تھے اب اکبر بادشاہ کی نظر اس قلعے پر ہے۔ میں اتنے عظیم الشان بادشاہ کے مقابلے پر قلعے کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم قلعے کو اپنے قبضے میں کر لو اور اس کے معاوضے میں مجھے جو کچھ دے سکو دے دو۔"

رام شاہ نے اس خوشخبری کو غیبی امداد تصور کیا اور قلعہ پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ ہو گیا اس علاقے کا اکبری جاگیر دار اقبال خاں بیرم خاں کے حسب الحکم رام شاہ کے راستے میں حائل ہوا اس نے بڑی محنت سے رام شاہ کو شکست دے کر اسے رانا کے علاقے کی طرف بھگا دیا اس کے بعد اقبال خاں نے قلعہ گوالیار کا محاصرہ کر لیا سہیل نے بیرم خاں کے پاس اپنا ایک قاصد بھیج کر فرمانبرداری و اطاعت کا اقرار کیا بیرم خاں نے تمام واقعہ اکبر کے گوش گزار کر کے حاجی محمد خان کو گوالیار روانہ کیا تاکہ وہ قلعے پر قبضہ کر کے سہیل کو بیرم خاں کے پاس لے آئے۔

جونپور اور بنارس کی فتح

اسی سال خان زماں علی قلی خاں سیستانی نے جو اکبر کے دل سے اپنے متعلق کدورت کو دور کرنے کا خواہاں تھا جونپور اور بنارس کے علاقے فتح کر کے شاہی مقبوضات میں شامل کئے خان زماں کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے اکبر اس سے مہربانی کرنے لگا یہ علاقے ہمایوں کے عہد میں افغانوں کے قبضے میں چلے گئے تھے اکبر نے خان زماں اور اس کے بھائی کو خلعت کمر بند اور شمشیر مرصع عنایت کی۔

اسی سال ماہ رجب میں شیخ بہول کا بھائی محمد غوث جو خاندان تیموریہ کا خیر خواہ تھا اور افغانوں کے غلبے کے دنوں میں گجرات میں قیام پذیر تھا اپنے بیٹوں اور مریدوں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا شیخ محمد غوث بیرم خاں سے مایوس ہو کر اپنے قدیم وطن گوالیار چلا گیا اس وجہ سے اکبر کو بیرم خاں کی طرف سے اور زیادہ بدگمانی ہوئی اور اس کو صدمہ ہوا اس بار بھی بیرم خاں نے بادشاہ کے دل کو بہلانے اور اس کی توجہات کو دوسری طرف منعطف کرنے کی کوشش کی اس نے علی قلی سیستانی کے بھائی بہادر کو جو پنج ہزاری امیر تھا طلب کیا اور اسے ایک لشکر جرار کے ساتھ مالوہ کی فتح کے لیے روانہ کیا مالوہ ان دنوں باز بہادر کے قبضے میں تھا۔

اتفاق سے انہیں دنوں بادشاہ کو شکار کا شوق ہوا۔ اکبر نے سلطنت کے تمام امور بیرم خاں کے حوالے کئے اور اسے آگرہ ہی میں چھوڑ کر خود شکار کے لیے روانہ ہوا اکبر مضافات دہلی میں سکندر آباد پہنچا بیرم خاں کے سخت ترین دشمن ماہم انکہ اور ادہم خاں نے بادشاہ سے عرض کی۔ "حضور کی والدۂ محترم مریم مکانی ان دنوں سخت بیمار ہیں اور دہلی میں صاحب فراش ہیں۔ اگر حضور ان کی عیادت کے لیے تشریف لے چلیں تو اس سے ان کو خوشی ہوگی۔" اکبر نے اسے مشورے پر عمل کرتے ہوئے دہلی کا رخ کیا۔

اکبر کا دہلی پہنچنا

صوبہ دار دہلی شہاب الدین احمد خاں نیشاپوری نے جو ماہم انکہ کا داماد تھا بادشاہ کا استقبال کیا اور بہت سے گراں قدر اور نادر تحفے اس کی خدمت میں پیش کئے شہاب الدین اور ادہم خاں دونوں نے بالاتفاق ایک روز بادشاہ سے عرض کیا۔ "ہمیں یقین ہے کہ ہمارے دن قریب آ گئے ہیں کیونکہ بیرم خاں حضور کے اس سفر کو ہماری التجا اور درخواست کا نتیجہ سمجھ کر مصاحب بیگ کی طرح ہمیں بھی تلوار کے گھاٹ اتار دے گا اس لیے بہتر یہی ہو گا کہ حضور ہمیں مکہ معظمہ اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت کرنے کی اجازت دیں تاکہ ہم خیر خواہان علومت اپنی جان بچا سکیں اور حضور کے اقبال و عمر کی زیادتی کے لیے دعا مانگتے رہیں۔"

بیرم خاں کی مخالفت

ان دونوں کی یہ التجا سن کر اکبر بہت متاثر ہوا لیکن بیرم خاں کو ایک دم معزول کر دینا مناسب نہ تھا کیونکہ اس نے بڑی جانفشانی سے

آیا ہوں- یہ سفر شہاب الدین اور ادہم خاں کے مشورے کا نتیجہ نہیں ہے اس لیے اگر تم ان دونوں کو ایک تسلی آمیز خط اپنے قلم سے لکھ کر بھیج دو تو یہ دونوں مطمئن ہو جائیں گے۔" شہاب الدین نے اس موقع پر کھلم کھلا ایسی باتیں کیں جن سے بیرم خاں کی غداری اور سرکشی کا پتہ چلتا تھا اس طرح گویا شہاب الدین نے بادشاہ کو بیرم خاں سے پوری طرح بدگمان و برگشتہ کر دیا-

بیرم خاں کے پاس جب بادشاہ کا خط پہنچا تو وہ بہت پریشان ہوا اس نے اسی وقت بادشاہ کو یہ جواب لکھا- "اس قسم کی بدگمانیوں سے میں لاکھوں کوس دور ہوں یہ ناممکن ہے کہ خیر خواہان حضور اور بہی خواہان سلطنت کے متعلق کوئی برا خیال میرے دل میں آئے-" بیرم خاں نے یہ خط اپنے قلم سے لکھا اور حاجی محمد خاں سیستانی اور ترسون بیگ کے توسط سے بادشاہ تک پہنچایا- بادشاہ کے حکم سے بیرم خاں کے دونوں قاصدوں کو گرفتار کر لیا گیا- ان قاصدوں کی گرفتاری کی خبر سارے ملک میں پھیل گئی- اور امراء اور منصب داروں کے گروہ کے گروہ بیرم خاں سے جدا ہو کر بادشاہ کے پاس دہلی روانہ ہو گئے-

شاہ ابو المعالی کی گرفتاری

اسی دوران میں شاہ ابو المعالی لاہور کے قید خانے سے فرار ہو کر کمال خاں گکھر کے پاس پناہ گزین ہوا- اس نے کمال خاں کو کشمیر کی فتح کے لیے اکسایا- کمال خاں نے ابو المعالی کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کشمیر پر حملہ کیا' لیکن شکست کھا کر واپس آگیا اس شکست کی وجہ سے اس نے شاہ ابو المعالی کو علیحدہ کر دیا کمال سے جدا ہو کر ابو المعالی دیپال پور آیا اور وہاں بہادر خاں کے خلاف سازش میں مصروف ہوا بہادر خاں نے اسے گرفتار کر کے سندھ کی جانب بھجوا دیا- یہاں سے وہ گجرات میں آیا گجرات میں اس پر ایک قتل کا الزام لگایا گیا اور اس سلسلے میں وہ جونپور میں علی قلی خاں سیستانی کے پاس بھیجا گیا- علی قلی خاں نے بیرم خاں کے اشارے سے ابو المعالی کو آگرہ روانہ کر دیا- ان دنوں بادشاہ دہلی ہی میں مقیم تھا بیرم خاں نے ابو المعالی کو قلعہ بیانہ میں قید کر دیا-

بیرم خاں کے ارادے

اس واقعے کے بعد بیرم خاں سے اکبر کی برگشتگی پہلے سے زیادہ ہو گئی لہٰذا بیرم خاں نے یہ طے کیا کہ مالوہ کو فتح کر کے خود مختاری کا اعلان کر دے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے بیرم خاں آگرہ سے بیانہ پہنچا بیرم خاں نے بہادر خاں اور دیگر امراء کو جو مالوہ پہنچ چکے تھے اپنے پاس بلایا اس کے بعد وہ امراء جن پر بیرم خاں کو بہت اعتماد تھا اس سے جدا ہو کر بادشاہ کے پاس دہلی چلے گئے اس سے بیرم خاں کو اپنی تباہی و بربادی کا یقین ہو گیا اور وہ اپنے سفر مالوہ سے بہت ہی نادم ہوا-

بیرم خاں نے ابو المعالی کو آزاد کر دیا اور جونپور جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں جا کر اپنے بہی خواہ علی قلی خاں سیستانی کے ہمراہ بنگالہ کے افغانوں کو زیر کر کے اس علاقے میں خود مختار حکومت قائم کرے اس ارادے کے پیش نظر اس نے جونپور کا سفر اختیار کیا لیکن ابھی وہ چند منزلیں ہی طے کر پایا تھا کہ اس کا ارادہ بدل گیا اور اس نے حج بیت اللہ سے مشرف ہونے کا ارادہ کیا اور ناگور کی طرف روانہ ہو گیا- بیرم خاں کے ساتھی امراء بہادر خاں اور اقبال خاں جو اب تک اس کے ساتھ تھے انہیں بیرم خاں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت دے دی-

بیرم خاں کا عزم مکہ معظمہ

جب بیرم خاں ناگور کے قریب پہنچا تو اس کی نیت پھر بدل گئی اور اس نے بعض لوگوں کے بہلانے پھسلانے پر حج کا ارادہ ترک کر دیا- اب وہ پنجاب میں آزادانہ حکومت قائم کرنے کے ارادے سے لشکر جمع کرنے لگا اکبر کو ان تمام حالات کی خبریں پہنچیں اور اس نے اپنے استاد میر عبد اللطیف قزوینی کو (جو ملا پیر محمد کے بعد بادشاہ کو استاد مقرر ہوا تھا) بیرم خاں کے پاس بھیجا اور اسے یہ پیغام دیا- "جب تک میں سیر و شکار کی طرف مائل رہا اس وقت تک میں نے یہی مناسب سمجھا کہ حکومت کے تمام معاملات تم ہی سلجھاتے رہو' مگر اب میں عنان

حکومت خود اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہوں اس لیے تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم دنیاوی مشاغل سے کنارے کش ہو کر مکہ معظمہ چلے جاؤ اور حرص و ہوا کو اپنے پاس بھی نہ آنے دو۔" بیرم خاں نے بادشاہ کے حکم کی تعمیل کے سوا کوئی چارہ کار نہ پا کر علم و نقارہ اور دیگر اسباب امارت بادشاہ کے پاس بھجوا دیا اور خود ناگور کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ گجرات کے راستے مکہ معظمہ کی طرف چلا جائے۔

بیرم خاں کے ساتھ جو لوگ رہے ان کے نام یہ ہیں۔ بحروتی بیگ ذوالقدر' اسمٰعیل خاں (یہ دونوں بیرم خاں کے داماد تھے) شاہ قلی خاں' محرم حسین خاں تکلو' شیخ گدائی' خواجہ مظفر علی ترمذی (جو بیرم خاں کا میر دیوان تھا) اور کچھ دوسرے قابل اعتبار لوگ باقی تمام لوگ جو بیرم خاں کے پروردہ و پرداختہ تھے اور اس کی وفاداری کا دم بھرتے تھے ایک ایک کر کے بیرم خاں سے جدا ہو کر بادشاہ سے جا ملے شاہ ابو المعالی بھی انہیں لوگوں میں شامل تھا وہ گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے گھوڑے پر بیٹھے ہوئے ہی بادشاہ کو سلام کیا اکبر کو یہ انداز پسند نہ آیا اس وجہ سے اسے گرفتار کر لیا گیا۔

بیرم خاں کے خلاف کارروائی

بیرم خاں ناگور ہوتا ہوا بیکانیر پہنچا وہاں اس نے چند روز قیام کیا اس دوران میں اس کی نیت پھر بدل گئی اور اس نے حج کا ارادہ ترک کر دیا۔ اکبر کو جب یہ خبر ملی تو وہ سخت ناراضگی کے عالم میں دہلی سے جھجھر آیا انہیں دنوں ملا پیر محمد کو جب بادشاہ کی بیرم خاں سے برگشتگی کا علم ہوا تو وہ شاہی خدمت میں حاضر ہوا اکبر نے اسے محمد خاں کے خطاب اور علم و نقارہ وغیرہ سے سرفراز کر کے بیرم خاں کے مقابلے کے لیے نامزد کیا۔ اکبر جھجھر سے دہلی واپس آ گیا اور اس نے فرمان بھیج کر منعم خاں کو کابل سے دہلی طلب کیا۔ بیرم خاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ملا پیر محمد کو اس سے جنگ کرنے کے لیے نامزد کیا گیا ہے تو اسے بہت افسوس ہوا اور وہ بادشاہ سے لڑنے کے لیے پہلے سے زیادہ مستعد ہو کر پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔

بیرم خاں کا عزم پنجاب

ملا پیر محمد خاں کا تعاقب کیا بیرم خاں سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا بھٹنڈہ جا پہنچا۔ اس نے اپنا ضرورت سے زیادہ سامان وہاں کے قلعے میں چھوڑا اور خود آگے بڑھا۔ قلعہ بھٹنڈہ بیرم خاں کے ایک پرانے خدمت گزار شیر محمد کی تحویل میں تھا اس نے بیرم خاں کے تمام سامان پر قبضہ کر لیا اور اس کے ملازموں کو بہت ذلت و رسوائی کے ساتھ وہاں سے نکال دیا۔ بھٹنڈہ سے بیرم خاں دیپالپور کی طرف روانہ ہوا اس علاقے کا حاکم درویش محمد ازبک تھا جو بیرم خاں کا ایک قدیم نمک خوار تھا۔ دیپالپور کے قریب پہنچ کر بیرم خاں نے اپنے دیوان خواجہ مظفر علی کو درویش محمد کے پاس بھیجا اور اسے بلوایا۔ درویش محمد نے بھی دوسروں کی طرف بے وفائی کی اور اس نے یہی نہیں کہ بیرم خاں کے پاس آنے سے انکار کیا بلکہ خواجہ مظفر علی کو بھی قید کر کے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔

معرکہ آرائی اور بیرم خاں کی شکست

بیرم خاں کو درویش محمد سے بہت سی توقعات تھیں لیکن اس کی روش دیکھ کر اسے مایوسی ہوئی لہٰذا وہ جالندھر کی طرف چل دیا۔ اکبر نے ملا پیر محمد کو اپنے پاس واپس بلوا لیا اور خان اعظم شمس الدین محمد خاں اتکہ کو مع اس کے بیٹوں اور بھائیوں کے پنجاب کی حکومت کے انتظامات اور بیرم خاں کی سرزنش کے لیے روانہ کیا۔ ماچھواڑہ کے قلعے کے قریب خان اعظم بیرم خاں سے جا ملا اور فریقین کے بہادر سپاہی ایک دوسرے کے خون کا دریا بہانے لگے۔ ولی بیگ اسمٰعیل قلم خاں اور اس کے بیٹے حسین خاں اور شاہ قلی خاں نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا اور خان اعظم کے لشکر میں کھلبلی مچا دی لیکن کب تک؟ جب خان اعظم نے بیرم خاں کے قلب لشکر پر حملہ کیا تو کئی بہادر و جان باز سپاہی جن میں ولی بیگ بھی شامل تھا قتل کیے گئے۔ یہ رنگ دیکھ کر بیرم خاں میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور کوہستان سوالک کی

بیرم خاں کی معذرت خواہی

اس فتح کے بعد اکبر نے دہلی کے انتظامات خواجہ عبدالمجید کے سپرد کئے اسے "آصف خاں" کے خطاب سے نوازا اور خود لاہور کی طرف چل دیا۔ جب بادشاہ لدھیانہ پہنچا تو وہاں منعم خاں نے کابل سے آکر بادشاہ سے ملاقات کی اکبر نے اسے "خانخاناں" کا خطاب دے کر وکالت کے عہدے پر سرفراز کیا۔ اس کے بعد اکبر مع اپنے لشکر کے کوہستان سوالک میں پہنچا اکبری لشکر کی ایک جماعت بغیر کسی خوف و خطر کے پہاڑی علاقے میں داخل ہو گئی۔ سوالک کے زمینداروں نے جو بیرم خاں کے حلیف تھے شاہی لشکر کا مقابلہ کیا ان زمینداروں کو شکست فاش ہوئی آخر کار بیرم خاں نے مجبور و معذور ہو کر اپنے ایک غلام جمال خاں نامی کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا اور اپنی سابقہ خدمات کا حوالہ دیتے ہوئے اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ بادشاہ نے بیرم خاں کی تسلی و تشفی کے لیے ملا عبد اللہ سلطان پوری المخاطب بہ مخدوم الملک کو اس کے پاس بھیجا۔

بادشاہ سے ملاقات

ربیع الثانی ۹۶۸ھ میں بیرم خاں مخدوم الملک کے ہمراہ اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اکبر نے اپنے امیروں اور اراکین سلطنت کو بیرم خاں کے استقبال کے لیے روانہ کیا۔ یہ امیر بیرم خاں کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ بادشاہ کے پاس لائے۔ بادشاہ کو دیکھتے ہی بیرم خاں نے اپنی پگڑی گلے میں ڈالی اور اکبر کے قدموں پر گر کر زار و قطار رونے لگا۔ بادشاہ نے بہت خلوص و محبت سے بیرم خاں کا سر اپنے قدموں سے اٹھایا اور اسے اس کی پرانی جگہ پر اپنے پاس بٹھایا۔ بیرم خاں کی ندامت کو مٹانے کے لیے اکبر نے اسے خلعت سے سرفراز کیا اور کہا اگر تم کو نظم و نسق کے کاموں سے دلچسپی ہو تو میں کالپی اور چندیری کا علاقہ تمہارے حوالے کرنے کو تیار ہوں۔ اگر تم میری مصاحبت میں رہنا چاہتے ہو تو یہ بڑی خوشی کی بات ہے اور اگر تم حرمین شریف کی زیارت کی تمنا رکھتے ہو تو میں تمہیں مکہ معظمہ بھجوا دوں گا۔"

شاہانہ نوازشات بیرم خاں پر

بیرم خاں نے جواب دیا۔ "مجھے حضور کی ذات سے جو اعتقاد اور خلوص و محبت ہے اس میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوئی مجھ سے جو حرکات عمل میں آئی ہیں ان کا منشا محض یہ ہے کہ ملازمت حاصل کر کے حضور کی خدمت بجالاؤں۔ خداوند تعالیٰ کا بہت بہت شکر ہے جو کچھ میں چاہتا تھا وہی ہوا اب میری یہ آرزو ہے کہ مقامات مقدسہ میں جا کر حضور کی عمر اور اقبال کی ترقی کی دعا کروں۔" اکبر نے اسی وقت بیرم خاں کو پچاس ہزار روپے عنایت کیے اور اسے حج کے لیے جانے کی اجازت دے دی۔

بیرم کا عزم گجرات

اکبر نے بیرم خاں کو رخصت کیا اور خود شکار کھیلتا ہوا حصار فیروز پور کے راستے آگرے کی طرف روانہ ہوا۔ بیرم خاں گجرات کی طرف چل دیا تاکہ وہاں کسی بندرگاہ سے بذریعہ کشتی مکہ معظمہ کا راستہ لے بیرم خاں گجرات پہنچا اور ایک نواحی علاقے میں مقیم ہوا ان دنوں وہاں کی عنان اقتدار موسیٰ خاں لودھی کے ہاتھ میں تھی ایک رات جو جمادی الاول کی چودھویں رات تھیں' بیرم خاں نے سہنیک کے نظارے سے لطف اندوز ہونے کے لیے دریا میں کشتی کی سیر کی۔ اس کے ساتھ سازندوں اور گویوں کا بھی ایک گروہ تھا۔ "سہنیک" کا مطلب یہ ہے کہ ہندی زبان میں سہن کے معنی ایک ہزار کے ہیں اور یک مندر کو کہتے ہیں چونکہ اس جگہ ایک ہزار مندر تھے اس لیے اس مقام کو "سہنیک" کہا جاتا تھا۔ رات بھر بیرم خاں دریا کی سیر اور اس مقام کے نظاروں سے محظوظ ہوتا رہا جب صبح ہوئی تو وہ کشتی سے اتر کر اپنی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہوا۔

بیرم خاں کا قتل

اسی دوران میں ایک لوحانی افغان، جس کا نام مبارک خاں تھا، وہ بیرم خاں کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جنگ ہمو بقال میں، مبارک خاں کا باپ، بیرم خاں کے نوکروں کے ہاتھ مارا گیا تھا۔ مبارک خاں آگے بڑھا اور اس نے اپنے خنجر سے بیرم خاں پر دو تین وار کیے۔ بیرم خاں لاعلمی کی وجہ سے اپنا تحفظ نہ کر سکا۔ زخم اتنے کاری تھے، کہ وہ ان کی تاب نہ لا کر وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ بیرم خاں کے قتل کے بعد، افغانوں نے اس کے لشکر پر چھاپہ مارا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کرنے لگا۔

محمد امین دیوانہ اور بابا زنبور نے بیرم خاں کے چار سالہ بیٹے عبدالرحیم کو اپنے ساتھ لیا اور گجرات کی طرف بھاگ نکلے۔ عبدالرحیم کی والدہ، حسن خاں میواتی کے چچا زاد بھائی جمال خاں کی بیٹی تھی۔ عبدالرحیم کی تاریخ پیدائش ۱۴ صفر ۹۶۴ھ ہے۔ گجرات کے حاکم اعتماد خاں نے عبدالرحیم کو اکبر کے پاس آگرہ بھجوا دیا۔ عبدالرحیم کا تفصیلی تذکرہ آئندہ اوراق میں آئے گا۔ الغرض بیرم خاں مغلیہ خاندان کا بڑا نامی گرامی امیر تھا۔ اس کے باپ دادا، امیر تیمور کی اولاد کی بارگاہ میں بڑے بڑے عہدوں پر رہے تھے۔ بیرم خاں کا نسب نامہ یہ ہے۔ بیرم خان بن سیف علی بن یار علی بن شیر علی.... شیر علی کا نسب علی شکر ترکمان بھارنو تک پہنچتا ہے۔ جس زمانے میں عراق پر زوزن حسن سلطان نے قبضہ کیا اور سلطان ابو سعید میرزا کی شہادت عمل میں آئی ان دنوں شیر علی عراق کی حدود سے بھاگ نکلا اور خضار اور شادمان میں جا کر میرزا سلطان محمد بن سلطان ابو سعید میرزا کے پاس پناہ گزین ہوا۔

بیرم خاں کے بزرگ

میرزا سلطان نے شیر علی کو قابل التفات نہ سمجھا، اس وجہ سے شیر علی کابل چلا گیا وہاں اس نے آٹھ سو (۸۰۰) تجربہ کار نوجوانوں کا ایک لشکر تیار کیا۔ اور شیراز کو فتح کرنے کے ارادے سے فارس کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں سیستانی اور ترکمانی نوجوانوں کے علاوہ دوسرے بہت سے لوگ بھی اس کے ساتھ ہوتے گئے۔ اور جب وہ شیراز پہنچا تو اس کے ساتھ اچھا خاصہ لشکر تھا۔ زوزن حسن کے خدمت گاروں نے شیر علی کا مقابلہ کیا۔ اس معرکے میں شیر علی کو شکست ہوئی اور وہ اپنا تمام مال و اسباب تباہ کر کے بحال خراب خراسان کی طرف روانہ ہوا۔

راستے میں شیر علی ہر ممکن طریقے سے لشکر اور مال و اسباب جمع کرتا رہا۔ اس سلسلے میں وہ طرح طرح کی دست درازیاں کرتا تھا۔ ہرات کے حاکم میرزا سلطان حسین کے خدمتگاروں کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے شیر علی پر راستے ہی میں حملہ کر دیا۔ فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ شیر علی میدان جنگ میں کام آیا اور اس کی اولاد اور ملازم ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ شیر علی کے فرزند اکبر یار علی بیگ نے قندوز پہنچ کر خسرو شاہ کی ملازمت اختیار کر لی۔ جب بابر نے خسرو شاہ کے علاقے پر قبضہ کر لیا تو یار علی بیگ اور اس کا بیٹا سیف علی بیگ، بابر کے ملازم ہو گئے۔ یار علی بیگ کے بعد سیف علی بیگ باپ کا جانشین ہوا اور اسے غزنی کی جاگیرداری ملی۔ سیف علی نے جب غزنی ہی میں وفات پائی تو اس کا بیٹا بیرم خاں اس وقت بہت چھوٹا تھا اس لئے وہ اپنے عزیزوں کے پاس بلخ چلا گیا۔ بیرم کی تعلیم و تربیت بڑی اچھی طرح ہوئی اس نے متعدد علوم میں کمال حاصل کیا۔ جب وہ جوان ہوا تو کابل چلا گیا اور وہاں نصیرالدین ہمایوں، جو ان دنوں شہزادہ تھا کا ملازم ہو گیا۔ بیرم خاں نے اپنی پسندیدہ عادت موزون طبع، بلندی کردار اور فن موسیقی کی وجہ سے ہمایوں کے دل میں گھر کر لیا اور اس کا مصاحب خاص بن گیا۔ جب بیرم خاں کی عمر سولہ (۱۶) سال کی تھی۔ اس نے ایک جنگ میں بڑی بہادری اور جوانمردی کا مظاہرہ کیا اور اس وجہ سے اسے بہت شہرت ملی۔ بابر نے بھی بیرم خاں کا تذکرہ سنا اور اسے اپنے حضور میں طلب فرما کر بات چیت کی۔ بابر کو

بیرم خاں کا کردار

اس کے بعد بیرم خاں نے جس طرح ترقی کی اور جن بلند عہدوں پر فائز ہوا اس کی تفصیل سے قارئین کرام پوری طرح واقف ہیں۔ بیرم خاں بڑا انسان دوست اور متقی و پرہیز گار تھا۔ اس کی مجلس میں ہمیشہ اہل علم اور صاحبان دانش کا مجمع رہتا تھا۔ باکمال مطربوں، حسین ساقیوں اور ماہر گانے والوں سے بھی اسے بہت دلچسپی تھی۔ وہ مجلس آرائیوں اور آداب شاہی میں بڑا ماہر تھا۔ شعر گوئی اور انشا پردازی میں بھی وہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے فارسی اور ترکی زبانوں کے دو دیوان موجود ہیں۔ اس نے ائمہ اہل بیت کی مدح میں جو قصیدے لکھے... وہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور ہیں۔

مالوہ کی فتح

اکبر نے ادہم خاں اتکہ کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ مالوہ کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ باز بہادر ان دنوں سارنگ پور میں عیش کوشی کی زندگی بسر کر رہا تھا اسے جب یہ معلوم ہوا کہ مغلوں کی فوج اس سے دس کوس کے فاصلے پر ہے تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اس نے اس وقت عیش و عشرت کے ہنگاموں کو خیرباد کہا اور مغلوں سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ سارنگ پور کے قریب ہی فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ مغلوں نے پہلے ہی حملے میں باز بہادر کو بدحواس کر دیا اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کر برہان پور کی طرف ہو لیا۔ ادہم خاں نے باز بہادر کے تمام ساز و سامان اور مغنیہ لونڈیوں پر قبضہ کرکے مالوہ کو امرا میں تقسیم کر دیا۔ ادہم خاں نے مال غنیمت میں سے سوائے چند زنجیر ہاتھیوں کے بادشاہ کے لئے اور کچھ نہ بھیجا۔

اکبر نے خود بھی اس علاقے کا سفر کیا وہ کاکرون کے قصبے میں پہنچا یہاں کے قلعے کا حاکم باز بہادر کا ملازم تھا اس نے قلعہ اکبر کے حوالے کر دیا رات ہوتے ہی اکبر نے سارنگ پور کی طرف رخ کیا اور صبح کے وقت وہاں جا پہنچا۔ ادہم خاں اسی دن سارنگ پور سے کاکرون کی طرف روانہ ہوا تھا اسے جب بادشاہ کی آمد کا علم ہوا تو وہ شاہی بارگاہ میں حاضر ہوا اور بہت ندامت و معذرت کے ساتھ تمام مال غنیمت بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ اکبر نے ادہم خاں کا قصور معاف کر دیا اور آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں نرور کے علاقے میں ایک زبردست شیر شاہی قافلے کے سامنے نمودار ہوا۔ بادشاہ نے اکیلے ہی اس کا مقابلہ کیا اور تلوار کے چند وار ایسے مارے کہ شیر وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ امراء اور منصب داروں نے اکبر پر سے صدقے اتارے اور اس کی سلامتی پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

شیر خاں بن محمد شاہ عدلی کی شکست

اسی زمانے میں محمد شاہ عدلی کے بیٹے شیر خاں نے چالیس ہزار سواروں کے ساتھ جونپور کو مغلوں کے قبضے سے نکالنے کے لئے دریائے گنگا کو پار کیا۔ خاں زماں علی قلی بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ اس کے مقابلے پر آیا فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ خان زماں نے شجاعت و بہادری کا ایسا مظاہرہ کیا کہ شیر خاں کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے۔ علی قلی خاں کے بھائی بہادر خاں نے اس معرکے میں کئی ایسے افغانوں کو موت کے گھاٹ اتارا جو بزعم خود ہزار ہزار سواروں کے ہم پلہ سمجھے جاتے تھے۔ اس فتح کے بعد علی قلی اور بہادر خاں کی شجاعت و دلیری کی بڑی شہرت ہوئی۔ دوسروں نے تو ان کی بہادری کو سراہا ہی تھا لیکن یہ خود بھی اپنی بہادری کے نشے میں ایسے چور ہوئے کہ انہوں نے اس معرکے کے گرفتار شدہ ہاتھیوں میں سے ایک بھی بادشاہ کی خدمت میں پیش نہ کیا۔

اکبر کو ان دونوں بھائیوں کا یہ طریق کار پسند نہ آیا اور وہ کالپی کے راستے سے واپس روانہ ہوا۔ جب اکبر کڑہ مانک پور سے ایک کوس کے فاصلے پر پہنچا تو علی قلی اور بہادر خاں دونوں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے وہ تمام ہاتھی اور تحائف جو انہوں نے شیر خاں بن محمد شاہ عدلی سے حاصل کیے تھے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے۔ اکبر نے دونوں بھائیوں کو شاہانہ نوازشوں سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد بادشاہ آگرہ کی طرف روانہ ہوا سفر کی تیسری منزل پر پہنچ کر اکبر نے علی قلی اور بہادر خاں کو ان کی جاگیر کی طرف

روانہ کیا اور وہ آگرہ جا پہنچا۔ حاکم پنجاب خان اعظم نے شاہی حکم کی تعمیل کی اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیش قیمت تحائف پیش کیے۔ اکبر نے ملا پیر محمد المخاطب بہ پیر محمد خاں کو مالوہ کا حاکم مقرر کیا اور وکالت کا منصب خان اعظم کے حوالے کیا۔

خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت

۹۶۹ھ میں اکبر نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کا قصد کیا اور آگرہ سے اجمیر کی طرف روانہ ہوا جب اکبر سنبھر (۱) نامی قصبے میں پہنچا تو اس علاقے کے بہت بڑے زمیندار راجہ پورن مل (۲) نے اپنی بیٹی کو اکبر کے محل میں داخل کیا اور ملازمین شاہی میں شامل ہو گیا۔ پورن مل کے بیٹے بھگوان داس نے بھی بادشاہ کی ملازمت اختیار کر لی اور اسے نامی امراء کے گروہ میں داخل کیا گیا۔ اکبر نے اجمیر پہنچ کر حضرت معین الدین چشتی کی آستانہ بوسی کی اور زیارت سے فارغ ہو کر اجمیر کے حاکم میرزا شرف الدین حسین کو قلعہ میرٹھ (۳) کی تسخیر کا حکم دیا۔

قلعہ میرٹھ کی تسخیر

میرٹھ کا قلعہ راجہ مال دیو کے قبضے میں تھا میرزا شرف الدین بادشاہ کے حکم کے مطابق میرٹھ کے قریب پہنچا۔ راجہ مال دیو کے دونوں ہندو سردار، جگ مل اور دیوداس، جو اس وقت قلعے میں موجود تھے قلعہ بند ہو گئے۔ میرزا شرف نے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور نقب کی کھدائی کا حکم دیا۔ ایک روز ایک نقب میں جو برج کے بالکل نیچے تھی بارود بھر کر آگ لگائی گئی اس طرح برج تباہ ہو گیا۔ اور حصار میں ایک راستہ پیدا ہو گیا۔ مغل سپاہیوں نے قلعے کے اندر داخل ہونے کے لئے اس نئے راستے کا رخ کیا۔ راجپوتوں نے مزاحمت کی فریقین میں زبردست لڑائی ہوئی لیکن جب مغلوں کو کامیابی کی توقع نہ رہی تو وہ واپس لوٹ آئے۔

مغلوں کی اس پسپائی سے راجپوتوں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور رات ہی رات میں یہ راستہ بند کر دیا۔ مغلوں کا محاصرہ بدستور جاری رہا، راجپوتوں نے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے صلح کی درخواست کی۔ میرزا شرف نے صلح کی درخواست اس شرط پر ماننے پر آمادگی ظاہر کی کہ ہندو اپنی سواری کے گھوڑوں اور تیغوں کے علاوہ کوئی چیز اپنے ساتھ قلعے سے باہر نہ لے جائیں۔ ہندوؤں نے یہ شرط منظور کر لی جب یہ لوگ قلعے سے باہر نکلنے لگے تو میرزا شرف راستے میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ جگ مل نے صلح کی شرط کا پورا خیال کیا اور اپنے متعلقین کے ساتھ خالی ہاتھ قلعے سے باہر نکل گیا البتہ دیوداس کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا اس نے اپنے تمام مال و اسباب کو نذر آتش کر دیا۔ اور پانچ سو راجپوت سواروں کے ساتھ قلعے سے باہر نکلا۔ میرزا شرف کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو اس نے دیوداس کو راستے ہی میں پکڑ لیا۔ بڑی سخت لڑائی ہوئی جس میں اڑھائی سو راجپوت مارے گئے۔ دیوداس اس معرکے میں اس قدر زخمی ہوا کہ وہ سواری کے قابل نہ رہا آخر اسے بھی موت کے گھاٹ اتارا گیا۔

(چند سال کے بعد ایک ایسے شخص نے، جو جوگیوں کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھا یہ دعویٰ کیا کہ وہ دیوداس ہے۔ بعض لوگوں نے اس بیان کی تصدیق کی اور بعضوں نے اسے جھوٹا جانا یہ شخص بھی ایک لڑائی میں کام آیا) الغرض میرزا شرف نے قلعہ میرٹھ پر قبضہ کرنے کے بعد فتح نامہ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

برہان پور میں قتل عام

ملا پیر محمد شادی آباد مندو میں قیام پذیر ہوا۔ اس نے مالوہ کے علاقے کو باز بہادر کے متعلقین اور بہی خواہوں سے بالکل پاک و صاف کر دیا۔ اس نے بیجاگڑھ (۴) کو، جو مالوہ کا سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم قلعہ تھا فتح کیا اور وہاں کے تمام سپاہیوں کو جو قلعے کی حفاظت کر رہے تھے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ان دنوں باز بہادر برہان پور کے حاکم کی پشت پناہی کی وجہ سے خاندیس میں تھا۔ وہ مالوہ کے نواحی [illegible]

قتل و غارت گری میں بہت سے سادات' علماء اور مشائخ بھی مارے گئے۔

ملا پیر محمد ابھی برہان پور ہی میں تھا کہ باز بہادر میراں مبارک شاہ فاروقی تفال خاں حاکم برار کو ساتھ لے کر ملا پیر محمد کے مقابلے کے لئے آگے بڑھا۔ پیر محمد کے سپاہی اس کی بداخلاقی اور ظلم کی وجہ سے اس سے دل برداشتہ ہو چکے تھے لہٰذا انہوں نے اس کی اجازت کے بغیر ہی دریائے نربدا کو پار کر کے مندو کی راہ لی۔ وہ امراء جو پیر محمد کی مدد کے لئے آئے تھے وہ بھی اس سے ناراض ہو کر علیحدہ ہو گئے یہ عالم دیکھ کر ملا بھی مجبوراً واپس ہو گیا۔

باز بہادر کا مالوہ پر دوبارہ قبضہ

تفال خاں نے' جو اپنے زمانے کا ایک نامی گرامی بہادر اور دلاور انسان تھا' ملا پیر محمد کا تعاقب کیا۔ ملا انتہائی پریشانی اور سراسیمگی کے عالم میں راستہ طے کر رہا تھا۔ جب وہ دریائے نربدا کو عبور کر رہا تھا تو اس وقت بار بردار اونٹوں کی قطار اس کے گھوڑے سے ٹکرا گئی۔ اس وجہ سے گھوڑا خشکی سے پھسلا اور دریا میں جا گرا۔ اس کے ساتھیوں نے اس کی جان بچانے کی بہت کوشش کی لیکن کوئی کوشش کامیاب نہ ہوئی اور ملا ڈوب گیا۔ عین اسی وقت تفال خاں بھی تعاقب کرتا ہوا پہنچ گیا۔ ملا پیر محمد کے لشکری جان بچا کر شادی آباد مندو پہنچے' لیکن یہاں بھی انہیں چین نہ ملا دشمن نے یہاں بھی پیچھا کیا لہٰذا وہ آگرہ روانہ ہو گئے۔ ۹۶۹ھ میں باز بہادر مالوہ پر دوبارہ قابض ہو گیا تفال خاں اور میراں مبارک شاہ فاروقی اپنے اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے۔

باز بہادر پر حملہ اور اس کی شکست

اکبر نے کالپی کے حاکم عبد اللہ خاں اوزبک کو باز بہادر کے دفعیے کا حکم دیا۔ عبد اللہ خاں نے شاہی حکم کی تعمیل کی اور باز بہادر پر حملہ کیا' باز بہادر مقابلے کی تاب نہ لا کر کمبل میر کے پہاڑی علاقے میں چلا گیا۔ عبد اللہ خاں نے فتح حاصل کر کے شادی آباد مندو میں قیام کیا۔

خان اعظم شمس الدین کا قتل

اسی زمانے میں معصوم بیگ کا بیٹا سید بیگ جو شاہ طہماسپ کا قریبی رشتہ دار اور وکیل السلطنت تھا سفیر ہو کر ایران سے ہندوستان آیا۔ وہ اپنے ساتھ بہت سے گراں قدر تحفے بھی لایا۔ اکبر نے دو لاکھ روپے جو پانچ ہزار ایرانی تومان کے برابر ہوتے ہیں' اسے عنایت کیے۔ انہیں دنوں وکیل السلطنت کے عہدے پر خان اعظم شمس الدین محمد خان اتکہ فائز ہوا۔ اس عہدے کی وجہ سے اس نے بہت اقتدار و استحکام حاصل کر لیا۔ ادھم خاں آتکہ کو' خان اعظم کے اس اقتدار پر بہت رشک آیا۔ اس نے بیرم خاں کی طرح خان اعظم کو بھی بادشاہ کی نگاہوں سے گرانے کی کوشش کی۔ ادھم خاں نے چغل خوری اور دیگر حربوں کو استعمال میں لا کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہا' لیکن اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ آخر کار اس نے ایک روز یہ بہانہ کر کے خان اعظم نے ادھم خاں کی تعظیم نہیں کی ایسے وقت کہ جب خان اعظم تلاوت قرآن میں مشغول تھا اسے قتل کر دیا۔

ادھم خاں کو شاہی عنایات کا بڑا بھروسا تھا اس کا یہ خیال تھا کہ بادشاہ اس سے کچھ باز پرس نہ کرے گا' اس لئے خان اعظم کو قتل کرنے کے بعد ادھم خاں ایک ایسے مکان میں جو شاہی حرم کے قریب ہی تھا مقیم ہو گیا۔ خان اعظم کے قتل کی وجہ سے چاروں طرف شور و غل برپا ہو گیا۔ بادشاہ اس وقت حرم سرا میں سو رہا تھا اس شور کی وجہ سے اس کی آنکھ کھل گئی اور اس نے اس کا سبب دریافت کیا بادشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کیا گیا۔ وہ اسی وقت لباس شب خوابی ہی میں کوٹھے پر آیا یہاں سے اس کو شمس الدین کی لاش نظر آئی اس لاش کو دیکھ کر اکبر غصے کی وجہ سے تھر تھر کانپنے لگا۔

ادہم خاں آتکہ کا قتل

اسی غصے کے عالم میں اکبر نے اپنی تلوار سنبھالی اور اس عمارت میں گیا جہاں ادھم خاں موجود تھا۔ اکبر نے ادھم خاں سے پوچھا۔ "تم نے خان اعظم شمس الدین کو قتل کیوں کیا؟" ادھم خاں نے کچھ جواب دینے کی بجائے دوڑ کر بادشاہ کے پاؤں پکڑ لئے اور زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ اکبر اس بے ادبی پر اور زیادہ خفا ہوا اور اس نے غصے کے عالم میں ادھم خاں کے گال پر ایک گھونسہ مارا۔ ادھم بیہوش ہو کر فرش پر گر پڑا اس کے بعد اکبر نے حکم دیا کہ ادھم خاں کو اسی دیوانخانے کے کوٹھے سے جو زمین سے بارہ گز بلند تھا نیچے گرا دیا جائے۔ فوراً شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اس بلندی سے گرنے کے باوجود ادھم خاں زندہ رہا لہٰذا اسے اٹھا کر کوٹھے پر لائے اور دوبارہ زمین پر پھینکا اس مرتبہ ادھم خاں مرگیا۔

ادھم خاں کے باپ ماہم آتکہ نے بیٹے کی لاش حاصل کرکے دہلی روانہ کر دی تاکہ اسے وہاں دفنا دیا جائے۔ ماہم اپنے لخت جگر کی موت سے اس قدر افسردہ دل اور خستہ حال ہوگیا کہ بیٹے کی موت کے چالیس دن بعد وہ خود بھی انتقال کرگیا۔ "آتکہ (ت سے) دائی کے شوہر اور اس کے رشتہ داروں کو کہا جاتا ہے۔ "کوکہ" (رضائی دودھ شریک) بھائی کو کہتے ہیں۔ خان اعظم شمس الدین کے قتل میں ادھم خاں کے ساتھ منعم خاں بھی شریک تھا اسی نے ادھم خاں کو یہ مشورہ دیا تھا۔ ادھم خاں کا حشر دیکھ کر وہ اپنے چچا زاد بھائی کے پاس جو کابل کا حاکم تھا چلا گیا پرگنہ سورت کے جاگیردار میر منشی نے منعم خاں کو گرفتار کرکے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ اکبر نے منعم خاں کا قصور معاف کرکے اس کی عزت افزائی کی۔ اس کے بیٹے عزیز خاں کو خطاب اور آتکہ خوانی کے منصب سے سرفراز کیا۔

مورخین کا بیان ہے کہ چونکہ ککھڑوں کی جماعت مغلوں کی فرمانبرداری اور اطاعت گزار تھی۔ اس لئے شیر شاہ سوری نے اپنے زمانے میں اس جماعت پر کئی مرتبہ حملے کئے اور ککھڑوں کو تباہ و برباد کیا۔ جب یہ ککھڑ کسی طرح بھی شیر شاہ کے مطیع نہ ہوئے تو شیر شاہ نے بذات خود ان کے علاقے میں پہنچ کر ان کے سردار سارنگ خاں کو دھوکا دے کر قتل کر دیا۔ نیز سارنگ خاں کے بیٹے کمال خاں کو گرفتار کرکے گوالیار کے قلعے میں نظربند کر دیا۔ سارنگ کے قتل کے بعد اس کا بھائی سلطان آدم ککھڑوں کا سردار منتخب ہوا وہ بھی اپنے مقتول بھائی کی طرح افغانوں کی دشمنی پر ڈٹا رہا۔ شیر شاہ کے بعد سلیم شاہ نے بھی ککھڑوں پر حملے کیے ککھڑوں نے ہزاروں تدبیروں سے افغانوں کو ایسا ستایا کہ ان کے سپاہی اپنے لشکر سے باہر نکلتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جو افغانی سپاہی بھی اپنے لشکر سے نکلتا تھا ککھڑ اسے گرفتار کر لیتے تھے۔ اور کابل' قندھار اور بدخشاں بھیج دیتے تھے اگر انہیں کسی افغانی سپاہی پر رحم آتا تھا تو اسے اپنے ہی لشکر میں فروخت کر ڈالتے تھے۔

سلیم شاہ ککھڑوں کے علاقے سے ان کے ملک کو تباہ و برباد کرتا ہوا واپس لوٹا۔ وہ گوالیار پہنچا اس نے پنجاب کے امراء کو ککھڑوں کی تباہی پر مامور کیا اور یہ حکم دیا کہ جس قدر ککھڑ گرفتار کیے جائیں ان کو ایک مکان میں قید کر دیا جائے۔ اور پھر اس مکان کو بارود سے اڑا دیا جائے۔ اس ہدایت پر عمل کیا گیا اور اس طرح ککھڑوں کا سارا قبیلہ تباہ ہوگیا۔ صرف کمال خاں بچا جو کسی نہ کسی طرح اپنے گھر کے ایک کونے میں چھپا رہا۔ سلیم شاہ کو کمال خاں کے زندہ رہنے کی مطلق خبر نہ ہوئی بعد ازاں جب اصل کیفیت معلوم ہوئی تو سلیم شاہ نے کمال خاں سے اطاعت و فرمانبرداری کا پکا وعدہ لے کر اسے پنجاب جانے کی اجازت دے دی۔

کمال خاں کا اقتدار

سلیم شاہ پنجابی امراء کے ہمراہ ککھڑوں کی سرزنش اور ان کے علاقے کو فتح کرنے میں ابھی مصروف ہی تھا کہ اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ جب ہمایوں پنجاب میں آیا تو کمال خاں نے اس کی ملازمت اختیار کر لی اور مغل اعظم کی خدمت کرنے لگا۔ کمال خاں کو عہد

کمال خاں کی اس بہادری و جرات کو دیکھتے ہوئے اکبر نے حکم دیا کہ پنجاب کے نافرمان حاکم امیر سلطان کو ہٹا کر اس کی جگہ گکھڑوں کا سردار بنا دیا جائے۔ پنجاب کے تمام امراء نے کمال خاں کا ساتھ دیا۔ گکھڑوں کا ملک فتح کر کے سلطان آدم کو زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ شاہی حکم کے مطابق کمال خاں گکھڑوں کا حاکم مقرر ہوا۔

میرزا شرف کی ہنگامہ خیزی

اسی سال ترکستان سے میرزا شرف الدین کا باپ خواجہ معین لاہور آیا وہ خواجہ ناصرالدین عبد اللہ کی اولاد میں سے تھا۔ اکبر نے میرزا شرف الدین کو لاہور جانے کا حکم دیا وہ لاہور گیا اور اپنے باپ کو ہمراہ لے کر آگرہ آیا۔ اکبر نے بذات خود خواجہ معین کا استقبال کیا اور اسے اپنے ساتھ شہر آگرہ میں لے آیا۔ اسی زمانے میں میرزا شرف الدین حسین کے دل میں کچھ وہم سا پیدا ہوا اور وہ اجمیر بھاگ گیا۔ اس علاقے میں میرزا شرف کی آمد سے کچھ فتنہ و فساد پیدا ہوا۔ اس وجہ سے حسین قلی خاں ذوالقدر کو' جو بیرم خاں کا بھانجہ تھا ناگور کا حاکم مقرر کیا گیا۔ میرزا شرف نے اجمیر کا علاقہ اپنے ایک قابل اعتبار شخص کے سپرد کر دیا اور خود گجرات کی سرحد میں جالور کی طرف روانہ ہو گیا۔ حسین قلی' اجمیر پہنچا اور اس نے بغیر کسی فتنہ و فساد کے شہر پر قبضہ کر لیا۔

شاہ ابو المعالی جو اکبر کی قید سے رہائی حاصل کر کے مکہ معظمہ چلا گیا تھا وہ واپس ہندوستان آیا اور اس نے میرزا شرف سے ملاقات کی۔ میرزا شرف کے ایماء پر شاہ ابو المعالی ۹۷۱ھ میں نار نول پہنچا اور وہاں شورش بپا کرنے لگا۔ حسین قلی خاں نے اپنے دو ملازموں کو جن کے نام یوسف بیگ اور احمد بیگ تھے۔ ابو المعالی کے تعاقب میں روانہ کیا اور خود میرزا شرف کی سرزنش کے لئے آگے بڑھا۔ ابو المعالی نے ایک چال چلی۔ وہ احمد بیگ اور یوسف بیگ کے راستے میں ایک محفوظ جگہ پر چھپ گیا۔ جب یہ دونوں دشمن سے غافل اور بے پروا ہو کر سامنے سے گزر گئے تو ابو المعالی نے ان پر حملہ کر کے دونوں کو تلوار کے گھاٹ اتارا۔

شاہ ابو المعالی کا قتل

اکبر ان دنوں منوہرپور میں سیرو شکار میں مصروف تھا۔ اسے جب اس واقعے کی خبر ہوئی تو اس نے اپنے امراء کی ایک جماعت کو ابو المعالی کی سرزنش کے لئے نامزد کیا۔ شاہ ابو المعالی پنجاب چلا گیا اور پنجاب سے محمد حکیم میرزا کے پاس کابل پہنچا۔ محمد حکیم میرزا نے اپنی بہن کی شادی ابو المعالی کے ساتھ کر دی اور یوں اس کا رتبہ بہت بلند و بالا کر دیا۔ ابو المعالی کے سر میں کابل کی حکومت کا سودا سمایا۔ سب سے پہلے اس نے محمد حکیم میرزا کی ماں کو جو حکومت کی مختار کل تھی قتل کروا دیا۔ اور پھر خود محمد کلیم کا وکیل بن کر حکم چلانے لگا واضح رہے کہ ان دنوں محمد حکیم مرزا بہت کم سن تھا ابو المعالی کا یہ ارادہ تھا کہ حکیم میرزا کو بھی موت کے گھاٹ اتار کر کابل کا خودمختار حاکم بن جائے مگر اس کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا۔ اور سلیمان میرزا نے کابل پہنچ کر ابو المعالی کو قتل کر دیا۔ میرزا شرف کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو وہ جالور سے بھاگ کر احمد آباد چلا گیا۔

اکبر پر قاتلانہ حملہ

اکبر سیرو شکار سے فارغ ہو کر دہلی میں داخل ہوا اور "چھارسو" پہنچا۔ یہاں قتلق نامی' میرزا شرف کے ایک غلام نے بادشاہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ جب بادشاہ کی سواری گزر رہی تھی تو اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کا ایک جم غفیر چل رہا تھا۔ اسی ہجوم میں قتلق بھی تھا' ماہم آنکہ کے مدرسے کے قریب کھڑے ہو کر قتلق نے ہاتھ نچا کر کے بادشاہ پر تیر چلایا لوگوں نے یہ سمجھا کہ قتلق کسی جانور کو ہدف بنا رہا ہے۔ اکبر اسی وقت ہاتھی پر سوار تھا' تیر اس کے کندھے کے قریب' ایک بالشت کے برابر اندر گھس گیا۔ لوگوں نے جو یہ عالم دیکھا تو اسی وقت قتلق کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ تیر اکبر کے کندھے سے نکالا گیا اور اسے روئی کی قبا پہنا دی گئی۔ بادشاہ کے چہرے سے کسی قسم کے پریشانی اور بے تابی کے آثار نمایاں نہ ہوئے وہ اسی طرح ہاتھی پر سوار ہو کر بڑے اطمینان سے محل تک آیا۔ حکیم عین الملک گیلانی نے

علاج کیا اور ایک ہفتے کے اندر اندر بادشاہ کا زخم مندمل ہو گیا۔

اس کے بعد اکبر آگرہ پہنچا وہاں سے ہاتھی کا شکار کھیلنے کے لئے نرور کے قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ آصف خاں ہروی کو کڑہ مانک پور کا صوبہ دار بنا کر روانہ کیا گیا۔ بادشاہ نے شکار کا شوق پورا کرنے کے لئے ایک نیا انداز اختیار کیا۔ مالوہ کے حاکم عبد اللہ خاں اوزبک نے بہت سے ہاتھی حاصل کیے تھے' لیکن اس نے ایک بھی بادشاہ کی خدمت میں پیش نہ کیا تھا۔ اس لئے اکبر برسات کے موسم میں تنہا ہی مندور روانہ ہوا۔ سارنگ پور کے حاکم محمد خان نیشا پوری بادشاہ کے ملازمین میں شامل ہو گیا۔ جب اکبر اجین پہنچا تو عبد اللہ خاں اوزبک خوفزدہ ہو کر اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو لے کر گجرات کی طرف بھاگ گیا۔ اکبر نے پچیس (۲۵) کوس تک اس کا تعاقب کیا اور اس کے ہراول نے عبد اللہ خاں کو جالیا۔ عبد اللہ خاں نے جب کوئی راہ فرار نہ دیکھی تو اس نے پلٹ کر لڑائی کا قصد کیا فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ جس کے نتیجے میں عبد اللہ خاں کو فتح ہوئی اور وہ گجرات چلا گیا۔

اکبر مندو کی طرف چلا گیا شہر میں داخل ہو کر اس نے خلجی فرمانرواؤں کی بنوائی ہوئی عمارتوں کی سیر کی۔ برہان پور کا حاکم میراں مبارک شاہ فاروقی بادشاہ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہوا اور اس نے اپنی لڑکی اکبر کے حرم میں داخل کی۔ اکبر نے مندو کی حکومت قرا بہادر خاں کے سپرد کی اور خود آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں سیری کلارس کے مقام پر اکبر کے سامنے ہاتھیوں کا ایک گروہ آیا اس گروہ میں ایک مست ہاتھی بھی تھا۔ لشکریوں نے بادشاہ کے حکم کے مطابق ہاتھیوں کو گھیر کر سیری کلارس کے قلعے میں بند کر دیا۔ متذکرہ بالا مست ہاتھی قلعے کی دیوار توڑ کر باہر نکل گیا۔ شاہی خاصہ کا ایک ہاتھی اس مست ہاتھی کے مقابلے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔ دونوں ہاتھیوں میں لڑائی ہوئی اور اس طرح مست ہاتھی کو گرفتار کر لیا گیا۔

۹۷۲ھ میں بادشاہ کا خالو خواجہ معظم جو "جولی بیگم" کا بھائی تھا کسی ناشائستہ حرکت کی وجہ سے گرفتار کیا گیا۔ خواجہ معظم نے اسی قید کے عالم میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس سال اکبر نے آگرہ کے قلعے کو جو کچی اینٹوں کا بنا ہوا تھا مسمار کروا کے از سر نو سرخ پتھر سے تعمیر کروایا یہ عمارت چار سال میں مکمل ہوئی۔

اوزبکوں کی بغاوت

اوزبک عبد اللہ خاں کے متذکرہ بالا واقعے کے بعد یہ عام طور پر مشہور ہو گیا تھا کہ اکبر تمام اوزبکوں کا سخت دشمن ہے اور وہ ازبکوں کی پوری قوم کو تباہ و برباد کرنے کا خواہاں ہے۔ یہ افواہ سن کر سکندر خاں اور ابراہیم خاں وغیرہ نامی گرامی اوزبک امراء جو بہار اور جونپور کے علاقوں میں منصب دار اور جاگیردار تھے بادشاہ کے خلاف ہو گئے۔ علی قلی خاں سیستانی اور بہادر خان سیستانی بھی اس روش پر گامزن ہوئے اور باغیوں کے سردار بن گئے۔ اگرچہ ان دونوں کی ماں اصفہانی تھی اور وہ عراق میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے انہیں اوزبکوں کے ساتھ نہیں ہونا چاہیے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی گزشتہ بد اعمالیوں نیز اپنے آباؤ اجداد کے اوزبک ہونے کی وجہ سے بادشاہ کی مخالفت پر کمر باندھی۔ آصف خاں ہروی کی جاگیر سیستانیوں کے ہمسائے ہی میں تھی لہٰذا وہ بھی باغی سیستانی امراء کے ساتھ مل گیا۔

اکبر کی تدبیر

اس طرح تقریباً تیس ہزار سواروں نے ایک ساتھ علم سرکشی بلند کیا اور جس قدر ہو سکا مختلف علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اکبر کی عادت تھی کہ وہ سیاسی امور اور مہمات کو انجام دینے میں عجلت سے کام نہ لیتا تھا۔ اس نے اوزبکوں کی بغاوت کے بارے میں ایک لفظ بھی زبان سے نہ نکالا اور شکار کا بہانہ کر کے بیانہ سے نرور گڑھ کی طرف روانہ ہوا۔ اکبر خود تو سیر و شکار میں مصروف ہوا اور اشرف خان منشی کو سکندر خاں اوزبک کے پاس روانہ کیا تاکہ وہ سکندر کو تسلی و تشفی دے کر شاہی بارگاہ میں لے آئے لشکر خاں بخشی کو آصف خاں ہروی

خزانوں کا قصہ

متذکرہ بالا خزانوں کا قصہ یہ ہے کہ آصف خاں ہروی کو کڑہ مانک پور کا جاگیردار اور پنج ہزاری امیر مقرر کیا گیا۔ آصف خاں کے پڑوس ہی میں گڈھ کی سلطنت تھی جو اس وقت تک کسی مسلمان فرمانروا سے فتح نہ ہوئی تھی۔ آصف نے اس سلطنت کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ گڈھ پر ایک عورت درگاوتی نامی حکمرانی کرتی تھی۔ یہ رانی صورت و سیرت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھی۔ آصف خاں نے اپنی فوج گڈھ کی سرحد پر روانہ کی اور اس علاقے کو تباہ و برباد کیا۔ اس کے بعد آصف نے بذات خود پانچ چھ ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ اس ملک پر حملہ کیا۔ رانی نے ڈیڑھ ہزار ہاتھیوں اور آٹھ ہزار سواروں اور پیادوں کا لشکر لے کر آصف کا مقابلہ کیا فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ اتفاقاً ایک تیر رانی کی آنکھ میں لگا اس نے لڑائی سے ہاتھ اٹھایا اور اپنی عزت کا خیال کرتے ہوئے اپنے مہاوت سے خنجر لے کر خودکشی کر لی۔

اس طرح آصف خاں کو فتح نصیب ہوئی اور وہ گڈھ کے قلعے میں جو رانی درگاوتی کا مسکن تھا داخل ہوا۔ رانی کا کم سن لڑکا لوگوں کے ہجوم میں پیروں کے نیچے کچل کر مر گیا۔ رانی کا بہت سا مال و اسباب آصف خاں کے ہاتھ لگا۔ جواہرات' سونے کی تصاویر' گراں قدر اور مرصع اشیاء کے علاوہ اشرفیوں کے بھرے ہوئے ایک سو ۱۰۰ تھال بھی آصف کے ہاتھ آئے۔ آصف نے پندرہ سو ۱۵۰۰ ہاتھیوں میں سے صرف تین سو ۳۰۰ ہاتھی بادشاہ کی خدمت میں ارسال کیے۔ اور باقی تمام اشیاء پر وہ خود قابض ہو گیا۔

اکبر شکار کھیلتا ہوا گڈھ کے قریب پہنچا۔ ہوا کی تپش اور موسم کی خرابی کی وجہ سے بادشاہ بیمار ہو گیا اس لئے واپس آگرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اشرف خان منشی اور لشکری خاں بخشی کے اقدامات سے مخالفین کو قدرے تنبیہہ ہوئی۔ اکبر کے حکم کے مطابق شاہم خاں' جلائر شاہ' بداغ خاں اور محمد دیوانہ وغیرہ کو جو اس علاقے کے جاگیردار تھے' سکندر خاں اور ابراہیم خاں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا گیا۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو بہادر خاں بھی سکندر خاں کے ساتھ آ ملا۔ شاہم خاں کو شکست ہوئی اور بداغ خاں اور محمد امین دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔

اوزبکوں پر فوج کشی

اکبر کو جب ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اس نے منعم خاں خان خاناں کو ایک زبردست لشکر کے ساتھ بطور ہراول لشکر روانہ کیا۔ اور پھر خود بھی ۹۷۳ھ (۵) میں شوال کے مہینے میں اس طرف روانہ ہوا۔ اکبر قنوج پہنچا اور سکندر خاں اوزبک پر جو لکھنؤتی (۶) میں مقیم تھا حملہ کیا۔ سکندر کو جب اکبر کی آمد کی خبر ملی تو وہ لکھنؤتی (۷) سے بھاگ کر خاں زماں کے پاس چلا گیا۔ علی قلی خاں اور بہادر خاں زہن (۸) گھاٹ کی طرف گئے۔ اور دریائے گنگا کی دوسری طرف جا پہنچے۔ اکبر جون پور پہنچا وہاں آصف خاں ہروی نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور کڑہ مانک پور کے جاگیردار مجنوں خاں قاقشال کے ساتھ اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اکبر نے اسے شاہانہ الطاف سے نوازا۔ کچھ دنوں بعد آصف سیستانی کو چند دیگر معتبر امراء کے ساتھ باغیوں کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا گیا۔ آصف خاں زہن گھاٹ پہنچا اور اس نے علی قلی خاں کے لشکر کے سامنے اپنا پڑاؤ ڈالا اور اپنے افعال و اعمال سے معاملے کو ٹالنا شروع کر دیا۔ بادشاہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے آصف خاں کی جاگیر میں تبدیلی کر دی۔ آصف خاں آدھی رات کے وقت اپنے بھائی وزیر خاں کو ساتھ لے کر لشکر سے علیحدہ ہوا اور گڈھ چلا گیا۔

علی قلی کا معافی مانگنا

اکبر نے منعم خان خانخاناں کو ایک زبردست لشکر دے کر آصف خاں کی جگہ روانہ کیا۔ علی قلی خاں نے دوآب کے درمیانی علاقے میں سکندر خاں اور بہادر خان کو بھیجا تاکہ وہ دونوں آگرہ تک کے تمام علاقے میں تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیں۔ اکبر نے مشہد کے

ایک مشہور اور معزز امیر سید میر معزالملک کی ماتحتی میں بداغ خاں' مطلب خاں (بداغ خاں کا بیٹا) اقبال خاں لنگ' حسین خاں' سعید خاں' راجہ ٹوڈر مل' محمد امین دیوانہ' محمد خاں افغان سور' محمد خاں معصوم اور لشکر خاں بخشی کو بہادر خاں سیستانی کے مقابلے کے لئے روانہ کیا۔ یہ رنگ دیکھ کر علی قلی خاں نے منعم خاں خانخاناں کے توسط سے بادشاہ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی اس نے اپنی والدہ اور ابراہیم خاں اوزبک کو جسے وہ اپنے چچا کے برابر سمجھتا تھا بہت سے ہاتھیوں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اکبر نے علی قلی خاں کا قصور معاف کر دیا اور جونپور کو بدستور سابق اس کی جاگیر میں دیا۔

میر معزالملک اپنے لشکر کے ہمراہ' بہادر خاں اور سکندر خاں کے پاس جا پہنچا اور ان سے جنگ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ اس موقع پر بہادر خاں نے معزالملک کو پیغام بھجوایا۔ "میرے بھائی علی قلی خاں نے اپنی والدہ کو بادشاہ کی خدمت میں بھیج کر معافی مانگی ہے اس لئے جب تک بادشاہ کا جواب موصول نہ ہو جائے اس وقت تک جنگ کو موقوف رکھنا چاہیے۔" معزالملک نے بہادر خاں کی درخواست قبول نہ کی اور حریف کے مقدمہ لشکر یعنی سکندر خاں اوزبک پر حملہ کرکے اس کے لشکر کو تتر بتر کر دیا۔ سکندر خاں بھاگ نکلا اس کے بہت سے ساتھی تہ تیغ کئے گئے۔

بہادر خاں اس وقت تک خاموش کھڑا تھا اور اس نے جنگ میں حصہ نہ لیا تھا۔ اس نے جب یہ دیکھا کہ سکندر خاں بھاگ نکلا ہے اور اس کے لشکر کو شاہی فوج قتل کرنے میں مصروف ہے تو اس نے شاہی فوج پر حملہ کر دیا۔ معزالملک بہادر خاں کے حملے کی تاب نہ لا سکا اور میدان جنگ سے قنوج کی طرف بھاگ نکلا۔ بہادر خاں اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اسی دوران میں صلح ہو گئی اکبر نے جونپور علی قلی خاں کی والدہ کو عنایت کیا اور خود قلعہ چنار اور بنارس کی سیر کے لئے چل دیا۔

علی قلی خاں کی دوسری بغاوت

علی قلی خاں نے سکندر کے اکسانے پر دریائے گنگا کو پار کرکے غازی پور اور دیگر پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔ علی قلی کی اس حرکت پر اکبر کو بہت غصہ آیا۔ اس نے اشرف خاں کو حکم دیا کہ وہ جونپور جا کر علی قلی کی والدہ کو گرفتار کر لے۔ اکبر خود بھی جلد از جلد غازی پور کی طرف روانہ ہوا۔ علی قلی ایک بہت بڑے گنجان جنگل میں پناہ گزین ہوا۔ بہادر خاں' سکندر خاں اور ابراہیم خاں رات جونپور پہنچے زینہ لگا کر وہ قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور اپنی والدہ کو قید سے نکال لائے۔ انہوں نے اشرف خاں کو قید کر لیا اور بنارس کی طرف روانہ ہو گئے۔

اکبر کی وسعت قلبی

اکبر یہ سن کر جونپور پہنچا اور اس نے اپنے تمام مقبوضات کی افواج کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ خاں زماں بہت ہراساں ہوا اس نے دوبارہ اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ اکبر بہادر خاں کو چونکہ بچپن ہی سے اپنا بھائی سمجھتا تھا اور اسے بہت عزیز رکھتا تھا نیز علی قلی خاں کی سابقہ خدمات کی وقعت بھی اس کی نظر میں تھی اس لئے اکبر نے اس بار بھی دونوں بھائیوں کا قصور معاف کر دیا اور ان کی جاگیریں انہیں عنایت کر دیں۔

مستند کتابوں میں یہ روایت درج ہے کہ پرانے زمانے کا ایک بادشاہ یہ کہا کرتا تھا اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ خطائیں معاف کرنے میں مجھے کیا لطف آتا ہے تو پھر لوگ خطاؤں کے تحفے لے کر میرے پاس آئیں اور خطاؤں ہی کو میری قربت کا ذریعہ بنا لیں۔" اکبر نے خان زماں کی خطا معاف کرکے اسے اپنے حضور میں آنے کا حکم دیا۔ اس نے ندامت کی وجہ سے بادشاہ کے سامنے آنا پسند نہ کیا اور کہلوا بھیجا۔ "آپ کے تشریف لے جانے کے بعد میں اپنے بھائی کے ہمراہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔" اکبر نے خان زماں کی

بہادر خاں اور قاسم ہروی کی جنگ

جب اکبر آگرہ پہنچا تو اس نے مہدی قاسم خاں کو آصف خاں ہروی کی سرکوبی اور گڈھ کی تسخیر کے لئے چار ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ علی قلی خاں بھی دل ہی دل میں بادشاہ کے خلاف تھا لہٰذا اس نے جونپور میں آصف خاں ہروی کو بلا کر اس سے سازباز کیا۔ آصف خاں' علی قلی خاں کے غرور اور دیگر عادات قبیحہ کی وجہ سے چھ مہینے بعد ہی اپنے بھائی وزیر خاں کے ساتھ گڈھ کی طرف چلا گیا۔ بہادر خاں سیستانی نے آصف کا پیچھا کیا دونوں میں جنگ ہوئی۔ جس کے نتیجے میں بہادر خاں کامیاب و کامران رہا۔ وزیر خاں نے موقع پا کر بہادر خاں پر دھاوا بول دیا' بہادر خاں حملے کی تاب نہ لا کر بھاگ گیا۔ وزیر نے اپنے بھائی آصف کو جو زخمی ہو چکا تھا بہادر خاں کی قید سے رہا کروایا اور اپنے ساتھ لے کر گڈھ جا پہنچا دونوں بھائی اس علاقے میں قیام پذیر ہوئے۔

کابل سے ایلچیوں کی آمد

اسی زمانے میں کابل سے محمد حکیم میرزا کے ایلچی ہندوستان آئے اور انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں یہ معروضہ پیش کیا کہ "ابو المعالی کے قتل کے بعد کابل میں سلیمان میرزا نے اپنے نام کا خطبہ جاری کر لیا ہے۔ اس نے میرزا سلطان نامی ایک شخص کو اپنی طرف سے کابل کا حاکم مقرر کر رکھا ہے اور خود بدخشاں میں مقیم ہے۔ محمد حکیم میرزا نے میرزا سلطان کو کابل سے نکال کر زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ اب یہ سننے میں آ رہا ہے کہ سلیمان میرزا' کابل پر فوج کشی کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے اگر حضور اس وقت محمد حکیم میرزا کی مدد فرمائیں تو ذرہ نوازی ہوگی۔" اکبر نے پنجاب کے امراء کے نام احکامات جاری کیے اور ملتان کے حاکم محمد قلی خاں کو لکھا کہ "جب سلیمان میرزا کابل پر حملہ کرے تو تم فوراً وہاں پہنچ کر سلیمان میرزا کا مقابلہ کرو۔

محمد حکیم میرزا کا ماموں اور نامی گرامی شاہی امیر فریدوں کابلی' اکبر سے رخصت ہو کر کابل روانہ ہوا تاکہ وہاں پہنچ کر محمد حکیم مرزا کی مدد کرے۔ اس سے پہلے کہ شاہی فرامین امراء کے پاس پہنچتے سلیمان میرزا نے کابل پر حملہ کر دیا اور قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ محمد حکیم' سلیمان کا مقابلہ نہ کر سکا' وہ کابل سے فرار ہوا اور سندھ میں آ کر پناہ گزین ہوا۔ فریدوں خاں نے دریائے سندھ کے کنارے محمد حکیم میرزا سے ملاقات کی اور اسے یہ اچھی طرح سمجھا دیا کہ "ان دنوں اکبر کی تمام توجہ علی قلی خاں اور دیگر اوزبک امراء کے ہنگامے کی طرف ہے' اس لئے اس کا لاہور آنا بہت مشکل ہے۔ بہتر یہی ہے کہ تم لاہور پہنچ کر شہر پر قبضہ کر لو اور پنجاب کے امراء کو اپنے ساتھ ملا کر سلیمان میرزا کے دفعیے کی کوئی تدبیر کرو۔"

اکبر کا سفر لاہور

محمد حکیم میرزا لاہور روانہ ہو گیا۔ لاہور کے امراء قطب الدین اتکہ اور میر محمد خاں وغیرہ قلعہ بند ہو گئے اور مدافعت شروع کر دی۔ محمد حکیم میرزا نے مہدی قاسم کے باغ میں قیام کیا اور پنجاب کے امیروں سے مدد حاصل کرنے کی کوششیں کرنے لگا۔ لیکن کافی بھاگ دوڑ کے بعد بھی اسے کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ اکبر نے علی قلی خاں کی سرزنش کو کچھ عرصے کے لئے ملتوی کیا اور آگرہ کا انتظام منعم خاں کے سپرد کر کے ۱۴ جمادی الاول ۹۷۴ھ کی رات کو لاہور کی طرف روانہ ہو گیا۔ اکبر ابھی سرہند تک بھی نہ پہنچا تھا کہ اس کے سفر کی خبر لاہور پہنچ گئی۔ قلعہ بند امراء نے خوشی کے نقارے بجانے شروع کر دیئے جب یہ نقارے بجنے لگے تو اس وقت محمد حکیم میرزا سو رہا تھا' شور سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے ان شادیانوں کا سبب پوچھا انہوں نے بتایا کہ بادشاہ آ رہا ہے اور شہر کے بہت نزدیک پہنچ گیا ہے۔ حکیم نے اس کا مطلب یہ لیا کہ بادشاہ لاہور سے صرف ایک کوس کے فاصلے پر رہ گیا ہے لہٰذا وہ حواس باختہ ہو کر فوراً کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔ ان دنوں سردیوں کی ابتدا ہو چکی تھی' سلیمان میرزا کابل سے جا چکا تھا حکیم نے میدان خالی پا کر کابل پر قبضہ کر لیا۔

اکبر لاہور پہنچا اور یہاں سیر و شکار میں مصروف ہو گیا۔ وزیر خاں نے بادشاہ سے شکار گاہ میں ملاقات کی اور آصف خاں ہروی کو معاف کرنے کا معروضہ پیش کیا۔ اکبر نے آصف خاں کا قصور معاف کر دیا اور وزیر خاں کو پنج ہزاری امراء کے گروہ میں شامل کر لیا۔ نیز یہ حکم دیا کہ آصف خاں ہروی' مجنوں خاں قاقشال کے ہمراہ کڑہ مانک پور میں قیام کرے اور اس علاقے کی حفاظت کرے۔

میرزاؤں کی بغاوت

اکبر نے جونہی پنجاب کے سفر کا ارادہ کیا محمد سلطان میرزا کی اولاد نے ہنگامہ آرائیاں شروع کر دیں۔ بابر کے حالات میں ہم سلطان میرزا کا نسب نامہ درج کر چکے ہیں نیز یہ بتایا جا چکا ہے کہ وہ امیر تیمور کی اولاد میں سے تھا۔ سلطان میرزا سلطان حسین کا نواسہ تھا۔ حسین میرزا نے ہمایوں کے عہد حکومت میں کئی بار غداری کی تھی' لیکن بادشاہ نے ہر بار اس کا جرم معاف کر دیا تھا۔ حسین میرزا کا بڑا لڑکا الغ میرزا ہزارہ کی جنگ میں کام آیا تھا' چھوٹا بیٹا فرزند شاہ طبعی موت سے مرا تھا۔ الغ میرزا کے دو بیٹے ہوئے۔ جن کے نام سکندر خاں اور محمود سلطان تھے۔ ہمایوں نے ان دونوں بیٹوں کو بالترتیب' الغ میرزا اور شاہ میرزا کے ناموں سے موسوم کر کے ان کی تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیئے۔ جب ہمایوں تخت نشین ہوا تو محمد سلطان میرزا اپنی اولاد کے ساتھ دوبارہ ہندوستان آیا اور سنبھل کے علاقے میں آدم پور کا پرگنہ اس کی معاش کے لئے مقرر کیا گیا۔

اگرچہ آدم پور میں محمد سلطان بڑھاپے کی منزلوں سے گزر رہا تھا تاہم اس کے گھر میں چار بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے نام یہ ہیں (۱) محمد حسین میرزا (۲) ابراہیم میرزا (۳) مسعود میرزا (۴) عاقل میرزا۔ یہ چاروں بھائی ابھی بہت کم عمر ہی تھے کہ بادشاہ نے ان کی تربیت کر کے انہیں اپنے امراء کے گروہ میں شامل کر لیا۔ جونپور کے ہنگامے کے بعد یہ چاروں بھائی بادشاہ سے اجازت لے کر سنبھل میں اپنی جاگیر کو روانہ ہو گئے۔ جن دنوں اکبر حکیم میرزا کے ہنگامے کو ختم کرنے کے لئے لاہور روانہ ہوا تو ان چاروں بھائیوں نے اپنے چچا زاد بھائیوں' سکندر سلطان اور محمود سلطان (جنہیں "الغ میرزا" اور "شاہ میرزا" کہا جاتا ہے) کے ساتھ مل کر علم سرکشی بلند کیا۔ ذلیل اور کمینہ لوگوں کی ایک جماعت ان کے گرد جمع ہو گئی اور یہ لوگ فتنہ و فساد بپا کرنے لگے۔

اس علاقے کے جاگیرداروں نے "میرزا خاندان" کے مفسدوں سے لڑائی کی اور انہیں مالوہ کی طرف بھگا دیا ان دنوں چونکہ مالوہ میں کوئی قوی حاکم نہ تھا اس لئے یہ لوگ اس علاقے پر قابض ہو گئے۔ منعم خاں خانخاناں نے سنبھل میں محمد سلطان میرزا کو گرفتار کر کے بیانہ کے قلعے میں نظربند کر دیا۔ محمد سلطان نے اسی عالم اسیری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اکبر کا عزم جونپور

علی قلی خاں سیستانی' سکندر خاں اور دیگر اوزبک امراء کو جب محمد حکیم میرزا کے لاہور آنے کی اطلاع ملی تو انہوں نے اپنے قول و قرار کا کچھ لحاظ نہ کیا اور اپنی اپنی جاگیروں کو واپس چلے گئے ان امراء نے قنوج اور اودھ کے علاوہ دوسرے کئی علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا نیز ایک بہت بڑا لشکر فراہم کر لیا اکبر ان امراء کے دیکھنے کے لئے لاہور سے آگرہ پہنچا اور لشکر کو حاضری کا حکم دیا.... وہ دو ہزار ہاتھیوں اور ایک زبردست فوج کے ساتھ جونپور روانہ ہو گیا۔ ان دنوں خان زماں نے سید یوسف مہدی کو سیر گڑھ کے قلعے میں محصور کر رکھا تھا اسے جب بادشاہ کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ حواس باختہ ہو کر سیر گڑھ سے بھاگا اور کڑہ مانک پور میں بہادر خاں کے پاس چلا گیا۔ بہادر خاں نے کڑہ میں مجنوں خاں قاقشال کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ اکبر نے خان زماں کا تعاقب کیا اور کڑہ کی طرف روانہ ہوا۔

جب اکبر رائے بریلی پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ خاں زماں نے دریائے گنگا کو پار کر کے مالوہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ خان زماں کا مقصد یہ تھا کہ وہ محمد سلطان میرزا کی اولاد سے سازباز کر کے اس علاقے پر قبضہ کرے اور اگر اس [illegible]

لئے اکبر سندر نامی ایک تیز رفتار ہاتھی پر سوار ہوا اور ہاتھی کو دریا میں ڈال دیا۔ امراء اراکین سلطنت نے ہرچند بادشاہ کو منع کیا لیکن اس نے کسی کی بات نہ سنی۔ خداوند تعالیٰ کی عنایت سے دریا اس وقت پایاب تھا اس لئے ہاتھی کو تیرنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ اکبر دیو ہیکل ہاتھیوں اور ایک سو سواروں کے ساتھ دریا کی دوسری طرف جا پہنچا صبح کے قریب اس نے علی قلی خاں کو جالیا۔

بہادر خان پر حملہ

آصف خاں ہروی اور مجنوں خاں ایک لشکر جرار کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ علی قلی خان اور بہادر خاں بزعم خود یہ سمجھ رہے تھے کہ اکبر رات کے وقت دریا کو پار نہ کر سکے گا لہٰذا دونوں بھائی ہر طرح کے خطرے سے بے خوف ہو کر بادہ نوشی اور عیش کوشی میں معروف تھے۔ شاہی فوج خان زماں کے خیمے کے پاس پہنچی اور وہاں بہ آواز بلند کہا۔ "اے بے خبرو! اکبر اعظم دریا کو پار کر کے تمہیں تباہ و برباد کرنے کے لئے یہاں پہنچ گیا ہے۔" خاں زماں اور اس کے ساتھیوں نے اس آواز کو آصف خاں اور مجنوں خاں کے فریب پر محمول کیا اور اسی طرح معروف عیش و نشاط رہے۔ اس واقعے کو ابھی چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ نقارہ شاہی کی آواز آنے لگی۔ خان زماں اور اس کے ساتھی ایک دم پریشان ہو کر اٹھے اور معرکہ آرائی میں معروف ہو گئے۔

یکم ذی الحجہ ۹۷۴ھ کو دو شنبہ کے دن صبح کے وقت فریقین میں معرکہ آرائی ہوئی۔ بادشاہی ہراول بابا خان قاقشال نے دشمن کی ایک جماعت کو جو مقابلے کے لئے اس کے سامنے آئی۔ تھوڑی سی دیر میں پسپا کر دیا۔ بہادر خاں نے اس وقت قاقشال پر دھاوا بولا اور اس کے لشکر کو مجنوں کی صف تک دھکیل دیا۔ اگرچہ بہادر خاں کے لشکر میں انتشار پیدا ہو چکا تھا' اس نے بغیر کچھ سوچے سمجھے مجنوں خاں کی صف پر حملہ کر دیا۔ اس لشکر کو تتر بتر کرنے کے بعد اس نے لشکر خاصہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس دوران میں کچھ امراء نے بہادر خاں کے حملے کو روکنے کی کوشش کی اکبر ہاتھی پر سوار تھا' اور اس کے ساتھ ساتھ خان اعظم عزیز کوکہ تھا۔ اکبر ازراہ احتیاط ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

علی قلی خاں کی موت

اسی دوران میں بہادر خاں کے گھوڑے کو ایک تیر لگا اور وہ چلنے سے معذور ہو گیا۔ بہادر خاں گھوڑے سے الگ ہو گیا اب وہ پیادہ تھا۔ ابھی اس امر کی اطلاع اکبر کو نہ ہوئی تھی کہ اس نے (اکبر نے) بذات خود جنگ میں حصہ لینے کے ارادے سے اپنے ہاتھیوں کو دشمن کی فوج کی طرف ہنکا دیا۔ سب سے پہلے "ہیرا نند" نام کا ایک ہاتھی علی قلی خاں کے لشکر کی طرف گیا۔ دشمن نے اس ہاتھی کے مقابلے پر اپنا ایک ہاتھی بھیجا جس کا نام "رودیانہ" تھا۔ ہیرانند نے رودیانہ پر اس زور کا حملہ کیا کہ وہ زمین پر گر پڑا۔ اس ہاتھی کے گرتے ہی طرفین آپس میں گتھم گتھا ہو گئے۔ اس ہنگامے میں ایک تیر علی قلی خاں کو آ کر لگا۔ علی قلی خاں اس تیر کو اپنے جسم سے نکال ہی رہا تھا کہ ایک دوسرا تیر اس گھوڑے کو آ کر لگ گیا۔ گھوڑا اس صدمے کی تاب نہ لا کر چلنے سے معذور ہو گیا لہٰذا علی قلی خاں گھوڑے کی پیٹھ سے اتر گیا۔ ایک بہی خواہ نے ایک دوسرا گھوڑا علی قلی خاں کے سامنے پیش کیا۔ علی قلی خاں اس پر سوار ہونے ہی لگا تھا کہ اتنے میں شاہی لشکر کا نرسنگھ نامی ہاتھی آ گیا۔ اس نے علی قلی کو اپنے پیروں میں کچل ڈالا۔

بہادر خاں کا قتل

علی قلی خاں کی موت سے اس کے سپاہیوں میں ہل چل مچ گئی اور وہ حواس باختہ ہو کر میدان جنگ سے راہ فرار ڈھونڈنے لگے۔ اسی افراتفری کے دوران میں نظر بہادر نامی ایک سپاہی نے بہادر خاں کو گرفتار کر لیا اور بادشاہ کے حضور میں لے آیا۔ اکبر نے بہادر خان کو دیکھتے ہی اس سے سوال کیا۔ "میں نے تمہارے ساتھ کونسا برا سلوک کیا تھا جو تم نے میرے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور میرے مقابلے پر تلوار سنبھالی۔" بہادر خاں ندامت کی وجہ سے خاموش رہا اس نے صرف اس قدر کہا۔ "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آخری وقت میں

حضور کا دیدار حاصل ہو گیا جو تمام گناہوں کو مٹانے کا باعث ہے۔" اکبر نے اپنی انسان دوستی سے کام لیتے ہوئے بہادر خاں کو موت کے گھاٹ نہ اتارا اور حکم دیا کہ اسے فی الحال نظربند رکھا جائے چونکہ ابھی تک علی قلی خاں کی موت کی تصدیق نہ ہوئی تھی اس لئے شاہی لشکریوں نے بہادر خاں کا زندہ رہنا مناسب نہ سمجھا اور شاہی حکم کے بغیر ہی اسے قتل کر دیا۔

اکبر کی آگرہ کو واپسی

قاسم ارسلان کے دو اشعار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خان زماں علی قلی خاں ہاتھی کے پاؤں کے نیچے آ کر نہیں مارا گیا تھا بلکہ تفنگ سے زخمی ہو کر مرا تھا۔ اکبر نے علی قلی خاں کے ساتھیوں جان علی اوزبک' یار علی بیگ' میرزا بیگ خوشحال بیگ' میرزا شاہ بدخشی اور علی شاہ بدخشی وغیرہ کو گرفتار کر لیا۔ اکبر ان قیدیوں کو ساتھ لے کر جونپور آیا۔ یہاں پہنچ کر اکبر نے دوسرے سرکشوں کی عبرت کے لئے ان قیدیوں کو ہاتھیوں کے پاؤں تلے ڈلوا کر کچلوا دیا۔ جونپور کی حکومت منعم خاں خانخاناں کے سپرد کی گئی۔ سکندر خاں اوزبک جو اودھ کے قلعے میں مقیم تھا بذریعہ کشتی گورکھپور بھاگ گیا۔ ۹۷۵ھ میں اکبر کامیاب و کامران آگرہ واپس آیا۔

رانا اودے سنگھ کی سرزنش

اس زمانے تک رانا اودے سنگھ نے اکبر کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا شعار نہ بنایا تھا اگرچہ بادشاہ پے در پے کئی بار سفر کر چکا تھا مگر دار السلطنت پہنچنے کے کچھ ہی دنوں بعد اس نے پھر سفر کا ارادہ کیا تاکہ اودے سنگھ کو راہ راست پر لایا جا سکے اس مقصد کے پیش نظر بادشاہ قلعہ شیوپور پہنچا۔ قلعے کے محافظ نے حصار خالی کر دیا اور رنتھنبور میں اپنے آقا سورجن راجہ کے پاس چلا گیا۔ اکبر نے اس قلعے پر قبضہ کر لیا اور اسے اپنے نوکروں کے سپرد کر کے آگے بڑھا اور کارکرون کے قلعے کا رخ کیا جو مالوہ کی سرحد پر واقع ہے بادشاہ کے اس طرف آنے کی وجہ سے سلطان محمد میرزا کی اولاد میں جو قلعہ مندو پر قابض تھی بڑی پریشانی پھیلی۔ الغ میرزا انہیں دنوں اپنی موت سے مر گیا۔ بقیہ "میرزاؤں" نے راہ فرار اختیار کی اور جلد از جلد گجرات کی طرف چل دیئے۔

اکبر نے مالوہ کی حکومت شہاب الدین احمد خاں نیشاپوری کے حوالے کی اور کاکرون سے رانا اودے سنگھ کی سرزنش کے لئے آگے بڑھا۔ رانا نے جب اکبر کی آمد کی خبر سنی تو آٹھ ہزار جنگجو اور تجربہ کار راجپوتوں اور بے شمار ساز و سامان اور غلے وغیرہ کو چتوڑ کے قلعے میں جو پہاڑ کے اوپر واقع ہے چھوڑ کر' خود اپنے بال بچوں کے ساتھ ایک محفوظ مقام پر چلا گیا۔ اکبر نے قلعے پر حملہ کیا اور پانچ ہزار بڑھیوں' سنگتراشوں' لوہاروں' زمین کھودنے والوں' گلکاروں اور دیگر مزدوروں کو اہل ہندوستان کے رواج کے مطابق "ساباط" تیار کرنے کا حکم دیا۔

ساباط کی تیاری

"ساباط" سے مراد وہ دو ۲ دیواریں ہیں جن میں ایک تفنگ انداز کا فاصلہ ہوتا ہے۔ یہ دونوں دیواریں ایک دوسرے سے فاصلے پر بنائی جاتی ہیں۔ مزدور' لکڑی کے تختوں اور گائے کی کھال سے بنے ہوئے ٹوکروں کی پناہ میں رہ کر ان دیواروں کی تعمیر کرتے ہیں اور انہیں قلعے کی دیواروں تک پہنچاتے ہیں۔ جب یہ دیواریں تعمیر ہو جاتی ہیں تو آتش باز اور نقب کھودنے والے ان دیواروں کے وسیع راستے سے قلعے کے نیچے آن کر نقب کھودتے ہیں۔ نقب میں بارود بھر کر قلعے کے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔

اکبر کے حکم سے جب ساباط تیار ہو گئی تو قلعے کے برج کے نیچے دو نقبیں کھودی گئیں ان میں بارود بھر کر آگ لگا دی گئی۔ اتفاق سے ایک نقب میں آگ جلد لگ گئی اور اس سے متعلق برج پاش پاش ہو گیا اور قلعے کی دیوار میں ایک بہت کشادہ راستہ پیدا ہو گیا۔ شاہی لشکر کے دو ہزار سپاہی جو موقع کے انتظار میں پیچھے بیٹھے تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ دونوں نقبوں میں آگ لگ گئی ہے۔ اور حصار میں دو راستے

راجپوتوں سے لڑنے لگے۔ باقی ایک ہزار دوسرے راستے کی طرف گئے تو انہیں قلعے کی دیوار میں کوئی شگاف نظر نہ آیا ان میں سے کچھ تو لوٹ آئے اور کچھ راجپوتوں سے برسرپیکار ہو گئے۔

طرفین کا زبردست نقصان

عین اسی وقت دوسری نقب میں آگ لگ گئی اور برج ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا چونکہ طرفین کے سپاہی قریب ہی موجود تھے اس لئے انہیں زبردست نقصان پہنچا۔ سپاہیوں کے جسم پارہ پارہ ہو کر میدان جنگ میں ادھر ادھر بکھر گئے اس حادثے میں اکبری لشکر کے پندرہ نامی گرامی امیر (جن میں سید جمال الدین بارہہ اور مردان علی شاہ بھی شامل تھے) اور پانچ سو چیدہ سوار کام آئے۔ اہل قلعہ کا بھی بہت جانی نقصان ہوا۔ اس واقعے کی وجہ سے سپاہی قلعے کے اندر داخل نہ ہو سکے اس لئے اس دن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

راجپوتوں کی پست ہمتی

اس المناک حادثے کے دوسرے روز ایک اور ساباط تیار کی گئی۔ ایک دن بادشاہ اس ساباط کے پاس کھڑا ہوا جنگ کا تماشہ دیکھ رہا تھا کہ جتمل رائے نظر آیا۔ یہ رانا کا قریبی عزیز اور اہل قلعہ کا سردار تھا وہ تمام دن قلعے کا چکر لگاتا رہتا تھا۔ عشاء کے وقت وہ خاصہ کی شاہی مورچل کے سامنے آیا۔ روشنی کی وجہ سے اس کا چہرہ دکھائی دیا تو بادشاہ نے اس وقت بندوق میں آگ لگائی گولی سیدھی جتمل (۹) کی پیشانی پر لگی اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ راجپوتوں نے جب اپنے سردار کا یہ حشر دیکھا تو ان کی ہمت پست ہو گئی اور انہوں نے لڑائی سے ہاتھ اٹھالیا۔ انہوں نے جتمل کی لاش کو حسب رواج جلایا اور اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ راجپوتوں نے اپنی بیوی بچوں اور مال و اسباب کو بھی نذر آتش کر دیا۔ آگ کی روشنی دیکھ کر مسلمان حصار کی طرف بڑھے کسی نے مزاحمت نہ کی اور وہ نہایت اطمینان سے قلعے کے اندر داخل ہو گئے۔

قلعہ چتوڑ کی فتح

صبح کے وقت بادشاہ بھی ہاتھی پر سوار ہو کر اپنے امراء کے سامنے قلعے میں داخل ہوا۔ ہندوؤں کی ایک جماعت جو اپنے گھروں اور مندروں میں پناہ گزین تھی وہ باہر نکل کر مسلمانوں سے لڑنے لگی۔ ہندو بڑی سرفروشی اور جانبازی سے لڑے ان کے تقریباً دس ہزار آدمی مارے گئے۔ بادشاہی لشکر میں سے صرف ایک آدمی' نصرت علی تواچی مارا گیا۔ تین روز کے بعد بادشاہ نے قلعے کی حکومت آصف خاں ہروی کو سونپی اور خود کامیاب و کامران واپس ہوا۔

ایک غضب ناک شیر

راستے میں ایک خونخوار شیر شاہی لشکر کے سامنے آیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ کوئی شخص اس شیر کو ہلاک کرنے کی کوشش نہ کرے۔ اکبر نے خود ایک تیر چلایا جو شیر کو لگا شیر زخمی ہو کر چشمے کے پیچھے چلا گیا اس کے بعد بندوق چلائی گئی اس بار شیر کو کوئی خاص زخم نہ لگا اور وہ پھر کر بادشاہ کی طرف بڑھا۔ عادل نامی ایک شخص فوراً شیر کی طرف لپکا اور اس سے مقابلہ کرنے لگا۔ اسی دوران میں دوسرے لوگ بھی شیر تک پہنچ گئے اور اسے ہلاک کر دیا۔ اہل لشکر نے بادشاہ کی سلامتی پر خداوند تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

اکبر آگرہ پہنچا کچھ عرصے بعد معلوم ہوا کہ ابراہیم حسین میرزا اور محمد حسین میرزا' چنگیز خاں گجراتی سے ناراض ہو کر پھر مالوہ میں آ گئے ہیں۔ اور اوجین کے محاصرے میں مصروف ہیں ان کے مقابلے کے لئے قلیچ خاں اندجانی اور خواجہ غیاث الدین بخشی قزوینی کو روانہ کیا۔ ابراہیم میرزا اور محمد حسین میرزا حواس باختہ ہو کر دریائے نربدا کی طرف بھاگ گئے اور دریا کو عبور کر کے گجرات جا پہنچے۔

رنتھنبور کی فتح

رجب ۹۷۶ھ میں اکبر نے رنتھنبور کے قلعے پر حملہ کیا راجہ سورجن جس نے سلیم شاہ کے غلام حجاز خاں سے یہ قلعہ خریدا تھا وہ

بادشاہ کی مدافعت کرنے لگا۔ شاہی لشکر نے قلعے کا محاصرہ کرکے آنے جانے کا راستہ بند کر دیا۔ شاہی حکم کے مطابق مدن پہاڑ پر' جو قلعے کے قریب ہی تھا سرکوب تیار کرکے چند توپیں اور ضرب زن پہاڑ پر لے جائے گئے۔ اس سے پہلے اس قدر بلند پہاڑ پر کوئی بادشاہ توپیں نہ لے جا سکا تھا۔ توپوں سے کام لیا جانے لگا ایک توپ کے چلنے سے بہت سے مکان تباہ و برباد ہو جاتے تھے سورجن نے مجبور ہو کر بادشاہ سے امان طلب کی اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکل گیا' قلعہ مع تمام خزانوں اور ذخیروں کے اکبر کے قبضے میں آ گیا۔

شہزادہ سلیم کی پیدائش

رنتھنبور کی فتح کے بعد اکبر نے اجمیر کا رخ کیا اور خواجہ معین الدین چشتی کے آستانہ مبارک کی زیارت کے بعد آگرہ واپس ہوا۔ اس کے بعد اکبر' حضرت شیخ سلیم چشتی کی زیارت کے لئے آگرہ سے سیکری گیا۔ اس سے قبل اکبر کے ہاں کئی لڑکے پیدا ہو کر انتقال کر چکے تھے۔ حضرت سلیم نے یہ خوشخبری سنائی کہ اب بادشاہ کے ہاں ایسے بیٹے پیدا ہوں گے جو زندہ رہیں گے۔ انہیں دنوں سیکری ہی میں بادشاہ کے ہاں شہزادہ سلیم پیدا ہوا۔ یہ واقعہ ۱۷ ربیع الاول ۹۷۵ھ کا ہے۔ اس دن چہار شنبہ کا دن تھا اکبر نے اس خوشی میں تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ اس موقع پر خواجہ حسن ثنائی نے ایک قصیدہ مبارک باد' بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس قصیدے کے ہر شعر کے پہلے مصرعے سے اکبر کی تخت نشینی کی اور دوسرے مصرعے سے شہزادہ سلیم کی تاریخ پیدائش برآمد ہوتی تھی اس قصیدے کا مطلع یہ ہے۔

للہ الحمداز پئے جاہ و جلال شہریار
گوہر مجداز محیط عدل آمد درکنار

اکبر نے اپنی نذر پوری کی اور پاپیادہ خواجہ غریب نواز کے آستانے پر حاضر ہوا۔ واپسی پر راستے میں اشرفیاں اور روپے خیرات کرتا ہوا اور شکار کھیلتا ہوا آگرہ پہنچا۔

کالنجر کی فتح

اسی زمانے میں قلعہ کالنجر کے حاکم راجہ رامچندر نے قلعہ چتوڑ کے حادثے سے خوفزدہ ہو کر بغیر کسی حیل و حجت کے اپنا قلعہ اکبر کے سپرد کر دیا۔ واضح رہے یہ وہی قلعہ ہے جس کو فتح کرتے ہوئے شیر شاہ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کی تھی۔ سلیم شاہ کے بعد یہ قلعہ پھر ہندوؤں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔

شہزادہ مراد کی ولادت

۳ محرم ۹۷۸ھ کو اکبر کے ہاں دوسرا بیٹا پیدا ہوا اس کا نام محمد مراد اور لقب پہاری رکھا گیا اسی سال بادشاہ نے اجمیر کا سفر کیا اور شہر کے گرد پتھر اور چونے کا حصار بنوایا۔ بعد ازاں وہ ناگور گیا مال دیو کا بیٹا چندر سین اور بیکانیر کا راجہ رائے کلیان مل بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان دونوں نے بادشاہ کی خدمت میں بہت سے تحفے تحائف پیش کیے۔ اکبر نے راجہ بیکانیر کی لڑکی کو اپنے حرم میں داخل کیا اور شکار کھیلتا ہوا اجودھن پہنچا۔ وہاں اکبر نے حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کے مزار کی زیارت کی اور پھر دیپال پور پہنچا۔ دیپال پور کے جاگیردار میرزا عزیز کوکہ نے ایک جشن مسرت منعقد کیا اور بادشاہ کی خدمت میں بہت سے تحفے تحائف پیش کیے۔

اس کے بعد اکبر لاہور پہنچا۔ لاہور کے حاکم حسین قلی خاں ترکمان نے بھی بادشاہ کی خدمت میں نذر پیش کی۔ یکم صفر ۹۷۹ھ کو اکبر حصار فیروزہ دیکھنے کے لئے روانہ ہوا اور وہاں سے پھر اجمیر واپس آیا۔ خواجہ غریب نواز کی زیارت کے بعد آگرہ واپس آیا۔ اسی زمانے میں سکندر خاں اوزبک کو' منعم خاں خان خاناں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر کیا اور اس کی خطاؤں کی معافی کے لئے سفارش کی' بادشاہ نے اس سفارش کے پیش نظر سکندر کو معاف کیا۔

فتح پور کی بناء

قصبہ سیکری کا قیام چونکہ اکبر کے لئے بہت مبارک ثابت ہوا تھا اس لئے یہاں اس نے ایک بہت بڑے شہر کی بنا ڈالی اور اس کا نام فتح پور رکھا۔ اسی سال گجرات فتح ہوا اس فتح کی روداد سطور ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

گجرات کی مہم

صفر ۹۸۰ھ میں جب گجرات میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھلا تو بادشاہ نے اس علاقے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ اکبر کا گزر اجمیر سے ہوا تو اس نے خواجہ سید حسین خنگ سوار کی روح سے مدد طلب کی۔ حضرت خنگ سوار امام زین العابدینؒ کی اولاد میں سے تھے۔ اس کے بعد اکبر نے خاں کلاں کو ہراول لشکر بنا کر گجرات روانہ کیا۔ رائے سنگھ کو مال دیو کے وطن شہر جودھپور کا حاکم مقرر کیا اور خود بھی گجرات کی طرف روانہ ہوا۔ جب اکبر ناگور کے قریب پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ دانیال کی منزل میں اس کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اکبر نے اس کا نام دانیال رکھا یہ واقعہ ۲ جمادی الاول بروز چہار شنبہ ۹۸۰ھ کا ہے۔

احمد آباد کی فتح

اکبر سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا پٹن گجرات پہنچا۔ گجرات کا نامی گرامی امیر، شیر خاں فولادی بڑی مشکلوں سے اپنی جان بچا کر بھاگ نکلا۔ ایک ہفتے کے بعد اکبر نے سید احمد خاں کو پٹن گجرات کا حاکم مقرر کیا اور شاہی لشکر احمد آباد روانہ ہوا۔ بادشاہ ابھی تھوڑی دور ہی پہنچا تھا کہ میرزا ابو تراب، جو شیراز کا باشندہ اور گجرات کا نامی گرامی امیر تھا، سلطان مظفر گجراتی کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دوسرے روز اعتماد خاں، سید چاند خاں، اختیار الملک ملک اشرف وجیہ الملک الف خاں حبشی اور حجاز خاں حبشی وغیرہ نے بارگاہ شاہی میں حاضری دی۔ چونکہ حبشیوں سے بغاوت کا اندیشہ تھا، اس لئے ان لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا اور احمد آباد جیسا بہترین شہر بغیر محنت کے فتح ہو گیا۔

اس زمانے میں ابراہیم میرزا، بھروچ کے علاقے میں اور محمد حسین میرزا سورت کے نواح میں مقیم تھا۔ اکبر نے ان دونوں کی سرزنش کی طرف توجہ کی۔ ان دنوں اختیار الملک، جو گجراتی امراء میں سب سے زیادہ مقتدر تھا۔ دریائے جمنا کی طرف بھاگ گیا تھا، اس لئے تمام گجراتی امراء کو حبشیوں کی طرح قید کر لیا گیا تھا۔ اکبر نے بندر کھمبایت پہنچ کر خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کو احمد آباد گجرات کا حاکم مقرر کیا۔ یہاں اکبر کو ابراہیم حسین میرزا کی بدنیتی کا علم ہوا لہٰذا اس کی تنبیہہ کے لئے وہ جلد از جلد روانہ ہو گیا اور دوسرے روز چالیس سواروں کے ہمراہ دریائے مہندری کے کنارے پہنچ گیا۔ ابراہیم حسین کے پاس ایک ہزار سوار تھے، لہٰذا وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹا۔ اکبر نے کچھ دیر تک انتظار کیا۔ اس دوران میں سید محمد خاں، راجہ بھگوان داس، راجہ مان سنگھ، شاہ قلی خاں محرم اور سورجن (راجہ رنتھنبور) وغیرہ امراء جو سورت کی مہم کے لئے نامزد کیے گئے تھے راستے ہی سے لوٹ کر ستر سواروں کے ہمراہ شاہی خدمت میں پہنچ گئے۔

ابراہیم حسین میرزا سے جنگ

اکبر نے جنگ کی ابتداء کرنے میں عجلت سے کام لیا اور اپنے قلیل لشکر کے ساتھ جو ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ تھا ابراہیم حسین پر حملہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔ اکبر نے راجہ مان سنگھ کو لشکر کا ہراول مقرر کیا دریا کو پار کر کے قلعے کے پاس پہنچا اور دشمن سے معرکہ آرائی شروع کر دی۔ ابراہیم نے حملہ کر کے شاہی تیراندازوں کو تتر بتر کر دیا۔ لشکر کی کمی کی وجہ سے بادشاہ راجپوتوں کے ساتھ ایسی تنگ جگہ پر کھڑا ہوا کہ جس کے دونوں طرف زقوم کی دیوار تھی اور جہاں تین سو سے زیادہ سوار پہلو بہ پہلو کھڑے نہیں ہو سکتے تھے اس جگہ بادشاہ کے پاس دشمن کے تین سوار آہستہ آہستہ آئے راجہ بھگوانداس نے برچھے سے حملہ کر کے ایک سوار کو بھگا دیا اور دوسرے کی طرف متوجہ ہوا یہ سوار بھی بھاگ [illegible]

دکھائے کہ رستم و اسفندیار کی داستانیں اس کے سامنے ہیچ نظر آنے لگیں۔ اس نے بہت سے دشمنوں کو موت کے دامن میں سلا دیا۔ اور بالآخر خود بھی اس معرکے میں کام آیا۔ اس کے بعد اکبر تیراندازوں اور راجپوتوں کے ساتھ زقوم کی آڑ سے باہر آیا اور ابراہیم حسین میرزا پر حملہ آور ہوا۔

قلعہ سورت کی فتح

اکبر کی خوش بختی نے اس کا ساتھ دیا اور ابراہیم سامنے سے بھاگ نکلا۔ تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ کسی بادشاہ نے اکبر کی طرح ایک قلیل جماعت کے ساتھ زبردست لشکر کو خطرے میں ڈالا ہو۔ اس واقعے کے بعد اکبر اپنے لشکر میں پہنچا اور قلعہ سورت کی تسخیر کی کوشش کرنے لگا۔ میرزا کامران کی بیٹی گل رخ نے جو ابراہیم حسین میرزا کی بیوی تھی قلعہ لشکر کے سرداروں کے سپرد کیا اور اپنے بیٹے مظفر میرزا کے ساتھ دکن روانہ ہو گئی شاہی لشکر نے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

ابراہیم حسین میرزا کی شکست

میرزاؤں کی جماعت پٹن میں یک جا ہوئی۔ سب نے آپس میں مل کر یہ فیصلہ کیا کہ ابراہیم حسین اپنے چھوٹے بھائی مسعود حسین میرزا کے ہمراہ پنجاب جائے اور وہاں ہنگامہ آرائی کرے نیز محمد حسین میرزا اور شاہ میرزا شیر خاں فولادی سے مل کر پٹن پر حملہ آور ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ اس ترکیب سے سورت کا قلعہ مغلوں کے قبضے سے نکال لیا جائے۔" اس مشورے کے بعد ابراہیم حسین ناگور پہنچا جودھپور کے حاکم رائے سنگھ نے اس کا تعاقب کیا اور غروب آفتاب کے وقت اس سے جا ملا۔ ابراہیم نے اس علاقے کے پانی پر قبضہ کر لیا۔ رائے سنگھ کے لئے یہ امر تشویشناک تھا لہٰذا اس نے اسی رات حملہ کر دیا طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی بہت سے لوگ مارے گئے۔ ابراہیم کا گھوڑا زخمی ہو گیا اسے شکست ہوئی اور اس کے لشکریوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔

ابراہیم میرزا تھوڑی دور تک تو پیدل ہی چلا اور پھر اپنے ایک ملازم کے گھوڑے پر سوار ہو کر دہلی پہنچا۔ وہاں چند روز قیام کے دوران میں سامان حرب اور لشکر جمع کیا اور لاہور کی مہم کو ملتوی کر کے سنبھل پہنچا۔ محمد حسین میرزا' شاہ میرزا اور شیر خاں فولادی نے آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ سید احمد خاں بارہہ کا محاصرہ کر لیا۔ میرزا عزیز کوکہ اسی جگہ سے ان کے دفیعے کے لئے روانہ ہوا۔ خان اعظم پٹن سے پانچ کوس کے فاصلے پر ہی گیا تھا کہ سامنے سے دشمن بھی آ گیا۔ فریقین میں لڑائی شروع ہو گئی خان اعظم کے لشکر میں بہت انتشار پیدا ہوا لیکن وہ بذات خود بہت جواں مردی سے کام لیتا رہا۔

اسی دوران میں رستم خاں اور مطلب خاں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور دشمن پر دوبارہ حملہ کیا انہوں نے محمد حسین میرزا کے لشکر کو حواس باختہ کر کے دکن کی طرف بھگا دیا۔ انہی دنوں قلعہ سورت کا سرکوب بھی تیار ہو گیا اور اہل قلعہ نے جان کی امان طلب کر کے قلعہ شاہی ملازموں کے سپرد کر دیا' اکبر کامیاب و کامران واپس آیا۔

شرف الدین حسین میرزا دس سال قبل ناگور سے بھاگ کر دکن چلا گیا تھا مخالفت کی وجہ سے اس کا قیام وہاں بھی مشکل ہو گیا تھا لہٰذا وہ بہار جیو کے کوہستان سے نکل کر محمد حسین میرزا کے پاس جانا چاہتا تھا کہ اسے بگلانہ کے حاکم نے جو سرحد دکن کا نامی گرامی راجہ تھا۔ گرفتار کر لیا اور اسے اکبر کی خدمت میں پیش کیا۔ اکبر نے شرف الدین کو کوڑے لگوائے اسے بہت بے عزت کیا اور گوالیار کے قلعے میں نظر بند کر دیا۔ شرف الدین نے اسی عالم اسیری میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اکبر اجمیر کی راہ سے ۲ صفر ۹۸۱ھ کو دار السلطنت میں واپس آیا۔

روانہ ہوا۔ حسین قلی خاں نے نگر کوٹ کا محاصرہ ترک کر دیا اور یوسف خاں اور محب علی خاں وغیرہ کے ہمراہ ابراہیم کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ ٹھٹھہ کے قلعہ کے نواح میں حسین قلی اور ابراہیم حسین کا آمنا سامنا ہوا۔ ابراہیم اس وقت شکار کے لئے گیا ہوا تھا۔ حسین قلی نے اس کے لشکر پر حملہ کر دیا۔ مسعود حسین میرزا نے حسین قلی کا مقابلہ کیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا وہ خود گرفتار ہوا اور اس کے لشکر کے سپاہی میدان جنگ میں کام آئے۔

ابراہیم حسین میرزا کا قتل

جب ابراہیم شکار گاہ سے واپس آیا اس نے جو اپنے لشکر کی تباہی دیکھی تو اسے بہت غصہ آیا وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو کر دشمن کے مقابلے پر آیا۔ زبردست معرکہ آرائی کے بعد اسے شکست ہوئی اور وہ ملتان کی طرف چلا گیا۔ ملتان کے حاکم نے ابراہیم کا سر قلم کر کے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا۔ بادشاہ نے آگرے کے قلعے کے دروازے پر یہ سر لٹکا دیا۔ مسعود کو گوالیار کے قلعے میں قید کر دیا گیا اس نے اسی قید کی حالت میں وفات پائی۔

احمد آباد میں ہنگامہ

اسی سال خان اعظم میرزا عزیز کوکہ نے بادشاہ کی خدمت میں ایک عرضداشت پیش کی جس کا مضمون یہ تھا کہ "اختیار الملک گجراتی اور محمد حسین میرزا نے باہم مل کر گجرات کے اکثر شہروں پر قبضہ کر لیا ہے۔ اب یہ دونوں ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ احمد آباد آئے ہیں۔ انہوں نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے اس لئے اگر حضور خود تشریف لا کر ان کے دفعیے کی تدبیر کریں تو بہت بہتر ہو گا۔" یہ زمانہ برسات کا تھا ان دنوں کوئی بہت بڑا لشکر لے کر نکلنا مشکل تھا۔ اس لئے اکبر نے دو ہزار چیدہ بہادروں کو ہراول لشکر بنا کر روانہ کیا اور خود ان کے پیچھے پیچھے تین ہزار لشکریوں کے ساتھ جن میں بہت سے نامی گرامی امیر بھی تھے تیز رفتار اونٹوں پر سوار ہو کر روانہ ہوا۔

اکبر پٹن گجرات میں اپنے ہراول لشکر سے جا ملا اور لشکر کو اس طور پر ترتیب دیا کہ قلب پر میرزا عبد الرحیم ولد بیرم خاں کو مقرر کیا۔ اسی طرح میمنہ اور میسرہ اور ہراول پر بھی امراء کو مقرر کر کے خود دو سو سواروں کے ہمراہ احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ جب احمد آباد دو کوس رہ گیا تو نقارے بجائے گئے۔ محمد حسین میرزا اور اختیار الملک اکبر کی لشکر کشی سے بالکل ناواقف تھے' نقاروں کی آواز سن کر وہ بہت پریشان ہوئے اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگے۔

محمد حسین میرزا نے اختیار الملک کو پانچ ہزار سواروں کے ساتھ شہر کے دروازے کی حفاظت کے لے چھوڑا اور خود شیر خاں فولادی کے ساتھ سات ہزار حبشی' مغل' اور راجپوت سواروں کو ہمراہ لے کر اکبر سے لڑنے کے لئے آگے بڑھا۔ اکبر نے دریا کے کنارے کھڑے ہو کر گجرات کے لشکر کا انتظار کیا جسے حاضر ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔ چونکہ شہر کے دروازے دشمن کے قبضے میں تھے اس لئے گجرات سے شاہی لشکر بادشاہ تک نہ آ سکا۔ اکبر نے دریا کو پار کیا اور میدان جنگ میں آیا۔ محمد حسین میرزا نے ڈیڑھ سو ۱۵۰ تجربہ کار اور بہادر سپاہیوں کے ساتھ اکبر کے ہراول پر حملہ کیا۔ اسی کے ساتھ ہی شاہ میرزا اور گجراتیوں اور دکنیوں نے بھی شاہی جرانغار پر حملہ کر دیا۔ زبردست لڑائی ہوئی اکبر نے بڑی بہادری سے اپنے ایک سو سواروں کے ساتھ محمد حسین میرزا پر حملہ کیا۔ محمد حسین بادشاہ کا نام سنتے ہی حواس باختہ ہو گیا اور میدان جنگ سے بھاگ نکلا لیکن وہ بادشاہی پیادوں کے ہاتھوں بچ نہ سکا اسے گرفتار کر لیا گیا۔ پیادوں نے اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا ہر پیادہ یہ دعوی کرنے لگا کہ میرزا کو اسی نے گرفتار کیا ہے اس پر اکبر نے میرزا سے پوچھا کہ تم بتاؤ کہ تمہیں کس نے گرفتار کیا ہے۔ اس نے جواب دیا۔" مجھے بادشاہ کے نمک کے سوا اور کسی نے گرفتار نہیں کیا۔

اکبر ایک چھوٹی سی جماعت کے ساتھ جو مشکل سے دو سو لشکریوں پر مشتمل تھی ایک جگہ گجراتی فوج کا انتظار کرنے لگا۔ کہ دور سے ایک زبردست لشکر آتا ہوا دکھائی دیا اسے دیکھ کر ہر شخص پریشان ہو گیا۔ ایک شخص کو صورت حال کی تحقیق کے لئے روانہ کیا گیا' اس

شخص نے واپس آ کر بتایا کہ اختیار الملک بادشاہ سے لڑنے کے لئے آ رہا ہے- بادشاہ نے یہ سن کر اپنے تیراندازوں کو حکم دیا کہ ایسی تیر اندازی کی جائے کہ دشمن سامنے سے بھاگ جائے- جب اختیار الملک کو معلوم ہوا کہ بادشاہ بھی لشکر میں موجود ہے تو وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ گیا-

جس زمانے میں بادشاہ اختیار الملک کے دفعیے میں مصروف تھا- رائے سنگھ نے بغیر شاہی حکم کے محمد حسین میرزا کو قتل کر دیا تھا- اس طرح اکبر کے نوکر نے اختیار الملک کو بھی قتل کر دیا- ان تمام واقعات کے بعد میرزا عزیز کوکہ کو راستہ ملا اور وہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گیا- اکبر نے بدستور سابق خان اعظم کو گجرات کی طرف روانہ کیا اور خود اجمیر کے راستے آگرہ پہنچا-

حاکم بنگالہ کی سرکشی

اسی سال بنگالہ کے حاکم داؤد بن سلیمان افغان کرانی نے علم سرکشی بلند کیا- اکبر نے منعم خاں کو اس کے مقابلے پر روانہ کیا- چند معرکہ آرائیوں کے بعد منعم اور داؤد میں صلح ہو گئی- اکبر نے اس صلح کو نامنظور کیا اور راجہ ٹوڈرمل کو بنگالہ کا حاکم مقرر کیا- راجہ ٹوڈرمل منعم خاں کے پاس روانہ ہوا تاکہ دونوں مل کر داؤد کو تباہ و برباد کریں یا اس سے خراج وصول کریں- اس وقت تو داؤد نے مصلحتاً خراج دینا منظور کر لیا لیکن بعد ازاں عہد شکنی کی اور دریائے سون کے کنارے پہنچ کر گنگا اور سون کے سنگم پر منعم خاں سے لڑائی کی' داؤد کو اس لڑائی میں شکست ہوئی- منعم خاں نے دریا کو عبور کر کے پٹنہ کا محاصرہ کر لیا-

اکبر کا عزم پٹنہ

اکبر پر یہ بخوبی واضح ہو گیا کہ بغیر خود گئے ہوئے قلعے کی فتح ناممکن ہے لہٰذا وہ دریا کے راستے سے بنارس پہنچا- وہاں جب خشکی کی راہ سے آنے والی فوج پہنچ گئی تو اسے ہمراہ لے کر اکبر پٹنہ روانہ ہوا- انہیں دنوں کبیر خاں نے جو بھکر کی فتح کے لئے روانہ کیا گیا تھا' بادشاہ کی خدمت میں فتحنامہ روانہ کیا- بادشاہ نے اس فتح کو فال نیک تصور کیا اور دریا کے راستے سے پٹنہ کے قریب پہنچا یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ افغانوں کا مشہور امیر' عیسیٰ خاں نیازی' قلعے سے نکل کر منعم خاں کے ہاتھوں مارا جا چکا ہے اور دیگر اہل قلعہ راہ فرار تلاش کر رہے ہیں-

اکبر نے خان عالم کو تین ہزار سواروں کے ساتھ حاجی پور کا قلعہ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا- خان عالم نے یہ قلعہ فتح کر لیا اور فتح خاں کو شکست فاش دی- داؤد خاں یہ صورت حال دیکھ کر بہت پریشان ہوا اس نے قاصدوں کے ذریعے سے بادشاہ سے معافی طلب کی- بادشاہ نے اسے کہلوا بھیجا- "اگر تو بذات خود میرے حضور میں حاضری دے تو ممکن ہے میں معاف کر دوں' بصورت دیگر کوئی امید نہیں رکھنا چاہیے اور میں خود تیرا مقابلہ کروں گا-" داؤد یہ جواب پا کر بہت پریشان ہوا- اور راتوں رات بنگالے روانہ ہو گیا-

اکبر نے ہاتھی حاصل کرنے کے لئے داؤد کا تعاقب کیا' پچیس کوس تک اس کا پیچھا کرنے کے بعد چار سو ہاتھی حاصل کیے- اس کے بعد اکبر واپس آ گیا- منعم خاں کو پٹنہ کا حاکم مقرر کیا گیا اور بادشاہ کامیاب و کامران واپس آیا-

خان اعظم کی گرفتاری

انہیں دنوں اکبر اعظم کو چند مطلب پرستوں نے یہ یقین دلایا کہ خان اعظم میرزا عزیز کوکہ بدنیتی پر اترا ہوا ہے- بادشاہ نے ایک فرمان بھیج کر خان اعظم کو طلب کیا چونکہ اس کی نیت بالکل نیک تھی- اس لئے وہ بغیر کسی تاخیر کے فوراً بارگاہ شاہی میں پہنچ گیا- بادشاہ نے اس کو چند دنوں کے لئے قید کر دیا- شہاب الدین احمد نیشاپوری کو گجرات کا حاکم مقرر کیا گیا- اسی سال اکبر نے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کی-

۹۸۵ھ میں پھر اکبر حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی زیارت کے لئے اجمیر گیا- مظفر خاں جس نے بہت سے کارہائے نمایاں انجام

زمانے میں مغرب کی طرف سے دمدار ستارہ نمودار ہوا۔ اکبر اجودھن پہنچا اور حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر کی زیارت سے فیضیاب ہوا۔ بادشاہ نے کابل کے سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اپنے دار السلطنت جا پہنچا۔ فتح پور سیکری کی مسجد جس کی تعمیر کا کام ۹۸۱ھ میں شروع ہوا تھا مکمل ہو گئی۔ ۹۸۶ھ میں خاندیس کے حاکم نے ابراہیم کے بیٹے مظفر حسین میرزا کو جو بادشاہ کے حکم کے مطابق اس کے پاس تھا قید کیا اور مع اس کی والدہ کے بادشاہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ اکبر مظفر خاں سے بہت مہربانی سے پیش آیا اور اپنی بیٹی شاہزادہ خانم کو اس سے بیاہ دیا۔

بنگالہ و پنجاب کے ہنگامے

اسی سال حسین قلی المخاطب بہ خان جہاں نے جو پنج ہزاری امیر تھا بنگالہ میں وفات پائی۔ ۹۸۷ھ میں فتح پور سیکری کے فراش خانے میں آگ لگی اور بہت سا قیمتی سامان جل کر راکھ ہو گیا۔ حسین قلی خاں کے انتقال کے بعد بنگال اور بہار کے افغانوں نے بہت قوت حاصل کر لی اور اس علاقے میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا۔ اکبر نے خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کو بہترین امراء کے ساتھ اس طرف روانہ کیا۔ انہیں دنوں میں محمد حکیم میرزا نے پہلے اپنے کوکہ شادماں میرزا کو مقدمہ لشکر بنا کر ایک ہزار سواروں کے ہمراہ روانہ کیا۔ شادمان نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور پنجاب کے حاکم کنور مان سنگھ نے پیش قدمی کر کے اسے شکست فاش دی اس لڑائی میں شادمان کو بہت نقصان ہوا۔ اس کے بہت سے لشکری میدان میں کام آئے اور بہت سے دریا میں ڈوب کر مر گئے۔

حکیم میرزا کا لاہور پر حملہ

جب محمد حکیم میرزا رہتاس کے قریب پہنچا تو کنور مان سنگھ قلعہ رہتاس کے حاکم سید یوسف خاں مشہدی کے پاس چلا گیا اور چند دنوں کے بعد لاہور آ گیا۔ یوسف خاں مشہدی نے حکیم میرزا کا ساتھ نہ دیا بلکہ اس کے حملوں کو روکتا رہا اس وجہ سے حکیم میرزا لاہور چلا گیا۔ ۱۱ محرم ۹۸۹ھ کو حکیم نے لاہور کا محاصرہ کر لیا۔ سعید خاں، بھگوانداس اور راجہ مان سنگھ قلعہ بند ہو گئے۔ اگرچہ ان دونوں نے بنگالہ اور بہار میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا تھا لیکن اکبر نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور کابل کے سفر کا آغاز کر دیا۔ محمد حکیم میرزا کا خیال تھا کہ بادشاہ بنگال و بہار کے ہنگاموں کی وجہ سے پنجاب کی طرف نہ آئے گا' لیکن جب اسے بادشاہ کے سفر کابل کی اطلاع ملی تو وہ خود بھی کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اکبر کا عزم کابل

اکبر جب سرہند کے قریبی علاقے میں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ شاہ منصور شیرازی اور محمد حکیم میرزا کے درمیان دوستانہ مراسلت کا سلسلہ جاری ہے۔ اکبر نے شیرازی کو پھانسی پر چڑھا دیا اور کابل کی طرف بڑھتا ہوا رہتاس تک پہنچا۔ سید یوسف خاں مشہدی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس زمانے میں دریا میں بہت زور کا طوفان آیا ہوا تھا اس وجہ سے دریا پر پل نہ باندھا جا سکا۔ اکبر نے شہزادوں اور لشکر کے ہمراہ کشتی میں بیٹھ کر دریا کو پار کیا جونہی بادشاہ دریا کی دوسری طرف پہنچا محمد حکیم میرزا کے گماشتے جو نیشاپور اور اس کے قریب و جوار میں مقیم تھے فرار ہو گئے۔ شاہی سواری جلال آباد پہنچی تو اکبر نے شہزادہ سلیم کو وہیں چھوڑا۔ شہزادہ مراد کو پیشرو لشکر مقرر کیا اور خود آہستہ آہستہ کابل کی طرف روانہ ہوا۔

محمد حکیم میرزا کی پسپائی

شہزادہ مراد شہر کرون میں پہنچا جو کابل سے پندرہ کوس کے فاصلے پر ہے۔ حکیم میرزا کے حکم سے فریدوں خاں بہادر نے سات سو سواروں کو ساتھ لے کر مراد پر شب خون مارا اور بہت سا مال و اسباب لوٹ کر لے گیا۔ دو صفر کو حکیم میرزا نے اپنے لشکر کو تیار کیا اور شہزادہ مراد کے مقابلے میں اپنی صفیں درست کیں۔ توزک خاں آتکہ اور کنور مان سنگھ نے ہاتھیوں کو آگے بڑھا کر حکیم پر حملہ کیا۔ حکیم شاہی لشکر کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا اور سامنے سے فرار ہو گیا۔ حکیم کا تعاقب کیا گیا [illegible]

اتارا گیا۔

حکیم میرزا کی معافی

اکبر نے منزل سرخاب میں اس فتح کی خوشخبری سنی اور صفر کی سات تاریخ کو کابل جا پہنچا۔ حکیم میرزا غور بند میں پناہ گزین تھا۔ اس نے اپنے قاصد بھیج کر بادشاہ سے اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ اکبر نے اسے معاف کر دیا اور اہل کابل پر اپنے لطف و کرم کے دروازے کھول کر انہیں ممنون کیا۔ اسی مہینے کی چودہ تاریخ کو اکبر کابل سے واپس ہوا۔ دریائے سندھ کو عبور کیا اور اس علاقے کے انتظام کے لئے چونے اور پتھر کا ایک حصار تعمیر کروایا۔ اس قلعے کو اٹک کے نام سے موسوم کیا اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق نیلاب کو عبور کرنا منع ہے لفظ "اٹک" کے معنی یہی ہیں۔

اکبر کی بیماری اور شفا

اکبر ۱۹ رمضان کو لاہور پہنچا اور پنجاب کی حکومت راجہ بھگوانداس کے سپرد کی' لاہور میں چند روز قیام کرنے کے بعد بادشاہ فتح پور سیکری واپس آگیا۔ اکبر نے شہباز خاں کنبوہ کو جسے شک کی بنا پر گرفتار کیا گیا تھا رہا کیا۔ اور رمضان ۹۹۰ھ میں اسے لشکر بنگالہ کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ اسی زمانے میں اکبر بخار اور اسہال کے مرض میں مبتلا ہوا ہمایوں کی طرح اسے بھی افیون کی لت تھی اس لئے سبھی لوگ پریشان ہوئے کچھ ہی دنوں بعد بادشاہ کو اس مرض سے نجات مل گئی اور بہت سا روپیہ خدا کی راہ میں خیرات کیا گیا۔

شہر الہ آباد کی بناء

ماہ محرم ۹۹۱ھ میں خان اعظم عزیز کوکہ جسے بنگالہ کی مہم پر روانہ کیا گیا تھا واپس آیا۔ اس نے شاہی بارگاہ میں حاضری دی اکبر نے چند ضروری امور پر گفتگو کی اور واپس روانہ ہو گیا۔ اسی سال شوال کے مہینے میں اکبر پراگ کی نہر پر آیا جو گنگا اور جمنا کے درمیان واقع ہے یہاں ایک قلعے کی تعمیر اور شہر "الہ باس" کے بسانے کا حکم دیا یہ شہر عام طور پر "الہ آباد" کے نام سے مشہور ہے۔

گجرات میں شورش

اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ سلطان مظفر گجراتی نے تمام گجراتیوں سے پیشتر اکبر کی خدمت میں حاضر ہو کر نیاز مندی کا اظہار کیا اور اس کے صلے میں اکبر نے اسے شاہانہ عنایتوں سے نوازا۔ مظفر گجراتی عرصے تک شاہی خدمت میں رہا اور آخر کار ملازمت چھوڑ کر گجرات بھاگ گیا۔ جب اکبر نے الہ آباد کا سفر اختیار کیا تو مظفر گجراتی نے شیر خاں گجراتی کے ساتھ مل کر فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا۔ اکبر نے اعتماد خاں گجراتی کو' جو ایک قابل اعتماد امیر تھا حاکم گجرات مقرر کیا اور شہاب الدین احمد نیشاپوری کو احمد آباد سے اپنے پاس بلا لیا۔ اعتماد خاں کے پہنچنے کے بعد شہاب الدین نے احمد آباد کو تو چھوڑ دیا لیکن سامان سفر کو درست کرنے کے لئے پٹن میں مقیم ہو گیا۔

مظفر گجراتی کا احمد آباد پر قبضہ

شہاب الدین کے اکثر سپاہی عیالدار تھے ان میں اتنی استطاعت نہ تھی کہ وہ سفر کی صعوبت برداشت کرتے لہٰذا انہوں نے اس مصیبت سے بچنے کے لئے مظفر خاں گجراتی کی پناہ لی اور اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مظفر خاں گجراتی کے پاس بہت بڑی فوج جمع ہو گئی اور اس نے احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ اعتماد خاں' شہاب الدین کو ہمراہ لے کر احمد آباد روانہ ہوا۔ مظفر گجراتی سے مقابلہ ہوا' ان دونوں کو شکست ہوئی اور یہ میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ اعتماد اور شہاب پٹن میں پہنچے اور ایک عریضہ لکھ کر بادشاہ کو حالات سے باخبر کیا۔

قطب الدین اتکہ کا قتل

اکبر نے عبدالرحیم ولد بیرم خاں کو جو میرزا خاں کے نام سے مشہور تھا [illegible]

روانہ کیا۔ عبد الرحیم ابھی گجرات پہنچا نہ تھا کہ مظفر نے بھڑوچ کے جاگیردار قطب الدین خاں آتکہ کو قلعہ بند کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ مظفر کو فتح حاصل ہوئی اس نے قطب الدین کو قتل کیا اور دس لاکھ روپے کی سرکاری رقم اور تمام سرکاری مال و اسباب پر جو دس کروڑ سے زیادہ کی مالیت کا تھا قابض ہو گیا۔ اس کے بعد مظفر شاہ نے احمد آباد میں لشکر اور دیگر سامان کی فراہمی کی طرف توجہ کی۔

عبد الرحیم اور مظفر شاہ میں جنگ

میرزا عبد الرحیم پٹن پہنچا' شہاب الدین اور دیگر امراء کو جمع کر کے آٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ احمد آباد روانہ ہوا۔ اور موضع سرکیج میں جو شہر سے تین کوس کے فاصلے پر ہے پہنچا۔ مظفر گجراتی نے گجراتیوں اور زمینداروں سے تیس ہزار مغلوں اور راجپوتوں کا ایک لشکر لیا۔ اور ۱۵ محرم ۹۹۲ھ کو جنگ کی تیاریاں کرنے لگا۔ طرفین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی دونوں طرف کے بیشمار سپاہی مارے گئے' آخر کار عبد الرحیم کو فتح ہوئی۔ مظفر شاہ میدان جنگ سے بھاگ کر احمد آباد چلا گیا۔ عبد الرحیم نے اس کا تعاقب کیا اور احمد آباد تک آیا۔ مظفر یہاں سے کسی اور طرف چلا گیا۔

مظفر شاہ کا فرار

اس دوران میں قلیچ خاں مالوہ کے امراء کے ساتھ عبد الرحیم کے پاس پہنچ گیا۔ یہ دونوں امیر مظفر شاہ کے تعاقب میں کھنبایت کی طرف روانہ ہوئے۔ مظفر نے نادوت کے پہاڑی علاقے میں قیام کیا اور وہیں دشمن سے معرکہ آرا ہوا اسے کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے لشکر کا ایک حصہ تباہ ہو گیا لہٰذا وہ نادوت سے بھاگ کر جونا گڑھ کے قریب جام کے دامن میں پناہ گزین ہوا۔ عبد الرحیم نے قلیچ خاں کو قلعہ بھڑوچ کے محاصرے کے لئے روانہ کیا اور خود احمد آباد آیا۔

نصیر خاں قلعہ بھڑوچ کا حاکم اور مظفر شاہ کا سالا تھا۔ اس نے سات ماہ تک قلعہ بند رہ کر وقت گزارا بعد ازاں وہ دکن کی طرف چلا گیا۔ اور قلعہ قلیچ بیگ کے قبضے میں آ گیا۔ مظفر شاہ نے جام اور امین خاں حاکم جونا گڑھ کی اعانت سے لشکر جمع کیا اور ایک ایسے مقام پر ٹھہرا جو احمد آباد سے ساٹھ کوس کے فاصلے پر ہے۔ عبد الرحیم شہر سے باہر نکلا اور مظفر شاہ کی طرف بڑھا۔ مظفر شاہ خوفزدہ ہو کر ایک جنگل میں پناہ گزین ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد مظفر شاہ بھیل' کولی اور کراس کی مدد سے جنگل سے باہر نکلا اور سرائے میں بادشاہی فوج سے معرکہ آرا ہوا۔ اس لڑائی میں بھی اسے شکست ہوئی اور وہ جلوارہ کے راجہ رائے سنگھ کے پاس پناہ گزین ہوا۔

عبد الرحیم پانچ ماہ بعد بادشاہی حکم کی تعمیل میں دار السلطنت پہنچا چونکہ عبد الرحیم نے مظفر شاہ کو شکست دے کر بہت نام پیدا کیا تھا' اس لئے اکبر نے اسے "خان خاناں" کے خطاب سے سرفراز کیا اور اسے واپس گجرات بھیج دیا۔ اسی سال برہان نظام شاہ بحری اپنے بھائی کے پاس سے بھاگ کر اکبر کی بارگاہ میں آیا اور ملازم ہو گیا۔ شاہ فتح اللہ شیرازی بھی' جو اپنے وقت کا بہت بڑا فاضل تھا' دکن سے ہندوستان پہنچا اور بادشاہ کا ملازم ہو گیا۔ ۹۹۳ھ میں سید مرتضٰی بزداری اور خداوند خاں حبشی' صلابت خاں ترک سے شکست کھا کر بارگاہ اکبری میں پناہ گزین ہوئے۔

دکن کی فتح کا خیال

اکبر ہمیشہ دکن کو فتح کرنے کی فکر میں رہتا تھا۔ اس نے ان امیروں کو خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کے پاس مالوہ روانہ کر دیا اور خان اعظم کو تسخیر دکن کا حکم دیا۔ فتح اللہ شیرازی کو بھی عضد الدولہ کا خطاب دے کر مہمات دکن کو سرانجام دینے کے لئے خان اعظم کے پاس مالوہ بھیج دیا گیا۔ خان اعظم مالوہ کی سرحد پر آیا اس نے جب یہ دیکھا کہ حاکم خاندیس راجہ علی خاں فاروقی اہل دکن کی دوستی کا دم بھرتا ہے تو اس نے فتح اللہ شیرازی کو خاندیس روانہ کیا تاکہ وہ والیٔ خاندیس کو نصیحت کرے مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ مرتضٰی نظام شاہ بحری کے امراء میرزا محمد تقی نظیری اور بہزاد الملک' حاکم خاندیس راجہ علی خاں کے ساتھ ایلچپور پہنچ گئے۔ خان اعظم نے اس وقت لڑنا مناسب نہ

سمجھا وہ ایک دوسرے راستے سے ایلچپور میں داخل ہو گیا۔ اس نے تین روز تک شہر کو بڑی بری طرح لوٹا اور تباہ کیا۔ میرزا محمد تقی' بہزاد الملک اور راجہ علی خاں ہنڈیہ سے لوٹ کر ایلچپور پہنچے' خان اعظم نے خود میں مقابلہ کی سکت نہ پائی اور اور ندربار سے دکن کی سرحد سے نکل آیا۔

اسی زمانے میں عبدالرحیم خان خاناں کو اکبر نے طلب کیا اور وہ گجرات سے آگرہ روانہ ہو گیا۔ اس موقع سے مظفر شاہ نے فائدہ اٹھایا۔ وہ بہزاد الملک کے پاس پہنچا (جو عام طور پر بداول الملک کے نام سے مشہور تھا) اور لشکر جمع کرنے لگا۔ مظفر نے سات ہزار سواروں اور دس ہزار پیادوں کا لشکر جمع کر کے ادھر ادھر بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔

سفر کشمیر

۹۹۷ھ میں اکبر نے کشمیر کی سیر کا ارادہ کیا اور بھنبھر کے علاقے میں پہنچا جہاں سے کوہستان کشمیر کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اکبر نے شہزادہ مراد کو مع دیگر اہل حرم بھنبھر ہی میں چھوڑا اور خود سری نگر پہنچا میر فتح اللہ شیرازی بھی بادشاہ کے ساتھ تھا۔ یہاں اس کا انتقال ہو گیا بادشاہ کو اس عالم و فاضل کی موت کا بہت صدمہ ہوا۔ شیخ فیضی نے شیرازی کا مرثیہ لکھا۔

اکبر کا عزم کابل

کشمیر کی سیر سے فارغ ہو کر اکبر نے کابل جانے کی تیاری کی اثنائے راہ میں دھن پور کے مقام پر حکیم ابو الفتح گیلانی کا انتقال ہو گیا اسے حسن ابدال میں دفن کیا گیا۔ اکبر اٹک سے رہتاس پہنچا اور شہباز خاں کنبو کو یوسف زئی افغانوں کی سرزنش کے لئے روانہ کیا اور خود جلد از جلد کابل پہنچ گیا۔ اکبر نے کابل میں پورے دو مہینے تک قیام کیا اور یہاں کے باغات اور عمارتوں کی سیر کی۔ نیز اہل کابل کو دل کھول کر ممنون کرم کیا۔ یہیں بادشاہ کو یہ خبر ملی کہ راجہ بھگوانداس اور راجہ ٹوڈرمل کا انتقال ہو گیا ہے۔ اکبر نے محمد قاسم خاں بحری کو جو سہ ہزاری امیر تھا' حاکم کابل مقرر کیا اور توختہ بیگ کو اس کی مدد کے لئے چھوڑ کر خود ۲۰ صفر ۹۹۸ھ کو لاہور آیا۔

اکبر نے خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کو گجرات روانہ کر دیا اور شہاب الدین احمد خاں کو مالوہ کا حاکم مقرر کیا۔ اس زمانے میں عبد اللہ خاں اوزبک بدخشاں کو فتح کرنے کے بعد کابل پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اس وجہ سے اکبر نے کئی سال تک لاہور اور اس کے نواح میں قیام کیا۔ اکبر نے سندھ کے حاکم میرزا جانی کو طلب کیا' لیکن وہ اس قدر قربت کے باوجود نہ آیا۔ اس پر اکبر نے میرزا عبدالرحیم خان خاناں کو چند نامی گرامی امراء کے ساتھ سندھ کی فتح اور بلوچیوں کی تباہی کے لئے روانہ کیا۔

۹۹۹ھ میں شہاب الدین نے مالوہ میں وفات پائی۔ اکبر نے اسی سال دکن میں چار قاصد روانہ کیے۔ مشہور شاعر فیضی اسیر اور برہان پور گیا۔ خواجہ امین احمد نگر میں' میر محمد امین مشہدی' بیجاپور میں اور میرزا مسعود (۱۰) بھاگ نگر میں روانہ کیا گیا' شہزادہ مراد کو شہاب الدین کی جگہ مالوہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اسماعیل قلی خاں کو شہزادے کا اتالیق بنا کر اس کے ساتھ روانہ کیا گیا۔

جونا گڑھ کی فتح

خان اعظم میرزا عزیز کوکہ کو یہ معلوم ہوا کہ امین خاں کا بیٹا دولت خاں جو زخمی ہو کر جونا گڑھ چلا گیا تھا اس کا انتقال ہو گیا ہے۔ خان اعظم نے جونا گڑھ کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس طرف روانہ ہوا۔ جونا گڑھ پہنچ کر اس نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ سات ماہ کی کوشش اور محنت کے بعد اس نے قلعے کو فتح کر لیا۔ اسی سال عبدالرحیم خان خاناں نے سیوان کا جو دریائے سندھ کے کنارے واقع تھا محاصرہ کر لیا۔ والی سندھ میرزا جانی نے کشتیوں کے ذریعے عبدالرحیم کی طرف پیش قدمی کی۔

میرزا عبدالرحیم اور والی سندھ میں جنگ

کر لیا۔ طرفین میں پورے دو مہینے تک جنگ ہوتی رہی اور دونوں طرف کے ان گنت آدمی مارے گئے۔ انہیں دنوں سندھ کے لوگوں نے خان خاناں کے لشکر میں غلے کی ترسیل بند کر دی۔ اس صورت حال کے پیش نظر خان اعظم نے ایک گروہ کو قلعے کے محاصرے کے لئے چھوڑا اور خود ٹھٹھہ کی طرف چلا گیا۔ سندھ کے حاکم میرزا جانی نے اہل سیوان کو قلیل تعداد میں سمجھ کر ان پر حملہ کر دیا۔ خان خاناں کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے سپہ سالار دولت خاں لودھی کو نامی گرامی امراء کی ایک جماعت کے ساتھ اہل سیوان کی مدد کے لئے روانہ کیا۔

حاکم سندھ کی شکست

دولت خاں روزانہ اسی کوس سے زیادہ سفر نہ کرتا تھا اور اس طرح بڑے آرام و سکون کے ساتھ منازل سفر طے کرتا ہوا سیوان جا پہنچا۔ مرزا جانی اس کے لشکر کو تھکا ماندہ سمجھ کر دو سرے روز پانچ ہزار سواروں کے ساتھ اس پر حملہ کر دیا دولت خاں کے پاس اگرچہ دو ہزار سواروں سے زیادہ جمعیت نہ تھی، لیکن اس نے بہت ہی جواں مردی اور ہمت سے کام لیا اور جانی کو شکست دی۔

کشمیر میں بغاوت

اسی دوران میں بادشاہ کے حکم کے مطابق یوسف خاں مشہدی اپنے چھوٹے بھائی یادگار میرزا کو کشمیر میں چھوڑ کر خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یادگار میرزا نے کشمیر میں علم سرکشی بلند کیا اور خود مختار حکومت قائم کرکے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کیا۔ اکبر کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے فوراً ایک شعر پڑھا۔ شعر درج ذیل کیا جا رہا ہے' اس کو پڑھتے ہوئے یہ امر ملحوظ خاطر رہنا چاہیے کہ یادگار میرزا گنجا تھا۔

کلاہ خسروی و تاج شاہی
بسر کل کے رسد حاشا و کلا

یادگار میرزا کا قتل

اکبر نے فرید بخشی کو امراء کی ایک جماعت کے ساتھ کشمیر کی مہم پر روانہ کیا۔ یادگار میرزا بھی ایک زبردست لشکر لے کر فرید کے مقابلے پر آیا۔ جب ایک پہر رات گزر گئی تو صادق بیگ اور ابراہیم بیگ' یادگار میرزا سے ناراض ہو کر اس پر حملہ آور ہوئے۔ یادگار اس وقت اپنے خیمے میں تھا' شور و شغب سن کر وہ باہر نکلا اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ صادق بیگ اور ابراہیم بیگ نے اس کا تعاقب کیا اور اسے گرفتار کر لیا۔ یادگار کا سر قلم کرکے انہوں نے شیخ فرید کے پاس بھجوا دیا۔ اس واقعہ کے بعد کشمیر دوبارہ اکبری سلطنت میں شامل ہو گیا۔

اکبر دوبارہ کشمیر کی سیر کے لئے گیا اور چالیس روز وہاں مناظر قدرت سے محظوظ ہوتا رہا۔ اس کے بعد یہاں کی حکومت یوسف خاں کے سپرد کرکے بادشاہ' پنجاب اور رہتاس کی طرف روانہ ہوا۔ ۱۰۰۱ھ میں عبد الرحیم خان خاناں اور میرزا جانی حاکم سندھ نے جو بادشاہ کی مخالفت سے باز آ چکا تھا ٹھٹھہ سے روزانہ ہو کر اکبر کی خدمت میں حاضری دی۔ بادشاہ نے میرزا جانی کو سہ ہزاری امراء میں شامل کر لیا اور اس طرح سندھ پر بھی بادشاہ کا قبضہ ہو گیا۔

مظفر شاہ گجراتی کی خود کشی

اسی سال خان اعظم میرزا نے عزیز گجرات کے سب سے بڑے زمیندار کھنگار پر (جو مظفر شاہ گجراتی کو اپنے پاس پناہ دے کر بڑے غرور سے اس علاقے پر حکومت کر رہا تھا) لشکر کشی کی۔ خان اعظم نے بڑی دانشمندی سے کام لے کر مظفر شاہ کو اپنے ساتھ لیا اور احمد آباد کی طرف روانہ ہوا۔ مظفر شاہ نے راستے میں موقع پا کر خود کشی کر لی۔ خان اعظم نے اس کا سر قلم کرکے بادشاہ کے پاس بھجوا دیا اور خود احمد آباد پہنچا۔

اڑیسہ کی فتح

اسی سال راجہ بھگوانداس کے بیٹے راجہ مان سنگھ نے قتلو افغان کے بیٹوں اور بھائیوں سے جنگ کی اور فتح حاصل کی اس نے اڑیسہ پر قبضہ کر لیا- افغانوں سے ایک سو بیس ہاتھی حاصل کر کے اکبر کی خدمت میں روانہ کیے-

تسخیر دکن کا ارادہ

خان اعظم جب حج کے لئے چلا گیا تو اکبر نے شہزادہ مراد کو مالوہ سے بلوا کر گجرات کا حاکم مقرر کیا- اسی زمانے میں وہ شاہی قاصد جو دکن روانہ کیے گئے تھے واپس آئے- انہوں نے بتایا کہ دکن کے حاکم بادشاہ کے اطاعت گزار نہیں ہیں- اکبر نے یہ سن کر دکن کو فتح کرنے کا پکا ارادہ کر لیا- اس نے شہزادہ دانیال کو ۱۰۰۲ھ میں محرم کے مہینے میں دکن کی تسخیر کے لیے روانہ کیا- جب دانیال لاہور سے سلطان پور پہنچا تو اکبر کا ارادہ بدل گیا- اور اس نے راستے ہی سے دانیال کو بلا لیا اور اس کے لشکر کے ساتھ میرزا عبد الرحیم کو دکن روانہ کیا-

اسی سال عبد الرحیم خان خاناں مندو پہنچا برہان نظام شاہ بحری نے اس سے پہلے خود ہی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ وعدہ کیا کہ وہ برار کا قلعہ اکبر کے سپرد کر دے گا- اس لیے برہان نے اپنے قاصد کے ذریعے خان خاناں کو اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا یقین دلایا- ۱۰۰۳ھ میں برہان نظام شاہ اچانک بیمار ہو کر انتقال کر گیا- اس کا بیٹا باپ کا قائم مقام ہوا لیکن وہ ایک جنگ میں مارا گیا- اس کے بعد نظام شاہیوں کے پیشوا میاں منجھو خان جاگی نے احمد نامی ایک لڑکے کو تخت نشین کر دیا' امراء نے احمد کو اپنا بادشاہ تسلیم نہ کیا اس پر ایک ہنگامہ بپا ہو گیا- منجھو خاں اور امیران احمد نگر میں جنگ چھڑ گئی-

شہزادہ مراد کا عزم دکن

منجھو خاں احمد نگر کے امیروں کا مقابلہ نہ کر سکا اور احمد نگر میں قلعہ بند ہو گیا- اس نے شہزادہ مراد کو احمد آباد میں پیغام بھجوایا کہ اس وقت دکن کی حکومت کا شیرازہ بکھر چکا ہے اگر شہزادہ جلد از جلد یہاں پہنچ جائے تو قلعہ احمد نگر اس کے حوالے کر دیا جائے گا- یہ پیغام سنتے ہی مراد آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ احمد نگر کی طرف روانہ ہو گیا- عبد الرحیم خان خاناں ان دنوں مندو میں مقیم تھا- اس نے بھی اپنے امراء کے ساتھ دکن کا رخ کیا- دکن کے سرحدی مقام گالنہ کے نواح میں خان خاناں شہزادہ مراد سے جا ملا-

تمام اراکین شاہی مل کر احمد نگر کی طرف روانہ ہوئے- اسی دوران میں منجھو خاں نے اپنے مخالفین کی سرزنش کر کے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا لہٰذا وہ شہزادے کو بلانے پر شرمندہ ہوا- منجھو خاں نے قلعہ اور تمام ساز و سامان حسین نظام شاہ بحری کی لڑکی چاند بی بی کے سپرد کیا اور خود احمد نظام اور سرکاری توپ خانہ ساتھ لے کر عادل شاہی سرحد کی طرف بھاگا- شہزادہ مراد اور عبد الرحیم خان خاناں دکن پہنچے جیسا کہ شاہان دکن کے حالات میں بیان کیا جائے گا- ماہ ربیع الثانی ۱۰۰۴ھ میں احمد نگر پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا- اور نقب کھودنے اور سرکوب تیار کرنے لگے-

چاند بی بی کی بہادری

چاند بی بی نے بڑی بہادری اور دلیری سے مدافعت کی اور عادل شاہ اور قطب شاہ سے مدد کی طالب ہوئی- تین ماہ کے اندر اندر نقب تیار ہو کر برج تک پہنچ گئی- اہل قلعہ کو اس کی اطلاع ہو گئی انہوں نے ایک نقب میں سے' شگاف کر کے بارود نکال لی اور دوسری نقب کو تلاش کرنے لگے- شہزادہ مراد اور محمد صادق خاں نے خان خاناں کو اطلاع دیئے بغیر قلعے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تاکہ فتح کا سہرا انہیں لوگوں کے سر رہے- ماہ رجب کی پہلی تاریخ کو جمعہ کے روز یہ دونوں قلعے کے پاس پہنچے اور نقبوں میں آگ لگا دی- تین نقبوں میں تو بارود موجود تھی اس لئے یہ نقبیں اڑیں اور قلعے کی تقریباً پچاس ۵۰ گز دیوار ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور ایک بہت بڑا راستہ پیدا ہو گیا-

اور ادھر چاند بی بی کو یہ موقع مل گیا وہ برقعہ اوڑھ کر دیوار قلعہ کے شگاف کے پاس آئی اس نے اس شگاف میں بہت سی بندوقیں اور توپیں لگا دیں۔ مغل سپاہیوں نے قلعے کے اندر داخل ہونے کی بہت کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ چاند بی بی رات بھر دیوار کے پاس کھڑی رہی قلعے کے تمام مرد اور عورتیں مل کر دیوار کے ٹوٹے ہوئے حصے کو تعمیر کرتے رہے مٹی، پتھر اور لاشوں وغیرہ سے رات کی رات میں دیوار کا شگاف پر کر دیا گیا۔

چاند بی بی اور خان خاناں میں صلح

اسی دوران میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ عادل شاہی لشکر کا سردار سہیل خاں خواجہ سرا، تقریباً ستر ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر احمد نگر کی طرف آ رہا ہے۔ شاہی لشکر میں غلہ کی کمی کی وجہ سے متعدد مصیبتیں پیدا ہو گئیں، ادھر چاند بی بی بھی محاصرے کی تکالیف سے بیزار تھیں، عبد الرحیم خان خاناں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ صلح کر لی جائے۔ اس نے لڑائی بند کر دی اور صلح کا پیغام بھیجا چاند بی بی نے صلح منظور کر لی۔ اور یہ وعدہ کیا کہ برہان نظام شاہ کے اقرار کے مطابق برار پر شہزادہ مراد کا قبضہ رہے گا اور احمد نگر اور اس کے مضافات پر برہان نظام شاہ کے پوتے بہادر نظام شاہ کی حکومت رہے گی۔ صلح کے بعد خان خاناں اور شہزادہ مراد برار روانہ ہوئے انہوں نے بالاپور کے قریب ایک شہر آباد کیا اس کا نام شاہ پور رکھا اور یہیں قیام پذیر ہوئے۔

دکنیوں اور خان خاناں میں جنگ

انہیں دنوں شہزادہ مراد نے بہادر خان فاروقی کی بیٹی سے شادی کی اور برار کے پرگنے اپنے امراء میں تقسیم کیے۔ اسی زمانے میں مشہور امیر شہبانہ کنبوہ شہزادہ مراد سے ناراض ہو کر مالوہ چلا گیا۔ چاند بی بی نے بہادر نظام شاہ کو احمد نگر کا بادشاہ بنایا۔ ابھنگ خاں حبشی کے ہاتھ دوبارہ ملک کا سارا انتظام آ گیا۔ اس نے چاند بی بی کی مرضی کے خلاف عادل شاہیوں اور قطب شاہیوں کی مدد سے پچاس ہزار کا لشکر جمع کیا اور مغل امیروں سے معرکہ آرائی کرنے کے لئے برار روانہ ہو گیا۔ خان خاناں نے شہزادہ مراد اور صادق محمد خاں کو شاہ پور ہی میں چھوڑا اور خود شاہرخ میرزا اور حاکم برہان راجہ علی خاں فاروقی کے ہمراہ دکنیوں سے لڑنے کے لئے نکل پڑا۔ پچیس ہزار سواروں کے ساتھ وہ دریا کے کنارے سون پت کے قریب آیا۔

خان خاناں کی فتح

خان خاناں نے چند روز تک سون پت میں قیام کیا اور پھر دریا کو پار کیا۔ ۱۷ جمادی الثانی ۱۰۰۵ھ کو عادل شاہی لشکر کا سردار سہیل خاں ایک زبردست لشکر لے کر آیا۔ فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی دونوں کے بہت سے نامی گرامی سردار اور امراء میدان جنگ میں کام آئے بالآخر قسمت نے خان خاناں کا ہی ساتھ دیا۔ سہیل خاں زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑا۔ اس کے ملازم اپنے آقا کو اٹھا کر میدان جنگ سے باہر لے آئے۔ خان خاناں اس فتح سے بہت خوش ہوا اور کچھ دنوں کے بعد شاہ پور میں واپس آ گیا۔

اکبر کو عبد اللہ خاں اوزبک کی موت کی خبر ملی تو وہ لاہور سے آگرہ آ گیا۔ متذکرہ بالا فتح کی خبر سن کر بادشاہ کو بہت خوشی ہوئی اور اس نے خانخاناں کے لئے ایک گھوڑا اور خلعت فاخرہ بطور تحفہ روانہ کیا۔ کچھ دنوں بعد صادق محمد خاں کی وجہ سے شہزادہ مراد اور خان خاناں میں رنجیدگی پیدا ہو گئی۔ ۱۰۰۶ھ میں اکبر نے خان خاناں کو اپنے پاس بلا لیا کچھ دنوں تک وہ دشمنوں کے لگانے بجھانے کی وجہ سے خان خاناں سے ناراض رہا۔

شہزادہ مراد کا انتقال

عبد الرحیم خاناں کی واپسی کے بعد سید یوسف خاں مشہدی اور شیخ ابو الفضل نے مملکت برار میں سرتالہ، کاویل، کھڑلہ کے مشہور قلعے فتح کیے۔ اسی زمانے میں شہزادہ مراد ایک مہلک مرض میں مبتلا ہوا یہ مرض، مرض الموت ثابت ہوا۔ ماہ شوال ۱۰۰۷ھ میں شہزادے کا انتقال

ہو گیا جنازہ دہلی لایا گیا- اور شہزادے کو اس کے دادا ہمایوں کے پہلو میں دفن کیا گیا- اس سانحہ کی تاریخ اس مصرعے سے برآمد ہوتی ہے۔

از گلشن اقبال نہالے شدہ کم

اکبر کو نوجوان بیٹے کی موت کا بہت صدمہ ہوا-

دکن کی مہم

اکبر نے دکن کی تسخیر کے لئے کوشش جاری رکھی- نظام شاہی امراء نے قوت حاصل کر کے حاکم بئیر شیر خواجہ کو شکست دی اور شہر کا محاصرہ کر لیا- سید یوسف حسن مشہدی اور شیخ ابو الفضل' نظام شاہیوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رکھتے تھے- اکبر نے خان خاناں کی طرف لطف و کرم کی نظر کی اور اس کی بیٹی کو شہزادہ دانیال کے ساتھ بیاہ دیا اور خان خاناں اور شہزادہ دانیال دونوں کو دکن کی طرف روانہ کیا- اکبر نے شہزادے کی روانگی کے بعد خود بھی وسط ۱۰۰۸ھ میں دکن کا سفر کیا- خان خاناں اور شہزادہ دانیال دکن پہنچے انہیں معلوم ہوا کہ راجہ علی خاں فاروقی کا بیٹا بہادر خاں اپنے باپ کے برعکس بادشاہ کا مطیع و فرمانبردار نہیں ہے دونوں قلعہ اسیر میں پہنچے اور مونگی پٹن کے قریب دریائے گوداوری کے کنارے قیام پذیر ہو کر بہادر خاں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرنے لگے۔

قلعہ احمد نگر کا محاصرہ

اسی زمانے میں اکبر بھی مندو پہنچ گیا- اس نے خان خاناں اور دانیال کو قلعہ احمد نگر کی تسخیر کے لئے روانہ کیا- اور بہادر خاں کو تنبیہہ کا کام اپنے ذمے لیا- خان خاناں بیس ہزار کا لشکر لے کر احمد نگر کی طرف روانہ ہوا- ابھنگ خان حبشی اور دیگر امراء بغیر جنگ کئے بغیر فرار ہو گئے شاہی لشکر نے قلعے کا محاصرہ کر لیا-

قلعہ اسیر کی فتح

اکبر نے پہلے تو بہادر خاں کو نصیحت کی اور اسے صحیح راستے پر چلنے کا مشورہ دیا' لیکن اس نصیحت کا کوئی نتیجہ نہ نکلا- اس کے بعد اکبر مندو سے برہان پور آیا' اور شاہی امراء قلعہ اسیر کو فتح کرنے میں مصروف ہو گئے- محاصرہ بہت دیر تک جاری رہا اس وجہ سے قلعہ میں گندگی پھیل گئی- لوگ بیمار ہو ہو کر مرنے لگے' فوج کی کثرت' قلعے کے مستحکم ہونے اور غلے کی موجودگی کے باوجود بہادر خاں فاروقی بہت پریشان و ہراساں ہوا- جب ۱۰۰۹ھ میں احمد نگر کا قلعہ فتح ہو گیا تو بہادر خاں کی پریشانی زیادہ بڑھی اور اس نے بادشاہ سے جان کی امان طلب کی-اس نے اسی سال اسیر کا عظیم الشان قلعہ اکبر کے حوالے کر دیا- قلعے کا تمام ساز و سامان' خزانے اور جواہرات وغیرہ بھی بادشاہ کے قبضے میں آ گئے-

خان خاناں اور شہزادہ دانیال بادشاہ کے حکم کے مطابق برہان پور آئے- انہوں نے وہاں مال غنیمت جو قلعہ احمد نگر سے حاصل کیا گیا تھا' بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا- ابراہیم عادل شاہ نے صلح کی درخواست کی اکبر نے یہ درخواست منظور کر لی- اور اس کی بیٹی کو شہزادہ دانیال کے لیے طلب کیا- اکبر نے میر جمال الدین انجو کو دلہن اور دیگر تحفے تحائف وغیرہ لانے کے لئے روانہ کیا اور اسیر' برہان پور' احمد نگر اور برار کے علاقے دانیال کے سپرد کیے' خانخاناں کو شہزادے کا اتالیق مقرر کیا گیا- اس کے بعد اکبر کامیاب و کامران دار السلطنت واپس آیا-

ابو الفضل کی وفات

۱۰۱۰ھ میں اکبر آگرہ پہنچ اور اس نے تمام ممالک محروسہ میں فتح نامے روانہ کیے- ۱۰۱۱ھ میں شاہی فرمان کے مطابق ابو الفضل شاہی بارگاہ میں حاضر ہوا- نرور کے علاقے میں اورچہ کے راجپوتوں نے مال و دولت کی حرص میں ابو الفضل کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور اس

عادل شاہ کے ایلچی کے ہمراہ واپس آیا۔ دریائے گوداوری کے کنارے مونگی پٹن کے قریب جشن شادی منعقد کیا گیا۔ اور دلھن شہزادہ دانیال کے حوالے کر دی گئی۔ اس کے بعد میر جمال آگرہ آیا اور پیشکش کی رقم بادشاہ کے حضور میں پیش کی۔

اکبر کی وفات

اسی سال کے شروع میں شہزادہ دانیال شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے بیمار پڑ گیا اور اس نے جلد ہی داعی اجل کو لبیک کہا۔ اکبر اپنے دو بیٹوں کی بے وقت موت سے بہت ملول و حزین ہوا۔ اس وجہ سے اس کی صحت کی دیوار گرتی چلی گئی یہاں تک کہ ۱۳ جمادی الاول ۱۰۱۴ھ کو اکبر کا انتقال ہو گیا۔ اکبر نے اکاون سال اور چند مہینے تک حکومت کی "فوت اکبر شاہ" سے بادشاہ کا سال وفات برآمد ہوتا ہے۔

اکبر کا کردار

اکبر اگرچہ اچھی طرح پڑھ لکھ نہ سکتا تھا' لیکن علم سے اسے لگاؤ ضرور تھا۔ کبھی کبھی وہ شعر و شاعری بھی کیا کرتا تھا' علم تاریخ سے بڑی اچھی واقفیت تھی۔ ہندوستانی قصوں سے پوری طرح واقف تھا۔ امیر حمزہ کا قصہ' جس میں تین سو ساٹھ داستانیں ہیں' اس کو دربار اکبری کے فاضلوں نے نظم و نثر دونوں میں بیان کیا ہے۔ یہ نسخہ باتصویر طور پر مرتب کیا گیا ہے یہ انداز پیشکش اکبری کی ایجاد ہے۔

ڈاک چوکی

اکبر کے عہد میں "ڈاک چوکی" کا بھی معقول انتظام تھا' عام راستوں پر پانچ پانچ کوس کے فاصلے سے دو گھوڑے اور چند گھوڑ سوار مقرر کیے جاتے تھے' شاہی فرمان یا امراء کے معروضات جب ایک چوکی پر پہنچتے تو گھوڑ سوار انہیں دوسری چوکی تک پہنچا دیتے۔ اس طرح دن رات میں پچاس کوس کا فاصلہ طے ہو جاتا' آگرہ سے احمد آباد گجرات تک پانچ روز تک خبریں پہنچ جاتی تھیں۔ اگر کوئی شخص کسی مقام سے بادشاہ کو ملنے کے لئے آتا یا بادشاہ کے حکم کے مطابق کہیں جاتا تو وہ ڈاک چوکی کے گھوڑوں کے ذریعے ہی سفر کرتا تھا تاکہ جلد از جلد منزل مقصود تک پہنچ جائے یہ گھوڑے بہت تیز رفتار ہوتے تھے۔

اکبر کا ترکہ

اکبر کے دروازے پر جتنے ہاتھی تھے اتنے کسی اور بادشاہ دہلی کے دروازے پر نہ تھے۔ یہ ہاتھی تعداد میں پانچ ہزار سے زیادہ اور چھ ہزار سے کم تھے۔ اکبر نے اپنے پیچھے جو کچھ چھوڑا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) روپیہ دس کروڑ
(۲) لعل خاصہ - ایک کروڑ
(۳) سونا غیر مسکوک' دس من پختہ
(۴) چاندی غیر مسکوک' ستر من پختہ
(۵) پول سیاہ' ساٹھ من پختہ
(۶) تنکہ' پانچ ارب
(۷) گھوڑے' بارہ ہزار
(۸) ہاتھی' چھ ہزار
(۹) ہرن' ایک ہزار
(۱۰) چیتے' ایک ہزار

بعض مورخین کا بیان ہے کہ اکبر کے چیتوں کی تعداد ایک ہزار تک کبھی نہیں پہنچی' اکبر نے بارہا کوشش کی کہ ان کی تعداد ایک ہزار تک ہو جائے۔ جب تعداد نو سو کو پہنچتی تو ان میں وبا پھیل جاتی اور بہت سے چیتے ضائع ہو جاتے۔ اکبر کا قطعہ تاریخ وفات یہ ہے۔

جلال الدین محمد شاہ اکبر ز دنیا گشت سوئے خلد راہی
چوں رضواں وید حیراں شد کہ ایں کیست ندا آمد کہ یک ظل الٰہی

حوالہ جات

(۱) صحیح نام "سانبھر" ہے' یہ مقام ریاست جے پور میں واقع ہے۔
(۲) فرشتہ نے سہواً "پورن مل" لکھ دیا ہے۔ اس راجہ کا صحیح نام "بہار مل" ہے۔
(۳) یہ میرٹھ نامی مشہور شہر نہیں' بلکہ "میرٹہ یا میرٹا" ہے۔ جو ریاست جودھپور کا ایک قصبہ ہے۔
(۴) بیجا نگر سہو کاتب ہے "بجے گڑھ یا بیجا گڑھ ہونا چاہیے۔
(۵) یہ سند غلط ہے اکبر نے ۹۷۲ھ میں ازبکوں پر حملہ کیا تھا۔
(۶'۷) لکھنوتی غلط ہے یہاں لکھنؤ ہونا چاہیے۔
(۸) نرہن' ضلع سارن' مغربی بہار میں تھا۔
(۹) صحیح نام "جے مل" ہے۔ جیمل نہیں۔
(۱۰) میرزا مسعود سہو کتابت ہے' دیگر مستند تواریخ میں میرزا منیر لکھا ہے۔

مقالہ سوم

○

فرمانروان دکن

و

سلاطین بہمنیہ

فرمانروایان دکن

میں نے دہلی کے بادشاہوں کا حال لکھنے کے بعد سلاطین دکن کے حالات کی طرف توجہ کی ہے اور مختلف بادشاہوں کا ان کے عہد حکومت کے لحاظ سے ذکر کیا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے بہمنی خاندان کی تفصیل لکھی ہے۔ حالات کی تفصیل لکھنے میں مجھے کسی طرح کے صلہ اور ستائش کی تمنا نہیں۔ خاقان اعظم ابراہیم عادل شاہ ثانی کی مجھ پر یوں بھی بہت مہربانیاں ہیں اور میرا پاؤں خزانہ کے سر پر ہے۔ میں بادشاہ کے دریائے سخاوت سے ویسے بھی محظوظ ہو رہا ہوں۔ میں بادشاہ کا فرماں بردار رہ کر ایسی کتاب لکھنا چاہتا ہوں جو ہر ایک کو پسند ہو اور اس میں برصغیر ہندوستان کے تمام حالات کی تفصیل آ جائے۔ میں نے کتاب کو چھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) حسن آباد اور گلبرگہ کے بادشاہوں اور احمد آباد بیدر کے حالات بیان کیے گئے ہیں جو سلاطین بہمنیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

(۲) سلاطین بیجاپور عادل شاہیہ وغیرہ کے حالات میں۔

(۳) نظام شاہ وغیرہ شاہان احمد نگر کے بارے میں ہے۔

(۴) تلنگانہ کے فرمانرواؤں یعنی قطب شاہ وغیرہ کا بیان ہے۔

(۵) شاہان برار عماد شاہیہ وغیرہ کے حالات۔

(۶) فرمانروایان بیدر برید شاہیہ کے تمام حالات۔

میں نے ہر ایک خاندان کی الگ الگ تفصیل بھی پیش کی ہے۔ اور سب سے پہلے حسن آباد اور گلبرگہ کے حکمرانوں کے بارے میں لکھا ہے۔ جن کا ذکر تاریخ ہند میں بہمنی خاندان کے بادشاہوں کے نام سے کیا گیا ہے۔

سلاطین بہمنیہ

سلطان علاؤ الدین حسن گانگو بہمنی

حسب و نسب

اس بادشاہ کے حسب و نسب کے بارے میں مختلف مورخوں نے مختلف طرح سے خیال آرائی کی ہے۔ لیکن جو بات سب سے زیادہ حقیقت کا پہلو رکھتی ہے اور قرین قیاس بھی ہے۔ فرشتہ نے اسی پر اکتفا کی ہے اور خواہ مخواہ کے لئے تحریر کو طول دینے سے گریز کیا ہے۔ ہاں بر سبیل تذکرہ لکھ دیا ہے کہ بعض مورخوں کا خیال تھا کہ ایک شخص جس کا نام حسن تھا وہ دارالسلطنت دہلی میں ایک آدمی گنگو برہمن منجم کا ملازم تھا یہ منجم محمد تغلق کا اس وقت مقرب خاص تھا جب وہ زمانہ شہزادگی میں تخت دہلی کا وارث ہوا۔ حسن کو ہمیشہ معاشی مشکلات کا سامنا رہتا تھا اور وہ اپنی تنگدستی سے کسی حد تک پریشان بھی ہو گیا تھا۔ لہٰذا ایک دن تنگ آ کر اس نے گنگو برہمن سے فکر معاش کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اس کو کوئی ایسی نوکری یا روزگار مل جائے جس سے وہ اپنا کفیل ہو سکے اور غربت و افلاس کا بھی خاتمہ ہو جائے۔ گنگو نے اس کے ساتھ یہ ہمدردی کی کہ نواح دہلی ہی میں اس کو بنجر زمین کا ایک ٹکڑہ ایک جوڑی بیل اور کام کرنے کے لئے دو مزدور دیئے تاکہ وہ اس زمین پر کھیتی باڑی کر کے اپنا پیٹ پال سکے۔ مزدوروں نے زمین کو کاشت کے لئے کھودنا شروع کیا۔

ایک دن مزدور زمین میں ہل چلا رہے تھے کہ ہل کی نوک زمین کے اندر پھنس گئی۔ مزدوروں نے حسن کو جا کر بتایا اور بعد میں نکالنے پر معلوم ہوا کہ ہل کی نوک ایک زنجیر سے پھنس گئی تھی۔ اور زنجیر ایک بڑے برتن کے منہ سے بندھی ہوئی ہے۔ برتن کو کھود کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ علائی عہد کے سونے کے سکے اور اشرفیاں اس میں لبالب بھری ہوئی ہیں۔ حسن کی ایمانداری نے یہ قبول نہ کیا کہ آقا کی دی ہوئی زمین کے مال میں خیانت کرے۔ لہٰذا اس نے یہ ساری دولت اس برتن کی چادر میں باندھی اور گنگو کے مکان پر پہنچا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ گنگو نے حسن کی ایمانداری کی تعریف کی اور صبح ہوتے ہی اس نے یہ سارا واقعہ محمد تغلق کے سامنے لفظ بلفظ بیان کر دیا۔ شہزادہ محمد تغلق کو حسن کی ایمانداری اور سچائی پر بہت حیرت ہوئی اور اس نے اپنے دربار میں حسن کو طلب کیا۔ شہزادہ کو بھی حسن کا حلیہ اس کا رنگ ڈھنگ بہت پسند آیا اور اس نے اپنے والد سلطان غیاث الدین تغلق کو یہ تمام حالات بتائے۔ بادشاہ غیاث الدین تغلق بھی حسن کے اچھے کردار سے بہت متاثر ہوا اور اس کو شاہانہ نوازشات سے سرفراز کیا اور یک صدی امیروں کے زمرہ میں شامل کر لیا۔

لفظ بہمنی کی اصل

ایک دن گنگو برہمن نے حسن سے کہا کہ "تمہاری قسمت کا زائچہ بتاتا ہے کہ تم کسی دن بہت بلند اقبال اور باعزت بنو گے اور خدا کے کرم سے کسی اونچے عہدے پر پہنچ جاؤ گے" یہ کہنے کے بعد اس نے عہد کرا لیا "اگر خدا تجھے کوئی باعزت عہدہ دنیا میں عطا کرے تو تم میرا نام بھی اپنے نام کا جزو بنا کر لکھنا تاکہ تمہاری وجہ سے میرا نام بھی حیات جاوداں حاصل کر لے۔" دوسرا وعدہ یہ لیا "خزانچی کے عہدہ پر مجھے اور میرے بعد میری اولاد کے سوا کسی اور کو نہ رکھنا۔" حسن نے اپنے محسن کے دونوں وعدوں پر مہر صداقت ثبت کی' اور بغیر کوئی بلند عہدہ ملے ہی اس نے اپنے نام کے ساتھ گنگو بہمنی لکھنا شروع کیا اور اپنا نام حسن گنگو بہمنی لکھنے لگا۔

دکن کی حکمرانی

حضرت نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے آستانہ پر ایک دن ہر خاص و عام کی دعوت تھی' دسترخوان پر طرح طرح کے کھانے چنے ہوئے تھے اور اس دعوت شیراز میں ہر ایک کو شرکت کرنے کی اجازت تھی۔ لہٰذا شہزادہ محمد تغلق بھی اس دعوت میں شریک ہوا تاکہ تمام بزرگوں کے فیض صحبت سے مستفید ہو۔ جب محمد تغلق نیز دیگر مہمان کھانا کھا کر چلے گئے اور دستر خوان اٹھا دیا گیا۔ تب حسن گانگو حضرت شیخ نظام الدین کے آستانے پر پہنچا تاکہ حضرت سے ملاقات کا شرف حاصل کرے' لیکن اس سے پہلے ہی حضرت کو اپنے انوار باطن سے اس کے آنے کی خبر ہو گئی تھی۔ اس کے آنے کی اطلاع ملے بغیر ہی انہوں نے اپنے ملازم سے کہا "ایک شخص جو نہایت شریف باطن اور شکل و صورت سے بھی شرافت و نیکی کی تصویر ہے باہر کھڑا ہے اس کو بلا کر لاؤ۔" ملازم حسن گنگو کو لینے کے لئے باہر گیا مگر اسے پھٹے پرانے بوسیدہ کپڑوں میں دیکھ کر اس کو اعتبار نہ آیا کہ یہی وہ شخص ہو گا جس کو حضرت نے طلب فرمایا ہے۔ اس نے بارگاہ حضرت میں واپس آ کر عرض کیا کہ دروازے پر کوئی بھی آدمی نہیں ہے ہاں ایک مفلوک الحال اور پریشان صورت شخص البتہ کھڑا ہوا ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ ہاں وہی شخص ہے جو بظاہر فقیر معلوم ہو رہا ہے' لیکن درحقیقت دکن کا تاجدار ہو گا۔ غرضیکہ حسن گنگو حضرت شیخ کی خدمت میں آیا اور شرف ملاقات حاصل کیا۔ حضرت نے حسن پر بہت مہربانی کی اور اس سے پرسش احوال کی' چونکہ کھانا ختم ہو چکا تھا لہٰذا حضرت شیخ نے اپنے افطار کے لئے جو روٹی رکھی تھی اس میں سے تھوڑی سی روٹی اپنی انگلی کے سرے پر رکھ کر حسن کو دی اور کہا یہ دکن کی حکمرانی کا تاج ہے جو بہت کشمکش' محنت اور عرصہ دراز کے بعد تیرے سر پر رکھا جائے گا۔

دکن کی فتح کا خیال

حسن گنگو نے حضرت شیخ کی گفتگو کو فال نیک سمجھا اور یہ بشارت سن کر دکن کو سر کرنے کی فکر میں لگ گیا' بہت دنوں تک تو وہ موقع کے انتظار ہی میں رہا۔ اور یہی فکر دامنگیر رہی کہ سرزمین دکن پر حکمرانی کا موقع کیسے ملے گا وہ اس خواہش کی تکمیل میں مصروف ہی تھا کہ سلطان محمد تغلق دکن گیا اور وہاں جا کر اس نے اپنے استاد تغلق خاں کو دولت آباد کا فرمانروا بنا دیا اور یہ حکم عام کر دیا کہ جس کا دل چاہے خواہ وہ منصب دار ہو یا امیر' تغلق خاں کے ہمراہ دولت آباد میں قیام کر سکتا ہے۔ حسن کے لئے یہ اچھا موقع تھا اور وہ ان تمام ایک صدی امراء کے ساتھ نیز دیگر دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ دولت آباد میں جا کر رہنے لگا۔ حسن کو بطور جاگیر کونجی کا شہر اور رائے باغ کے کچھ حصے ملے۔ اسی دوران میں جیسا کہ عہد تغلق میں بیان کیا جا چکا ہے محمد تغلق نے کچھ منصب داروں پر اس لئے حملہ کیا تاکہ ایک صدی امراء کی بغاوت کی آگ کو ٹھنڈا کیا جائے۔ اور ان سرکش امیروں میں سے جو ملا اس کو فوراً قتل کر دیا گیا اور جو امراء باقی بچ گئے تھے ان کا باقاعدہ تعاقب کر کے انہیں آوارہ وطن کر دیا گیا۔ ان بھاگے ہوئے امراء میں سے بہت سے جا کر دکن میں رہنے لگے۔

تغلق کو جیسے ہی شاہی فرمان ملا اس نے اپنے بھائی' عالم الملک کو دولت آباد کا حاکم بنا دیا اور خود بادشاہ کے پاس واپس چلا آیا۔ دکن کے امراء نے عالم الملک کی پرواہ کیے بغیر شاہی سرکشوں اور مجرموں کو اپنے دامن میں پناہ دی۔ محمد تغلق کو یہ تمام حالات معلوم ہوئے اور اس نے سوچا کہ ایک صدی امراء کا بڑا گروہ جو بادشاہ کی مرضی کے خلاف شاہی مجرموں کو پناہ دے رہا ہے اسے دولت آباد سے واپس بلا کر ایک دوسرا گروہ وہاں بھیج دیا جائے لہٰذا محمد تغلق نے اس مقصد کی تکمیل کے لئے احمد لاچین' قزلباش بیگ اور ملک علی وغیرہ کو عالم الملک کے پاس دولت آباد روانہ کر دیا اور تنبیہ کے طور پر ایک فرمان بھی ان لوگوں کے ہمراہ روانہ کیا۔ اس فرمان کا مضمون یہ تھا کہ دکن کے تمام ایک صدی امراء گجرات میں جمع ہو جائیں کیونکہ وہاں ایک بہت بڑی جمعیت کی ضرورت ہے۔ عالم الملک نے فوراً ہی اس حکم کو بجا لانے کے لئے قاصدوں کو دوڑا دیا' گلبرگہ' رائچور وغیرہ قاصد پہنچ گئے۔ ان امراء نے مسلسل چھ مہینے تو اپنی تیاری میں صرف کیے اور اس

میں قدم رکھا اور عالم الملک کی اجازت کے بعد لاچین کی سرکردگی میں گجرات کے لئے چل کھڑے ہوئے۔ احمد لاچین نے یہ نا سمجھی کی کہ ان امراء سے غلط قسم کی توقعات وابستہ کرلیں اور جب وہ پوری ہوتی ہوئی نظر نہ آئیں تو اس نے ان امراء کی غیبت شروع کی۔ اس گروہ پر یہ الزام تراشے کہ ان امراء نے اول تو یہ غلطی کی کہ چلنے میں چھ ماہ کی مدت لگادی' دوسرے یہ کہ گجرات کے سرکش اور باغی امراء کو پناہ دی۔

یہ الزامات گو کہ غائبانہ طور پر تراشے گئے تھے مگر ان امراء کے کانوں تک ان کا پہنچ جانا لازمی تھا۔ لہٰذا ان لوگوں نے "مانک گنج" کے درہ تک پہنچ کر جو کہ دکن کی سرحد ہے ایک مجلس مشاورت منعقد کی۔ اس مجلس میں تمام امراء نے شرکت کی اور کہا کہ محمد تغلق' جب بے گناہوں کو تلوار کے گھاٹ اتارنے کا حکم دے دیا کرتا ہے تو ہم لوگوں سے تو دوگناہ بھی سرزد ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ گنہگار اور بے گناہ میں تمیز کیے بغیر قتل کا حکم دے دے گا۔ اس لئے بکری کی طرح خود کو قصاب کے حوالہ کرنے سے فائدہ؟ اچھا ہے کہ ہم دکن سے باہر نہ جائیں اور نہ مفت میں اپنی زندگی قصائی کے حوالہ کریں۔" یہ مشورہ کرکے تمام امراء اپنے اپنے مقامات کی طرف سرحد سے چلے گئے۔ احمد لاچین نے بہت سختی سے انہیں روکنا چاہا لیکن اس تگ و دو میں مارا گیا۔ دکن کی تمام رعایا محمد تغلق کی سخت گیر پالیسی اور غیظ و غضب سے ویسے ہی پریشان تھی اور ہر ایک اپنی زندگی سے بیزار ہو گیا تھا۔ اسلئے تمام رعایا ان امیروں سے مل گئی اور جو لوگ خود نہ آسکے انہوں نے اپنے قابل اعتماد لوگوں کو ان امراء کے پاس بھیج کر اپنی ہمدردی کا ثبوت دیا۔

غرضیکہ ان تمام حالات کی وجہ سے ضحاک اور کاوہ آہنگر کا سا منظر یہاں بھی تھا اور ایک ایسی بغاوت نے جنم لیا جس کو فرو کرنا بنی نوع انسان کا کام نہ تھا۔ عماد الملک ترکمان جس کا لقب سرتیز تھا وہ اس زمانہ میں ایلچپور میں مقیم تھا۔ یہ محمد تغلق کا داماد تھا اور برار و خاندیس کا سپہ سالار بھی تھا۔ عماد الملک کو یہ خیال ہوا کہ شاید خاندیس اور برار کے اچھے اچھے امراء سرکشوں کے ساتھ مل گئے ہیں۔ خود عماد الملک کو بھی اپنی جان کی خیر نظر نہ آئی اور یہی شبہ ہوا کہ شاید تمام امراء اس کی حکومت سے خوش نہیں ہیں اور تعجب نہیں کہ اس کو بھی قتل کردیں۔ لہٰذا اس نے ایلچپور میں زیادہ قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور شکار کھیلنے کا بہانہ کرکے اپنے کچھ قابل اعتماد امراء کو ساتھ لے کر ایلچپور سے نکل کھڑا ہوا۔ سارے راستہ شکار کھیلتا ہوا سلطان پورندربار میں پہنچا' امراء کے گروہ کو اس کے فرار ہونے کی اطلاع ہو گئی۔ وہ لوگ اس کے مال و متاع پر قابض ہو گئے اور اس کی تمام دولت پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد وہ دولت آباد گئے اور سرکش منصب داروں سے جا کر مل گئے۔ دولت آباد کے لوگوں نے اپنی جان کی سلامتی اسی میں دیکھی کہ اطاعت گزار بن جائیں۔ قلعہ کے لوگوں نے عماد الملک کو گرفتار کرلیا اور تمام خزانہ اور شاہی مال و متاع ان سرکشوں کے ہاتھ آگیا۔ غرضیکہ دکن کی حکومت جو بادشاہ محمد تغلق کے قبضہ میں تھی اور محنت شاقہ کے بعد حاصل کی گئی تھی تین ماہ کے اندر ہی اندر مملکت دہلی سے باہر ہو گئی اور پورے دکن میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو تغلق کا فرمانبردار کہلایا جاسکے۔

اسمٰعیل فتح خاں کا اقتدار

ایک صدی امراء نے جب دکن کو اپنے ہاتھ میں کرلیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ اب حاکم یا سردار کے بغیر سلطنت کا کام نہ چل سکے گا۔ لہٰذا کوئی ایسی طاقت ضروری ہے جس کے تحت سلطنت کے تمام کام انجام پائیں۔ انہوں نے اپنے گروہ میں سے کسی کو حکمران منتخب کرنے کی ترکیب سوچی اور طول طویل بحث کے بعد اسمٰعیل فتح خاں کے ہاتھ میں دکن کی سلطنت کی باگ ڈور دیدی گئی۔ اسمٰعیل محمد تغلق کا بہت بلند مرتبہ دو ہزاری منصب دار تھا' اس کا بڑا بھائی ملک مل' تغلقی امراء میں بہت ممتاز تھا اور ہر ایک اس کا احترام کرتا تھا وہ اس وقت ایک لشکر عظیم کے ساتھ مالوہ کی حفاظت پر مامور تھا۔ اسمٰعیل فتح خاں کو حکمران بنانے میں ایک یہ نکتہ بھی تھا کہ بوقت ضرورت ملک مل اپنے بھائی کو کمک پہنچائے گا۔ غرضیکہ اسمٰعیل فتح خاں ناصرالدین شاہ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور عوام نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر

لیا۔ اس کے سر پر تاج شاہی رکھا گیا اور دکن میں جو مختلف طرح کے خطابات امراء کے لئے مخصوص تھے ہر ایک نے ان میں سے اپنے اپنے لئے ایک منتخب کر لیا اور دکن میں جو مختلف مقامات پر قبضہ کر کے بیٹھ رہا یہ امراء پورے دکن پر قبضہ کر کے فوج جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے اور محمد تغلق کی مخالفت پر متحد طور پر آمادہ ہو گئے۔ جب خطابات اور جاگیروں کی تقسیم ہو رہی تھی اس وقت حسن گنگو کو بھی "ظفر خاں" کا خطاب ملا۔ گلبرگہ، رائے باغ، میر چل، کلیر، ہیکری کے پرگنے اس کے قبضے میں آئے۔ حسن گنگو نے بھرون رائے کو جو گلبرگہ کا حکمران تھا اور محمد تغلق کے قابل اعتماد لوگوں میں سے تھا، مار ڈالا۔ اب وہ مکمل طور پر گلبرگہ کا حاکم ہو گیا تھا۔ ایک شخص جس کا نام نور الدین تھا اس کو خاں جہاں کا خطاب دیا گیا اور دکن کے سب سے بہترین مقامات اس کی جاگیر میں دیئے گئے۔

ناصر الدین شاہ اور محمد تغلق کی جنگ

محمد تغلق کو ان حالات کی اطلاع گجرات میں ہوئی اور وہ جلد از جلد دولت آباد پہنچنے پر آمادہ ہو گیا۔ عماد الملک اور ملک گل افغان بھی لشکر عظیم لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ناصر الدین شاہ بھی تیس ہزار افغانی امراء بہت سے مغل راجپوت اور دکنی سپاہیوں کو لے کر دولت آباد کے قلعہ سے باہر نکلا اور اسی میدان میں محمد تغلق کے مقابلہ پر صف آرا ہوا جس میں سلطان علاؤ الدین خلجی نے رام دیو کے بیٹے کو شکست دی تھی۔ بہت زور کی معرکہ آرائی شروع ہوئی۔ ناصر الدین شاہ نے بادشاہ کے میمنہ اور میسرہ کی سپاہ کو بہت پریشان کر دیا، قریب تھا کہ سلطنت دہلی کا تاجدار اپنی رعایا ہی کے ہاتھوں یا تو گرفتار ہو جاتا یا پھر راہ فرار اختیار کرتا کہ عذاب خداوندی دکن کی رعایا پر نازل ہوا۔ ظاہر ہے کہ اپنے حکمران سے غداری کرنا ان کو کیسے راس آتا حسن اتفاق سے نور الدین خان جہاں کے ایک ایسا تیر لگا کہ وہ گھوڑے سے نیچے گر پڑا اور خاصہ کے پورے چھ ہزار سوار میدان جنگ سے فرار ہو گئے۔ ناصر الدین شاہ کے علمبردار پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ اس کے ہاتھ سے جھنڈا نیچے گر پڑا۔ جب جھنڈے کو بلند نہ دیکھا تو یہ تمام سپاہی سمجھے کہ ناصر الدین نے شکست قبول کر لی۔ اس پر تمام سپاہی بھی بھاگ نکلے اور اس کی فوج کا شیرازہ بکھر گیا۔ اب چونکہ مغرب کا وقت ہو رہا تھا لہٰذا مزید جنگ کرنے کا سوال نہیں پیدا ہو رہا تھا اور میدان جنگ کے نزدیک ہی محمد تغلق نے اپنے خیمے گاڑے اور زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کی گئی۔ رات بھر اس کی سپاہ غفلت کی نیند نہ سوئی، دوسری صبح کو ناصر الدین شاہ، حسن گنگو اور دیگر امراء نے مجلس مشاورت منعقد کی۔ اور آپس میں یہ گفت و شنید ہوئی کہ ناصر الدین شاہ جتنی سپاہ چاہے اپنے ساتھ لے کر دولت آباد کے قلعہ کی حفاظت کرے اور حسن گنگو جس کا لقب ظفر خان تھا وہ بارہ ۱۲ ہزار مسلح فوج کو اپنے ہمراہ لے کر گلبرگہ کے قلعہ میں نہایت ذمہ داری کے ساتھ رہے اور بادشاہ کی فوج جس طرف بڑھے یہ اس فتنہ کو دبانے کی کوشش کرے۔ یہ بھی طے پایا کہ جو باقی امراء فوج میں شامل تھے وہ اپنی اپنی جاگیروں پر جا کر اپنے فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہو جائیں اپنے پرگنوں کی حفاظت کرنے کے علاوہ ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد کرنے میں ہرگز تامل نہ کریں۔

اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے تقریباً نصف رات گزری ہو گی کہ باقی امراء اپنے اپنے پرگنوں پر چلے گئے۔ محمد تغلق نے صبح کے وقت رزمگاہ کو بالکل خالی پایا۔ اس کے بعد محمد تغلق نے حسن گنگو کا پیچھا کرنے کے لئے ایک بہت ہی ظالم اور سفاک اور جری فوج کو بھیجا اور خود دولت آباد کی طرف چل کھڑا ہوا۔ بادشاہ کے درباری نجومیوں نے بتایا کہ تین دن قلعہ کا محاصرہ کرنا مناسب نہ ہو گا۔ محمد تغلق نے اس عرصہ میں اپنی فوجوں کو آراستہ کر کے اہل دولت آباد پر اپنا رعب اور دبدبہ قائم رکھا اور چوتھے دن اہل قلعہ سے جنگ کا آغاز کیا۔ سرنگ، موچے، منجنیق اور ساباط بنانے میں لگ گئے اور قلعہ کے لوگوں پر روز بروز زیادہ سے زیادہ سختی کرنا شروع کی۔

محمد تغلق کا عزم گجرات

اس مقصد کے لئے وہ دہلی سے نکل کھڑا ہوا ہے۔ یہ خبر سن کر محمد تغلق نے دولت آباد کا [illegible] لشکر کے ایک حصہ کو چھوڑا اور خود گجرات کی طرف بڑھ گیا۔ ناصر الدین شاہ کے بعض امراء کو جو پانودہ (۱) اور [illegible] میں تھے یہ معلوم ہو گیا کہ بادشاہ دولت آباد کی طرف واپس آ رہا ہے لہٰذا وہ سب بھی دولت آباد ہی آ گئے۔ بادشاہ کا لشکر پہلے ہی محاصرہ کے لئے موجود تھا اس کے مقابلہ میں ان کا یہ لشکر بہت تھوڑا تھا اس لئے ان کی ایک نہ چلی اور وہ لوگ بادشاہ کا پیچھا کرنے کے لئے آگے بڑھ گئے۔ اور دریائے نربدا کے ساحل پر پہنچ کر بادشاہ کے آگے اور پیچھے کی فوج پر حملہ کر کے تمام مال و متاع چھین لیا اور چند ہاتھیوں کو روک لیا جو سونے اور اشرفی سے بھرے ہوئے تھے ان سب کو پکڑ کر اپنی جائے قیام پر واپس آئے۔ حسن گنگو اس امداد غیبی سے باغ باغ ہو گیا اس نے فوراً ہی آس پاس کے بیس ہزار امراء کی جمعیت کو اکٹھا کیا اور اس تجربہ کار سپاہ کے ہمراہ قلعہ احمد آباد اور بیدر کی طرف چلا۔

یہاں پر عماد الملک پہلے ہی ایک عظیم فوج کے ساتھ مقیم تھا جب حسن گنگو بیدر پہنچا اس وقت عماد الملک بھی نہایت تزک و احتشام کے ساتھ حسن گنگو کے مقابل صف آرا ہوا اور مسلسل بیس دن تک دونوں فوجیں خندق کھدوانے میں مصروف رہیں اور اس وقت تک جنگ شروع نہ ہوئی جب تک کہ حسن کو تلنگانہ کے راجہ کی طرف سے کولاس سے پندرہ ہزار پیادوں کی کمک نہ مل گئی اس راجہ نے محمد تغلق کے ہاتھوں بہت نقصان اٹھایا۔ ادھر ناصر الدین شاہ نے بھی محمد تغلق سے لوٹا ہوا تمام مال اور پانچ ہزار سوار حسن گنگو کی مدد کے لئے روانہ کر دیئے۔ اب حسن گنگو کی طاقت ظاہر ہے کہ بہت بڑھ گئی تھی لہٰذا اس نے جنگ کا اعلان کیا اور پھر ملک سیف الدین کی سرکردگی میں آگے بڑھا ادھر عماد الملک جو ہمت اور بہادری میں کسی سے کم نہ تھا اس نے بھی اپنی فوج کے میمنہ اور میسرہ کو ٹھیک کیا اور حسن گنگو کا مقابلہ کرنے کے لئے بڑھا۔ صبح سے شام تک خوب جنگ ہوتی رہی۔ فریقین کے بہادر جنگ میں کام آئے۔

خدا کو یہی منظور تھا کہ دکن میں حسن گنگو کی حکومت ہو لہٰذا عماد الملک (۲) جیسا جری اور جنگجو اس معرکہ میں مارا گیا۔ اور اس کی فوج کو بھی شکست ہو گئی اور تمام سپاہ ادھر ادھر منتشر ہو گئی۔ بہت سے سپاہیوں نے احمد آباد اور بیدر کی راہ لی اور بہت سے قندھار (۳) کے قلعہ میں پناہ گزین ہوئے۔ بعض بیچارے بہ ہزار خرابی اپنے شہر مندو تک پہنچے ظفر خاں نے دونوں قلعوں کے محاصرے کے لئے ملک سیف الدین غوری کو یہیں رہنے دیا اور خود اپنے ساتھ وہ تمام مال و اسباب جاہ و حشم لے کر جو عماد الملک کے ہاتھ آیا تھا ناصر الدین شاہ کی کمک کے لئے دولت آباد چلا اور یہاں پر محمد تغلق کے وہ تمام امراء جو محاصرہ کیے ہوئے تھے، عماد الملک ترکمان کی موت اور شکست کی خبریں سن کر بہت ہراساں تھے وہ اپنے لشکر کی آپس میں نا اتفاقی اور حسن گنگو کے پہنچنے سے اور بھی پریشان ہو گئے اور محاصرہ سے مکمل طور پر دستبردار ہو کر دہلی و گجرات چلے گئے۔

حسن گنگو کے استقبال کے لئے ناصر الدین شاہ دولت آباد سے نظام پور تک آیا، نظام پور دولت آباد سے چند کوس کے فاصلہ پر تھا۔ دونوں امراء نے نظام پور میں چودہ دن تک قیام کیا۔ ناصر الدین شاہ نے دیکھا کہ اب حسن گنگو ہی کو عوام پر اقتدار حاصل ہو رہا ہے اور رعایا اب اس کو ہی اپنا سردار بنانا چاہتی ہے کیونکہ اس کا دبدبہ اور رعب رعایا پر قائم ہو گیا لہٰذا اس نے خود پیش قدمی کی اور نہایت دور اندیشی کا ثبوت دیا۔ اس نے تمام امراء کو اکٹھا کیا اور سب سے کہہ دیا کہ "میں اب ایک گوشہ میں سکون و آرام کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں صرف عوام کو خوش رکھنے کے لئے میں نے یہ عہدہ قبول کر لیا تھا۔ اب اس سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں اب مجھے اس کام کے کرنے سے معاف ہی رکھا جائے، رعایا جس آدمی کو چاہے اپنا حکمران تسلیم کرے۔

اس پر امراء نے جواب دیا کہ جس کو آپ چاہیں ہم اسے ہی اپنا حاکم تسلیم کریں گے۔ ناصر الدین شاہ نے حسن گنگو جس کا لقب ظفر خاں تھا اور جو تمام سلطنت میں نہایت اعلیٰ کردار کا نیک اور شریف شخص تھا، اس کا نام پیش کیا۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور صدر الشریف سمرقندی اور میر محمد بدخشی جو دکن کے ایک صدی امراء میں نہایت اعلیٰ پایہ کے امیر، منجم اور علم ریاضی کے بہت بڑے ماہر

تھے' لشکر کے ساتھ ہی تھے۔ ان مسلمان نجومیوں اور ہندو پنڈتوں میں بہت لمبی چوڑی بحث ہو گئی اس وجہ سے تخت نشینی میں بھی تاخیر ہونا لازمی تھا۔

حسن گنگو کی تخت نشینی

اس بحث و مباحثہ سے تخت نشینی کا وقت مقرر کیا گیا تھا' ہندو پنڈتوں کی رائے سے حسن گنگو نے بھی اتفاق کیا۔ سلطان قطب الدین کی مسجد میں چار ربیع الثانی ۷۴۷ھ بروز جمعہ حسن گنگو کے سر پر دکن کی سلطنت کا تاج رکھا گیا۔ چتر سیاہ جو خلفائے عباسی کا قومی نشان تھا وہ برکت کے لئے حسن کے سر پر سایہ فگن ہوا۔ دکن کی مملکت میں حسن گنگو کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور اس کے نام کا سکہ جاری ہوا۔ یہ بادشاہ علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ گلبرگہ کو حسن نے خیر و برکت کی جگہ سمجھا اور اس کو حسن آباد گلبرگہ' کا نام دیا اور گلبرگہ ہی کو دار الحکومت بنایا گیا۔

ملا داؤد بیدری کا بیان

تحفہ السلاطین میں ملا داؤد بیدری نے تخت نشینی کے بارے میں مختلف طرح کے خیالات کا اظہار کیا ہے' اس کتاب کو ملا بیدری نے فیروز شاہ بہمنی کے نام سے معنون کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ تخت نشینی جو ہندو پنڈتوں کی مقرر کردہ ساعت پر ہوئی اس کے لئے صدر الشریف سمرقندی اور میر محمد بدخشی نے مختلف موقعوں پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ اگر ہم لوگوں کی رائے پر سلطان علاؤ الدین چلتا اور جو گھڑی ہم لوگوں نے تجویز کی تھی اس کے مطابق تخت پر جلوس کرتا تو بہت اچھا ہوتا۔ سلطان علاؤ الدین نے جب ان لوگوں کی یہ باتیں سنیں تو بہت فکر مند ہوا اور سمجھا کہ میں نے ہندو پنڈتوں کی رائے پر عمل کیا ہے اس سے خدا معلوم کیا افتاد نازل ہو اور ایسا نہ ہو کہ دکن کی حکومت ہاتھ سے نکل جائے۔ اب صدر الشریف اور میر محمد بادشاہ کے خیال سے واقف ہو گئے۔ بادشاہ نے دونوں کو بلوا کر پوچھا کہ اس رنج و افسوس کا سبب کیا ہے ان لوگوں نے جواب دیا کہ سیاروں کی شکل اور وضع سے یہ معلوم ہوا تھا کہ جس وقت بادشاہ نے تخت پر قدم رنجہ فرمایا اس وقت کی تاثیر یہ ہے کہ اس خاندان میں بادشاہوں کی تعداد بیس سے زیادہ نہ ہو گی اور حکومت کا زمانہ بھی دو سو سال سے کم ہی رہے گا۔ جو وقت ہم لوگوں نے تجویز کیا تھا اس حساب سے سات سو سال تک اس خاندان کی حکومت دکن میں رہتی اور آپ کے خاندان کے تقریباً ایک سو پچاس (۱۵۰) حکمران اس تخت پر بیٹھتے۔ بادشاہ کو اس گفتگو کے بعد ذرا سکون قلب حاصل ہوا۔ اس نے صدر الشریف سمرقندی کو صدارت کے عہدہ پر رکھا اور قاضی لشکر میر محمد بدخشی کو بنایا۔

علاؤ الدین بہمنی کا حسن انتظام

مؤلف لکھتا ہے کہ ایک سو ستر برس کے بعد آل بہمنی کی حکومت ختم ہوئی اور جب حکمران بھی پورے بیس تک نہ پہنچ سکے تب ان علم نجوم کے ماہرین کی فضیلت' برتری اور سچائی ظاہر ہو گئی۔ غرضیکہ سلطان علاؤ الدین نے امور سلطنت کی طرف توجہ دی اور نہایت حسن و خوبی سے سلطنت کے کام کرنا شروع کیے اور اس میں کامیابی بھی بہت حاصل ہوئی۔ اس کی سلطنت دن بدن وسیع ہوتی گئی۔ دریائے پونا سے قلعہ اودنی (۴) کے آس پاس تک' بندر چیول اور دابل سے احمد آباد بیدر کے شہر تک علاؤ الدین حسن گنگو کے قبضے میں آ گئے۔ مورخین کا خیال ہے کہ علاؤ الدین نے جیسے ہی دکن کی سلطنت سنبھالی سب سے پہلا حکم یہ دیا کہ پانچ من سونا اور دس من چاندی شیخ رہان الدین دولت آبادی کے ذریعہ حضرت نظام الدین اولیاء کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے کے لئے غریبوں' یتیموں اور مسکینوں کو دے دی جائے۔ سلطان علاؤ الدین حسن نے اسمٰعیل فتح خاں کو امیر الامراء بنا کر سپہ سالار مقرر کیا اور ناصر الدین شاہ کا لقب اس نے منسوخ کر دیا۔

حسن سلوک

ملک سیف الدین غوری کو وکیل سلطنت بنا دیا۔ یہ نہایت ایماندار' نیک اطوار و عادات کا مالک تھا اس نے بہت سے سلوک حسن گنگو کے ساتھ پہلے کیے تھے۔ لہٰذا علاؤ الدین نے بھی اس کے ساتھ سلوک کیا کہ سیف الدین کی بیٹی شاہ بیگم کی شادی اپنے بیٹے محمد سے کر دی۔ اس کے علاوہ علاؤ الدین کا قدیم ملازم جو ہر مصیبت اور رنج کے وقت اس کے ساتھ رہا تھا اس کے ساتھ بھی بہت اچھا برتاؤ کیا۔ اس کو ملک کے بہترین حصے بطور جاگیر عطا کیے اور خطاب بھی دیا اس کے بعد قلعہ دولت آباد کو بہرام خاں مازندرانی کے ہاتھ میں دے کر خود تزک و احتشام کے ساتھ شہر گلبرگہ کی طرف چل کھڑا ہوا۔

پایہ تخت

گلبرگہ کا شہر نہ تو بہت صاف تھا اور نہ وہاں پانی کی فراہمی آسانی سے ہوتی تھی۔ پھر بھی علاؤ الدین نے اس کو اپنے لئے نیک فال سمجھا تھا کہ گلبرگہ کو پایہ تخت بنایا۔ اس کا نام حسن آباد رکھا۔

ایفائے عہد

علاؤ الدین نے اپنے قدیم محسن کی شرط کو بھی پورا کیا اور وعدہ کو اس طرح نبھایا کہ گانگو بہمنی کو جو محمد تغلق کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر آیا تھا۔ اسے دکن کے خزانہ شاہی کا مختار بنا دیا۔ دوسرا وعدہ یہ پورا کیا کہ اس کے نام کو اپنے نام کا جزو بنا لیا اور طغرا و شاہی فرمانوں میں ہر جگہ اس کا نام بھی لکھا جانے لگا جو کہ یہ تھا۔ "کمترین بندہ حضرت سبحانی علاؤ الدین حسن گانگوئے بہمنی۔"

یہ قدیم بات مشہور تھی کہ اس سے قبل برہمن شاہان اسلام کی نوکری نہیں کرتے تھے اور نہ کوئی عہدہ سنبھالتے تھے بلکہ گاؤں اور شہر میں کوئی ایک گوشہ عافیت تلاش کر کے علم و نجوم کی تکمیل کرتے تھے اور نہایت صبر و قناعت سے اپنی زندگی گزارتے تھے۔

اکثر برہمن اپنی مختلف خوبیوں مثلاً طبابت' نجوم' وعظ' قصہ خوانی کی وجہ سے امراء کے یہاں شریک محفل ہوتے تھے لیکن وہ صرف انعام و خلعت ہی کو کافی سمجھتے اور ان کی ملازمت کبھی قبول نہ کرتے۔ برہمنوں کا فرقہ چونکہ مذہبی تھا لہٰذا وہ دنیا داروں کی نوکری کرنے کو تو برا سمجھتے ہی تھے' مگر مسلمانوں کے یہاں ملازمت کرنا بھی برا سمجھتے تھے ان کا خیال تھا کہ ہر دونوں طریقوں سے نیکیاں بالکل ختم ہو جاتی ہیں اور پھر برہمن ہمیشہ کے لئے بدبختی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ برہمنوں میں گانگو پنڈت پہلا آدمی تھا جس نے مسلمان بادشاہ کی ملازمت اختیار کی۔ چنانچہ اس وقت تک (۱۰۱۶ھ) شاہان اسلام دکن کا دفتر ہندوؤں کے سپرد رہا۔

فتوحات

سلطان علاؤ الدین نے اپنی بہترین انتظامی قوت اور نہایت اعلیٰ تدابیر سے اور کچھ اپنی تلوار کے زور سے بہت جلد دکن کے وہ تمام حصے جو محمد تغلق کے آخری زمانہ میں تغلق امراء کے قبضے میں تھے سب پر اپنا قبضہ و تصرف کر لیا۔ اور تمام تغلق امراء جن میں مغل اور راجپوت سب ہی شامل تھے اور جو بیدر و قندھار کے قلعوں میں قیام پذیر تھے' ان کو اپنے حسن سلوک سے اپنا فرمانبردار بنا لیا۔ اور ان دونوں مقامات کے قلعے بھی نہایت آسانی سے لے لیے۔ راجہ کے ساتھ نیک اور اچھے برتاؤں میں کسی طرح کی کمی نہیں کی۔ گلبرگہ کا قلعہ اور مسجد جو کھنڈر ہو گئے تھے ان کی از سر نو بنیاد ڈالی اور بہت کم دنوں میں دونوں عمارتیں تیار ہو گئیں۔ ۷۵۲ھ میں محمد تغلق کا انتقال ہو گیا اس کے بعد علاؤ الدین حسن گنگو بہت مطمئن ہو گیا۔

اب اس نے سلطنت کی فلاح و بہبود اور اس کی توسیع کی طرف توجہ دی اور سلطنت کی بنیادوں کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی فکر میں لگ گیا۔

فرزند کی شادی

سب سے پہلا کام اس کے بعد یہ کیا کہ ملک سیف الدین کی بیٹی سے اپنے بیٹے محمد کا عقد کیا اور شاہانہ قوانین اور اصولوں کے تحت دلہن کو دولھا کے سپرد کیا۔ مورخوں نے اس کی شادی کے بارے میں بھی ایک روایت بیان کی ہے کہ جب شادی ہو رہی تھی تو ایک دن شہزادہ کی ماں ملکہ جہاں نے آہ سرد بھر کر کہا کہ اس خوشی کے موقع پر میری بہن یعنی نوشہ کی خالہ کو ضرور موجود ہونا چاہیے تاکہ وہ بھی جشن عیش و طرب میں حصہ لیں۔ علاؤ الدین نے معلوم کرایا کہ نوشہ کی خالہ کہاں ہیں' ملکہ جہاں نے جواب میں کہا کہ وہ آجکل ملتان میں مقیم ہیں۔

بادشاہ نے اس بات کا کچھ جواب نہ دیا اور باہر چلا آیا۔ پھر فوراً ہی ملتان آدمی روانہ کیے تاکہ وہ شہزادہ کی خالہ کو لے کر آئیں۔ بادشاہ نے یہ تمام کاروائی نہایت خاموشی کے ساتھ کی اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ادھر انتظام کرنے والوں کو یہ حکم دیا کہ جشن کو طول دیتے رہیں اور اس میں جتنا بھی روپیہ خرچ ہو اس کی مطلق پروا نہ کی جائے۔ جشن کے اخراجات ملک سیف الدین کے مکان پر شاہی خزانہ سے برابر جاتے رہے اور عرصہ تک جشن ہوتا رہا۔ خوشی و خرمی کے شادیانے بجتے رہے اور جشن شروع ہونے کے پورے چھ ماہ بعد بادشاہ کے بھیجے ہوئے پیادے خالہ کی ڈولی کو لے کر محل میں آئے۔ سلطان علاؤالدین اس خبر کو سن کر بہت خوش ہو گیا اور اس بہانہ سے اس ڈولی کو محلسرا میں بھیجا کہ ملک سیف الدین کی بہن ملنے کے لئے آ رہی ہیں۔ ملکہ جہاں نے جیسے ہی اپنی بہن کی صورت دیکھی حیران رہ گئیں اور جب انہیں ان کا پوشیدہ طور پر بلایا جانا معلوم ہوا تو بہت خوش ہوئیں اور بادشاہ کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اب جشن اور عیش و عشرت کی محفلیں دوبارہ منعقد کی گئیں اور خالہ کے سامنے نکاح کا خطبہ پڑھا گیا' پھر دلہن رخصت ہو کر شہزادہ کے گھر آئی۔

جشن عیش و عشرت

علاؤ الدین حسن کی حکومت کو ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا پھر بھی اس نے اس جشن عیش و عشرت میں دس ہزار روپیہ کی قیمت کی زربفت' مخمل اور اطلس کی قبائیں' ایک ہزار عراقی اور عربی گھوڑے' دو سو کمرد' خنجر' اور قیمتی سہرون جواہرات سے سجی ہوئی تلواریں اور امراء اور ملازمین اور منصب داروں میں تقسیم کیں یہ جشن شادی پورے ایک سال تک ہوتا رہا۔ کیونکہ چند جگہوں پر منجنیقیں لگا دی گئی تھیں اور ان پر رکھ کر مٹھائی کی گولیاں جو عموماً ہندوستان میں بنتی ہیں شہر کے لوگوں پر برسائی جاتی تھیں۔ جشن چوبیس ربیع الاول کو شروع ہوا اور اس کا اختتام دوسرے سال دوئم ربیع الاول کو ہوا۔

جشن جس دن ختم ہوا اس روز طرح طرح کے تحفہ تحائف' زر و جواہرات امراء اور ارکین سلطنت نے بادشاہ کے حضور میں پیش کیے۔ ملک سیف الدین غوری کو اس رشتہ کی وجہ سے چونکہ اب شاہی خاندان سے قرابت حاصل ہو گئی تھی' اس لئے اس کا مرتبہ بہت اونچا ہو گیا اور جو قربت ملک غوری کو بارگاہ خسروی میں حاصل ہوئی تھی۔ اتنا بلند رتبہ کسی امیر کو دربار میں نہ ملا نوروز کے دن جب تمام عالم' فاضل' مفتی اور ارکان دولت شاہی دربار میں اکٹھا ہوئے۔ تو اس وقت صدر الشریف سمرقندی اور سید احمد غزنوی مفتی نے جیسا کہ بادشاہ کا حکم تھا ویسا ہی کیا اور ملک سیف الدین کو اسمٰعیل فتح کی جگہ سے بھی بلند جگہ پر بٹھایا' حالانکہ اسمٰعیل فتح کا شاہی دربار میں یہ مرتبہ تھا کہ جب عیدیا اور کسی مذہبی تہوار کے موقع پر دربار شاہی میں آتا تو بادشاہ خود کھڑا ہو کر اس کا استقبال کرتا تھا اور اس کے بعد دیوانخانہ میں جا کر تخت پر بیٹھتا اس کے بعد لوگوں کو حاضری کی اجازت مل جاتی۔

اسمٰعیل فتح کی سازش

اسمٰعیل فتح کو سیف الدین کا یہ بلند درجہ ایک آنکھ نہ بھایا ایک دن اس نے تخت شاہی کے سامنے جا کر شکایت کی اور آنکھوں میں

سلطنت ہے، تم نے خود اپنی نگاہ سے دونوں مراتب کا فرق خوب دیکھا ہے۔ دونوں عہدوں کی عزت، قدر و منزلت میں جو فرق ہے وہ بھی تمہیں خوب معلوم ہے۔ لہٰذا تمہارا شکوہ بالکل لایعنی ہے۔" اسمٰعیل فتح اس جواب سے کسی حد تک بظاہر مطمئن ہو گیا اور اس کے بعد دربار میں نہایت خوش و خرمی سے آتا اور خوشی خوشی اپنی جگہ پر بیٹھتا رہا لیکن اندر ہی اندر بادشاہ کی طرف سے اس کے دل میں نفرت اور مخالفت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس نے سازش کی اور اپنے ساتھ چند عزیزوں اور بیٹوں کو ملایا، شاہی امراء اور افغان امیر بھی اس میں شامل تھے۔ یہ چاہتا تھا کہ بادشاہ شکار یا سواری کے لئے جب نکلے تو اس کو قتل کر کے حکومت کی عنان اپنے ہاتھ میں لے، لیکن قسمت نے اسمٰعیل کا ساتھ نہ دیا۔ اور اس کو اپنی جان کی بازی لگانی پڑی۔

بادشاہ کو اسمٰعیل فتح کی سازش کا حال معلوم ہو گیا اور اس نے ایک بہت بڑا اجلاس اور اس میں شہر کے تمام خاندان، سادات، امراء منصب دار، علماء مشائخ وغیرہ کو مدعو کیا۔ اس کے بعد اسمٰعیل فتح سے اس کے ارادے اور بدنیتی کے بارے میں پوچھا اس پر اسمٰعیل فتح نے انکار کیا اور بہت قسمیں کھانا شروع کیں۔ تب حسن گنگو حاضرین مجلس سے مخاطب ہوا اور کہا کہ جن جن لوگوں کے دلوں میں میرے خلاف جذبات تھے اگر اب وہ اپنے بد ارادہ سے باز رہ کر میرے ساتھ وفادار رہنا چاہتے ہیں وہ لوگ نہایت ایمانداری سے اسمٰعیل فتح کی سازش کا انکشاف میرے سامنے کر دیں، جو کچھ اس کو کرتے ہوئے دیکھا اور جو کہتے ہوئے سنا وہ صاف صاف بتا دیں۔ صاف گو اشخاص سے کسی طرح کی باز پرس نہ کی جائے گی اور نہ کوئی سزا دی جائے گی۔" یہ اعلان سنتے ہی وہ تمام امراء اور اسمٰعیل فتح کے رشتہ دار جو خفیہ طور پر سازش میں شامل تھے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی سچائی کا ثبوت دینے لگے۔ جن لوگوں نے پوشیدہ طور پر اسمٰعیل فتح کے ہاتھ پر بیعت کی تھی ان سب نے سچ کہہ دیا اور بادشاہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ اب بادشاہ نے گناہ ثابت ہو جانے کے بعد قتل کا فتویٰ دیا اور نہایت غصہ کی حالت میں سر محفل اسمٰعیل فتح کو قتل کرا دیا اور اس کے دوسرے ہمرازوں کا قصور معاف کیا اور کسی سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی۔ اسمٰعیل فتح کے بیٹوں اور عزیزوں کا بھی گناہ حالانکہ ثابت ہو گیا تھا، مگر سب کی تقصیر معاف کی گئی۔ اسمٰعیل فتح کا عہدہ اس کے بیٹے کو مل گیا اور تمام امراء کو شاہی مراعات عطا کی گئیں وہ سب کے سب نہایت درجہ مطمئن اور خوش ہو گئے۔ اسمٰعیل کے قتل اور پھر اس کے بیٹے کو وہی عہدہ دینے اور گناہگاروں کے معاف کر دینے سے حسن گنگو کی بہت شہرت ہوئی اور عوام کے دلوں پر بادشاہ نے پوری طرح غلبہ پالیا۔

رائے تلنگانہ کی اطاعت

رائے تلنگانہ جو اب تک بادشاہ کے خلاف تھا۔ بادشاہ کے حسن سلوک اور نیک برتاؤ سے بہت شرمندہ ہوا بادشاہ نے اب بہت طاقت حاصل کر لی تھی ہر ایک اس کا مداح ہو گیا۔ خاصکر رائے تلنگانہ سے بہت اچھا برتاؤ کیا راجہ جو روپیہ دہلی کے خزانہ شاہی میں بھیجا کرتا تھا، اب ہر سال خزانہ بہمنہ میں داخل کرنے لگا۔ جب بادشاہ نے پوری طرح یہ اطمینان کر لیا کہ اب ملک میں دور دور تک کوئی مخالف نہیں رہا۔ تو اس کے سر میں جہاں کشائی کا سودا سمایا اس ارادے کے پیش نظر سلطان علاؤ الدین نے پھر اجلاس کیا اور امراء سلطنت نیز اراکین دولت کو جمع کر کے مشورہ کیا کہ اگر میں اس تمام لشکر کو جو اب میرے قبضہ میں ہے لے کر نکلوں تو یقیناً فتح و نصرت میرے قدم چومے گی اور ارادہ ہے کہ اودنی سے بیجانگر اور سیت بن رامیسر(۵) سے ملا بار تک کا سارا علاقہ اپنے قبضہ میں کر لوں بعد ازاں گوالیار کی طرف بڑھوں اور پھر مالوہ اور گجرات کو بھی اپنا لوں۔

ملک سیف الدین نے نہایت ادب اور احترام سے جواب دیا کہ کرناٹک کا علاقہ نہروں اور درختوں سے بالکل بھرا ہوا ہے اور وہاں کی ہوا میں رطوبت بھی بہت ہے اور ہمارے یہاں کے جانوروں نے ایسی آب و ہوا میں پرورش پائی ہے جو کہ کرناٹک کی آب و ہوا کے بالکل خلاف ہے لہٰذا یہ جانور بہت دنوں تک زندہ نہیں رہ سکتے۔" اور یہ بھی بتایا کہ علاؤ الدین خلجی اور محمد تغلق کے زمانہ میں کئی بار

دھور (٦) سمندر پر چڑھائی کی گئی' مگر جانور سفر میں کبھی بھی دس دن سے زیادہ زندہ نہ رہے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ بادشاہ بہ نفس نفیس حملہ کرنے کے لئے تشریف لے جائے بلکہ ایسا کیا جائے کہ ایک جمعیت پہلے کرناٹک کی سرحدوں کو فتح کرنے کے لئے جائے۔ سرحد کرناٹک کی آب و ہوا چونکہ دکن کی آب و ہوا سے مناسبت رکھتی ہے اس لئے پہلے ان باغی راجاؤں کی روک تھام اور باز پرس کی جائے۔ جنہوں نے اب تک بادشاہ کے خلوص اور ہمدردی کے باوجود بھی نہ تو تحفے اور ہدیے دربار میں بھیجے ہیں اور نہ اپنی فرمانبرداری کا اظہار ہی کیا ہے۔ ان کو بہ زور شمشیر درست کیا جائے۔"

گجرات مالوہ پر لشکر کشی

اس کے بعد چونکہ سلطنت دہلی پر آج کل ادبار اور مصیبت کی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں اس لئے موقع ہے کہ بادشاہ خود گوالیار اور مالوہ کا سفر کرے اور ان ملکوں پر قبضہ کرے جن پر عاقبت اندیش اور بہادر حکمرانوں کی نگرانی نہیں ہے اس طرح اپنے جھنڈے کو بلند کرکے فتح و نصرت کے شادیانے بجائے۔" سلطان علاؤ الدین حسن کو ملک سیف الدین کا یہ مشورہ بہت زیادہ پسند آیا۔ اور اس نے دو امراء یعنی عماد الملک تاشقندی اور مبارک خاں لودھی کی سرکردگی میں ایک جمعیت کو کرناٹک کی مہم پر بھیجدیا۔ ان امراء نے دریائے تاولی (٧) اور بکری تک ہندوؤں کی راجدھانی کو خوب تباہ و برباد کیا اور تمام گھروں اور آبادیوں سے جو مال حاصل ہوا وہ ایک لاکھ علائی اشرفی یعنی دو سو لاکھ تولہ سونا اور بہت سے بیش بہا ہیرے' جواہرات' موتی' نقد' مال و زر دو سو مشہور ہاتھی' ایک ہزار طوائفیں اور سازندے تھے جو خراج کے طور پر وصول کیا۔ ان راجاؤں سے فرمانبردار اور وفادار رہنے کا عہد و پیمان لیا۔ اس کے بعد موسم برسات میں یہ لوگ مع راجاؤں کے ایلچیوں کے واپس آئے۔ جب یہ امراء اس مہم سے واپس آئے تو بادشاہ نے ملک سیف الدین کی صلاح لے کر سفر کی تیاریاں شروع کی اور شعبان ٧٥٨ھ میں حسن آباد گلبرگہ سے روانہ ہو کر دولت آباد پہنچے گھاٹ پر تمام لشکر کا جائزہ لیا گیا بہت سے بہادر سپاہی اور پچاس ہزار سوار موجود تھے۔ علاؤ الدین نے ارادہ کیا کہ ندربار اور سلطان پور کے راستہ سے مالوہ پہنچے۔ راجہ رائے ہرن نے اپنے قاصد کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا یہ راجہ رائے کرن کا بیٹا تھا۔ اس کے باوجود کہ گجرات میں فساد برپا تھا مگر وہ دکنی فوج کے ڈر سے بگلانہ ٹھہرا ہوا تھا اور اپنے موروثی ملک میں جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔

ان قاصدوں نے اپنے راجہ کی طرف سے بادشاہ کی خدمت میں درخواست کی کہ گجرات کے حکمرانوں اور دکن کے بادشاہوں میں ہمیشہ میل ملاپ رہا ہے لہٰذا بادشاہ سب سے پہلے گجرات پر حملہ کرے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ یہ علاقہ راجہ کو ورثہ میں ملا تھا۔ مگر وہاں کی رعایا جاگیرداروں سے بہت تنگ آ چکی ہے اور عرصہ دراز سے وہ لوگ کسی امداد کے منتظر ہیں' اس کو فتح کر لیں۔ اور راجہ کی درخواست کے بموجب اس کو بادشاہ اپنے بہی خواہوں میں شامل کر لے اور نہایت اطمینان کے ساتھ مالوہ پر چڑھائی کرے۔ اس راجہ کے علاوہ وہاں کے عوام نے بھی علاؤ الدین حسن کی خدمت میں گجرات پر حملہ کرنے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے امراء اور اراکین سلطنت سے صلاح لی پھر یہ طے پایا کہ جب دہلی کے حکمران فیروز شاہ باربک ہی سے مقابلہ کرنا ہے تو پھر مالوہ اور گجرات دونوں ہی برابر ہیں۔ اور جب گجرات کے عوام خود بھی علاؤ الدین کے بلانے کے متمنی ہیں' تو پھر کیا نقصان ہے۔ سلطان علاؤ الدین کو بھی یہ مشورہ بہت پسند آیا اور شہزادہ محمد کو بطور ہراول بیس ہزار سواروں کے ہمراہ روانہ کیا۔ اور اس کے بعد خود نہایت خاموشی کے ساتھ مع اپنے لشکر و علم کے گجرات کا رخ کیا۔ پہلے شہزادہ محمد نوساری پہنچا' نوساری اور اس کے آس پاس شکاری جانوروں کی بہتات تھی لہٰذا پہلے شہزادہ محمد نے شکار کھیلنا شروع کیا۔ اور اپنے باپ علاؤ الدین حسن کو بھی جو کہ شکار کھیلنے کا بہت شوقین تھا' اس علاقے کی تمام کیفیت لکھی' بادشاہ نے بھی جلد از جلد وہاں پہنچنے کی کوشش کی' وہاں پہنچ کر مستقل ایک مہینے تک سیر و شکار کا سلسلہ جاری رکھا' جس بات کا خطرہ کرناٹک میں تھا وہی یہاں

باقاعدہ مشغلہ شکار و شراب و کباب جاری رہا۔ اس کی وجہ سے بادشاہ کو ہیضہ ہو گیا اور وہ بیمار ہو کر بڑی حسرت اور مایوسی کے عالم میں واپس لوٹا۔ حسن آباد گلبرگہ پہنچ کر تمام مشائخ اور علماء کو بادشاہ نے جمع کیا اور ان کی موجودگی میں صدر الشریف سمرقندی کے ہاتھ پر گناہوں سے توبہ کی۔ اپنے استاد قتلغ خاں کی تجویز پر اس نے بھی عمل کیا اور مملکت کو پورے چار حصوں میں بانٹ دیا۔ حسن آباد گلبرگہ سے لے کر وابل رائچور (۸) اور مدکل تک کے تمام مقامات کی حکومت ملک سیف الدین کو دیدی اور دولت آباد خیبر (۹) چودل، بنیر اور مونگی پٹن کے اضلاع جو مرہٹواڑی کے سب سے بہترین شہر ہیں وہ اپنے بھتیجے خان محمد بن علی شاہ کی حکمرانی میں دے دیئے، ملک برار اور ماہور (۱۰) صفدر خاں سیستانی کے حوالے کیے اور بیدر، قندھار اندور، کولاس اور تلنگانہ کے تمام ممالک پر اعظم ہمایوں ملک سیف الدین کے بیٹے کو حاکم مقرر کیا۔

مرض الموت

بادشاہ چھ مہینے تک مستقل بیمار رہا اس بیماری میں اس کا بستر علالت ایک ایسی جگہ پر تھا جس کا رخ گلی کی طرف تھا صبح و شام کیا بلکہ ہر وقت ہی رعایا کو آنے کی اور بازیابی کی اجازت تھی۔ بادشاہ عوام کے تمام حالات کی پوچھ گچھ کرتا، مظلوموں کی داد سنتا، اپنے مرض الموت کے زمانہ میں یہ حکم دے دیا تھا کہ تمام قیدی علاوہ ان قیدیوں کے جو ملک کے لئے شور و شر اور آزار کا باعث ہوں، رہا کر دیئے جائیں۔ اور جو زیادہ گناہگار ہوں وہ فوراً گلبرگہ آ جائیں تاکہ ان کی تقصیر معاف ہو اس حکم کے مطابق بڑے بڑے مجرم پابہ زنجیر دار السلطنت میں جمع ہونے لگے اور نیک دل بادشاہ نے ان سب کا قصور معاف کیا۔ ان مجرموں میں سے صرف سات ایسے تھے جن کا گناہ ناقابل عفو وہ قید ہی میں رکھے گئے۔ ان قیدیوں کو اپنے بیٹے محمد کے سپرد کیا اور کہا کہ ملک کی فلاح و بہبود کا خیال کر کے ان قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ بادشاہ کا مرض روز بروز ترقی کرتا رہا اور مشہور نامی گرامی حکماء حکیم علیم الدین تبریزی، حکیم نصیرالدین شیرازی اور دیگر حکیموں نے بہت علاج کیا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ جوں جوں علاج ہوتا رہا مرض بڑھتا ہی گیا اب علاؤ الدین کو بھی یقین ہو گیا کہ آخری وقت آ پہنچا ہے۔

رحلت

موت کا یقین ہو جانے کے بعد بادشاہ نے قصداً علاج معالجے سے ہاتھ اٹھالیا اور موت کے لئے سراپا انتظار بن کر بیٹھ گیا اسی دوران میں ایک دن حسن نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے محمود کو سامنے نہ پاکر پوچھا کہ وہ کہاں ہے جواب ملا کہ مکتب میں اپنا سبق پڑھ رہا ہے۔ اس کو بلوا کر بادشاہ نے پوچھا کہ کیا پڑھ رہے ہو اس پر شہزادہ محمود نے جواب دیا کہ آج کل حضرت شیخ سعدی شیرازی کی بوستان پڑھ رہا ہوں۔ اس پر بادشاہ نے سوال کیا کہ کون سی حکایت پڑھ رہے ہو۔ شہزادے نے ایک حکایت پڑھی جس میں حضرت شیخ سعدی نے بادشاہ ایران کی زبان سے دُنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچا ہے۔ بادشاہ نے اس حکایت کا تیسرا شعر غور سے سنا جس کا مفہوم یہ تھا کہ ہر ایک نے اپنی ہمت اور بہادری سے تمام دنیا کو فتح کر لیا، مگر جب دنیا سے گیا تو خالی ہاتھ اور قبر میں اپنے ساتھ کچھ نہ لے گیا۔

بادشاہ نے جب یہ سنا تو بہ آواز بلند رونے لگا اور اپنے دوسرے بیٹوں کو بھی بلوایا اور نصیحت کی کہ "اپنے بڑے بھائی کو میرا ولی عہد سمجھ کر اس کی فرمانبرداری اور اطاعت اپنا فرض سمجھنا۔" اس کے بعد خزانچی کو بلوایا اور تمام اثاثہ خزانہ شاہی سے منگوا کر اپنے بیٹوں کو دیا کہ جا کر جامع مسجد میں حنفی مذہبی علماء میں یہ تقسیم کر دو۔ شہزادوں نے اس کے حکم کے بموجب عمل کیا اور سارا مال تقسیم کر دیا اس کے بعد واپس آئے اور بادشاہ کو اطلاع دے دی۔ بادشاہ نے یہ سن کر سکون و اطمینان کا سانس لیا اور اس کے بعد راہی ملک عدم ہوا۔ بادشاہ نے پورے گیارہ سال دو مہینے سات دن تک حکومت کی۔ یکم ربیع الاول ۷۵۹ھ کو انتقال کیا اس نے سڑسٹھ سال کی عمر پائی۔

بادشاہ کا کردار

ملحقات میں شیخ عین الدین بیجاپوری لکھتے ہیں کہ کسی نے ایک بار علاؤ الدین حسن سے سوال کیا کہ لشکر عظیم نہ ہونے کے باوجود تم نے اتنی وسیع سلطنت کیسے حاصل کر لی اور پھر اتنی کم مدت میں حکومت کو اتنی وسعت کیسے دی؟ دوسرا سوال یہ کیا کہ بغیر کسی کی مدد کے عوام اور دور دراز ملکوں کے حکمرانوں اور رعایا کو اپنا فرمانبردار اور مطیع کیسے بنالیا؟ اس پر حسن علاؤالدین نے جواب دیا کہ پہلے تو میں نے مروت کو اپنا اصول بنالیا تھا اور ہر خاص و عام کے ساتھ ہمیشہ مروت سے پیش آتا تھا' دوسرے یہ کہ کبھی بھی بخل سے کام نہیں لیا' ہمیشہ سخاوت کرتا رہا' سخاوت کرنے میں دوست دشمن' اپنے' پرائے' کی تخصیص نہ تھی۔ ہر ایک کے ساتھ برتاؤ بالکل برابر کا رہا' سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور ہر ایک کے ساتھ احسان کیا' انہیں دو عمدہ عادتوں کی وجہ سے ہر ایک میرا مخلص' ہمدرد' مطیع اور فرمانبردار بن گیا۔

حسب و نسب

علماء اور مشائخین میں سے علاؤالدین حسن کے ہم عصر صرف دو تھے' ایک شیخ عین الدین بیجاپوری اور دوسرے شیخ محمد سراج ان دونوں علماء کے حالات بعد میں لکھے جائیں گے۔ تحفۃ السلاطین اور سراج التواریخ' اور بہمن نامہ دکنی کے مصنفین نے ان کتابوں میں علاؤ الدین حسن کے حسب نسب کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا' لیکن جب کہیں اس بادشاہ کی تعریف کی ہے تو کبھی شاہان کیان کی طرف منسوب کر دیا۔ اور کہیں یہ لکھا ہے کہ بادشاہ نے کلاہ کیانی سر پر رکھا اور قدم تخت کیانی پر رکھ کر جلوس کیا۔ انہیں تصانیف میں بعض جگہ علاؤ الدین حسن کو بہمن اور اسفندیار کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یعنی کہیں پر تو اس کو بہمنی نژاد لکھا ہے اور کہیں افروزندہ کاخ بہمنی وغیرہ جیسے مبالغہ آمیز اور پر تصنع جملوں سے اس کی تعریف کی ہے۔

ان کتابوں میں بہت سے ایسے جملے اور عبارتیں ملتی ہیں جن سے شبہ ہوتا ہے کہ علاؤ الدین حسن' اسفندیار کی نسل سے تھا۔ بہمن نامہ اور اس کے اشعار پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا' جو شعر اس بات کو ثابت کرنے کے لئے پیش کیے جاتے ہیں کہ بادشاہ نسل بہمن بن اسفندیار سے تھے' ان میں بھی کوئی قوی دلیل نہیں ملی اگر بہمن نامہ کے متعلق یہ بات ثابت ہو جاتی کہ واقعی اس کے مصنف شیخ آذری ہیں' تو یہ اشعار بہترین سند تھے لیکن شیخ آذری ایسے انسان ہی نہیں ہیں جو کسی بات کو بغیر تحقیق کیے ہوئے اپنی کتاب میں لکھتے دوسری بات یہ بھی ہے کہ جو اشعار بطور سند پیش کیے گئے ہیں وہ مستند نہیں' دوسرے یہ کہ کتاب کے کسی شعر میں شاعر کا تخلص نہیں پایا جاتا پھر ان باتوں کے باوجود یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ یہ معمولی' اشعار شیخ آذری کی فکر بلند کا نتیجہ ہیں۔

ایک رسالے کے بیانات کا خلاصہ

مورخ فرشتہ جس وقت شہر احمد نگر میں مرتضیٰ نظام شاہ بحری کا ملازم تھا اس عرصہ میں نظام شاہیہ کتب خانہ میں ایک رسالہ اس کی نظر سے گزرا جو علاؤ الدین حسن کے حسب و نسب کے بارے میں تھا اس رسالہ کے مصنف کا نام نہیں لکھا ہوا تھا۔ اس میں یہ درج تھا کہ علاؤ الدین حسن بہمنی بہرام گور کی اولاد سے ہے اور اس کا سلسلہ حسب و نسب بہرام گور تک اس طرح پہنچتا ہے کہ علاؤ الدین حسن کانگو نے بہمنی بن کیکاؤس بن محمد بن حسن بن سہام بن سیمون بن سلام بن ابراہیم بن نصیر بن منصور بن رستم بن کیقباد بن منوچہر بن نامدار بن اسفندیار بن کیومرث بن خورشید بن مصائی بن فغفور بن فرخ بن شہریار بن عامر بن سعید بن ملک داؤد بن ہوشنگ بن نیک دار بن فیروز بخت بن نوح بن سانع اور پھر سانع کا حسب و نسب چند پشتوں کے بعد بہرام گور سے جا ملتا ہے۔ بہرام گور ساسان کی نسل سے ہے اور ساسان بہمن بن اسفندیار کی (جو کیانی خاندان کا حکمران تھا) یادگار ہے۔ اس رسالے میں بھی یہ لکھا ہے کہ علاؤ الدین اور اس کی اولاد کو بہمنی کہنا یہی معنی رکھتا ہے کہ یہ خاندان نسل بہمن بن اسفندیار سے ہے۔ فرشتہ کے خیال میں اس کی یہ رائے بالکل غلط ہے

اس کی اولاد بہمن کے نسب سے مشہور ہو گئی- خوشامد کرنے والے شعراء اور مداحوں اور تاریخ دانوں نے مبالغے سے کام لے کر حقیقت کو بالکل مسخ کر ڈالا-

حوالہ جات

(۱) ناسک اور پاٹوده کے قریب قریب لکھنے سے مغالطہ کا احتمال ہے- کیونکہ ناسک تو دولت آباد کے مغرب میں واقع ہے- جبکہ پاٹوده بیٹر کے ضلع میں دولت آباد سے کوئی نوے میل جنوب میں ہے-

(۲) برہان' ماثر میں یہ روایت بالکل مختلف طریقے سے لکھی ہوئی ہے- جب سلطان محمد تغلق نے دولت آباد کے قریب دکن کے باغی امیروں کو شکست دی تو اسمٰعیل فتح قلعہ دولت آباد میں محصور ہو کر بیٹھ گیا- اور علاؤ الدین حسن مع اپنی فوج کے گلبرگہ پہنچا مگر راستہ میں یہ سن کر کہ عماد الملک تیز تیز اس کے تعاقب میں آ رہا ہے- اس نے گھات لگائی اور عماد الملک پر یکایک حملہ کر دیا جس میں عماد الملک مارا گیا-

(۳) قندھار اب ضلع نانڈو میں داخل ہے منڈو سے مالوہ کا تاریخی شہر مانڈو مراد ہے-

(۴) اودنی غلط ہے اودنی یا ادھونی صحیح ہے اور یہ تنگ بھدرا کے جنوب میں مشہور تاریخی قلعہ ہے-

(۵) سیت بن رامیرا انتہائے جنوب کا شہر رامیشورم ہے-

(۶) دھور سمندر سے دور سمندر مراد ہے جو قدیم زمانہ میں ایک ہندو ریاست کی راجدھانی تھا اور ریاست میسور کے شمال مغرب میں اسی ۸۰ میل کے فاصلہ پر آباد تھا-

(۷) تاول- بکری- تاولی ممکن ہے کہ تنگ بھدرا کی کوئی چھوٹی معاون ندی ہو اب اس نام کی کوئی ندی نقشہ میں نہیں- بکری غلط ہے صحیح نام ہکری یا ہکیری ہو سکتا ہے- تنگ بھدرا کی معاون ندی ہکری ہو سکتا ہے یہ رائے باغ اور مرچ (بیجاپور) کے مغرب میں ابھی تک موجود ہے-

(۸) رائے چور ریاست حیدر آباد دکن کا ایک مشہور مقام ہے- مدکل بھی ریاست کا ایک مشہور مقام ہے- داویل یا دابھول ایک قدیم مشہور بندرگاہ ہے- ستارا کے مغرب میں بمبئی سے- تقریباً سو میل جنوب میں ابھی تک آباد ہے-

(۹) خیبر غلط ہے- یہ جنیر (ج ن ی ر) ہونا چاہیے- جو احمد نگر کے مغرب میں دکن کا مشہور تاریخی مقام ہے- چول یا چیول بمبئی سے تقریباً تیس میل جنوب میں اب چھوٹی سی بندرگاہ ہے- مونگی پٹن سے موجودہ پٹن (ضلع اورنگ آباد) مراد ہے-

(۱۰) ماہور جنوبی برار میں مان گنگا کے کنارے نہایت مستحکم مرکزی مقام تھا- یہاں کا قدیم قلعہ اب تک موجود ہے- اندور موجودہ نظام آباد کا پرانا نام ہے- اسی طرح بیٹر کا پرانا نام کولاسل ہے-

محمد شاہ بہمنی بن سلطان علاؤ الدین حسن گانگو

انتظام سلطنت

حسن گنگو کے انتقال کے بعد سلطان محمد شاہ نے دکن کے تخت پر قدم رنجہ فرمایا- محمد شاہ نہایت درجہ عقلمند بہادر اور سخی حکمران تھا- اس حکمران نے سامان شان و شوکت اور لوازمہ سلطنت کو مہیا کرنے میں بڑی ایمانداری سے کوشش کی اور تاج شاہی کے قبہ کو بہت قیمتی ہیرے اور جواہرات سے مرصع کیا- اور ایک جڑاؤ ہما اس کے اوپر لگایا اور وہ یاقوت جو راجہ بیجانگر نے سلطان علاؤ الدین حسن گانگو کو بھیجا اور جس کی قیمت کی شناخت کوئی جوہری نہ کر سکا تھا اسے اس مرصع ہما کے سر پر لگایا' چوبداروں کی تعداد میں بھی بہت اضافہ ہوا- امراء اور منصب داروں میں سے ہر ایک کی ذمہ داری پر ایک ایک کام چھوڑ دیا-

لوگوں کو دربار شاہی میں داخل ہونے کی اجازت دینے اور لشکر شاہی کے حاضر کرنے کے لئے تواچیوں کو رکھا گیا اور اس جمعیت کا نام باردار رکھا گیا- اسی طرح یکہ جوان ہتھیار' نیزہ و علم' تیرو تبر کی حفاظت کرتے تھے ان لوگوں کا نام "سلح دار" رکھا گیا تھا- اس کے علاوہ یکہ جوانان خاصہ جو تعداد میں تقریباً چار ہزار تھے' خاصہ خیل کے نام سے مشہور تھے- بادشاہ کا حکم تھا کہ روز صبح پچاس ۵۰ سلحدار اور ایک ہزار خاصہ خیل دیوان خانہ میں حاضر رہا کریں- اور جب دوسرے دن یہ گروہ کام سے واپس جائے تو دوسرا گروہ مقرر وقت پر دربار میں حاضر ہو جایا کرے- بادشاہ نے یہ حکم جاری کر رکھا تھا کہ جتنے امیرو منصب دار جو مملکت میں موجود ہوں نوبت پر سلحداروں کے ساتھ موجود رہیں اور خانہ شاہی میں پہرہ دیں- ہر نوبت پر ایک آدمی کا تقرر ہوا اور اس کا خطاب سرنوبت دیا گیا- اس کے علاوہ پہلی چوکی کی سر نوبت کو بھی اسی نام سے مقرر کرکے دوسروں پر اس کو افسر بنا دیا گیا- اسی طرح وہ تمام ممالک جو بادشاہ کے قبضہ میں تھے اس کے ہر حاکم کو الگ الگ خطابات دیئے گئے- مثلاً حاکم دولت آباد کو "مسند عالی" کا خطاب' حاکم برار' "مجلس عالی" کے خطاب سے موسوم کیا گیا- بیدر اور تلنگ کے حکمران کو "اعظم ہمایوں" کا لقب دیا اور "ملک نائب" کا خطاب حاکم پایہ تخت گلبرگہ و حسن آباد و بیجاپور کو دیا گیا' جو وکیل سلطنت بھی تھا- مقبوضہ ممالک کے افسر اعلیٰ کا خطاب امیر الامراء تھا اور یہ تمام خطابات و انعامات ہنوز مملکت دکن میں رائج ہیں-

امور سلطنت کی انجام دہی کا طریقہ

جمعہ کے دن کو چھوڑ کر باقی ہر روز ایوان کے درمیان میں ایک نہایت قیمتی ریشمی فرش بچھایا جاتا' مخمل و زربفت کے شامیانے اور دوسرے بہت قیمتی پردے لگائے جاتے تھے- علاؤ الدین کا چاندی کا تخت بچھایا جاتا- سلطان محمد ایک پہر دن گزرنے کے بعد دیوان عام میں قدم رنجہ فرماتا اور دربار میں آکر پہلے اپنے باپ کے تخت کو سجدہ کرتا اور اس کے بعد خود تخت پر بیٹھ جاتا اور امور سلطنت کو انجام دیتا- ظہر کی اذان سے پہلے دربار کرتا اور اذان کی آواز سننے سے پہلے ہی دربار ختم کر دیتا- چونکہ بہت غیرت مند تھا اس لئے باپ کے تخت کو سجدہ کرنا پسند نہ کرتا تھا جیسا کہ آگے لکھا جائے گا- تلنگانہ کے راجہ نے فیروزہ کا تخت بھیجا تو اس تخت کو دیوان خانہ میں بھجوا دیا اور چاندی کا تخت ہمیشہ کے لئے الگ کرکے ایک کونہ میں رکھ دیا- اس تخت کو سلطان فیروز شاہ بہمنی نے اپنے عہد میں مدینہ منورہ بھجوا دیا تھا- تاکہ اس کو توڑ کر اس کی چاندی سادات میں تقسیم کر دی جائے- جیسا کہ علاؤ الدین حسن گنگو کے زمانہ میں رواج تھا ویسا ہی محمد شاہ کے عہد میں بھی تھا کہ ماسوا ملک نائب سیف الدین غوری کے کسی دوسرے شخص کو مجلس سلطانی میں بیٹھنے کی اجازت ہی نہ تھی- حالانکہ ملک سیف الدین کو اس بات کا

میں خود گذارش کی کہ مجھے بھی دیگر بہمنی خاندان کے امراء اور اعزاء کی طرح دربار میں کھڑے رہنے کی اجازت مرحمت ہو۔ یہ بات گویا محمد شاہ کے دل ہی کی تھی اس نے فوراً منظور کر لیا اور ملک سیف الدین غوری بھی دوسرے امراء کی طرح دربار میں کھڑا رہا کرتا تھا۔

سکہ اور خطبہ

بادشاہ نے یہ حکم بھی جاری کیا تھا کہ سونے کا سکہ تیار کیا جائے اور روزانہ پانچ بار نوبت بجائی جائے اور جو بھی شخص دربار میں داخل ہو وہ دوزانو ہو کر بیٹھے اور پھر زمین بوس ہو۔ بہمنیہ خاندان کی حکومت کے بعد حالانکہ بہت سے خاندانوں نے دکن پر حکومت کی اور ہر خاندان کا تاج اور خطبہ بالکل مختلف اور ایک دوسرے سے الگ تھا' لیکن نہ کسی نے سونے کا سکہ بنوایا اور نہ پانچ نوبتیں اپنے دروازہ پر بجوائیں۔ تلنگانہ کے حکمرانوں نے اگرچہ سونے کا سکہ نہیں جاری کیا پھر بھی انہوں نے نوبتیں اپنے دروازہ پر ضرور بجوائیں اور یہ سراسر شاہان بہمنیہ کی تقلید تھی۔ محمد شاہ بہمنی نے جو سکے سونے اور چاندی کے بنوائے تھے وہ چار طرح کے تھے جن کے اوزان بھی مختلف تھے۔ زیادہ سے زیادہ وزن دو تولہ ہوتا اور کم از کم پاؤ تولہ اس سے کم وزن کا کوئی بھی محمد شاہی سکہ نہیں تھا۔ ہر سکہ پر ایک طرف کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت لکھا ہوتا' دوسری طرف فرمانروائے دکن کا نام اور تاریخ کندہ ہوتی۔

ہندو صرافوں اور سناروں نے مذہبی تعصب اور بیجانگر و تلنگانہ کے راجاؤں کے بھڑکانے سے خالص سکوں کو گلانا چاہا تاکہ محمد شاہی عہد سے پہلے کی طرح بیجانگر اور تلنگانہ کے راجاؤں کے سکے بھی جاری رہیں۔ محمد شاہ کو ان صرافوں کی بدنیتی معلوم ہو گئی اور اس نے بار بار بہمنی سکوں کو توڑنے اور گلانے کی ممانعت کر دی اور کئی بار ان لوگوں کو تنبیہہ بھی کی لیکن جب یہ سلسلہ منع کرنے کے باوجود بھی جاری رہا تو بادشاہ نے ممالک محروسہ میں ان لوگوں کے قتل کے احکامات صادر کر دیئے تاکہ یہ گروہ ہی ختم ہو جائے۔ ماہ رجب ۷۶۱ھ کو سلطنت بہمنیہ کے تمام صرافوں کو قتل کر دیا گیا اور اس طرح ممالک محروسہ ان نافرمانوں سے پاک ہو گئے۔ اب صرافہ کا کام کھتریوں نے کرنا شروع کر دیا جو دکن میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ چنانچہ بہمنی فرمانرواؤں کے آخر عہد تک تمام ممالک میں مسلمانوں کا ہی سکہ چلتا رہا۔ دکن کے قدیم صرافوں کی اولاد نے جب یہ حالت دیکھی تو سلطان فیروز شاہ بہمنی کے زمانہ میں اپنے باپ دادا کے اعمال سے توبہ کی اور تمام روپیہ شاہی خزانہ میں جمع کر دیا اور اپنا قدیم پیشہ اختیار کر کے پھر کبھی ہندوؤں کے سکوں کی طرف توجہ نہ کی۔ سلطان محمود شاہ بہمنی کی حکومت کے وسطی دور میں جبکہ دولت بہمنیہ کی بنیادیں ہل گئی تھیں ان صرافوں نے پھر پرانی روش اختیار کی اور اپنے دل کے بغض کو دوبارہ زندہ کیا اور سات آٹھ سال کے عرصہ کے اندر ہی اندر اسلامی سکوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اور بیجانگر اور تلنگانہ کے راجاؤں کے سکے جوہون اور پرتاپ (۱) کے نام سے مشہور تھے تمام اسلامی ملکوں میں مشہور ہو گئے۔ چنانچہ اس وقت تک جب یہ تاریخ لکھی گئی (یعنی ایک ہزار سولہ ۱۰۱۶ھ ہجری) ہندوؤں کا سکہ ہی مسلمانوں کے ملکوں میں جاری ہے۔

اسلامی سکے

مورخ فرشتہ اپنی یادداشت سے فائدہ اٹھا کر لکھتا ہے کہ شاہ قلی صلابت خاں ترک جس نے مرتضیٰ نظام شاہ بحری کے زمانہ میں کئی بار حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی اس کی محفل میں بارہا محمد شاہ بہمنی کے عہد کے صرافوں اور ان کے قتل کے حالات کا ذکر کیا گیا حالانکہ صلابت خاں نے پوری کوشش کی کہ مرتضیٰ نظام شاہ کے زمانہ حکومت میں ہندوؤں کے سکوں کو بالکل ختم کر دے اور اسلامی سکوں کو رواج دے۔ اس نے کئی جگہ ٹکسال بنوائے اور سونے نیز چاندی کے سکے تیار کرائے جن میں حضرات ائمہ اہل بیت کے اسمائے گرامی مرقوم ہوتے اور نظام شاہ کا نام کندہ ہوتا تھا' لیکن برار کے امیر الامراء سید مرتضیٰ سمنانی جو صلابت خاں سے حسد رکھتا تھا اس نے اس چیز کو قطعی گوارا نہ کیا کہ برار ہی میں ٹکسال قائم کرا کے اور سکے ڈھلوائے یہی اثر احمد نگر کے صرافوں پر بھی ہوا اور محمد شاہی عہد کا طریقہ نظام شاہی عہد میں دہرایا گیا۔ اور صرافوں نے اپنے گھروں میں مسلمانوں کے سکوں کو گلانا شروع کیا اور ہندوؤں کے سکوں کو رواج

دنیا شروع کیا۔ شاہ قلی سلابت خاں نے بارہا صرافوں کو تنبیہہ کی اور طرح طرح کی سزائیں دیں، بہتوں کو قتل کرایا مگر پھر بھی یہ بدعنوانی ختم نہ ہوئی اور صلابت خاں کی کوششیں کارآمد ثابت ہوئیں اتفاق کی بات کہ اس دوران میں صلابت خاں وکالت کے عہدہ سے ہٹا دیا گیا اور قید خانہ میں ڈال دیا گیا اب ہندو صرافوں نے اس کے سکوں کا نام و نشان تک دنیا سے مٹا دیا۔

برہان نظام ثانی کے سکے

اسی طرح برہان نظام شاہ ثانی نے ۱۰۰۱ھ میں سونے کے سکے جاری کیا اس پر بھی حضرات ائمہ اہل بیت کے نام کندہ تھے اس کو جاری کرنے کا بھی مقصد یہی تھا کہ ہندوؤں کے تمام سکے ترک کر دیئے جائیں، لیکن چونکہ نظام شاہ کا انتقال بہت جلد ہو گیا اس لئے احمد نگر میں حکومت کا پانسہ ہی پلٹ گیا للذا یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہوئی غرضیکہ محمد شاہ نے اسلام اور شریعت کی توسیع اور تقویت میں بہت کوشش کی اور ہندوؤں کے سکوں کو اپنے ملک سے بالکل ختم کر دیا۔ تلنگانہ اور بیجانگر کے راجاؤں کو بادشاہ کے سامنے اپنی قوت بالکل ہیچ معلوم ہوئی لیکن وہ ہمیشہ خوفزدہ ہی رہے۔ ان راجاؤں نے بہت سے مسلمان امراء کو محمد شاہ کی مخالفت پر اس لئے اکسایا کہ اس نے تمام مال و زر مدینہ منورہ بھجوا دیا تھا۔ بعض بہمنی امیر بھی ان راجاؤں کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور ان کے نقش قدم پر چلنے لگے تھے للذا بیجانگر کے راجہ نے سلطان محمد شاہ کے پاس قاصد بھیج کر یہ کہلوایا کہ قلعہ رائچور اور مدکل اور اس کے گرد و نواح کے مقامات جو دریائے کرشنا کے ساحل تک ہیں ہمیشہ سے بیجانگر کے راجاؤں کے تحت رہے اب اگر ہم لوگوں سے تعلقات کا رشتہ استوار کرنا ہے تو اپنا قبضہ ان مقامات سے ہٹا لو اور یہ مقامات ہمارے حوالے کر دو تاکہ شاہ دہلی کے خونخوار اور میرے جنگجو سپاہیوں کی زد سے یہ مقامات محفوظ رہیں۔

اسی طرح تلنگانہ کے راجہ نے جس نے کولاس علاؤ الدین حسن کے حوالے کر دیا تھا اس نے بھی موقع غنیمت جان کر محمد شاہ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا ناگ دیو قلعہ کولاس کو اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا ہے اور مجھ سے اسی بات پر باغی ہو گیا ہے کہ میں نے قلعہ کیوں تاجدار دکن کے حوالے کر دیا۔ اور اب وہ کولاس کو اپنے قبضہ میں کر کے تمہاری سلطنت سے اس کو علیحدہ کرنے پر بالکل تیار بیٹھا ہے للذا اب عین مناسب یہی ہے کہ تم کولاس واپس کر دو جو ہمارے اور تمہارے درمیان فساد کی بنیاد ہے تاکہ میں خود بھی تمہارا فرمانبردار اور دوست بن جاؤں اور تمہارے دشمنوں کا مخالف۔" محمد شاہ نے اس معاملہ میں بہت عقلمندی سے کام لیا، ان قاصدوں کی بہت عزت و تعظیم کی جواب دینے میں مسلسل ایک سال کا عرصہ لگ گیا اور اس عرصہ میں جو امراء بادشاہ سے بدظن ہو گئے تھے اور راجاؤں سے ساز باز کر رہے تھے ان سب کو خوب تنبیہہ کی اور ان راجاؤں کو بہت محبت آمیز خطوط لکھے۔ امراء میں سے جو قابل اعتماد تھے انہیں عہدے مرحمت فرمائے۔

ایک بہت بڑا دربار عام

ملکہ جہاں جب سفر حجاز سے واپس آئیں اور جب بادشاہ محمد شاہ کو یقین ہو گیا کہ اب عوام امراء اور راجاؤں میں مخالفت کی تاب اور سکت نہیں ہے تو اس نے ایک بہت بڑا دربار عام منعقد کیا، دربار کو خوب آراستہ کیا گیا۔ تلنگانہ اور بیجاپور کے قاصدوں کو بھی اس دربار میں بلایا۔ بادشاہ نے نہایت رعب دار اور بااثر لہجہ میں ان ایلچیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ "مجھے تخت فیروزہ پر جلوس کیے ہوئے عرصہ گزر گیا اور میرے اقبال شاہی نے آسمان کی بلندیوں کو چھو لیا لیکن آس پاس کے راجاؤں اور حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ کسی نے آج تک کوئی ہدیہ کوئی پیشکش نہیں کی حالانکہ ان راجاؤں کا فرض ہے کہ ان کے پاس جو قیمتی زر و جواہر سونا چاندی، بیش بہا ملبوسات ہیں وہ سب ہاتھیوں پر لاد کر بارگاہ بہمنی میں روانہ کریں۔" محمد شاہ نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ خزانہ شاہی کی ساری دولت مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں صرف ہو گئی اور ... [illegible]

محمد شاہ کی دریا دلی

ملکہ جہاں کے سفر حجاز کے اخراجات کے بارے میں یہ روایت ہے کہ جب باپ کا انتقال ہوا تو محمد شاہ نے تمام دولت جی کھول کر تقسیم کی۔ باپ کا فاتحہ وغیرہ کرانے کے بعد اور تعزیت سے فارغ ہو کر حسن آباد گلبرگہ میں تخت پر بیٹھا اور امور سلطنت کو انجام دینا شروع کیا۔ امور جہاں داری میں اس نے ذرا بھی بخل نہ کیا' ضرورتمند لوگوں کی سرپرستی کے فرمان جاری کیے اور امراء دولت آباد' برار کے لئے خلعت و انعامات بھیجے۔ ان امراء کے نام صفدر خاں سیستانی اور خان محمد تھے۔ ملک سیف الدین غوری اور اس کے بیٹے اعظم ہمایوں پر شاہانہ نوازشات کی بارش کی اور ان کے عہدوں کو انتہائی کمال پر پہنچایا۔

اس کے باپ کی قبر حسن آباد گلبرگہ کے پاس تھی وہاں مسلسل چھ ماہ تک برابر جاتا رہا۔ فقراء محتاجوں اور مساکین کو خیرات دی اور قبر پر ایک عالی شان گنبد بنوایا اس کے علاوہ کئی قصبے اور چند گاؤں قبر کے اخراجات کے لئے وقف کر دیئے تاکہ دو سو حافظ حسن گنگو بہمنی کی قبر پر ہمیشہ تلاوت کرکے اس کی روح کو ثواب پہنچایا کریں۔ ملکہ جہاں یعنی محمد شاہ کی والدہ ماجدہ نے بھی اپنی تمام دولت شوہر کی روح کو ثواب پہنچانے میں صرف کر دی۔ اور شوہر کے انتقال کے پورے ایک سال بعد حج بیت اللہ کی اجازت اپنے بیٹے سے طلب کی۔ محمد شاہ چونکہ اپنی ماں کا بھی بہت فرمانبردار تھا وہ تمام دولت جو باپ نے دنیاوی کاموں کے لئے جمع کی تھی اسے وہ مدینہ منورہ بھیج کر باپ کی روح کو ثواب پہنچانا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے خزانچی کو بلا کر کہا کہ جتنے بیش قیمت زیورات' سونا چاندی قیمتی آلات ہیں سب بادشاہ کے حضور میں پیش کیے جائیں اور اندازہ لگایا جائے کہ ان سب کی قیمت کیا ہے۔ غرضیکہ تمام مسکوک اور غیر مسکوک دولت اسی مقصد کے لئے بادشاہ کے سامنے لائی گئی۔

وزن کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک سو من سونا اور سات سو من چاندی دکنی وزن کے مطابق ہے حالانکہ اس وقت اراکین دولت اور امراء سلطنت نے دنیاوی مصلحتوں کا خیال کرکے کہا کہ فیروز شاہ باربک کو لشکر کی درستگی اور ملکی اخراجات کی ضرورت ہے ہو سکتا ہے کہ وہ طلب کرے۔ لہٰذا اسی قدر مال و زر ملکہ جہاں کے ہمراہ روانہ کیا جائے جو ضرورت ہو اور بقیہ خزانہ شاہی میں محفوظ رکھا جائے تاکہ وقت پڑنے پر کام آئے۔ اس خیال سے بادشاہ بہت مضمحل ہو گیا۔ ملک سیف الدین نے بادشاہ کے چہرہ پر اضمحلال کے آثار دیکھ کر اس کی وجہ پوچھی۔ محمد شاہ نے اپنی نیت اور امراء کی مخالفت کا تمام حال بیان کر دیا۔ اس پر ملک سیف الدین نے بھی جواب دیا کہ دولت کا خزانہ شاہی میں رہنا بہت ضروری ہے' لیکن جو مال و زر راہ خدا کے لئے خزانچی سے نکلوا کر رکھ لیا گیا ہے اس کا واپس کرنا بھی مناسب نہیں کہ دوبارہ اب وہ خزانہ شاہی میں جمع کرا لیا جائے۔

بادشاہ نے ملک سیف الدین کی صلاح پر عمل کرنے کا ارادہ کیا اس نے کہا کہ میرے غریب باپ کو جب خدا نے اس قدر مال و دولت کا مالک بنا دیا تھا تو اگر خدا چاہے گا تو خزانہ ہونے کی صورت میں بھی میرے ملک کو اپنی امان میں رکھے گا۔ اس کے بعد صدر الشریف جیسے قابل اعتماد لوگوں کو بلایا اور تمام سونا چاندی ان کے حوالے کر دیا۔

ملکہ جہاں کا سفر حجاز

معین خان خواجہ سرا کو چند دیگر خواجہ سراؤں کے ہمراہ کرکے خدمت کے لئے مقرر کر دیا۔ اور ملکہ جہان کو ان معتبر لوگوں کے ساتھ بندر دابل (۲) روانہ کیا۔ باعصمت اور نیک طبیعت بیگم نے اپنے تمام ضروری کام ان لوگوں کے ہاتھ میں دے دیئے۔ اور محمد شاہی کشتی جو اس زمانہ میں تیار کی گئی تھی' اس پر سوار ہوئیں۔ ملکہ کی رشتہ دار اور اعزا کے علاوہ محتاج اور غریب عورتیں تقریباً آٹھ سو بیگم کے ساتھ ہوئیں۔ صدر الشریف کو یہ ہدایت ملکہ جہاں نے کر دی تھی کہ تمام مسافروں کا نگران اور اخراجات کا ذمہ دار رہے۔ ہم سفروں سے کہہ دیا گیا تھا کہ جس کو سفر میں جو ضرورت ہو وہ ملکہ جہاں کے آدمیوں سے حاصل کرے کیونکہ جتنا مال اسباب ساتھ تھا وہ سب راہ خدا میں

صرف کرنے کے لئے ہی تھا۔ ملکہ جہاں کی کشتی طوفان اور بلاؤں سے بالکل محفوظ جدہ کی بندرگاہ پر ٹھہری اور اس کے بعد یہ سارا قافلہ بیت اللہ کی طرف چلا۔ ہر فرد بشر نے خانہ خدا کا طواف کیا ملکہ جہاں نے غریبوں محتاجوں اور مستحقین کو انعامات سے نوازا اور اس طرح اپنی آخرت کا سامان کر لیا۔ اس کے بعد ملکہ جہاں مدینہ منورہ پہنچیں یہاں انہوں نے ایک سال تک قیام کیا اور اس مقام پر چار ہزار کنواری لڑکیوں کی شادیاں کرائیں۔

ملا داؤد بیدری کا بیان

تحفۃ السلاطین میں ملا داؤد بیدری نے لکھا ہے کہ ملکہ جہاں روزانہ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء ؓ کے مزار پر زیارت کے لئے جاتی تھیں ایک دن انہوں نے پوچھا کہ حضرت امام حسین ؓ کا مزار کہاں ہے تاکہ اس کی زیارت کی جا سکے۔ صدر الشریف نے جواباً کہا کہ سید الشہدا کا کربلا میں مدفن ہے۔ ملکہ جہاں نے اس کا سبب پوچھا کہ حضرت فاطمہ الزہراء کا مزار تو مدینہ منورہ میں ہے پھر حضرت امام حسین کو کربلا میں کیوں دفن کیا گیا۔ اس پر صدر الشریف نے حضرت حسین ؓ اور یزید کا قصہ بیان کیا اس پر ملکہ جہاں نے بہت گریہ و زاری کی اور کہا کہ چھوٹا بیٹا ماں کو ہمیشہ پیارا ہوتا ہے لہٰذا مجھے حضرت امام حسین کے مزار کی زیارت بھی کرنا ضروری ہے تاکہ حضرت بی بی ناراض نہ ہوں یہ سوچ کر ملکہ جہاں نے کربلائے معلی جانے کی تیاری شروع کر دی۔

وہ مدینہ منورہ سے چلنے ہی والی تھیں کہ انہیں خواب میں حضرت فاطمۃ الزہراء کی زیارت نصیب ہوئی اور انہوں نے اپنے آپ سے فرمایا کہ تجھے مزار حسین پر حاضری دینے کی کوئی ضرورت نہیں میں تیرے اچھے اخلاق سے بہت ہی متاثر ہوں۔" اور یہ بشارت دی کہ تو اپنے گھر چلی جا کیونکہ تیرے بیٹے تیری دید کے مشتاق ہیں' ملکہ جہاں نے اپنا یہ خواب صدر الشریف سے بیان کیا اور اس کے بعد بہت سا مال و اسباب' زر و جواہر ایک قابل اعتماد آدمی کے ذریعہ کربلائے معلی بھیجا تاکہ یہ سب علی ؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے فرزندان عالی قدر کے نام سے سادات اور زائرین میں بانٹ دیا جائے۔ اور اس کے بعد خود جدہ کی بندرگاہ سے ہوتی ہوئی دکن کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ملکہ بندر دابل پہنچیں اور ان کے استقبال کے لئے محمد شاہ روانہ ہوا کلبر کے قلعہ میں اس نے اپنی والدہ سے ملاقات کی اور دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔

خلیفہ عباسی کا فرمان و خلعت

محمد شاہ نے خلیفہ عباسی کا بھیجا ہوا خلعت پہنا اور وہ فرمان بھی پڑھا گیا جس میں خلیفہ عباسی نے حاکم دکن کو اپنے نام کا خطبہ پڑھوانے اور سکہ جاری کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی بادشاہ نے خلعت و فرمان دونوں اپنے سر پر رکھے اور جو قاصد' امراء اور ایلچی ان تبرکات کو لے کر دکن میں لائے تھے ان پر بڑی نوازشیں ہوئیں۔ ملکہ جہاں کی واپسی کے بعد مسلسل دو سال تک قصبہ کلبر میں جشن شادی بپا رہا اور پھر مع اپنی والدہ کے محمد شاہ' حسن آباد گلبرگہ آیا۔ یہاں آنے کے بعد بھی عرصہ تک خوشی و مسرت کے شادیانے بجتے رہے۔ ملکہ یہاں پہنچنے کے بعد اپنے شوہر حسن علاؤ الدین گنگو کی قبر پر گئی اور بہت سا روپیہ خیرات کیا پھر اپنے سب سے زیادہ نیک اور سعادت مند بیٹے سے اجازت لے کر وہیں اپنے شوہر کی قبر کے پاس ایک حجرہ بنوا لیا اور صبح و شام شوہر کی قبر پر بغرض فاتحہ خوانی حاضری دیتی۔ اس کی جدائی میں گھنٹوں آہ و زاری کرتی حتیٰ کہ ملکہ جہاں کا بھی آخری وقت آ پہنچا۔ اور ۷۶۳ھ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا انہیں شوہر کے برابر ہی جگہ ملی۔ ملکہ کے حسن اعتقاد اور نیک اعمال کے بارے میں یہ عجیب روایت مشہور ہے کہ ملکہ کے ساتھ جتنے افراد حجاز کے سفر کے لئے روانہ ہوئے تھے وہ سب کے سب خانہ خدا اور خانہ رسول کا طواف کر کے زندہ و سلامت اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔ یہ واقعہ بھی اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے جو اس پاکعصمت بی بی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوا۔

راجاؤں کی سرکشی

یہ تمام باتیں بر سبیل تذکرہ آئیں اور حقیقت یہ ہے کہ جب راجاؤں کے ایلچیوں نے انہیں محمد شاہ کی رائے سے آگاہ کیا تو تلنگانہ کے راجہ نے اپنے بیٹے ناگ دیو کو بہت سے سواروں اور پیادوں کے ہمراہ ورنگل سے کولاس روانہ کیا۔ بیجانگر کے راجہ نے بھی راجہ تلنگانہ کی مدد کرنا چاہی اور بیس ہزار کی تعداد میں فوج ناگ دیو کی کمک کے لئے آئی۔ محمد شاہ نے اسمٰعیل فتح خاں کے بیٹے بہادر خاں کو لشکر کا سردار کیا اور اعظم ہمایوں خاں و صفدر سیستانی کے پاس احکامات بھیجے کہ وہ لشکر لے کر بہادر خاں کی مدد کے لئے میدان میں آ جائیں۔ انہیں ہر حالت میں بادشاہ کے فرمان کے مطابق عمل کرنے کی تاکید تھی۔ بہادر خاں بڑی ہمت اور دلیری کے ساتھ ہندوؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان کارزار میں آیا فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی' انجام کار ہندوؤں کا لشکر حواس باختہ ہو کر بھاگ نکلا اور اپنے ملک میں واپس جا کر پناہ گزین ہوا۔ بہادر خاں نے ورنگل تک کے ممالک کو تباہ و برباد کیا اور وہاں کے راجہ سے ایک لاکھ ہون (سکہ) اور پچیس ہاتھی اور دیگر تحفہ تحائف' بیش بہا اشیاء لے کر حسن آباد گلبرگہ واپس لوٹ آیا۔

ناگ دیو سے پرخاش

۷۶۳ھ میں ایک دن محمد شاہ کرسی پر بیٹھا ہوا وضو کر رہا تھا کہ اسے معلوم ہوا کہ کچھ سوداگر گھوڑے بیچنے کے لئے آئے ہیں محمد شاہ گھوڑوں کا بہت دلدادہ تھا۔ خاص طور پر عربی گھوڑوں کا اسے بہت شوق تھا وہیں کرسی پر بیٹھے بیٹھے سوداگروں کو بلوا لیا' گھوڑوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ ان میں کوئی اس قابل نہیں کہ خریدا جائے۔ اس پر بادشاہ نے سوداگروں سے کہا کہ ایسا مال لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک جانا بیکار ہے جو بادشاہوں کے لائق نہ ہو۔ سوداگروں نے نہایت مودب ہو کر خدمت میں عرض کیا کہ ہم لوگ شاہی سواری کے لائق عمدہ مال لے کر چلے تھے' لیکن ویلم پٹن (۳) میں ناگ دیو جو اپنے باپ کی طرف سے حکمران مقرر کیا گیا ہے اس نے ہم سے زبردستی عمدہ عمدہ گھوڑے چھین لئے۔ محمد شاہ ناگ دیو سے پہلے ہی دل برداشتہ ہو رہا تھا اس واقعہ سے اور بھی ناراض ہوا اور اس کو تباہ کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ محمد شاہ نے دار السلطنت کی باگ ڈور ملک سیف الدین کے ہاتھ میں دی اور اسی وقت اپنے بہادر اور جری گھوڑے کو جس کا نام شبدیز تھا اپنی کرسی کے پاس بلوایا اور اسی وقت سوار ہو کر ایک لشکر جرار کے ساتھ سلطان پور کے نزدیک ایک جگہ دس دن تک ٹھہرا رہا۔ اور پھر محمد شاہ جنیدی سے دعائیں لے کر گیارہویں دن دار الامارہ کے مست ہاتھی پر سوار ہو کر تلنگانہ کی طرف بڑھا۔ بادشاہ جب کلیانی کے آس پاس پہنچا تو اس نے اپنے ایک بے تکلف مصاحب سے پوچھا کہ ہم کتنے دن میں ویلم پٹن پہنچ سکتے ہیں اس نے گستاخانہ جواب دیا کہ اگر بادشاہ کی یہی رفتار رہی تو ہم آئندہ سال دشمن کے سر پر پہنچ سکیں گے۔

محمد شاہ نے فوراً ہی ہاتھ کو روک لیا اور چار ہزار سوار جن میں اسپہ دو اسپہ اور سہ اسپہ تھے انہیں اعظم ہمایوں کی سرکردگی میں اپنے سے پہلے بھیجدیا۔ اور خود بھی خدا پر قانع ہو کر سفر کی منزلیں طے کرنے لگا۔ بادشاہ نے تمام لشکر کو احمد آباد اور بیدر میں چھوڑا اور اتنی سرعت سے سفر شروع کیا کہ ایک مہینے کا کام ایک ہفتہ میں انجام پانے لگا۔ ایک ہزار سواروں کے ساتھ شہر ویلم پٹن کے گرد و نواح میں پہنچا۔ اور افغانوں کے ایک گروہ کو سوداگروں کے بھیس میں شہر میں بھیجا تاکہ یہ جا کر دربانوں اور نگہبانوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیں تاکہ محمد شاہ نہایت آسانی سے داخل ہو سکے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا یہ افغانی سوداگر تیر و کمان اور تلواریں لیے ہوئے پہنچے اور دربانوں سے کہا کہ ہم لوگ سوداگری کرنے کے لئے نکلے تھے ہمیں راستہ میں چوروں نے لوٹ لیا اب ہم کو اندر جانے کی اجازت دو۔

ابھی ان میں بات چیت ہو رہی تھی کہ محمد شاہ بھی مع اپنی فوج کے آگیا یہ لوگ جو دربان تھے یہ سمجھے کہ شاید ان افغان سوداگروں کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی حفاظت کی خاطر اٹھے اور دروازہ کو بند کرنا چاہا' لیکن محمد شاہ کے لشکر کے سامنے ان کی ایک نہ چلی' افغان سوداگروں نے نگہبانوں پر حملہ کر دیا۔

اس طرح یہ لوگ شہر کے اندر گھس آئے ادھر راجہ ناگ دیو کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ اس طرح محمد شاہ اچانک حملہ کر دے گا ہر طرف کشت و خون کا بازار گرم ہو گیا۔ محمد شاہ کی فوج اگرچہ بہت مختصر تھی پھر بھی اس نے زبردست ہنگامہ بپا کیا۔ راجہ باغ میں عیش و طرب کی محفل جمائے بیٹھا تھا وہ وہاں سے اٹھ کر فوراً محل میں چلا گیا بادشاہ نے اس فعل کو اپنی خوش نصیبی سمجھا اور اسی وقت اس قلعہ کو گھیر لیا۔ جس میں توپ (۴) و تفنگ اور آلات قلعہ داری بالکل نہیں تھے۔ اور شہر کے تمام کاریگروں کو کام سے لگا دیا اور حکم دیا کہ بہت کم عرصہ میں بہت سے چوبی زینے اور قلعے کو فتح کرنے کے دوسرے اسباب فراہم کیے جائیں۔

ناگ دیو نے محسوس کر لیا کہ مقابلہ کرنا بالکل بیکار ہے اور ہر ہندو کے دل پر مسلمانوں کا ڈر غالب آ چکا ہے اور کہیں سے مدد پہنچنے کا بھی امکان نہیں ہے۔ لہٰذا جو دروازہ پتھر سے چنا ہوا تھا اس کو کھولا اور اپنے چند قابل اعتماد ساتھیوں کے ساتھ قلعہ کے پیچھے سے بھاگا۔ محمد شاہ کو اس کے فرار کا حال معلوم ہو گیا اس نے فوراً ہی ناگ دیو کا تعاقب کیا' اس کو پکڑ کر محل میں لایا اور اس سے تمام خزانوں اور دفینوں کا حال معلوم کر کے ان پر اپنا قبضہ کر لیا۔ دوسرے روز صبح کو ناگ دیو دربار میں طلب کیا گیا بادشاہ کا دل اب اس کی طرف سے میلا نہ رہا تھا اور وہ اس کی جان بخشی پر تیار بھی تھا۔ اس نے ناگ دیو سے سوال کیا کہ سوداگر جو گھوڑے میرے لیے لائے تھے تو نے انہیں کیوں اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس پر ناگ دیو نے نہایت جاہلانہ اور ناعاقبت اندیشانہ جواب دیا۔ محمد شاہ اس کے جواب سے برفراوختہ ہو گیا اور حکم دیا کہ قلعہ کے سامنے جو لکڑی کا انبار لگا ہوا ہے اس میں اس کی زبان کھینچ کر اس کو ڈال دیا جائے اور کہا کہ اس کو منجنیق میں بٹھا کر آگ میں پھینک دیں چنانچہ بادشاہ کے حکم کی فوراً ہی تعمیل کی گئی اس کے بعد بادشاہ نے ان ہندوؤں کو بھی نہایت سخت سزائیں دیں جو کہ مسلمانوں کو ستاتے تھے۔

محفل عیش و عشرت

مسلسل پندرہ روز تک محفل عیش و طرب جمی رہی ہر تاجر اور غیر تاجر سے بادشاہ زر و جواہر حاصل کرتا' ہر اس سپاہی کو جو بادشاہ تک پہنچنا چاہتا' پہنچنے کی اجازت نہ دی جاتی اور وہ شہر کے باہر ٹھہرا دیا جاتا تھا۔ محمد شاہ کو یہ بات بخوبی معلوم تھی کہ یہاں پر رہ کر امور سلطنت کو انجام دینا اس کے لئے بہت مشکل تھا۔ لہٰذا وہ وہاں سے بہت مطمئن ہو کر دار الامارۃ کی طرف چلا۔ تلنگانہ کے عوام کے لئے یہ بات بالکل ہی عجیب تھی وہ ہر طرح سے محمد شاہ کی راہ میں حائل ہوئے' مگر محمد شاہ اس ہجوم سے بالکل نہ گھبرایا اور یہ فیصلہ دے دیا کہ بہمنی فوج کا کوئی سپاہی علاوہ زر و جواہر کے کوئی چیز ساتھ نہ لے اور خیمے' اسباب' اونٹ' گائے اور دیگر جانور وغیرہ سب کو یہیں چھوڑ دیں۔ فوج کو یہ حکم دے دیا گیا کہ لشکر ہر گاؤں سے نہایت آہستہ آہستہ گزرے اور ہر گاؤں سے اسی قدر چارہ اور غلہ وصول کرے جس کی اسی دن ضرورت ہو زیادہ ہوس کرنے کی ضرورت نہیں۔

سپاہی اگرچہ رات کو جنگل میں آرام کرتے تھے' لیکن چند گروہ باری باری حفاظت کے لئے ہشیار رہا کرتے تھے۔ باوجود اس احتیاط اور حفاظت کے تلنگوں کو جب موقع ملتا درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ سے چھپ چھپ کر مسلمانوں کو قتل کرتے۔ اس سبب سے چار ہزار سواروں میں سے تقریباً ڈیڑھ ہزار سپاہی واپس اپنے گھروں کو آئے۔ راستے میں بھی ہندوؤں اور مسلمانوں میں جنگیں ہوئیں' مگر ہر بار مسلمان ہی کامیاب ہوتے اور ایک مرتبہ ایک جنگ میں محمد شاہ کے بازو پر بھی ایک زخم آیا' لیکن اس کا اثر زیادہ نہ ہوا۔ یہ زخم کھانے کے بعد بھی بادشاہ نے نہایت سکون و آرام اور سنجیدگی سے اپنے علاقے میں قدم رکھا۔ کولاس میں کچھ عرصہ قیام کیا ملک سیف الدین غوری نے تلنگوں کے ہنگامہ کی خبریں سن کر امراء کو فوراً ہی روانہ کر دیا۔ کولاس میں وہ سب ٹھہر گئے اور بادشاہ سے ملاقات کی اور اس کے حکم سے تلنگانہ کے بہت سے [illegible]

راجہ تلنگانہ کی بغاوت

۷۶۴ھ میں تلنگانہ کا راجہ جو اپنے بیٹے کی موت اور محمد شاہ سے شکست کھانے کے بعد بہت رنجیدہ اور مضمحل تھا۔ اس نے سلطان فیروز شاہ باربک کی خدمت میں ایک خط بھیج کر التماس کی کہ وہ محمد شاہ کی تباہی کا باعث بنے۔ محمد شاہ کے خبر رسانوں نے اس کو ان خطوط کی اطلاع فوراً ہی دے دی۔ ان خطوط میں یہ لکھا ہوا تھا کہ ورنگل کا راجہ تاجدار دہلی کی طرفدار اور بہی خواہ ہے اگر بادشاہ دہلی مالوہ اور گجرات کے امراء کو دکن کی حکومت واپس لے لینے کا حکم نامہ جاری کرے تو وہ خود اور راجہ بیجانگر دونوں دل و جان سے کمک کے لئے تیار ہیں۔ اور بہت کم عرصہ میں ملک دکن کو دشمنوں کی زد سے بچا کر کئی سال کا بقایا خراج اور پیشکش وغیرہ بھی دہلی کے خزانہ شاہی میں داخل کرے گا۔ دہلی میں چونکہ یہ ایک روایت بن گئی تھی کہ شاہ دہلی کا دکن پر حملہ کرنا کبھی راس نہیں آتا اسی باعث راجہ کے خطوط اور معروضات سب بالکل بے اثر ثابت ہوئے۔

محمد شاہ کا ورنگل پر حملہ

محمد شاہ نے ورنگل کی راجدھانی کو فتح کرنے کا پکا ارادہ کر لیا اور اپنے چچا زاد بھائی خان محمد کو خط لکھا کہ وہ دولت آباد کی فوج کو تیار کرے اور قتلغ خاں کے حوض کے نزدیک' بالاگھاٹ دولت آباد میں آ کر ٹھہر جائے اور ان سرحدوں کی حفاظت کرے' صفدر خان سیستانی اور اعظم ہمایوں خاں کے نام بھی پیغامات بھیجے کہ یہ امراء بھی اپنی فوجیں لے کر حسن آباد گلبرگہ پہنچ جائیں اس کے بعد تمام حالات سے بادشاہ کو آگاہ کیا گیا۔ بادشاہ نے حسب دستور سابق گلبرگہ اور اس کے گرد و نواح کی حکمرانی ملک سیف الدین کے ہاتھ میں دے دی اور خود اپنا لشکر لے کر مہم پر روانہ ہوا۔ بادشاہ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا کولاس پہنچا۔ اور اعظم ہمایوں کو احمد آباد' بیدر اور ماہور کے لشکر کے ساتھ گولکنڈہ بھیج دیا' صفدر خاں سیستانی کو امرائے برار کے ہمراہ ورنگل کی لڑائی پر بھیج دیا۔ بادشاہ خود نیز بہادر خاں نہایت آہستہ آہستہ منزلیں طے کرتے ہوئے انہیں امراء کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئے۔

اسی دوران میں بیجانگر کے راجہ کے انتقال کی خبر سنی گئی اور اس کا بھتیجا تخت کا وارث بنا اب تلنگانہ کے راجہ کو بیجانگر سے کمک کی کوئی امید باقی نہ رہی اور وہ خود بھی اب اپنے آپ میں مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رکھتا تھا لہٰذا وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا کر چھپ گیا اور بہادر خاں کے پاس اپنے مصاحبین کو بھیجا تاکہ وہ محمد شاہ کو صلح و آشتی کی ترغیب دے۔ محمد شاہ صلح پر کسی صورت سے تیار نہ ہوا' تلنگانہ کے راجہ نے بادشاہ کی بڑھتی ہوئی ضد اور طاقت سے متاثر ہو کر ایک بار اپنے چھوٹے بیٹے کو پھر بادشاہ کی بارگاہ میں بھیجا اور کہلایا کہ "میں خود بادشاہ کے بہی خواہوں اور خیر خواہوں میں شامل ہو چکا ہوں اور اپنے پچھلے قصوروں کی معافی چاہتا ہوں۔ اور اب عہد کرتا ہوں کہ بادشاہ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہ کروں گا اور جو حکم ہو گا' اس کی پوری پوری تعمیل کروں گا۔"

اب دوسرے بہمنی امراء نے بھی اس بات پر زور دیا کہ بادشاہ صلح کر ہی لے اسی میں مصلحت ہے۔ اس پر بادشاہ نے بہادر خاں کو اختیار کلی دے دیا کہ وہ جن شرائط پر چاہے صلح کر سکتا ہے۔ بہادر خاں نے صلح کے لے یہ شرائط رکھیں کہ راجہ ورنگل تین سو ہاتھی' تیرہ لاکھ ہون اور دو سو گھوڑے شاہی بارگاہ میں داخل کر دے اور گولکنڈہ کا شہر مع اس کے آس پاس کے علاقوں کے بادشاہ کے ہاتھ میں دے دے۔ چونکہ مسلسل دو سال تک بہمنی لشکر تلنگانہ کو تباہ و برباد کرتا رہا تھا نیز تلنگوں کا انتظام حکومت بھی بہت خراب حالت میں تھا' راجہ کو مجبوراً تمام شرائط قبول کرنا پڑیں۔ محمد شاہ نے نواح گولکنڈہ سے واپسی کا ارادہ کیا۔ ملا بہادر خاں کولاس ہی میں مقیم رہا تاکہ صلح کی تمام شرائط مکمل ہو جائیں اور رقوم بھی وصول کر لی جائیں۔ گولکنڈہ کی حکمرانی کے فرائض اعظم ہمایوں کو سونپے گئے اور بادشاہ خود حسن آباد گلبرگہ واپس آیا' پھر احمد آباد بیدر چلا گیا۔ تین ماہ تک بیدر میں قیام کر کے تمام امراء اور سپاہیوں کو تین ماہ کی چھٹی دے کر آرام کرنے کے لئے بھیج دیا۔

تلنگانہ کے قاصدوں کی آمد

اسی عرصہ میں تلنگانہ کے قاصد وہ تمام خبریں لے کر جو صلح نامہ میں درج تھیں حاضر ہوئے اور بہادر خاں ان کو لے کر بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ عربی گھوڑے نیز بیش قیمت تحائف بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ تلنگانہ کے قاصدوں نے اس کے بعد بہادر خاں کی معرفت بادشاہ کی خدمت میں گزارش کی کہ اگر ہمیں ایک عریضہ اس قسم کا مل جائے کہ بادشاہ کی اولاد بھی ہمیشہ تلنگانہ کے راجاؤں کو اپنا بہی خواہ اور وفادار سمجھے اور ان کی سرحد کو کوئی نقصان نہ پہنچائے گی تو ہم لوگ بادشاہ کی خدمت میں ایک بہت بیش قیمت تحفہ پیش کریں گے جو واقعی تاجدار دکن ہی کے لائق ہے۔

محمد شاہ اس بات سے بہت متاثر ہوا اور اس نے بھی اس تحفہ کو دیکھنے کا شوق ظاہر کیا اس پر ایلچیوں کو دربار میں بلایا گیا اور ان کے اصرار پر بادشاہ نے ایک فرمان لکھا جس پر تحریر تھا کہ شہر گولکنڈہ دولت بہمنی اور حکومت ورنگل کی سرحد ہے۔ اور جس وقت تک تلنگے خود بغاوت پر آمادہ نہ ہوں اس وقت تک ہماری اولاد ان کے کسی فعل میں رخنہ نہ ڈالے۔ جب قاصدوں کو یہ فرمان مل گیا تو انہوں نے وہ مرصع تخت بطور تحفہ محمد شاہ کی خدمت میں پیش کیا جو راجہ تلنگانہ نے محمد تغلق کے لئے بنوایا تھا۔ محمد شاہ اس اعزاز سے پھولا نہ سمایا اور ان قاصدوں کو عزت و تکریم سے واپسی کی اجازت دے دی اور خود حسن آباد گلبرگہ کی طرف روانہ ہوا۔ نو روز کے دن حسن آباد پہنچا اور تخت کو تخت فیروزہ کے نام سے موسوم کیا۔ اور ساعت تحویل (۵) میں اس تخت پر قدم رنجہ فرمایا۔ اس کے بعد ان فوجی افسران کو جنہوں نے اس مہم میں اپنی جان کی پرواہ نہ کی تھی اور حصہ لیا تھا انہیں انعامات عطا کیے اور اپنے باپ کے چاندی کے تخت کو جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے ایک طرف اندر تبرک کے طور پر رکھوا دیا۔

تخت فیروزہ

فرشتہ لکھتا ہے کہ اس نے کئی بزرگوں سے جو محمد شاہ بہمنی کے عہد میں تھے اور جنہوں نے تخت فیروزہ کو دیکھا تھا ان کی زبانی سنا تھا کہ تخت فیروزہ تین گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا آبنوس کی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ اس کے اوپر ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے سونے کے تختے اس طرح لگائے گئے تھے کہ تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے اور لے جانے میں وقت نہ ہو اور ان تختوں کو لپیٹ لیا جائے' یہ تختے آسانی سے صندوق میں بند ہو جاتے تھے۔ بہمنی خاندان کا ہر حکمران سلطان محمد شاہ کی پیروی کرتا تھا۔ اور درفش کاویانی (۶) کی طرح تخت فیروزہ میں بھی ہر دور میں ہیرے اور جواہرات کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ محمود شاہ بہمنی کے عہد میں اس تخت سے بعض جواہرات اس لئے نکال لئے گئے تھے کہ بادشاہ کی صراحی اور پیالہ رکھنے کے لئے ایک چوکی (کشتی) بنانا تھی۔

اس وقت ملک کے صرافوں اور جوہریوں نے اس تخت کی قیمت ایک کروڑ ہون بتائی تھی یہ بات آگے چل کر مفصل طور پر بتائی جائے گی کہ تخت سے جواہرات نکالنا بہت منحوس ثابت ہوا۔ فرشتہ کو جو معلومات تخت فیروزہ کے بارے میں ہو سکیں وہ یہی ہیں کہ ملا اسمٰعیل نوبتہ (جن کے تمام آباؤ اجداد زندگی بھر تخت فیروزہ کی حفاظت پر مقرر رہے) ان سے یہ سوال کیا گیا کہ اس تخت کا نام تخت فیروزہ کیوں رکھا گیا۔ اس کا جواب فرشتہ کو یہی ملا کہ چونکہ شروع شروع میں یہ فیروزی کانچ کا بنا ہوا تھا لہٰذا اس رنگ کی مناسبت سے اس کا یہ نام رکھ دیا گیا لیکن بعد میں اس پر اتنے جواہرات اور موتی لگائے گئے اس کا پرانا رنگ بالکل ہی مٹ گیا۔

جشن عیش و عشرت

بادشاہ جس سال تخت فیروزہ پر بیٹھا تھا اس سال چالیس روز تک عیش و طرب کی محفلیں رہیں۔ کسی شہری سے کوئی باز پرس نہ کی گئی ہر ایک کو اختیار دیا گیا کہ جو مرضی ہو وہ کرے نیز تمام امرائے سلطنت اور اراکین دولت بھی دن کو عید اور شب کو شب برات منانے

شاہ نے ان کی بہت عزت کی اور آخری دن ایک چھوٹا سا جلسہ منعقد کیا' ملک نائب سیف الدین غوری اور صدر الشریف کو یہ اجازت مرحمت ہوئی کہ وہ پایہ تخت کے پاس بیٹھیں۔ اسمٰعیل فتح خاں کے بیٹے بہادر خاں کو یہ عزت بخشی گئی کہ امیر الامراء کا لقب دیا گیا اور شہزادہ مجاہد کی شادی بہادر خاں کی بیٹی سے طے کی گئی اسی روز ان کا جشن شادی بھی منایا گیا۔ ملا داؤد بیدری لکھتے ہیں کہ (تحفۃ السلاطین) "میں اس شادی کے دن پورے دس برس کا تھا اور مہرداری کا کام انجام دیتا تھا۔"

وہ کہتے ہیں کہ سارا جشن محمد شاہ بہمنی کے حسن سیرت و صورت سے معمور تھا۔ حضرت خسرو کے اشعار جو بادشاہ کی مدح میں تھے ان کو قوال گا رہے تھے وہ اس محفل عیش و عشرت سے بہت حظ حاصل کر رہا تھا۔ اس نے ملک سیف الدین غوری کو بلوا کر کہا کہ تین سو قوالوں کے وظیفے کا برات نامہ جو دہلی سے یہاں تک آئے ہیں راجہ بیجانگر کے نام لکھ دو۔" سیف الدین غوری یہ سمجھا کہ شاید بادشاہ نشہ کی حالت میں یہ کہہ رہا ہے لہٰذا اس نے اہمیت نہ دی۔ محمد شاہ ملک نائب سے بدگمان ہو گیا اس نے پھر ہوشیاری کی حالت میں پوچھا کہ برات نامہ راجہ بیجانگر کے نام عاید کر دیا گیا یا نہیں۔ اس پر ملک سیف الدین کو عجیب قسم کی سبکی محسوس ہوئی۔ اس نے کہا کہ اب کیا ہو' محمد شاہ نے کہا کہ جب اطراف عالم میں میری حکمرانی کا سکہ چل رہا ہے تو یہ بات ہرگز زیبا نہیں کہ میں فضول گوئی کروں۔ میرا حکم نشہ کی حالت میں نہ تھا بلکہ عین ہوش کے عالم میں تھا ابھی فرمان لکھ کر اس پر مہر لگاؤ اور بیجانگر کے راجہ کے پاس روانہ کر دو چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ بیجانگر کا راجہ بھی کچھ کم مغرور نہ تھا وہ اس روش سے بہت ناراض ہوا اور ایلچی کو گدھے پر سوار کرا کے تمام شہر میں اس کی بدنامی کرائی۔

راجہ بیجانگر کی بغاوت

راجہ بیجانگر نے بادشاہ کے ایلچی کو شہر سے نکلوا دیا' اور اس کے بعد خود سرکشی پر آمادہ ہوا۔ بیس ہزار سواروں ۹ لاکھ پیادوں اور تین ہزار ہاتھیوں کا لشکر لے کر بہت اہتمام سے دکن کی سرحد کی طرف بڑھا۔ قلعہ اودنی میں اپنے خیمے لگائے اور اپنے آدمیوں کو مسلمانوں کے ملکوں کو تباہ و برباد کرنے کا حکم دے دیا۔ سلطان محمد شاہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی چونکہ برار اور بیدر دونوں جگہوں کے لشکروں نے مسلسل مصیبتیں اٹھائی تھیں۔ اس لئے انہیں ذرا بھی آرام نہیں نصیب ہوا تھا۔ محمد شاہ نے اس وجہ سے ان دونوں فوجوں کو نہ چھیڑا اور خان محمد کو دولت آباد کے لشکر کے ساتھ اپنے پاس بلوایا۔ اس کے بعد وہیم پٹن کے مال غنیمت کا پانچواں حصہ شاہزادہ مجاہد کو دے کر حضرت شیخ محمد سراج کے پاس بھیجا تاکہ یہ تمام رقم غریبوں اور محتاجوں کو بانٹ دی جائے۔ نیز شہزادہ حضرت شیخ سے ہندوؤں سے جنگ کرنے کی اجازت لے۔ حضرت شیخ نے تمام علماء اور مشائخین کو وہ رقم تقسیم کی اور سب کو حسن آباد گلبرگہ کی مسجد میں جمع کیا گیا۔ سب نے لشکر اسلام کی فتح کے لئے سچے دل سے دعا کی۔

برسات کا موسم تھا اور کرشنا ندی کا پاٹ بہت چڑھا ہوا تھا پھر بھی راجہ بیجانگر نے نہایت اطمینان کے ساتھ مدکل کے قلعہ کے قریب قیام کیا' اور قلعہ کو فتح کرنے کی بہت کوشش کی۔ آٹھ سو بہادر مسلمان قلعہ کی حفاظت میں لگے ہوئے تھے' لیکن ملک سیف الدین کے ایک رشتہ دار نے جو قلعہ کا حاکم تھا۔ قلعہ کے لوگوں سے کچھ سختی سے بات چیت کرنا شروع کی تو اہل قلعہ اور اس میں پھوٹ پڑ گئی... اور یوں قلعہ کی حفاظت میں سستی سے کام لیا گیا۔ اس سے فائدہ اٹھا کر راجہ بیجانگر نے قلعہ کو فتح کر لیا اور ہندوؤں نے جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے' مسلمانوں کے خاندان کے خاندان قتل کر ڈالے۔ ان میں سے ایک شخص چھپ کر قلعہ میں سے باہر نکل آیا اور دریائے کرشنا کو پار کر کے حسن آباد گلبرگہ پہنچا اور بادشاہ کو بتایا کہ آپس کی پھوٹ نے یہ حالت کر دی۔ راجہ بیجانگر نے مدکل کے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور قلعہ کے تمام لوگ مارے گئے۔

ایک لاکھ ہندوؤں کے قتل کا ارادہ

سلطان محمد شاہ بہت غیرت مند حکمران تھا اسے یہ باتیں بہت تکلیف دہ معلوم ہوئیں اور اس نے اس غریب آدمی کو بھی قتل کا حکم

دے دیا جو جان بچا کر یہ خبر لے کر آیا تھا اور کہا کہ جس شخص کے سامنے اتنے بے گناہ لوگوں کا خون بہہ گیا وہ کیوں زندہ رہے اور اسی غیظ و غضب کی حالت میں سفر کا ارادہ کر لیا۔ جمادی الاول ۷۶۷ھ میں سفر کا آغاز کیا۔ رکاب میں پاؤں رکھتے ہی یہ قسم کھائی کہ جب تک آٹھ سو مسلمانوں کے بدلہ میں ایک لاکھ ہندوؤں کو قتل نہ کر دوں گا اس وقت تک مجھے سکون نصیب نہ ہو گا۔ شہزادہ مجاہد کو اپنا ولی عہد اور ملک سیف الدین کو صاحب اختیار بنایا اور خود چل پڑا۔ دریائے کرشنا پر پہنچ کر کہا کہ "قسم ہے خدائے پاک کی جس نے مجھے اتنے بلند درجہ پر پہنچایا میں اس معمولی ندی سے ڈر کر واپس نہ جاؤں گا' بلکہ مدکل کے شہیدوں کا بدلہ لینا مجھ پر فرض ہے۔" تین دن میں اس نے دریا کو پار کر لیا۔ اس کے پاس صرف نو ہزار سوار تھے اور ادھر فریق مخالف کے پاس تیس ہزار سوار اور نو لاکھ پیادے موجود تھے۔

راجہ بھی محمد شاہ کے دریا کو عبور کر لینے سے حیران ہوا کیونکہ دریا چڑھاؤ پر تھا۔ راجہ نے اسی پریشانی کی حالت میں جبکہ تند ہوائیں چل رہی تھیں بارش بہت ہو رہی تھی' اپنا تمام خزانہ' مال اسباب' ہاتھی وغیرہ بیجانگر بھیج دیئے اور خود اس لئے میدان میں جما رہا کہ صبح ہوتے ہی دربانوں اور اراکین سے جنگ یا صلح کے بارے میں گفتگو ہو گی۔ جو سامان اور جانور روانہ کیے گئے تھے وہ سب بارش کی شدت کی وجہ سے آگے نہ بڑھ سکے اور ٹھہر گئے۔ ادھر مسلمانوں کے لشکر میں یہ خبر پہنچ چکی تھی لہٰذا صرف چابک اور گھوڑے لے کر مسلمانوں نے بیجانگر پر حملہ کر دیا اور صبح ہوتے ہوتے محمد شاہی لشکر نے ہندوؤں کو زیر کر لیا۔ ان لوگوں نے مال اسباب چھوڑ کر بھاگنے ہی میں اپنی عافیت سمجھی اور یہ سب قلعہ اودنی کی طرف بھاگے۔ مسلمانوں نے سارے مال پر قبضہ کر لیا اور تمام ہندوؤں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ تقریباً ستر ہزار ہندو قتل ہوئے جیسا کہ تحفۃ السلاطین میں لکھا ہوا ہے۔ دو ہزار ہاتھی' تین ہزار ارابے اور ضرب زن' سات سو عربی گھوڑے اور ایک جڑاوا تخت بادشاہ کے قبضہ میں آیا اور بقیہ مال غنیمت پر امراء نے قبضہ کر لیا۔

محمد شاہ نے اس فتح کو آئندہ فتوحات کا پیش خیمہ سمجھا اور برسات کا پورا موسم قلعہ مدکل ہی میں بسر کیا۔ محمد شاہ کے پاس اب اچھی خاصی جمعیت ہو گئی تھی' ہندوؤں کو تباہ و برباد کرنے کی نیت سے اس نے قلعہ اودنی کا رخ کیا۔ راجہ بیجانگر اس دوران میں دریائے تمندرہ (۷) کو پار کر کے قلعہ اودنی ہی میں اپنا ڈیرا جمائے ہوئے تھے۔ اپنے بھانجے کو یہاں کا حاکم بنایا تھا اور ممالک کے وسط میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ اس نے آس پاس کے لشکروں کو جمع کر کے خزانہ' ہاتھی اور دیگر لوازمہ شاہی دوبارہ بیجانگر سے منگا لیے۔ محمد شاہ نے خان محمد کی رائے پر عمل کیا اور قلعہ کو فتح کرنے کا خیال دل سے نکال دیا اور حسب ضرورت فرامین جاری کر کے مقبوضہ ممالک اور قلعوں سے بہت سی توپیں اور بندوقیں منگائیں اور آتش بازی کے کارخانہ پر مقرب خاں کو جو ایک لائق اور قابل اعتماد امیر تھا نگران مقرر کیا۔ بادشاہ نے تمام رومی اور فرنگی ساتھیوں کو مقرب خاں کی ماتحتی میں دے دیا' ایک بہت بڑا توپ خانہ بنوایا۔ وہاں کے لوگوں کے متعلق یہ بات بہت مشہور تھی کہ وہ راتوں کو شب خون مار کر انسانوں اور جانوروں کو ختم کر دیتے ہیں لہٰذا بیجانگر کے تمام ہاتھی اور دیگر جانور حسن آباد روانہ کر دیئے گئے اور ضروری اور اہم چیزیں ہی وہاں رہنے دی گئیں۔ لشکر کے آس پاس توپ خانہ رکھ کر پوری بیداری اور عقلمندی سے مقابلہ کے لئے تیار رہے۔ محمد شاہ نے لشکر کو اس طرح آراستہ کیا اس کے بعد پھر قلعہ اودنی سے چل کھڑا ہوا اور تمندرہ ندی کو پار کر کے بیجانگر کی راجدھانی میں داخل ہوا۔

بیجانگر پر محمد شاہ کا حملہ

محمد شاہ بہمنی خاندان کا پہلا بادشاہ ہے جس نے جنگ کرنے کی نیت سے سرزمین بیجاپور پر قدم رکھا اور نہایت شاندار کامیابی کے بعد واپس لوٹا وہ اپنے ارادہ میں بہت پکا تھا اور نہایت ثابت قدمی سے کشن رائے (۸) کی طرف چلا اب بہمنی فوج بیجانگر میں داخل ہوئی۔ راجہ نے فوراً اراکین سلطنت کو جمع کر کے صف آرائی کرنے کا مشورہ کیا۔ اس مجلس میں یہ طے پایا کہ بھوج مل جو ماں کی طرف سے راجہ کا

کر کہا کہ راجہ جس طرح کہے اسی صورت میں مسلمان بادشاہ کو گرفتار کر کے لا سکتا ہوں اگر مرضی ہو تو بادشاہ زندہ سلامت پابہ زنجیر راجہ کے دربار میں لا سکتا ہوں۔ یا پھر حکم ہو تو اس کا سر قلم کر کے خدمت میں حاضر کروں۔

راجہ نے جواب میں کہا کہ دشمن کا قتل کرنا ہی عین ثواب ہے اور اہم بھی۔ بھوج نے اپنی فوج اور اپنے نوکروں کو خوب تسلی دی۔ چالیس ہزار سواروں اور پانچ لاکھ پیادوں کے ساتھ بادشاہ کی طرف بڑھا۔ بھوج مل نے یہ حکم بھی دیا کہ روزانہ برہمن اور پنڈت مذہبی کتب ہندوؤں کو پڑھ کر سنائیں اور مسلمانوں کو قتل کرنے کی خاص ہدایت کیا کریں اور مسلمانوں کی طرف سے ہندوؤں کو بدظن کرنے کے لئے وہ تمام باتیں بتائیں جو ہندوؤں کی دل شکنی کا سبب ہوں۔ مثلاً بتوں کی بے حرمتی کرنا توڑنا' گائے کو ذبح کرنا اور بت خانوں کو مسمار کرنا وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ جب فریقین میں صرف بارہ (۱۲) کوس کا فاصلہ رہ گیا تو سلطان محمد شاہ نے خان محمد اور سرنوبتوں کو حکم دیا کہ لشکر میں سپاہی اور پیادوں کی تعداد شمار کریں۔ اس حکم کی تعمیل کی گی تو معلوم ہوا کہ لشکر پندرہ ہزار سواروں پچاس ہزار پیادوں پر مشتمل ہے۔ اس لشکر میں دس ہزار سواروں اور تیس ہزار پیادوں کی ایک فوج مع آتشبازی کے کارخانہ کے خان محمد کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ ذیقعد کی چودہ تاریخ کو ہندو اور مسلمان برسرپیکار ہوئے اور صبح سے سہ پہر تک خوب بہادری سے لڑتے رہے بہت سی جانیں ختم ہو گئیں۔ عیسیٰ خاں اور موسیٰ خاں جو میمنہ اور میسرہ کے محافظ تھے وہ بھی مارے گئے دونوں سرداروں کی سپاہ ادھر ادھر بکھر گئی۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کو شکست ہوتی کہ اچانک محمد شاہ تین ہزار سوار لے کر میدان جنگ سے تین کوس کے فاصلہ پر جا پہنچا۔ خان محمد کو بھی تسلی ہوئی اور منتشر لشکر پھر اس کے گرد جمع ہو گیا۔ مقرب خاں نے توپ خانہ کو سامنے کر دیا اور دشمنوں پر خوب آتش برسائی۔ ہندو سپاہ کو بری طرح پریشان کیا اس نے خان محمد کو کہلا بھیجا کہ "میں نے ہندو سپاہیوں کو خوب پریشان کر دیا ہے اب اگر حکم ہو تو میں ارابوں کے پیچھے سے نکل کر خاصہ کے نوجوانوں اور بہادروں کے ساتھ ان پر حملہ کروں۔" امراء کے ایک گروہ کو مقرب خاں کے پاس بھیج کر خان محمد نے کہہ دیا کہ لڑائی میں مصروف رہیں اور خود بھی ان امراء کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا اور بہت جلد ہی ہندوؤں کے سر پر جا پہنچا۔ ہندوؤں کو آتش بازی کے آلات سے کام لینے کا وقت نہ ملا اور مجبوراً وہ تلواروں اور خنجروں ہی سے لڑتے رہے اسی دوران میں خان محمد کا ہاتھی "شیر شکار" فیل بان کے قابو سے باہر ہو گیا اور بھاگ نکلا۔ وہ بھاگتا ہوا سیدھا بھوج مل کی فوج کی طرف گیا جو ابھی تک لڑنے کے لئے بڑھی نہ تھی۔ "شیر شکار" کو بھوج مل کے آدمیوں نے مار کر زخمی کر دیا۔

بیجانگر کی فتح

خان محمد کو جب یہ معلوم ہوا کہ "شیر شکار" کو زخمی کر دیا گیا ہے تو اسے بہت غصہ آیا اس نے پانچ سو سواروں کی جمعیت کو ساتھ جا کر اپنے ہاتھی کو پکڑ لیا اور واپس لے آیا۔ اس کے بعد ایک نہایت ہی حیرت انگیز واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ "شیر شکار" نے خان محمد کے پہنچتے ہی مسلمانوں کے لشکر کی پیشروئی کی اور دشمنوں کی فوج پر اچانک حملہ آور ہو گیا۔ بھوج مل کو بھی زخمی کر دیا وہ میدان جنگ سے بھاگ نکلا اور دوسرے امراء بھی اس کی دیکھا دیکھی نکل بھاگے۔ مسلمانوں کی تلواریں ابھی نیام سے باہر بھی نہیں ہوئی تھیں کہ بادشاہ کا پرچم میدان جنگ میں لہرانے لگا۔ چونکہ اس فتح کا اور جنگ کا خاص مقصد یہی تھا کہ ہندوؤں کو قتل کیا جائے لہٰذا ان کا خون بے دریغ بہایا گیا' بچے اور عورتیں' جوان' بوڑھے بے تحاشا قتل کیے گئے۔ بادشاہ نے فتح کے بعد ایک ہفتہ تک وہیں قیام کیا اور اطراف و جوانب میں فتحنامے روانہ کیے۔ بادشاہ کا مقصد یہ تھا کہ وہ کشن رائے کو کڑی سزا دے لہٰذا وہ کشن رائے کے لشکر کی طرف چلا۔ وہ مقابلہ کی طاقت نہ رکھتا تھا' غریب خوفزدہ ہو کر فرار ہوا اور ایک جنگل میں پناہ گزین ہو گیا۔ سلطان محمد شاہ نے مسلسل تین ماہ تک اس کا تعاقب کیا جب بھی موقع ملتا ہندوؤں کو قتل و غارت کرتا۔

کشن رائے بہت پریشان ہو گیا اور بیجانگر کا رخ کر کے پہاڑوں میں جا چھپا۔ بادشاہ نے بھی بیجانگر کے آس پاس اپنے خیمہ لگا لیے بادشاہ دن بھر حملہ کرتا تھا رات کو ہندو آ کر بادشاہ اور اس کے لشکر کو گالیاں دیتے تھے۔ مسلسل ایک ماہ کی کوشش کے بعد بھی کسی طرح بادشاہ کو کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار بادشاہ نے ایک تدبیر چلی اور اپنے آپ کو بیمار مشہور کیا۔ اس راز سے سوائے محمد خاں اور مقرب خاں کے کوئی دوسرا واقف نہ تھا۔ بادشاہ مع لشکر کے وہاں سے چل پڑا کشن رائے مسلمانوں کو قتل کرنے اور بدلہ لینے کے لئے بیجانگر سے باہر آیا اور محمد شاہ بہمنی کے ساتھ ساتھ ہی خود بھی نکلا۔

ہندو سپاہی مسلمانوں کی فوج پر حملہ کرتے' راتوں کو شور و شغب کرتے اور کہتے کہ برہمنوں کی دعاؤں سے تمہارا بادشاہ آخر کار ختم ہو گیا۔

حسن تدبیر

بادشاہ چونکہ تخت پر لیٹ کر چادر اوڑھ لیا کرتا تھا اس لئے شاہی لشکر بھی ہراساں ہو گیا لیکن مقرب خاں اور محمد خاں لوگوں کو تسکین دیتے ہوئے چلتے رہے۔ حتیٰ کہ شاہی لشکر تمندرا کو عبور کر کے ایک ہموار اور مسطح میدان میں پہنچ گیا۔ مسلمان اسی میدان میں ٹھہر گئے اور کشن رائے نے بھی تین یا چار کوس کے فاصلہ پر اپنے خیمے لگا لئے۔ اب محمد شاہ کو اپنی قسمت کچھ موافق نظر آئی اس نے لوگوں کے دلوں سے شک و شبہ دور کیا اور دربار کیا اور ملازمین کا سلام و مجری لیا پھر نیند کا بہانہ کر کے دربار برخاست کیا۔ امیروں کو تخلیہ میں بلا کر سمجھایا کہ فوج کو بالکل تیار رکھیں اور لشکر کی حفاظت کریں۔

ہر امیر نے حکم کی تعمیل کی اور سلطان محمد شاہ نے لباس جنگ پہنا جب رات ایک پہر گزر گئی تو بادشاہ اسی جنگل کی طرف بڑھا اور مقررہ مقام پر پہنچ گیا۔ ہر امیر کے ذمہ ایک ایک کام دیا گیا اور شب خون مارنے کی نیت سے آگے بڑھے۔ کشن رائے دشمن کی کمزوری اور خستہ حالی سے بہت مطمئن تھا وہ غفلت میں رقص و شراب کی محفل میں ڈوبا ہوا تھا کہ شاہی لشکر سر پر پہنچ گیا۔ مسلمانوں کے نعروں نے دل ہلا کر رکھ دیا اور کشن رائے کا لشکر بہت ہی ہراساں اور پریشان حال ہو گیا فوج جمع کرنے تک کی مہلت نہ ملی۔ راجہ نے عزت سے زیادہ اپنی جان کو اہمیت دی اور ایسا بھاگا کہ بیجانگر میں جا کر سانس لی۔ بادشاہ نے تمام خزانہ اور مال و اسباب پر قبضہ کیا۔ دس منزلوں تک دشمنوں کا پیچھا کرتا رہا۔ دس ہزار ہندوؤں کو تہ تیغ کیا اس کے بعد بھی بادشاہ کے دل کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی تو اس نے پھر چالیس کوس تک جہاں بھی آبادی دیکھی اس کو جلد از جلد تباہ و برباد کر دیا۔ رعایا یہ حالت دیکھ کر بہت نالاں ہوئی اور راجہ سے صاف کہہ دیا کہ ہندی حکومت ہمارے لئے باعث لعنت ہے اور ہماری عزت اور آبرو ختم ہو گئی ہے۔

دس ہزار برہمن خاک و خون میں مل گئے۔ کشن رائے نے کہا کہ یہی قسمت میں لکھا ہو گا اب میں تم لوگوں کے مشورے پر عمل کرنے کو تیار ہوں۔ امراء نے کہا کہ تیرے باپ نے بھی علاؤ الدین گنگو سے جنگ کر کے پھر صلح کی تھی اسی طرح تم بھی اب تاجدار دکن کو اپنے قبضہ میں کرو۔ کشن رائے نے اس مشورہ کو منظور کر لیا اور سلطان محمد شاہ کے پاس ایلچی بھیجے' اپنی پرانی حرکتوں پر بہت شرمندہ ہوا اور صلح کی درخواست کی۔ بادشاہ کے ایک مقرب خاص نے کہا کہ حضور نے صرف ایک لاکھ ہندوؤں کو ختم کرنے کی قسم کھائی تھی اس قدر ہی قتل کرنے چاہئیے تھے۔ آپ نے تو ہندوؤں کا نام و نشان تک دنیا سے مٹا دیا۔

بادشاہ نے ہنس کر جواب دیا گو کہ تعداد سے کہیں زیادہ ہندو قتل ہوئے ہیں' مگر پھر بھی جب تک بیجانگر کا راجہ قوالان دہلی کا برات نامہ نہ ادا [illegible] سے کا شیں باقی ہندوؤں کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔ ہندو قاصدوں نے اپنے راجہ کی طرف سے تمام شرائط قبول کر لیں۔ اور قوالوں کو تمام رقم بیجانگر کے خزانہ سے عطا کر دی گئی محمد شاہ نے کہا کہ میری زندگی کا اصول یہ ہے کہ جو بات زبان سے نکالوں اس کو پورا

بے گناہوں کے قتل سے توبہ

درحقیقت ایسا حیرت انگیز واقعہ کہیں اور نہیں ملتا ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ مذکورہ بالا واقعہ ولیم پٹن کے حملے اور ناگ دیو کی موت سے بھی زیادہ عجیب و غریب تھا۔ ادھر قاصدوں نے جب یہ دیکھا کہ محمد شاہ اس وقت بہت خوش ہے تو انہوں نے اور کچھ خدمت میں گزارش کرنا چاہی۔ بادشاہ سے قاصدوں نے کہا' کہ یہ کسی مذہب کا شیوہ نہیں کہ گنہگاروں کے بدلے میں بے گناہوں کا خون بہایا جائے۔ عورتوں اور معصوم بچوں کا خون بہانا تو کسی طرح جائز نہیں اگر کشن رائے نے اچھا سلوک نہ کیا تھا تو اس میں فقیروں اور بے نواؤں کی کیا خطا تھی۔ اس پر محمد شاہ نے کہا کہ یہ خدا کا حکم تھا اس میں ہندوؤں کا کیا قصور۔ اس کے بعد ایلچیوں نے کہا کہ خداوند کریم نے بادشاہ کو ملک کے سب سے بہترین حصوں کا مالک بنایا ہے اور کرناٹک کا ملک بھی ممالک محروسہ میں شامل ہے اور اس بات کا بھی یقین کامل ہے کہ آپ کی بادشاہت برسوں تک وہاں قائم رہے گی اور کرناٹک کو بھی سلطنت سے قربت حاصل رہے گی۔ دنیا کے حالات اور انقلابات کا کیا ٹھکانہ لہٰذا اچھا ہے کہ محض دنیا داری کی خاطر خلق خدا کا خون نہ بہایا جائے۔ خدا کی خوشنودی اسی میں ہے کہ آئندہ ایسا برتاؤ نہ کریں کہ فقیروں اور غریبوں کو کیوں تہہ تیغ کیا جائے۔

محمد شاہ پر اس گفتگو کا بہت اثر ہوا اور اس نے عہد کر لیا کہ "کبھی کسی شخص کو قتل نہ کروں گا اور میرے بعد میری آل اولاد بھی اسی پر قائم رہے گی۔" اس واقعہ کے بعد دکن میں یہ دستور ہو گیا تھا کہ جو لوگ لڑائی میں پکڑے جاتے انہیں قتل نہ کیا جاتا تھا اور صرف بدترین مجرموں کو ہی یہ سزا دی جاتی تھی۔

بادشاہ کی نیک چلنی

اس کے بعد قاصدوں نے یہ کہا کہ برات نامہ کی رقم ادا کر دی اور پھر محمد شاہ کو وہاں سے دوسری رقم وصول ہونے کی امید بھی نہ رہی۔ اب بادشاہ نے بھی بہت عدل و انصاف سے کام لیا اور سفر طے کرتا ہوا حسن آباد گلبرگہ کا رخ کیا۔ بادشاہ نے شیخ محمد سراج رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ پر حاضر ہو کر عرض کیا کہ پہلے بھی میں نے اپنی دولت راہ خدا میں صرف کر دی تھی۔ اب بھی مجھ کو خدا نے بہت کچھ دیا ہے آپ دعا کریں کہ میرے مقاصد پورے ہوں۔ حضرت شیخ سراج سے رخصت ہو کر پھر حسن آباد گلبرگہ آیا تقریباً پانچ دن آرام کرنے کے بعد محمد شاہی لشکر دولت آباد آ گیا۔

بغاوتیں اور فسادات

جس زمانہ میں بادشاہ نے خود کو بیمار مشہور کیا تھا تو اس کے گرد و نواح کے باشندوں نے مسلمانوں کو بہت اذیتیں دی تھیں' بادشاہ کی بیماری کی خبر سارے ملک میں مشہور ہو گئی تھی اور فتنہ برپا کرنے والوں نے چاروں طرف ایک آفت مچا رکھی تھی۔ اس کا اثر دولت آباد پر بھی ہوا تھا' چونکہ دولت آباد میں اس وقت کوئی سیاسی مدبر اور لائق حکمران نہ تھا اور مرہٹواڑی کا سارا لشکر خان محمد کے ہمراہ بیجانگر کی جنگ پر گیا ہوا تھا۔ بہرام خاں مازندرانی نے (جس کو حسن گنگو نے اپنا بیٹا بنایا تھا) کونبہ دیو (۹) مرہٹہ کے بھڑکانے پر سرکشی کی' برار کے بعض امراء نے جو بہرام خاں کے نزدیک ہی مختلف جگہوں پر آباد تھے۔ انہوں نے خفیہ طور پر بہرام خاں سے خط و کتابت شروع کی اور اس کی رفاقت کا دم بھرنا شروع کیا۔ راجہ بگلانہ نے بھی بہرام خاں سے دوستی کا اظہار کیا اور ہر طرح سے اس کو مدد دینے کے لئے تیار ہو گیا۔ بہرام خاں کے حوصلے ان حالات میں اور بھی زیادہ بڑھ گئے۔ اس نے برار اور مرہٹواڑی کے چند سالہ محصول کی رقم جو بادشاہ نے وہیں جمع کرا دی تھی اس پر اپنا قبضہ کر لیا۔ اور اس کو لشکر جمع کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔

اس نے مرہٹواڑی کے بہت سے پرگنوں پر قبضہ کرنے کے بعد اپنے مصاحبین اور اعزہ میں یہ پرگنے بانٹ دیئے اور بارہ ہزار سوار اور پیادے اپنے گرد جمع کر لیے۔ محمد شاہ کو یہ تمام اطلاعات بیجانگر میں ملیں اور اس نے فوراً بہرام خاں کو لکھا کہ "تم نے میرے بارے میں

غلط خبریں سن کر اتنی جرات اور ہمت کر لی کہ سرکشی کرنے لگے اور تمہیں دنیاوی لالچ نے کہیں کا نہ رکھا اور ناقابل برداشت جرائم بھی تم سے سرزد ہونے لگے۔ لہٰذا اب ضروری ہے کہ اپنے گناہوں کی معافی کے لئے وعدہ کرو کہ آئندہ کبھی ایسی رکیک حرکتیں نہ کرو گے۔ اگر تم خود شرمندہ ہو کر میرے دربار میں اپنے گناہوں کی تلافی کے لئے حاضر ہو جاؤ گے تو مناسب ہے ورنہ پھر اس کا انجام اچھا نہ ہو گا۔"

اور اس کے بعد یہ خط سید جلال مجید اور شاہ ملک کے ذریعہ روانہ کیا بادشاہ کا خط پاتے ہی بہرام خاں نے کونبہ دیو سے صلاح کی' اس نے کہا کہ "محمد شاہ نہایت مدبر سیاست داں اور اعلیٰ فرمانروا ہے اور ہم لوگوں سے ایسی حرکت سرزد ہوئی ہے کہ ہم بادشاہ کی طرف سے بے خوف ہو کر نہیں رہ سکتے اور اب جبکہ دولت آباد کا قلعہ ہمارے قبضہ میں ہے اور برار کے امراء اور بگلانہ کا راجہ ہماری کمک پر بالکل تیار ہے۔ تو پھر ہمیں لازم ہے کہ خدا کا نام لے کر ہمت کریں اور آگے بڑھیں' جس کام کا آغاز کیا گیا ہے اسے انجام تک پہنچانا بھی ہمارا فرض ہے۔" بہرام خاں پر کونبہ دیو کا جادو چل گیا اور وہ برابر اسی طرح سرکشی کرتا رہا اور فوج وغیرہ جمع کرنے میں اور بھی زیادہ کوشش کرنے لگا۔ لہٰذا ایسی صورت میں بادشاہ کے قاصد بغیر مطلب براری کے واپس لوٹے اور انہوں نے بہرام نیز اس کے مصاحبین کے حالات بادشاہ کو سنائے۔

محمد شاہ ان حالات کو سن کر بہت غضبناک ہوا اور بیجانگر سے واپس آیا۔ مسند عالی خاں کو لشکر کا سردار بنا کر پہلے بھیج دیا اور خود شکار کھیلتا ہوا پیچھے پیچھے دولت آباد کی طرف آ گیا۔ بہرام خاں' کونبہ دیو اور راجہ بگلانہ کے بعض ملازم مسند عالی خان محمد سے جنگ کرنے کے لئے قصبہ پٹن کی طرف چلے۔ اگرچہ مسند عالی خاں بہت تجربہ کار اور بلند ہمت امیروں میں سے تھا' لیکن اس نے دشمنوں سے لڑائی کرنے میں کوئی فائدہ نہ دیکھا اور شیو گاؤں (۱۰) کے قریب ٹھہر گیا۔ بہرام خاں نے بہت عجلت سے کام لیا اور مسند عالی خاں کے لشکر پر شبخون مارا' لیکن چونکہ اس کا دشمن جنگ کے قوانین سے پوری طرح واقف تھا اس لئے بہرام خاں کو کامیابی حاصل نہ ہوئی اور ناکام لوٹ آیا۔

اب مسند عالی خاں پر دشمن کی قوت اور فوج کی کیفیت پورے طور پر عیاں ہو گئی تھیں اور اس نے جنگ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس نے محمد شاہ کی خدمت میں عریضہ بھیجا کہ میں فلاں تاریخ کو آپ کے اقبال پر بھروسا کر کے جنگ کا آغاز کروں گا' لیکن مناسب ہے کہ جہاں پناہ خود بھی مع اپنے لشکر کے تشریف لے آئیں۔ سلطان محمد شاہ ان دنوں بنیر کے آس پاس شکار کھیلنے میں مصروف تھا اس نے خط دیکھا اور قصبہ گنج سے اپنی فوج بلائے بغیر تین سو مقربین خاص کے ہمراہ روانہ ہو گیا اور بہت جلد سفر کی منزلیں طے کرنے لگا۔ محمد شاہ کے مقربین نے کہا کہ مسند عالی خاں کے خط سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ دشمن کی طاقت بہت زیادہ ہے اور دشمن ارادہ کا پکا بھی معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا بادشاہ عجلت سے کام نہ لیں اور دھیرے دھیرے سفر طے کریں' مگر بادشاہ اس بات پر کسی طرح راضی نہ ہوا اور یہ جواب دیا کہ مجھ کو مقررہ تاریخ پر مسند عالی خاں کے پاس بہر صورت پہنچنا ہے۔ تم لوگوں کا کہنا میرے ارادے کے خلاف ہے میں بارہ ہزار سوار اپنے ساتھ لے کر تلنگانہ کے دور دراز ملکوں تک گیا تھا اور وہاں سرکشوں کو پوری طرح سزا دی تھی۔ اسی طرح راجہ بیجانگر کو جنگل اور پہاڑوں میں آوارہ اور پریشان پھرنے پر مجبور کیا' مگر ہر موقع پر خدا کے رحم و کرم سے کامیابی ہی نصیب ہوئی۔ میرے تین سو مازندرانی اور ان کے خیر خواہ ہی میرے لئے بہت ہیں۔" اس کے بعد بادشاہ اور زیادہ عجلت سے کام لینے لگا اور قصبہ پٹن سے چار کوس کے فاصلہ پر پہنچ گیا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ مسند عالی محمد خاں اپنی فوج کو دشمن کے مقابلہ پر آراستہ کیے ہوئے ہے۔

بادشاہ کے پہنچنے کی خبر سب کو معلوم ہو گئی اور ہر ایک شخص پریشان حال ہو گیا راجہ بگلانہ کے ملازموں نے میدان جنگ سے بھاگ جانا ہی مناسب سمجھا اس کے علاوہ دوسرے سپاہیوں نے بھی یہی غنیمت سمجھا کہ دشمن سے اپنی جان بچائیں۔ بہرام خاں اور کونبہ دیو تو انقلاب زمانہ سے بالکل ناواقف تھے لہٰذا وہ بغیر جنگ کیے ہوئے میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور دولت آباد کے قلعہ میں جا کر چھپ

تھی۔

محمد شاہ کے پاس ایک سو ستر ۱۷۰ نوجوان تھے جو سب بادشاہ کی تعریف میں رطب اللسان تھے۔ اس نے رات وہیں بسر کی صبح ہوتے ہی دشمن کا پیچھا کرنے کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ شام تک دولت آباد سے دو کوس کے فاصلہ تک پہنچ گیا اور قلعہ کا محاصرہ کرنا چاہا۔ بہرام خاں اور کونبہ دیو بہت پریشان ہو گئے دونوں گنہگاروں نے اپنا بھیس بدلا اور راتوں رات فرار ہو کر دولت آباد میں حضرت شیخ زین الدین کے آستانہ مبارک پہنچے اور حضرت شیخ سے پوچھا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ انہوں نے جواب دیا قلعہ بند ہو کر دشمن سے لڑنا غلط ہے لہٰذا اب بہتر ہے کہ اپنے لڑکوں کو ساتھ لے کر گجرات روانہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد کونبہ دیو نے اپنے مقربین سے کہلوایا کہ وہ لوگ بھی آکر حضرت شیخ کی روحانی قوت سے فائدہ حاصل کریں۔ وہ لوگ اپنے مالکوں کی نیت سمجھ گئے اور گھوڑوں پر زینیں لگا کر باقاعدہ پوری تیاری کے ساتھ آستانہ پر آئے۔ حضرت شیخ نے دونوں پر دست شفقت پھیرا اور کہا کہ اللہ کا نام لے کر تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ خدا نے چاہا تو دشمن کی زد سے محفوظ رہو گے یہ دونوں گجرات چلے گئے۔

سلطان محمد شاہ کو ان لوگوں کے بھاگنے کی اطلاع ہو گئی اور صبح ہی چار سو نہایت جری اور تجربہ کار سپاہیوں کو لے کر مازندرانی کے پیچھے گیا۔ وہ دشمنوں کا تعاقب کرنے میں ناکام رہا اور دولت آباد واپس لوٹ آیا اس واقعہ کے بعد حضرت شیخ کی طرف سے محمد شاہ کا دل بہت کھٹا ہو گیا محمد شاہ کی تخت نشینی کے وقت تمام مشائخ اور علماء نے غائبانہ اور حاضرانہ طور پر محمد شاہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی مگر حضرت شیخ نے اس کو شغل شراب و کباب میں دیکھ کر اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ تخت پر بیٹھنے کے قابل وہ ہے جو اسلام اور شرع کی پوری پوری پابندی کرتا ہو۔

اب مازندرانی کے واقعہ کے بعد بادشاہ بہت ہی ناراض ہو اور کہلا بھیجا کہ یا تو میرے دربار میں حاضر ہو یا پھر میرے ہاتھ پر بیعت کرو مگر اس کے جواب میں حضرت شیخ نے یہ روایت لکھ کر بھیجی کہ ایک بار تین شخص جن میں سے ایک مخنث تھا' ایک عالم دین اور ایک سید' تینوں ایک ہندو کے ہاتھوں گرفتار کر لئے گئے۔ اس نے ان لوگوں سے درخواست کی کہ بت کو سجدہ کریں اب سید اور عالم دین نے سجدہ کر لیا' مگر مخنث نے سوچا کہ میں نہ عالم دین ہوں کہ گناہوں کا کفارہ دے دوں گا' نہ دانشمند اور سید ہوں کہ خدا کو پھر راضی کر لوں گا لہٰذا اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا میری کیفیت بھی مخنث کی سی ہے' میں ہر طرح کے مظالم برداشت کرنے کو تیار ہوں' مگر نہ تمہارے دربار میں حاضری دے سکتا ہوں اور نہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کر سکتا ہوں۔

اس پر محمد شاہ نے کہا کہ ابھی فوراً شہر سے نکل انہوں نے اپنا مصلیٰ شانہ پر ڈالا اور چل کھڑے ہوئے اور جا کر شیخ برہان الدین کے مزار اقدس پر مصلیٰ بچھا کر بیٹھ گئے۔ اپنا عصا وہیں مزار کے پاس زمین میں گاڑ دیا اور فرمایا کہ اب مجھ کو اس جگہ سے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ بادشاہ نے یہ سنا اور حضرت کے جلال کو سمجھ کر بہت شرمندہ ہوا اور اپنے سے یہ مصرعہ "من زان توام توزان من باش" لکھا اور یہ کاغذ صدر الشریف کے ہاتھ حضرت شیخ کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت شیخ نے صاف کہلوا دیا کہ اگر سلطان شریعت اسلام کی حفاظت کرے تو درست ہے۔ بادشاہ نے یہ جواب پا کر شراب خانوں کو مسمار کروا دیا اور علماء و مشائخ کو ہدایت کر دی کہ وہ لوگوں کو نیک اعمال کی طرف متوجہ کریں اور برے کاموں سے روکیں۔ سلطان محمد شاہ کو غازی کا خطاب بھی حضرت شیخ ہی نے دیا تھا لہٰذا وہ اس سے بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس نام کے ساتھ یہ لقب بھی بڑھا دیا جائے۔ اس نے حضرت شیخ سے ملاقات کیے بغیر ہی مرہٹواری کی حکومت مسند عالی خاں کے سپرد کی اور خود حسن آباد گلبرگہ کی طرف چلا گیا محمد شاہ نے اپنے تمام مقبوضہ ممالک میں شراب نوشی اور شراب کی خرید و فروخت بالکل بند کر دی۔

اسلام کی توسیع و تبلیغ

اسلام کی اشاعت کا مقدس فریضہ محمد شاہ نے حضرت شیخ کی ہدایات کے بعد ہی انجام دینا شروع کیا۔ محمد شاہ نے چوروں، قزاقوں اور لوٹ مار کرنے والوں کو بھی ملک سے نیست و نابود کیا۔ ملک میں چاروں طرف فرمان صادر کیے کہ ہر حاکم اپنے علاقے کی حدود میں ظلم و ستم کو بالکل ختم کر دے اور ظالموں کا سر کاٹ کر عبرت کے لئے پایہ تخت روانہ کر دے۔ ظالموں اور قزاقوں کو بالکل ختم کر دیا گیا۔ ملا داؤد بیدری نے لکھا ہے کہ چھ مہینے کے اندر اندر تقریباً تیس ہزار چور اور ڈاکو پکڑ کر حسن آباد گلبرگہ روانہ کر دیئے گئے۔ ان لوگوں کے سر کاٹ کر شہر کے باہر ایک چبوترہ بنایا گیا تاکہ محمد شاہ کی حکمت عملی کا شہرہ پھیل جائے۔ اسلام اور شریعت پر چلنے سے راستے بالکل پر امن اور آرام دہ ہو گئے، مسلمانوں کی جان اور مال بالکل محفوظ ہو گیا۔ بادشاہ نے یہ تمام کام اس لئے کئے کہ حضرت شیخ زین الدین کا دل اس کی طرف سے بالکل صاف ہو جائے۔

حضرت شیخ زین الدین بھی بادشاہ کے نیک اعمال و افعال سے بہت خوش ہوئے اور جس صورت سے سلطان محمد شاہ نہایت خلوص و عقیدت سے حضرت شیخ کو خطوط لکھتا وہ بھی اسی طرح خلوص اور شفقت سے جواب دیا کرتے تھے۔ وہ ہر حال میں بادشاہ کو نصیحت کرتے رہتے تھے اور بادشاہ بھی ان کی ہدایت پر چلنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ اس دوران میں تلنگانہ اور بیجانگر کے راجہ سب ہی تاجدار دکن کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے تھے، جو مال بادشاہ طلب کرتا اس میں کبھی کمی نہ ہوتی ملک میں امن و امان اور خوشحالی کا دور دورہ تھا۔

محمد شاہ کا آخری عہد

اب بادشاہ کا صرف یہی کام رہ گیا تھا کہ وہ سال میں چار مہینے دورہ کرتا تھا اور سیر و شکار کے بعد واپس آ جاتا تھا۔ جہاں جاتا وہاں کا حاکم تحفے تحائف اور بیش بہا چیزیں پیش کرتا وہ بادشاہ کو دارالخلافت تک پہنچائے جاتے عرضیکہ اس منصف مزاج بادشاہ کے عہد میں چھوٹے بڑے، شریف اور رذیل سب بہت اطمینان اور سکون کی زندگی گزارتے تھے۔ ساری رعیت بہت خوش و خرم تھی اور بادشاہ کی ذات کو قدرت کا ایک بہت بڑا عطیہ سمجھتی تھی۔

محمد شاہ کا انتقال

دنیا کا یہ دستور ہے کہ اس جگہ ماتم بھی برپا ہوتا ہے جہاں خوشی کے شادیانے بجتے ہیں۔ اس طرح محمد شاہ کا بھی آخری وقت آ پہنچا اور ذیقعد کی ۹ تاریخ کو ۷۷۶ھ میں انتقال ہو گیا، رعایا کو بہت ہی رنج ہوا۔ محمد شاہ کو باپ کے برابر ہی دفن کیا گیا۔ "سراج التواریخ" میں یہ روایت درج ہے کہ جتنی دولت اور ہاتھی محمد شاہ کے عہد میں جمع کئے گے وہ کسی بہمنی تاجدار کو نصیب نہ ہوئے، تین ہزار خاصہ کے ہاتھی تھے، جتنا خزانہ اس بادشاہ کے پاس نکلا وہ دوسرے حکمرانوں کے مقابلہ میں دوگنا تھا۔ اسی تاریخ میں یہ بات بھی لکھی ہوئی ہے کہ محمد شاہ سے قبل بادشاہ دہلی یا پھر کسی بہمنی حاکم نے بھی کرناٹک پر اتنا زبردست حملہ نہیں کیا اور نہ ان راجاؤں کی دولت کو اتنی آسانی سے اپنے قبضہ میں کر سکا۔ سات سو سال کا جمع کیا ہوا مال جو راجہ کرناٹک کے پاس تھا وہ بھی اسی بادشاہ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوا... بادشاہ نے سترہ برس نو مہینے پانچ دن حکومت کی۔

حوالہ جات

(۱) ہون اور پرتاپ دکن کے قدیم طلائی سکے ہیں اور مختلف اوزان کے ہیں۔ ہون کا وزن ایک تولہ ہوتا تھا۔ بہمنی بادشاہوں کے زمانہ میں ہون کے چار یا پانچ وزن مقرر کیے گئے سب سے بڑا ہون دو تولہ کا تھا' پرتاپ وزن اور قیمت میں ہون کا نصف تھا۔

(۲) دابل سے موجودہ دابھول مراد ہے دکن کی مشہور بندرگاہ تھی۔

(۳) ویلم پٹن کے صحیح تلفظ اور مقام کا پتہ نہیں چلتا۔ ولم واڑا (ضلع کریم نگر) ہو سکتا ہے جو گلبرگہ سے تقریباً دو سو میل مشرق میں واقع ہے۔ یہ علاقہ اس وقت تک فتح نہیں ہوا تھا اور اسی کے راستہ میں کلیانی اور بدر واقع تھے۔

(۴) اس زمانہ میں بندوق یا تفنگ اول تو ایجاد ہی نہیں ہوئی تھی اور اگر ایجاد بھی ہو گئی ہو تو بھی اس کا دکن میں رواج ہونا بعید از قیاس ہے۔

(۵) وہ وقت جب سورج سارے سال کا دورہ ختم کر کے برج حمل میں داخل ہوتا ہے۔

(۶) درفش کاویانی۔ ایران کے ساسانی بادشاہ کا جنگی علم تھا جو لاکھوں روپے کے صرف سے تیار ہوا تھا اور ہر بادشاہ اپنے عہد میں اس کی زینت اور سجاوٹ میں ہر سال کوئی نہ کوئی اضافہ برابر کرتا تھا۔

(۷) تمندرا اصل میں تنگ بھدرا ہونا چاہیے' مگر یہاں اس ندی سے مراد نہیں ہے بلکہ گمری ندی سے جو تنگ بھدرا کی معاون ندی ہے۔

(۸) کشن رائے غلط ہے۔ وجنانگر کے راجہ بکا رائے سے مراد ہے جو سلطان محمد شاہ بہمنی کی تخت نشینی سے پہلے راجہ ہوا اور سلطان کے کئی سال بعد تک وجنانگر پر حکومت کرتا رہا۔

(۹) کنبہ یا کونبھ دیو ہے۔ اس کو مورخین نے گوبند دیو بھی لکھا ہے۔

(۱۰) سیو گاؤں یا شیو گاؤں آج کل بھی ضلع احمد نگر میں واقع ہے۔

مجاہد شاہ بن سلطان محمد شاہ بہمنی

سلطان مجاہد ملک سیف الدین غوری کا نواسا تھا' یہ شہزادہ شکل و صورت اور قد و قامت میں' حسن و جمال کی جیتی جاگتی تصویر تھا اور ہمت و شجاعت میں اپنی مثال آپ تھا- ترکی زبان بہت اچھی طرح جانتا تھا اور اس کے مقربین بھی زیادہ تر ایسے تھے جو فارسی اور ترکی کے عاشق تھے' اس کو بچپن ہی سے تیر اندازی اور کمان چلانے کا شوق تھا' وہ ہمیشہ خنجر زنی اور نیزہ بازی کی گفتگو کرتا تھا- اس کے بچپن کا ایک قصہ مشہور ہے جس سے اس کے کردار پر بہت اچھی طرح روشنی پڑ سکے گی- ایک رات اس نے قفل توڑ کر بہت سی اشرفیوں کی تھیلیاں نکالیں اور اپنے ساتھیوں کو تقسیم کر دیں- خزانچی کے ذریعہ سلطان محمد شاہ کو اطلاع ہوئی وہ بیحد ناراض ہوا- اس نے فوراً شہزادہ کو طلب کیا وہ سر جھکا کر گنہگاروں کی طرح باپ کے دربار میں آیا اس کو تنبول بردار مبارک بلا کر لایا تھا-

بادشاہ نے غصہ میں آکر شہزادے کو کوڑے مارے اور وہ زخموں سے چور ہو گیا' مگر خاموشی سے چلا آیا اور آکر اپنی ماں سے شکایت کی کہ اگر تنبول بردار مبارک مجھے اصل حقیقت بتاتا تو میں کسی صورت باپ کے غصہ کو ختم کر کے تب ان کے حضور میں جاتا مگر چونکہ اس نے بلاتے وقت کچھ بتایا نہیں لہٰذا میں چلا گیا- ماں نے جواب دیا کہ غریب تنبول بردار کی حکم شاہی کے سامنے کیا وقعت؟ شہزادہ یہ سن کر خاموش ہو گیا اور آہستہ سے باہر نکل آیا بظاہر تو اپنے بغض کا اظہار نہ کیا' لیکن دل میں مبارک تنبول کا دشمن بنا رہا- اس واقعہ کے پورے ایک ہفتہ بعد مجاہد شاہ نے ایک دن مبارک تنبول سے کہا' سنا ہے کہ تو بہت طاقتور پہلوان ہے- مجھ سے زور آزمائی کر یہ سن کر تنبول مبارک کے دل میں شہزادہ کی طرف سے کشتی کی خواہش پیدا ہوئی اور وہ کشتی لڑنے کے لئے بالکل تیار ہو گیا- دونوں آقا خادم ایک دوسرے سے مقابلہ کرنے لگے- شہزادہ اس وقت صرف چودہ سال کا تھا اور تنبول مبارک تیس سال کا' لیکن میدان شہزادہ کے ہاتھ رہا- مجاہد نے مبارک کو زمین سے اٹھا کر پھر اس طرح گرایا کہ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی اس ضرب کو وہ برداشت نہ کر سکا اور بہت جلد انتقال ہو گیا-

تخت نشینی

انیس برس کی عمر میں مجاہد شاہ تخت نشین ہوا- تخت نشینی کے فوراً بعد ہی دولت آباد حضرت شیخ برہان الدین کے مزار اقدس پر بغرض زیارت حاضری دی- اس کے بعد شیخ زین الدین قدس سرہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر حسن آباد گلبرگہ واپس لوٹا-

انتظام سلطنت

مسند عالی خان محمد کی قوت اس کے عہد میں بہت بڑھ رہی تھی اس لئے مجاہد شاہ کے دل میں اس کی طرف سے شک و شبہ ہوا لہٰذا اس نے عالی خاں کو دولت آباد کی حکمرانی سے ہٹا دیا اور اس کی جگہ اعظم ہمایوں خاں کو رکھا- اس کے بعد بیجانگر کے راجہ کشن رائے کو لکھا کہ دریائے تمندرہ اور دریائے کرشنا کا وسطی علاقہ ہمارے جھگڑے کا باعث ہیں لہٰذا ایسا کیا جائے کہ دریائے تمندرہ کو سرحد مقرر کر کے دریا کے اس پار کے مقامات سیت بن رامیسر تک تمہاری ملکیت میں شامل رہیں اور دریا کے دوسری طرف کا علاقہ (مشرقی اور مغربی حصے) سلطنت بہمنیہ کے قبضہ میں رہیں- اس فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے بنکاپور (1) اور دوسرے مقامات کے تمام قلعے ہمارے حوالے کر دو- جو چیز کہ جھگڑے اور عناد کا سبب ہے اس کو ہی ختم کر دو تاکہ دوستی کی بنا استوار ہو جائے-

بیجانگر کی مملکت میں رہے ہیں وہ سب ہمارے ہاتھ میں دے دو اور دریائے کرشنا کو سرحد قرار دے دو اس کے علاوہ تمہارے باپ محمد شاہ بہمنی نے حکام کنہڑ کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے جو ہمارے ہاتھی اپنے قبضہ میں کر لیے ہیں وہ سب واپس کر دو تاکہ دلوں میں کینہ بالکل نہ رہے۔

بیجانگر پر حملہ

یہ تلخ جواب سن کر مجاہد شاہ بہت طیش میں آیا باپ کا خزانہ کھولا اور فوج کشی کے تمام اسباب فراہم کیے۔ مقبوضہ ممالک کا انتظام اپنے نانا ملک سیف الدین کے ہاتھ میں دے دیا نیز فوج کو ایک مقام پر اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔ دولت آباد' بیدر' برار کی فوجیں بہت جلد حسن آباد گلبرگہ پہنچ گئیں۔ مجاہد شاہ پانچ سو ۵۰۰ جنگی ہاتھی اور سارا خزانہ لے کر بیجانگر کی مہم پر روانہ ہو گیا۔ بادشاہ شکار کھیلتا ہوا آگے بڑھتا رہا' اور دریائے تمہندرہ کو عبور کرکے قلعہ اودنی تک پہنچ گیا یہ قلعہ دکن میں اپنی مثال آپ تھا۔ مجاہد شاہ نے اس کو فتح کرنے کے ارادے سے صفدر خاں سیستانی کو روانہ کیا۔ نیز امیرالامراء بہادر خاں اور اعظم ہمایوں خان کو لشکر کا سردار بنا کر اپنے آگے روانہ کر دیا۔ ادھر بادشاہ کو خبر ہو گئی کہ کشن رائے دریائے تمہندرہ کے ساحل پر پرگنہ کنکادلی (۲) میں مقیم ہے۔

بادشاہ نہایت خاموشی سے گنگاوتی کے پیچھے کے راستہ سے چلا۔ ادھر کشن رائے کو بھی مقدمہ و لشکر نیز بادشاہ دونوں کی آمد کی خبریں مل گئیں راجہ بھی مقابلہ کے لئے میدان میں آ گیا۔ ادھر مجاہد شاہ سے بعض زمینداروں نے کہا کہ جنگل میں ایک شیر آ گیا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کو راستہ چلنا دشوار ہو گیا ہے ہر ایک کو اپنی جان کا خطرہ رہتا ہے۔ مجاہد شاہ خود اس جنگل کی طرف چلا اور لوگوں کو حکم دے دیا کہ کوئی اس جنگل کی جانب نہ آئے۔ خود سات آدمیوں کے ساتھ پیدل ہی جنگل کی طرف بڑھا شیر آدمیوں کی صورت دیکھتے ہی چنگھاڑا اور ان کی جانب رخ کیا۔ بادشاہ نے سپاہیوں کو نیزہ و تلوار استعمال کرنے کو منع کیا خود شیر کے مقابل جا کر ایک تیر مارا تیر اس کے پہلو میں لگا اور اس میں جگہ سے ہلنے تک کی قوت نہ رہی۔ پھر بادشاہ نے سپاہیوں سے کہا کہ جا کر دیکھو تیر کس جگہ لگا ہے' مگر کسی میں ہمت نہ تھی کہ شیر کا پیٹ چیر کر دیکھ سکے لہٰذا مجاہد خود ہی بڑھا اور پیٹ پھاڑ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ تیر پہلو میں لگ کر دل و جگر کو چیرتا ہوا نکل گیا تھا۔

کشن رائے کا فرار

بادشاہ کی بہادری کا چرچا ہر طرف پھیل گیا خاص کر وہ ہندو جو فوج لے کر مہم پر آئے انہوں نے سوچا کہ جنگلوں میں جا کر چھپ جائیں کیونکہ اتنے جری اور عالی ہمت بادشاہ سے مقابلہ کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ بیجانگر کے سارے لوگ بادشاہ کی بہادری میں رطب اللسان تھے اور دلوں میں خوف بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اب کشن رائے نے بیجانگر کی حکومت چند معتبر امراء کے ہاتھ میں دے دی اور خود جنوبی جنگلوں کی طرف فرار ہو گیا۔ مجاہد شاہ نے سنا کہ بیجانگر بہت خوبصورت شہر ہے لہٰذا مجاہد شاہ نے بیجانگر کی فتح کا خیال دل سے نکال دیا اور کشن رائے کا پیچھا کرنے لگا۔

راجہ جنگلوں اور پہاڑوں کی کٹھن راہوں سے گزرتا ہوا سیت بن رامیسر (۳) کی طرف چلا۔ مجاہد شاہ بھی کشن رائے کے پیچھے پیچھے ہی اسی راستہ پر چل رہا تھا۔ جہاں جنگل آتے وہاں یہ پہنچ کر درختوں کو کاٹتا راستہ بناتا مجاہد شاہ کی قسمت نے یاوری کی اور کشن رائے مع اپنے خاندان کے جنگلوں میں بیمار پڑ گیا۔ لوگوں نے کہا کہ جنگل کی آب و ہوا اس کو راس نہیں آئی حکیموں نے واپسی کا مشورہ دیا' حالانکہ راجہ کا خیال تھا کہ میرا تعاقب کرتے ہوئے مجاہد شاہ بیمار پڑ جائے گا اور اس کو یہ آب و ہوا موافق نہ آئے گی۔

راجہ بدرجہ مجبوری بیجانگر پہنچا' اور وہاں جا کر تمام راستوں کو بہت مضبوط کر دیا امراء اور سپاہیوں کو قلعہ میں ٹھہرایا اور خود بیجانگر کے ایک پہاڑی قلعہ میں چھپ گیا۔ مجاہد شاہ بھی سیت بن رامیسر کے گرد و نواح میں پہنچا' اس بہادر حکمران نے اپنے تمام امراء کو کشن رائے

کا پیچھا کرنے کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ خود بہادر خان اور پانچ ہزار سواروں کے ہمراہ سفر کی منازل طے کرتا ہوا قدرتی مظاہرے سے لطف اندوز ہوتا ہوا اپنی منزل تک پہنچا۔ اس نے سلطان علاؤ الدین خلجی کی بنوائی ہوئی مسجد درست کرائی وہ تمام بت خانوں کو توڑتا ہوا اور مقامات کو سنسان کرتا ہوا برابر بڑھتا رہا۔ بیجانگر میں داخل ہونے کے لئے دو رائیں تھیں ایک راستہ بہت پھیلا ہوا تھا' مگر کمین گاہ اور سرکوب کی وجہ سے بہت خطرناک تھا۔ راجہ کے تفنگی پہاڑی قلعوں میں پوشیدہ تھے دشمن کے لئے شہر میں بہ آسانی اندر جانا آسان کام نہ تھا۔ دوسرا راستہ بہت تنگ و تاریک تھا اس کو سودرہ کا نام دیا گیا تھا بادشاہ اسی راستہ سے اپنی فوج لے کر شہر کے اندر گیا اور اپنا چچا داؤد شاہ (۴) کو چھ ہزار سواروں اور سپاہیوں کی فوج کے ساتھ سودرہ کے دہانہ کی حفاظت کے لئے چھوڑا۔

کشن رائے ادھر مجاہد شاہ کی بہادری اور دلیری کی داستانیں برابر سن رہا تھا وہ نہایت درجہ پریشان ہو رہا تھا آئے دن بہت سے سپاہی مقابلہ کے لئے پہنچ رہے تھے مگر مجاہد شاہ سب کو شکست دیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ آخر کار اس جگہ تک پہنچ گیا' جس کی دوسری طرف راجہ چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ مجاہد شاہ کو ایک بت خانہ نظر آیا جو بہت مرصع اور ہیرے جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ ہندو اس بتکدہ کو شرنیر نگ (۵) کہتے تھے۔ مجاہد شاہ نے اس کو توڑنا اپنا پہلا فرض سمجھا اس کو مسمار کرکے سونا' جواہرات اپنے قبضہ میں کر لیے۔ ہندوؤں نے اس کا انہدام اپنی آنکھوں سے دیکھا ان سے برداشت نہ ہوا اور رورو کے بادشاہ کے اس ظلم کی داستان جا کر راجہ سے بیان کی۔ راجہ میدان جنگ میں بہت اہتمام سے مذہبی انتقام لینے کے لئے آیا۔

مجاہد شاہ بھی ان حالات سے آگاہ ہو کر مقابلہ کے لئے بالکل تیار ہو گیا۔ اس نے اپنی صفیں آراستہ کیں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہونے سے پہلے بادشاہ نے اپنے سر سے تاج اتار دیا۔ دشمنوں کی کثرت اور ان کا تماشہ دیکھنے کے لئے ایک سلحدار کو جس کا نام محمود افغان تھا ساتھ لے کر دریا کے اس پار چلا گیا۔ مجاہد اس منظر سے محظوظ ہو رہا تھا کہ ایک ہندو بہادر سپاہی نے بادشاہ کے گھوڑے کو پہچان لیا۔

اس نے سوچا کہ اب بت خانہ کی تباہی اور بربادی کا بدلہ لینے کا وقت ہے کھنڈروں سے گزرتا ہوا بادشاہ تک کسی صورت سے جا پہنچا۔ اس نے بادشاہ کا کام تمام کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ بادشاہ کو اس کی بدنیتی کی خبر ہو گئی۔ بادشاہ نے فوراً محمود افغان کی طرف اشارہ کیا اس نے گھوڑا ہندو سپاہی کے سامنے کر دیا۔ سلحدار کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی ہندو سپاہی نے اب محمود کا کام تمام کرنا چاہا مگر بادشاہ نے پیش قدمی کی۔ ہندو نے بھی بادشاہ کے سر پر تلوار کا وار کیا اور حملہ کرتے وقت اتنے زور سے چلایا کہ سب سمجھیں کہ خدانخواستہ تاجدار دکن کا کام تمام کر دیا حالانکہ معاملہ اس کے بالکل خلاف تھا اس کے وار نے بادشاہ پر اثر نہ کیا کیونکہ وہ آہنی ٹوپی پہنے ہوئے تھا۔ اس کے بعد بادشاہ نے فوراً ہندو صفت بہادر کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس کا گھوڑا محمود افغان کو عنایت کیا اور خود آہستہ خرامی سے ٹہلتا ہوا دریا کے ساحل تک آیا۔

دریا کے اس پار اتر کر اپنے لشکر سے جا کر مل گیا بادشاہ کی بہادری کی دوست دشمن ہر ایک تعریف کر رہا تھا۔ کشن رائے بھی دریا کے اس طرف کھڑا ہوا تھا۔ اس کی ساری فوج دریا کو پار کرکے میدان جنگ میں اپنے قدم جما رہی تھی۔ بادشاہ نے امیر الامراء بہادر خاں اور اعظم ہمایوں کی سرکردگی میں لشکر بھیجا اور ان کو جانیں تک قربان کر دینے کی ترغیب دی۔ مقرب خاں آتش خانہ کا حوالدار تھا وہ آتشبازی کے ارابوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا اور لڑائی شروع ہوئی۔

بیجانگر کی فتح

ایک خونریز جنگ اور دہشت و خون کے بعد ہندو ہار گئے اور مسلمانوں کی فوج کو فتح و کامرانی حاصل ہوئی' لیکن مسلمانوں نے ابھی پوری طرح اطمینان کا سانس بھی [illegible]

ترتیب دیا اور تازہ دم ہو کر میدان جنگ میں آیا فریقین میں بہت خونریز جنگ ہوئی- فریقین نے پوری طرح داد شجاعت دی ہزاروں خدا کے بندوں کا خون ناحق بہہ گیا- مقرب خاں اور دوسرے مشہور اراکین قتل ہوئے- بادشاہ خود بھی تلوار آزما رہا وہ جدھر جاتا دشمن کی فوج گھبرا جاتی- مجاہد کو دیکھ کر ہندو سپاہی اس طرح بھاگ جاتے جیسے بھیڑیے کو دیکھ کر بکری بھاگ جاتی ہے-

داؤد خاں ایک زبردست لشکر کے ہمراہ سودرہ کے دہانہ کی حفاظت کر رہا تھا تاکہ درہ سے مسلمان آسانی سے گزر کر واپس جا سکیں اس کو معلوم ہوا کہ صبح سے جنگ کا بازار گرم ہے اور ظہر کا وقت ہو گیا ہے لیکن ابھی تک آتش حرب ٹھنڈی نہیں ہوئی اور دشمنوں کے قدم بھی نہایت مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں بلکہ دشمن تازہ تازہ ہو کر میدان جنگ میں آ رہے ہیں- داؤد خاں اس خبر کو سن کر پریشان ہوا اور گو کہ اس کا یہ عمل ناعاقبت اندیشی کا تھا مگر پھر بھی وہ سودرہ کو خالی چھوڑ کر سات ہزار سپاہیوں کے ساتھ اسی جنگ کی آگ میں کود پڑا اس نے بہت داد شجاعت دی اگرچہ اس کا گھوڑا تین مرتبہ زخمی ہوا' لیکن اس بہادر شہسوار نے کچھ پروا نہ کی-

اسی دوران میں بادشاہ نے داؤد شاہ کو جنگ میں دیکھا اور یہ دیکھ کر وہ حیران و ششدر رہ گیا وہ اس وقت تک بالکل خاموش رہا جب تک کہ میدان میں ہندوؤں کو شکست نہ ہو گئی- تب بادشاہ نے داؤد شاہ کو بلا کر گالیاں دیں اور کہا کہ سودرہ کو چھوڑ کر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی تمہیں اس کی حفاظت کرنا زیادہ ضروری ہے اگر درہ پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا تو پھر ایک مسلمان زندہ واپس نہ جا سکے گا- اس کے بعد امراء کے ایک گروہ کو درہ کی حفاظت کرنے کے لئے بھیجا اور خود دریا کے کنارے آ کر ٹھہر گیا ہندو سپاہی سودرہ کے دہانے پر پہلے ہی مقیم ہو چکے تھے- مجاہد شاہ کو جب یہ ماجرا معلوم ہوا تو وہ خود درہ کی طرف بڑھا یہ دیکھ کر ہندوؤں کے اوسان خطا ہو گئے- کشن رائے نے اگرچہ پیچھا کرنا چاہا مگر یہ جری بادشاہ دہانہ پر کھڑا ہو گیا اور اپنی تمام فوج کو نہایت آسانی سے درہ سے نکال دیا جن لوگوں نے ان واقعات کو دیکھا ہے ان کے خیال میں یہ واقعہ دنیا کے نادر واقعات میں سے ہے-

مختصر یہ کہ کنٹرہ کی مملکت جو کرشنا کے کنارے سے سیت بندرا میشر تک چھ کوس ہے اور مشرق سے مغرب تک تقریباً ایک سو پچاس کوس ہے- دریائے عمال کے کنارے سے تلنگانہ اور کرناٹک کی سرحد تک تمام حصہ جنگلوں اور مضبوط قلعوں سے معمور ہے اس صوبے کے عوام کنٹری زبان میں بات چیت کرتے ہیں بعض مقامات پر تلنگی بھی بولی جاتی ہے- یہاں کے لوگ بہت بہادر اور ہمت والے ہوتے ہیں جب کبھی جنگ کرتے ہیں تو بہت جوش کے ساتھ منہ سے جھاگ نکلنے لگتا ہے اور ایک عالم سرور و کیف میں ناچتے ہوئے میدان جنگ میں آتے ہیں لیکن جب جنگ شروع ہو جاتی ہے تو ان کا جوش سرد پڑ جاتا ہے اور یہ ثابت قدم نہیں رہتے- ادھر مسلمانوں کی بہادری کا سکہ کچھ ایسا بیٹھ گیا تھا کہ شاہان بہمنیہ تھوڑی سی فوج میں بڑا معرکہ سر کر لیتے تھے-

بیجانگر وغیرہ کے راجاؤں کی نسبت دکن کے بادشاہ ہمیشہ ہی بہت باعزت رہے اور بہادر بھی- مثلاً جس وقت شیر دل مجاہد اس دیو صفت ہندو سے آمادہ پیکار تھا اس وقت ہندوؤں کی فوجی اور مالی حالت بہت ہی زیادہ تھی- اور مسلمان ان کے مقابلہ میں کچھ حقیقت نہ رکھتے تھے- مجاہد کے عہد میں سارے تلنگانہ پر بھی مسلمان حکمران نہ بن سکے- کرناٹک پر کشن رائے کا قبضہ تھا بلکہ قلعہ تلگام اور بندر کو وہ جو کرناٹک کی حدود سے بالکل باہر ہیں ان پر بھی اسی راجہ کا قبضہ تھا- غرضیکہ وہ ایک بہت بڑی سلطنت کا مالک ہو گیا تھا اور کشن رائے کا بول بالا تھا وہ باغیوں کی طرف سے بھی بہت ملا ہوا تھا- اس کے علاوہ رائے ملابار اور دوسرے جزیروں اور بندرگاہوں کے راجہ کشن رائے کے باجگزار تھے اور ہر سال بیش قیمت تحفے تحائف راجہ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے- بیجانگر کے راجاؤں کا یہ طریقہ تھا کہ ہر راجہ اپنا موروثی خزانہ خرچ نہیں کرتا تھا- لہٰذا کشن رائے کے خزانہ میں سات سو سال کی دولت موجود تھی اور اس کا جمع کیا ہوا خزانہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی دولت کے برابر تھا-

بیجانگر کے بانی راجہ نے اپنا تمام روپیہ اس خیال سے زمین کے اندر دفن کر دیا تھا تاکہ بزرگوں کی روحوں کو ثواب ملے- اس خزانہ کو

دفن کرکے اس کے اوپر بڑے بڑے بت خانے بنوا دیئے تھے۔ جو دولت سیت بندر رامیشر میں دفن کی گئی تھی وہ علاؤ الدین خلجی کو مل گئی اور بقیہ دولت کے متعلق بھی یہی خیال تھا کہ یہ کسی مسلمان حکمران کو مل جائے گی اس کی تفصیل کسی مناسب موقع پر پیش کر دی جائے گی۔

غرضیکہ اس کشت و خون کے بعد مجاہد شاہ کو اعتبار آ گیا کہ بیجانگر کو آسانی سے ہاتھ میں لینا بہت مشکل ہے لہٰذا بادشاہ شہر کے گرد و نواح سے واپس آ گیا۔ باپ کی نصیحت کا لحاظ کرتے ہوئے کسی ہندو کو قتل نہیں کیا صرف تھوڑے سے لونڈی غلاموں کو گرفتار کیا۔ مجاہد نے چونکہ تھوڑا سا لشکر قلعہ اودنی میں چھوڑا تھا لہٰذا وہ اسی طرف چل دیا۔ تقریباً نو مہینہ تک اس قلعہ کو فتح کرنے کی کوشش کرتا رہا اسی عرصہ میں گرمی کا موسم آ گیا اور ہندوؤں نے یہ سوچا کہ اب پانی کی کمی اور گرمی کی شدت ہے لہٰذا یہ قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دینا چاہیے۔ یہ ارادہ کیے ہوئے انہیں کچھ دیر ہی گزری تھی کہ بہت زور کی بارش ہوئی ہندو اپنے ارادہ پر شرمندہ ہوئے۔ ادھر مجاہد شاہ کی فوج میں بیماری پھیل گئی قحط کی مصیبت نے بھی لوگوں کو خوب پریشان کیا ہر سپاہی کو دست اور پیچش کی شکایت ہوئی اور سب نے مل کر واپس جانے کی درخواست کی۔ نیز ملک سیف الدین جو بہت وفادار اور تجربہ کار امیر تھا اس نے کہلوا بھیجا "کہ قلعہ اودنی کے حالات میں نے سنے ہیں اور بہت تعریف بھی! میں بھی چاہتا ہوں کہ شاہی عنایات کی بارش مجھ پر ہو اور میں قلعہ کو فتح کرنے میں کچھ مدد دوں۔" بادشاہ نے ملک سیف الدین کو اجازت دیدی وہ نہایت عجلت کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اس نے تخلیہ میں بادشاہ کو سمجھا دیا کہ اس قلعہ کو جو پہاڑ پر واقع ہے اور اس طرح جنگلوں میں گھرا ہوا ہے، فتح کرنا آسان نہیں ہے۔"

جہانداری کے قوانین کا تقاضا ہے کہ پہلے میان دوآبہ کے تمام قلعوں پر جو بندر کودہ اور بلگام سے بنکاپور تک پھیلے ہوئے ہیں قبضہ کیا جائے اور اس کے بعد اس قلعہ کو فتح کرنے کی کوشش کی جائے۔" مجاہد شاہ کو ملک سیف الدین کا مشورہ دل سے پسند آیا اور اس نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔ سیف الدین غوری نے راجہ بیجانگر سے صلح کر لی بادشاہ نے ملک نائب کو پہلے بھیج دیا اور پھر خود بھی گلبرگہ کی طرف روانہ ہوا۔ شاہی لشکر تنگ بھدرا کو پار کرکے مدگل پہنچا وہاں بادشاہ کی زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ وہ چار سو سپاہیوں کو لے کر مقربین خاص اور دربانوں کے ساتھ شکار کھیلنے میں مصروف ہو گیا۔ صفدر خاں سیستانی اور اعظم ہمایوں اپنے حاکم کی بے باک طبیعت اور بے پروا فطرت سے واقف تھے لہٰذا وہ ہر وقت اس کی حفاظت کرتے۔

مجاہد شاہ شکار کھیلتا ہوا رائچور تک جا پہنچا جہاں رات ہو جاتی، شکار کھیلتے کھیلتے وہ بلا تکلف وہیں رات بسر کر لیتا۔ داؤد شاہ کو مجاہد شاہ نے جب سے گالیاں دی تھیں اس وقت سے داؤد شاہ کا دل بادشاہ کی طرف سے صاف نہ تھا اور وہ حاکم بننے کے خواب دیکھنے لگا تھا۔ اس ہوس حکمرانی نے اسے بھتیجے کو شہید کرنے سے بھی باز نہ رکھا۔ مسند عالی خاں اور مسعود خاں نے جو مبارک تنبول بردار کا بیٹا تھا) داؤد خاں کا ساتھ دیا۔ مسند خاں کو اعظم ہمایوں کا اقتدار کھٹک رہا تھا اور مسعود خاں تو خیر اپنے باپ کا بدلہ لینے ہی کی دھن میں تھا لیکن ان کی کوششیں شکار گاہ میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ کیونکہ اعظم ہمایوں اور صفدر خاں بڑی توجہ اور ہوشیاری سے بادشاہ کی حفاظت کرتے رہے۔ مجاہد شاہ نے نہایت اصرار کرکے ان دونوں مقربین خاص کو بلا ضرورت برار واپس بھیجدیا۔ مجاہد شاہ لشکر گاہ کی طرف نہ آیا بلکہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریائے کرشنا کو پار کرکے دوسرے دن مچھلیوں کا شکار کرتا رہا۔

مجاہد شاہ کا قتل

چونکہ بادشاہ کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہونے والی تھیں لہٰذا آنکھوں کے ڈھیلوں میں درد ہونے لگا اور شام ہی سے سراپردہ شاہی میں جا لیٹ گیا داؤد خاں اور مسعود خاں دونوں اپنے ہمراز سپاہیوں کے ساتھ چوکیداری اور خبرگیری کا بہانہ کرکے خیمے کے پاس ہی بیٹھ

چند آدمیوں کے ہمراہ دروازہ پر چھوڑ کر خود مسعود خاں دو اور آدمیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ مجاہد شاہ نہایت آرام کی نیند سو رہا تھا ایک خواجہ سرا اور ایک حبشی غلام بچہ جو پاؤں دبانے پر مامور تھا' وہ دونوں جاگ رہے تھے ان دونوں نے داؤد شاہ کے ہاتھ میں خنجر دیکھ کر شور مچایا۔ مجاہد شاہ چونک پڑا اور ہرچند اس نے آنکھیں مل مل کر شور انگیز منظر کو دیکھنا چاہا مگر اس پر موت کا غلبہ چھایا ہوا تھا اس لئے کچھ نظر نہ آیا۔ داؤد شاہ نے خنجر کا ایسا حملہ کیا کہ بادشاہ کی آنتیں باہر نکل آئیں اس زخم کھانے کے باوجود بھی مجاہد شاہ نے داؤد شاہ کی کلائی مع خنجر کے پکڑ لی زخمی شیر نے قاتل کو اپنی طرف کھینچا مسعود خاں سے حبشی بچہ الجھ پڑا لیکن مسعود نے اس نہتے حبشی بچہ کو ایک ہی وار میں ٹھنڈا کر دیا اور اس کے بعد مجاہد شاہ کے کان پر اتنا سخت زخم لگایا کہ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

داؤد خاں نے اسی وقت تمام امراء اور ارکین سلطنت کو جمع کیا اور سب کو اپنے بادشاہ ہونے کی خوشخبری سنائی۔

حوالہ

(۱) دھارادار میں سوانور کے قریب بنکاپور واقع ہے اس زمانہ میں یہ ایک مضبوط مرکزی قلعہ تھا۔

(۲) کنکاولی سے مراد گنگاولی ہے یہ اجودھیا نگر کے قریب دریائے تنگ جدرا کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔

(۳) ست من رامیسر سے مراد رامیشورم ہے جو جزیدہ لنکا کے مقابل پل آدم پر واقع ہے۔

(۴) داؤد شاہ علاؤ الدین گنگو کا بیٹا تھا نہ کہ پوتا

(۵) کنتری زبان میں شرپیرنگ کا مفہوم "مرصع عنبر کا ڈبہ" ہے اور اسی باعث اس بت خانہ کو یہ نام دیا گیا۔

داؤد شاہ بن سلطان علاؤ الدین حسن

داؤد شاہ نے اپنی حکمرانی تسلیم کروا لی کیونکہ مجاہد شاہ کے کوئی اولاد نہ تھی جو تخت کی مالک ہوتی اس لئے تمام رعایا کو مجاہد شاہ کے قاتل ہی کو اپنا بادشاہ تسلیم کرنا پڑا۔ داؤد نے ہر شخص کو وہ سبز باغ دکھائے اور ایسی ایسی امیدیں دلائیں کہ ہر ایک اس کا مطیع و فرمانبردار ہو گیا۔ اس نے مجاہد شاہ کو شہید کر کے دوسرے دن صبح ہی صبح اس کا جنازہ گلبرگہ روانہ کر دیا اور خود اسی جگہ قیام کیا۔ بعد میں تمام لشکر جو مجاہد شاہ کے ساتھ تھا وہ داؤد شاہ کے پاس آ گیا اور وہ بہت تزک و احتشام کے ساتھ حسن آباد گلبرگہ روانہ ہوا۔ مجاہد شاہ کی شہادت سترہ ذی الحجہ ۷۷۹ھ کو واقع ہوئی اس نے صرف تین سال سے کچھ زیادہ مدت تک حکومت کی۔

حاجی محمد قندھاری نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ مبارک نام کا ایک شخص، محمد شاہ کے خاصہ کا تنبول بردار تھا۔ وہ شاہی عنایات سے اس حد تک سرفراز ہوا کہ امارت کے عہدے تک پہنچ گیا۔ ایک رات مبارک نے یہ دیکھا کہ مجاہد شاہ نے خزانے کا دروازہ توڑ کر، روپوں اور اشرفیوں کی چند تھیلیاں نکالیں اور اپنے ہم عمر لڑکوں میں تقسیم کر دیں۔ مبارک نے فوراً محمد شاہ بہمنی کو اس واردات سے آگاہ کر دیا۔ بادشاہ نے غصے میں آکر شہزادے کو چند کوڑے مارے اس وجہ سے مجاہد شاہ کو مبارک سے دشمنی ہو گئی۔ مبارک کو یہ خوف پیدا ہوا کہ کہیں دار السلطنت پہنچ کر مجاہد شاہ انتقام لے کر اسے قتل نہ کر ڈالے۔ اسی لئے مبارک نے داؤد خاں سے سازش کر کے بادشاہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بعض مورخوں نے لکھا ہے کہ مجاہد کا قاتل مبارک کا بیٹا مسعود خاں تھا۔ و اللہ اعلم بالصواب۔

مجاہد شاہ بہمنی کے شہید ہوتے ہی دکن کے تمام سوئے ہوئے فتنے جاگ اٹھے۔ صفدر خاں سیستانی اور اعظم ہمایوں ابھی بیجانگر کے نواح ہی میں تھے کہ ان کو بادشاہ کی شہادت کی خبر ملی۔ یہ دونوں داؤد شاہ کو مبارک باد دینے کے لئے نہ آئے بلکہ ایک ساتھ ہو کر آگے بڑھے اور بیجاپور میں تمام شاہی گھوڑوں اور ہاتھیوں پر قابض ہو گئے اور وہاں سے ایلچپور اور دولت آباد چلے گئے۔ ان امراء نے داؤد شاہ کے نام خطوط لکھے کہ "ہم لوگ خیل و حشم کو تیار کرنے کے لئے اپنے اپنے مقامات پر جا رہے ہیں اور شاہی حکم کے منتظر ہیں۔ جس وقت بلایا جائے گا فوراً بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔" سرحد کی حفاظت کے لئے جو فوج ملک کی حدود پر مقرر تھی اس نے مجاہد شاہ کے قتل کی خبر سنی اور فوراً ہی خوشیاں مناتی ہوئی وہاں سے آ گئی۔ اس نے دریائے کرشنا سے لے کر رائچور کے تمام علاقہ پر قبضہ کر لیا گلبرگہ میں بھی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت داؤد شاہ کی موافقت میں تھی اور دوسری مخالفت میں۔ دوسرے فریق کا یہ مقصد تھا کہ علاؤ الدین حسن گنگو کا سب سے چھوٹا بیٹا محمود شاہ جو سلطان مجاہد کے حکم کے مطابق گلبرگہ ہی میں ٹھہرا ہوا تھا اسی کو ہی بڑے بھائی کا جانشین مقرر کیا جائے۔ ملک سیف الدین غوری نے اس موقع پر بھی نہایت درجہ دانشمندی کا ثبوت دیا اور تمام امراء کو سمجھایا کہ "اس طرح کی باتیں ہمیشہ جنگ و جدل اور فتنہ فساد کا سبب ہوتی ہیں اور سلطنت کو بھی زوال ہو جاتا ہے لہٰذا مناسب یہی ہے کہ اب جبکہ داؤد شاہ نے اپنے سر پر سلطنت کا تاج رکھ لیا ہے تو ہم اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیں اور ملک کی تباہی کا باعث خود ہم نہ بنیں۔" سیف الدین چونکہ خاندان بہمنیہ کا سب سے اعلیٰ امیر تھا اس لئے اس کی بات کو ہر ایک نے مقدم سمجھا اور اس سے اتفاق کیا۔ اس سے صرف مجاہد شاہ کی بہن نے اختلاف کیا جو ملک سیف الدین کی نواسی تھی، وہ اپنے بھائی کے قاتل کو خوش و خرم نہ دیکھ سکی، مگر عورت کی بات پر کون عمل کرتا۔

غوری نے تمام لوگوں کو داؤد شاہ کی اطاعت پر تیار کیا اس کے بعد خطبہ پڑھوایا۔ اور پھر ایک کثیر تعداد لوگوں کی لے کر اس کے استقبال [illegible]

شاہ نے بھی اس کے بہت اصرار پر اس کو مہمات سلطنت کے انجام دینے سے سبکدوش کر دیا۔ پھر خود نہایت اطمینان کے ساتھ امور سلطنت کو انجام دینے اور ملکی سیاست کو سمجھنے میں مشغول ہو گیا۔ سب امراء اس سے بہت متاثر ہوئے اور اس کے سامنے اپنا سر جھکایا' مگر مجاہد شاہ کی بہن "روح پرور آغا" اسی طرح ناراض رہی اور اس نے بھائی کے خون کا بدلہ لینے کی قسم کھائی۔ داؤد شاہ نے نرمی اور محبت کا برتاؤ کیا مگر پھر بھی وہ کسی صورت سے نہ تو مبارک باد دینے آئی اور نہ اس کا دل اس کی طرف سے صاف ہوا۔ اس کے دل میں بھائی کے قتل کی آگ بھڑکتی ہی رہی چونکہ یہ نہایت معزز اور صاحب اقتدار خاتون تھی۔ لہٰذا کسی کو کبھی جرات نہ ہوئی کہ اس سے پوچھ گچھ کرے۔ آخر کار روح پرور کی کوشش بار آور ہوئیں اور باکہ نامی ایک نوجوان اپنے آقا کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا وہ بہت جری اور بہادر نوجوان تھا۔ اسی دوران میں داؤد شاہ مسند عالی خاں کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کی غرض سے (۷۸۰ھ میں) مسجد گیا۔ باکہ بھی بادشاہ کے تعاقب میں ساتھ ساتھ رہا۔ جب داؤد شاہ نماز پڑھنے لگا' اور اس سے پہلے کہ دوسرے نمازی اور حاضرین مسجد باکہ کی نیت کو بھانپ لیں اس نے ایسا کاری وار داؤد شاہ کے لگایا کہ وہ سجدہ سے اٹھ نہ سکا۔ مسند عالی خاں نے اپنے چچا زاد بھائی کو یوں خاک و خون میں تڑپتا ہوا دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا اور اس نے تلوار نکال کر باکہ کا کام تمام کر دیا۔

داؤد شاہ نے ایک مہینہ اور پچیس دن حکومت کی۔

سلطان محمود شاہ بہمنی بن سلطان علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی

داؤد شاہ کے قتل کے بعد سب نے اس کے نو سالہ فرزند محمد سنجر کو جانشین بنانے کا ارادہ کیا مگر روح پرور کو یہ کیسے گوارا ہوتا کہ اس کے بھائی کے قاتل کا بیٹا تخت پر رونق افروز ہو۔ اس وجہ سے محمد سنجر کو جانشین نہ بنایا گیا۔ ملک سیف الدین اور دیگر امراء نے صاف صاف کہہ دیا کہ "چونکہ ملکہ روح پرور کا اقتدار بڑھ رہا ہے لہٰذا اب جانشینی کا اختیار اسی کے ہاتھ میں دے دیا جائے ورنہ پھر فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے۔" قلعہ کے اندر اور باہر ہر ایک ملکہ روح پرور کا مداح تھا لہٰذا اس کی رائے سے اختلاف کرنے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ اس طرح سلطان محمود کو مجاہد شاہ کا جانشین بنا دیا گیا۔ ملکہ نے محمد سنجر کی آنکھیں نکلوا کر اس کو اندھا کرا دیا یہ اس کی کینہ پروری کی ادنیٰ سی مثال ہے۔

فتوح السلاطین کے مصنف نے اس بادشاہ کے نام میں دھوکا کھایا ہے اور اپنے اشعار میں اس کو محمد شاہ لکھا ہے اس کے علاوہ گجرات اور دہلی کے بعض تاریخ دانوں نے بھی اس کے نام میں غلطی کی ہے' بلکہ اکثر شاہان بہمنیہ کے نام ان کی تاریخوں میں غلط درج ہیں اور بعض کے متعلق حالات غلط لکھے گئے ہیں۔

محمود شاہ کا کردار

یہ بہت نیک سیرت اور رحمدل فرمانروا تھا کسی کو تکلیف پہنچانا اس کا شیوہ ہی نہیں تھا ہر ایک سے اچھے اخلاق سے پیش آتا تھا اور ہر بات میں انصاف کرنا اس کا معمول تھا۔ وہ معاملات سیاسی اور امور سلطنت کو خوب اچھی طرح سمجھ کر ان کے متعلق احکامات جاری کرتا تھا۔ تخت نشینی کے آغاز ہی میں مسند عالی خاں کو اس نے فتنہ و فساد کی بنیاد سمجھ کر ساغر(۱) کے قلعہ میں قید کر دیا تھا۔ قید کے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اس نے وہیں انتقال کیا اس کے علاوہ مجاہد شاہ کے قاتل مسعود خاں کے ہاتھ پیر کاٹ کر اسے پھانسی کی سزا دی۔ اس کے بعد ملک سیف الدین کی بہت خوشامد اور منت کی تب وہ ملک نائب کے عہدہ پر فائز ہوا۔ محمود شاہ ہر بات میں ملک سیف الدین کی رائے کے بغیر کچھ نہیں کرتا تھا یہ طریقہ باعث خیر و برکت ہوا کیونکہ اس کے باپ کا بھی ہمیشہ یہی دستور رہا تھا۔ اس کے عہد حکومت میں کوئی فتنہ و فساد اور ہنگامہ برپا نہیں ہوا۔ اسی دوران میں صفدر خاں سیستانی اور اعظم ہمایوں بھی اس کی اطاعت کرنے کے لئے آئے اور اس کو مبارک باد دی۔ راجہ بیجانگر بھی خود بخود اس کی اطاعت کرنے لگا تھا اور قلعہ رائچور کا محاصرہ ترک کر دیا تھا۔ یہ راجہ محمد شاہ کی طرح محمود شاہ کو بھی ہمیشہ خراج دیتا رہا اور بہی خواہ و فرمانبردار رہا۔ محمود شاہ قرآن کو بہت اچھی آواز سے پڑھتا تھا یہ بہت خوشخط لکھتا تھا شاعری کا ملکہ بھی تھا اور کبھی کبھی اشعار کہتا تھا یہ اشعار اس کی یادگار ہیں۔

آنجا کہ لطف دوست و بد منصب مراد | بخت سیاہ و طالع میموں برابر است

عافیت در سینہ کار خون فاسد می کند | رخصتے اے دل کہ از الماس نشتر می خورم

خضر بدسوداست دریغ متاع عافیت | می دم ایں جنس را از جائے دیگر می خورم

محمود شاہ اپنے عہد کے تمام مروجہ علوم پر اچھی دستگاہ رکھتا تھا عربی اور فارسی بہت اچھی طرح بولتا تھا۔ اس کی طبیعت میں صبر و قناعت لوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ خوشی کے واقعات اسے بہت خوش کر سکتے تھے اور نہ غم بھری باتیں اس کے لئے باعث یاس ہوتی تھیں اس نے اپنی منکوحہ بیوی کے سوا کسی عورت پر نظر نہیں ڈالی یہ اس کے بلند کردار کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

علم کی سرپرستی

محمود شاہ ہمیشہ علماء اور فضلاء کی صحبت میں بیٹھا کرتا تھا اور ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ اس کے عہد میں عرب و عجم کے نہایت مشہور شعراء دکن آتے تھے۔ یہ انہیں انعام و اکرام عطا کرتا اور وہ لوگ مالا مال ہو کر اپنے وطن کو واپس جاتے تھے۔ ایک بار عجم کا ایک شاعر دکن آیا' اس نے دربار محمود شاہ میں آ کر ایک قصیدہ بادشاہ کی مدح میں پڑھا' بادشاہ نے اسے ایک ہزار روپے کے برابر رقم کا ایک سونے کا تنکہ دیا اس کو لے کر وہ وطن واپس چلا گیا۔ بادشاہ ہر ایک کی قدر کرتا تھا اور بہت سیر چشم تھا اس کی شہرت نے اس قدر ہمہ گیری حاصل کر لی تھی کہ حضرت خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی جیسے بزرگ دکن کے سفر پر آمادہ ہو گئے' لیکن خواجہ حافظ کے ارادہ میں کچھ ایسی باتیں سدراہ ہوئیں کہ وہ روانہ نہ ہو سکے۔ ان کی آمد کی خبر سن کر میر فیض اللہ شیرازی نے خواجہ صاحب کے لئے سفر خرچ روانہ کیا اور عرض کیا کہ دکن تشریف لا کر یہاں کے باشندوں کو اپنے روحانی فیض اور شرف ملاقات سے خوش کریں' یہاں کا ہر باشندہ حضرت کا احسان زندگی بھر یاد رکھے گا۔" حضرت خواجہ اب سفر دکن کی طرف بڑے اشتیاق سے مائل ہوئے۔ اور دکن سے آئے ہوئے روپیہ میں سے کچھ تو اپنے بھانجوں اور بیوہ عورتوں کی مدد میں خرچ کر دیا اور کچھ اپنے قرض کو ادا کرنے میں صرف کیا۔ باقی روپے سے سفر کی تیاریاں شروع کر دیں اور شیراز سے چل کھڑے ہوئے۔ شیراز سے لاہور پہنچے تھے کہ یہاں ان کے ایک دوست کا سارا مال و متاع برباد ہو گیا۔ لہٰذا انہوں نے باقی ماندہ رقم اس دوست کے سپرد کر دی اور خود بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ خواجہ زین العابدین ہمدانی اور خواجہ محمد گازرونی جو اپنے عہد کے بہت مشہور تاجر تھے اور خواجہ صاحب کے ہمراہ ہی سفر کر رہے تھے۔ خواجہ حافظ کے تمام اخراجات کی کفالت کے ذمہ دار ہوئے اور شیرازی قافلہ لاہور سے ہرموز پہنچا۔

یہاں پہنچ کر خواجہ صاحب ہمدانی اور گازرونی کی لاپروائیوں سے کچھ آزردہ ہو گئے لیکن پھر بھی کشتی پر سوار ہو کر دکن کا عزم کیا ابھی کشتی چلی بھی نہ تھی کہ ہوا کا طوفان اٹھا اور دریا میں تلاطم بپا ہو گیا۔ خواجہ صاحب کا دل سفر سے بالکل بیزار ہو گیا اور یہ بہانہ کر کے کہ ہرموز میں چند دوستوں سے مل کر ابھی آتا ہوں وہاں سے چلے آئے اور پھر شیراز واپس چلے گئے۔ صرف ایک غزل لکھ کر میر فیض اللہ کے پاس روانہ کر دی۔ میر فیض اللہ نے موقع تلاش کر کے حضرت خواجہ کا ہرموز تک آنا اور اس طرح واپس چلا جانا بیان کر دیا۔ اس پر محمود شاہ نے جواب دیا کہ جو شخص عازم دکن ہو چکا ہو اور ہرموز تک سفر طے کر چکا ہو وہ ہمارے انعام و اکرام اور تحفہ تحائف کا حقدار ہو گیا ہے۔ اس کے بعد بادشاہ نے ملا محمد قاسم مشہدی کو جو خاندان ہمینہ کا احسان مند اور عالم و فاضل شخص تھا اس کو ایک ہزار تنکہ طلائی عنایت کیے اور حکم دیا کہ اس سے ہندوستان کے بیش بہا عطیات خرید کر خواجہ حافظ کے لیے شیراز لے کر جائیں۔

انتظام سلطنت

تخت نشین ہونے سے پہلے محمود شاہ بہت قیمتی لباس پہنا کرتا تھا' مگر اس کے بعد نہایت سادہ لباس پہننا شروع کر دیا۔ وہ ہمیشہ یہ بات کہا کرتا تھا کہ "بادشاہ تو خدا کے خزانہ کا امانت دار ہے اس میں خیانت نہ کرنا چاہیے۔ عیش و عشرت' آرام و راحت پر روپیہ خرچ کرنا اسراف بیجا ہے۔" اس کے عہد حکومت میں ایک بار دکن میں قحط پڑ گیا اس وقت بادشاہ نے بہت ہی فیاضی کا ثبوت دیا۔ خاصہ کے ایک ہزار بیل مالوہ سے گجرات جاتے اور وہاں سے غلہ خرید کر لاتے۔ دکن میں وہ غلہ بہت سستا بیچا جاتا تھا' تمام شہروں کے لئے بڑے بڑے مدرسے قائم تھے۔ اور گلبرگہ' بیدر' قندھار' ایلچپور' دولت آباد' جنیر' جھول' دائل جیسے شہروں اور قصبوں میں معلم مقرر کیے گئے تھے جن کی تنخواہیں خزانہ شاہی سے دی جاتی تھیں۔ محدثین کی بہت عزت افزائی کی جاتی ان لوگوں کے لئے وظیفے مقرر تھے۔ ملک کے تمام نابینا لوگوں کے لئے روزینہ مقرر تھا۔ اندھوں کے ساتھ یہ مراعات دیکھ کر بہت سے آنکھوں والے آدمیوں نے بھی اپنی آنکھیں پھوڑ لیں اور شاہی وظیفہ و روزینہ پر زندگی گزارنے لگے۔

مجاہد شاہ کے بالکل برعکس محمود شاہ حضرت قطب دوراں شیخ سراج جنیدی کے ساتھ بہت اچھا برتاؤ کرتا تھا ان کے مرض الموت میں عیادت کے لئے گیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کی زیارت میں شریک ہوا اور فاتحہ خوانی کی۔ ان کے نام پر غرباء و مساکین کو روپیہ تقسیم کیا۔ اس نے تخت پر بیٹھنے کے بعد کبھی بھی جنگ و جدل کا بازار گرم نہ کیا اور کسی ملک پر ایک بار بھی حملہ نہ کیا۔ اسی باعث دکن کے منچلے اس کو "ارسطو" کے نام سے یاد کرتے ہیں اس صلح پسند اور صلح کل طبیعت کے باوجود دو مہینہ اس کے عہد میں فتنہ و فساد اور جنگ کا بازار گرم رہا۔

معرکہ آرائیاں

اس جنگ کا مفصل بیان یہ ہے کہ رمضان دولت آبادی کا بیٹا بہاؤ الدین بادشاہ کا خاص مصاحب بن گیا اور ساغر پر حکومت کرنے لگا۔ اس کے دونوں بیٹے محمد اور خواجہ، شاہی بہی خواہوں میں شامل ہو گئے۔ اور امراء کے گروہ میں ان کا شمار ہونے لگا۔ یہ دونوں بھائی اس شاہی قربت کی وجہ سے بہت ہی ترقی کرنے لگے۔ ان کے ساتھیوں اور جلیسوں کو ان پر رشک آیا اور ان کی شکائتیں کرنا شروع کر دیں۔ اگرچہ بادشاہ نے شکایت کرنے والوں کی باتوں پر توجہ نہ دی اور انہیں حاسد سمجھا، مگر پھر بھی یہ دونوں بھائی باغی اور سرکش ہو گئے اور ایک ہزار سوار اور پیدل سپاہ لے کر اپنے باپ سے ساغر میں جا کر مل گئے۔ باپ نے بھی ان ناعاقبت اندیش بیٹوں کی وجہ سے اپنی پیشانی پر بڑھاپے میں سرکشی کا بدنما دھبہ لگایا۔ وہ بہت سی دولت اور سپاہ جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ محمود شاہ نے باوجود اپنی صلح پسند طبیعت کے دوبارہ سرکشوں کی تنبیہہ اور سرکوبی کے لئے فوج روانہ کی مگر سرکشوں نے شاہی فوج کو شکست دی۔ تیسری بار محمود شاہ نے یوسف آزور کو جو بہمنی خاندان کا ترکی غلام تھا سرکشوں کے فتنہ و فساد کا انسداد کرنے کے لئے بھیجا۔ یوسف آزور ساغر کی طرف بڑھا مسلسل دو مہینہ تک اس نے قلعہ کو گھیرے رکھا۔ اس عرصہ میں کبھی خواجہ خودداد شجاعت دینے میدان میں آتا رہا اور کبھی اس کا بھائی محمد، شاہی فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے آتا تھا۔ چونکہ سرکشوں کے پاس چار سو مسلح نوجوان تھے اور ہمیشہ فوج کے قلب پر حملہ کرتے تھے۔ اسی لیے فتح زیادہ تر انہیں کی ہوتی تھی آزور بھی عاجز آ گیا کوئی تدبیر بھی کام نہ آتی تھی۔ ایک دن سید محمد جو "کالا پہاڑ" کے نام سے مشہور تھا اور ابھی منصبداری کے عہدہ پر محمود شاہ کی فوج میں داخل ہوا تھا وہ ایک دن محمد سے برسرپیکار ہوا۔ دونوں نوجوانوں نے ایک دوسرے پر تلوار اٹھائی چونکہ مغلوبہ جنگ تھی۔ باغیوں کا کوئی سپاہی محمد کی مدد کے لئے میدان میں نہ آسکتا تھا اس لئے کالا پہاڑ کی تلوار سے محمد کا ایک ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا۔

خواجہ نے بھائی کی کیفیت سنی تو ایک بار پھر جنگ کے میدان میں آ گیا اور بہادری کے جوہر دکھانے لگا ذرا دیر میں دونوں فریق مخالف الگ ہو گئے۔ دونوں بھائی خلاف عادت قلعہ کے اندر نہ گئے بلکہ خندق کے کنارے ہی ٹھہر گئے گفتگو میں مصروف رہے ادھر قلعہ کے اندر محمود شاہ کا اقبال اپنا کام کر رہا تھا۔ ایک قاصد قلعہ کے لوگوں نے محمود شاہ کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ "ہم لوگ بدرجہ مجبوری سرکشوں کے نرغہ میں آ گئے ہیں آج رات دونوں بھائی باہر ہی ہیں لہٰذا ہم لوگ کسی مقررہ وقت پر بہاؤ الدین کو قتل کر کے قلعہ کا دروازہ کھول دیں گے اور شاہی فوج قلعہ میں داخل ہو جائے یوسف آزور نے دو سو سپاہیوں کو منتخب کر کے یہ ہدایت کر دی کہ اگر اہل قلعہ راست گو ہیں اور واقعی بہاؤ الدین کا سر کاٹ کر تمہارے پاس بھیج دیں تو تم لوگ ان پر اعتماد کر کے قلعہ کے اندر چلے جانا ورنہ پھر اپنی قیام گاہ پر واپس آ جانا۔"

جیسے ہی شاہی فوج قلعہ کے نیچے پہنچی اہل قلعہ نے بہاؤ الدین کا سر نیچے پھینک دیا۔ شاہی فوج نہایت اطمینان سے اندر داخل ہو گئی۔ خواجہ کے ساتھی ادھر ادھر بکھر گئے۔ صبح ہوتے ہی سرکشوں کی تمام فوج ہٹ گئی اور صرف چند وفادار دوست رہ گئے۔ فوج کی کمی کے

اس کے عہد میں لڑی گئی اور فتح بھی حاصل ہوئی۔

محمود شاہ کی وفات

اس فتح کے کچھ دنوں بعد محمود شاہ مرض الموت میں گرفتار ہو گیا اور یکم رجب ۷۹۹ھ کو تپ محرقہ کی بیماری سے انتقال ہو گیا۔ بادشاہ کی وفات کے دوسرے ہی دن ملک سیف الدین جو خاندان بہمنیہ کا ایک عظیم المرتبت امیر تھا وہ بھی جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کی عمر ایک سو سات برس تھی۔ اس کو بھی سلطان علاؤ الدین حسن گنگو کے مقبرہ میں دفن کیا گیا کیونکہ اس نے مرتے وقت وصیت کی تھی اس کی قبر پر پتھر کا ایک چبوترہ بنوا دیا گیا۔

محمود شاہ کے عہد میں شرع کی بہت پابندی کی جاتی تھی جو لوگ احکام شرعی سے سرمو تجاوز کرتے تھے انہیں سخت سزا ملتی تھی۔ ہر شخص خدا اور رسول کے احکام پر چلتا تھا۔ ایک دفعہ محمود شاہ کے عہد حکومت میں ایک عورت زنا کے جرم میں پکڑی گئی اور اس کو دار القضاۃ میں پیش کیا گیا۔ قاضی کے سوال کرنے پر اس نے جواب دیا کہ شرع میں ایک مرد چار عورتوں سے تعلق پیدا کر سکتا ہے لہذا عورت کو بھی شاید یہ حق حاصل ہو کہ وہ چار مردوں سے تعلق رکھ سکے۔ اب مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ بات شرع میں جائز نہیں لہذا میں توبہ کرتی ہوں۔" اس عورت نے اس طرح اپنا دامن بچا لیا اور قانون کی زد سے باہر نکل گئی۔

محمود شاہ نے پورے انیس سال نو مہینہ بیس دن حکمرانی کی۔

حوالہ جات

(ساغر غلط ہے۔ صحیح نام و مقام ساگر ہے (جو ضلع گلبرگہ کے نام سے مشہور ہے) مغل بادشاہوں نے اس کا نام نصرت آباد بھی رکھا تھا۔)

غیاث الدین بہمنی بن سلطان محمود بہمنی

سلطان محمود کے انتقال کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا غیاث الدین تخت کا وارث بنا اس کی عمر اس وقت سترہ برس کی تھی- اس نے ہر ہر قدم پر اپنے باپ کی تقلید کی اسی لیے محمود شاہ کے نافذ کیے ہوئے قوانین اور بنائے ہوئے ضوابط اس کے عہد حکومت میں بھی بجنسہ قائم رہے- رعیت کے ساتھ بھی اس کا سلوک بہت اچھا تھا- باپ کے وقت کے پرانے نوکروں پر وہ بہت مہربانی کرتا اور انہیں انعامات دیتا رہتا تھا- اس کے تخت نشین ہوتے ہی صفدر خاں سیستانی کا انتقال ہو گیا- بادشاہ نے اس کے بیٹے صلابت خاں کو جو عنایت الدین کا ہم مکتب و ہم جلیس بھی تھا- مجلس عالی کا لقب دیا اور باپ کا جانشین بنا دیا- صلابت خاں بہت کروفر کے ساتھ صوبہ برار کی طرف روانہ ہوا- احمد بیگ قزوینی اور محمد خاں فرزند اعظم ہمایوں کو عہدہ پیشوائی اور خدمت سرنوبتی پر رکھا اور ان کا رتبہ بلند کیا- محمود شاہ کے ایک قدیم غلام تغلچین کو بادشاہ کی یہ کاروائی بہت ناگوار گزری' کیونکہ وہ خود منصب وکالت پر رہنا چاہتا تھا اور اپنے بیٹے حسین خاں کو سرنوبتی کا عہدہ دلانا چاہتا تھا چونکہ اس کی خواہش پوری نہ ہوئی تھی اس لئے وہ بادشاہ کا سب سے بڑا مخالف بن گیا- غیاث الدین تغلچین کی موجودگی اور عدم موجودگی میں اکثر یہ کہا کرتا تھا "یہ بہت نازیبا حرکت ہے کہ غلاموں کو شرفاء اور سادات کے اوپر حاکم بناؤں..... اور اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ کے خلاف باتوں پر کاربند ہو جاؤں-" تغلچین بہت طاقتور امیر تھا اور دربار میں اس کے بھی بہت سے بہی خواہ اور طرفدار موجود تھے- اس نے غیاث الدین کی بیخ کنی کی تدابیر کرنا شروع کیں اور ہر صورت سے اس کو معزول کرنے کی کوشش کرنے لگا-

تغلچین کی سازش

غیاث الدین کی کمزوری یہ تھی کہ وہ تغلچین کی حسین و جمیل اور ماہر موسیقی بیٹی سے محبت کرتا تھا اور بارہا اس سے محبت کا اظہار بھی کیا تھا- جب تغلچین اپنی سازش کو کامیاب بنانے کی کوشش میں تھا اس نے غیاث الدین کی اس کمزوری سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ایک دن غیاث الدین کی دعوت کی یہ ناعاقبت اندیش بادشاہ یہی سمجھا کہ شاید وہ اپنی بیٹی اس کے سپرد کر دے گا اس خیال سے بہت شوق کے ساتھ شریک محفل ہوا اور خوب شراب و کباب کا دور چلا- تغلچین کے ایک قدیم اور وفادار خادم نے غیاث الدین کو نشہ شراب میں بالکل غرق کر دیا- اور وہ دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر ہو گیا اس کے بعد اس پر شوق دید کا دورہ پڑا- تغلچین بہانہ کرکے اندر گیا کہ ابھی اپنی لڑکی کو لے کر آتا ہے مگر وہ ایک تیغ آبدار کے ساتھ واپس آیا اور بادشاہ پر حملہ کر دیا- بادشاہ نے ہرچند ایسی حالت میں بھی خود کو بچانا چاہا مگر اس کی پیش نہ چلی اور نشہ شراب میں چور فرش پر گر پڑا پھر سنبھل کر زینے کی طرف چلا اور گرتا پڑتا نیچے اتر گیا' لیکن بدذات غلام پیچھا کرتا ہوا آن پہنچا اور اس کے دونوں ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ کر خنجر سے اس کی آنکھیں نکال لیں جب وہ اندھا ہو گیا تو باری باری اس کے نوکروں کو بادشاہ کی طلبی کے بہانہ سے مجلس میں بلایا گیا اور اس طرح چوبیس نوکروں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا-

اب تغلچین نے اپنے اقتدار کی خاطر سلطان شمس الدین کو بلوایا' کیونکہ یہ بادشاہ اندھا ہو چکا تھا اور امور سلطنت انجام دینے کے لائق نہ رہا تھا اس کے تمام ساتھی اچھے اچھے عہدوں پر فائز ہوئے- سلطان شمس الدین کو تخت پر بٹھایا' یہ واقعہ ۱۷ رمضان المبارک ۷۹۹ھ کو پیش آیا-

وفات

سلطان شمس الدین بہمنی بن سلطان محمود شاہ بہمنی

سلطان شمس الدین جب تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر پندرہ سال کی تھی اس نے اپنے بھائی کا سارا حال اپنی آنکھوں سے ہی دیکھا تھا لہٰذا وہ امور سلطنت میں بہت محتاط رہا اور کسی بات میں دخل نہ دیا صرف نام اور القاب اس کا تھا باقی تمام کام تغلچین کے ہاتھ میں تھے۔ وہ ملک نائب کا خطاب پا کر امیر جملگی کے بلند عہدہ پر فائز تھا۔ بقیہ امراء اور اراکین اس کی فرمانبرداری ہی میں اپنی فلاح دیکھتے تھے سب نے اس کے آگے سر جھکا دیا۔ سلطان کی ماں جو غیاث الدین کی والدہ کی لونڈی تھی' اس کو مخدومہ جہاں کا خطاب دیا گیا۔ وہ بھی تغلچین کا حد سے زیادہ خیال رکھتی تھی اور اپنے بیٹے کو بھی ہدایت کرتی رہتی تھی کہ تغلچین کی بدولت ہی اس کو تخت دکن نصیب ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اس کی رائے سے سرمو تجاوز نہ کرے اور دوسروں کے اعتراضات کا کچھ خیال نہ کرے' تغلچین بھی روزانہ نئے نئے تحفہ تحائف مخدومہ جہاں کی خدمت میں بھیجا کرتا کہ وہ اس کے قبضہ میں رہے۔

داؤد شاہ بہمنی کے بیٹے

جیسا کہ تاریخوں میں مذکور ہے۔ داؤد شاہ بہمنی کے تین بیٹے تھے ایک تو ملکہ روح پرور نے اندھا کروا دیا تھا اس کا نام محمد سنجر تھا۔ دوسرا فیروز خاں تھا اور تیسرا احمد شاہ' فیروز شاہ اور احمد شاہ ایک ہی ماں کے پیٹ سے تھے اور جب ان کے باپ کو قتل کیا گیا اس وقت ان کی عمریں چھ چھ سات سات برس کی تھیں۔ چچا محمود شاہ نے بھتیجوں کو اپنی اولاد کی طرح پالا پوسا۔ ان کو چوگان بازی تیر اندازی اور سواری کرنا الغرض سب ہی کچھ سکھایا گیا۔ اس کے علاوہ علوم متداولہ میں بھی کمال حاصل کیا جو شاہی خاندان کے بچوں کے لئے سیکھنا ضروری تھے۔ محمود شاہ نے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے میر فضل اللہ کو مقرر کیا تھا۔ جو علامہ سعد الدین تفتازانی کے شاگرد رشید تھے۔ میر فضل اللہ نے ان کی تعلیم و تربیت پر اپنی تمام کوششیں صرف کر دیں۔ محمود شاہ کے گھر میں چونکہ کافی عرصہ تک کوئی بچہ پیدا نہ ہوا لہٰذا وہ فیروز شاہ کو تخت پر بٹھا کر کہا کرتا تھا "ایسا نیک سیرت اور سعید شہزادہ کبھی پیدا نہ ہوا ہوگا۔"

تھوڑے عرصے کے بعد بادشاہ کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ بادشاہ نے دونوں بھتیجوں کو اپنا داماد بھی بنا لیا تھا۔ محمود شاہ نے انتقال کے وقت جب اپنے بیٹے غیاث الدین کو ولی عہد مقرر کیا تو اس کو ہدایت کر دی کہ ہمیشہ اپنے دونوں بھائیوں کا خیال کرتا رہے۔ فیروز شاہ اور احمد شاہ بھی اپنے چچا زاد بھائی سے ہمیشہ محبت اور خلوص کے ساتھ پیش آتے رہے۔ جب تغلچین نے غیاث الدین کو اندھا کر دیا تو اس کی حقیقی بہنوں نے اپنے شوہروں کو تغلچین کی مخالفت پر آمادہ کرنا شروع کیا۔ دونوں بھائی تغلچین کو تاخت و تاراج کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ ادھر تغلچین جو بہت بڑا سیاست دان مکار اور چالباز تھا وہ اس بچھائی ہوئی شطرنج کی بازی کو سمجھ گیا۔ اس نے شمس الدین کو دونوں بھائیوں کی مخالفت پر حد سے زیادہ ابھارنا شروع کر دیا تغلچین کے لئے ان بھائیوں کو برا کہنا ہی دین و دنیا کا تنہا کام رہ گیا خیانت کا الزام لگایا' بغاوت کرنے کا خوف دلایا اور اسی کوشش میں سرگرداں رہا کہ کسی صورت سے دونوں بھائیوں کے قتل کے احکامات شمس الدین کے ہاتھ سے لکھا لے مگر شمس الدین بھی باوجود صغر سنی کے اتنا بیٹا تو نہ تھا وہ تغلچین کی شطرنج کی بازی کو اچھی طرح سمجھتا تھا وہ کسی صورت سے اس کے ہاتھ نہ آتا۔ جب تغلچین ادھر سے ناامید ہو گیا تو فوراً ہی مخدومہ جہاں پر اس کی نظر گئی۔

وہ اس کی باتوں کے جال میں آسانی سے آنے والی تھیں۔ لہٰذا انہوں نے اپنے بیٹے کو دونوں چچیرے بھائیوں کو تہ تیغ کرنے پر بالکل تیار کر لیا' مگر قسمت کی خوبی ان دونوں بھائیوں کو اطلاع ہو گئی اور وہ وہاں سے بھاگ کر قلعہ ساغر پہنچے اور یہاں پناہ گزین ہوئے وہاں کا

حاکم بہت نیک دل تھا۔ اس نے دونوں بھائیوں کی حسب حیثیت خاطرمدارت کی اور ٹھہرایا۔ ساغر کا حاکم جس کا نام سدھو تھا بہت وفادار غلام تھا۔ اس نے شمس الدین سلطان کو لکھا کہ تغلچین جیسے بدذات انسان کی باتوں میں آکر اپنے خاندان کے لوگوں کو قتل و غارت کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ جس نے غیاث الدین کو اندھا کیا ہو اور خاندان بہمنہ کی عزت کو مٹی میں ملا دیا ہو۔ ہم اس کے خون سے اپنی تلواروں کی پیاس بجھانا چاہتے ہیں۔ تغلچین کو قتل کرنے کے بعد بھی ہم پھر تم کو ہی اپنا بادشاہ مانتے رہیں گے' اگر اس سلسلے میں آپ نے کچھ مزاحمت کی تو پھر جو ہماری مرضی ہو گی ہم وہی کریں گے۔

سلطان نے تغلچین اور مخدومہ جہاں کی صلاح لی۔

فیروز شاہ اور احمد شاہ کی بغاوت

سلطان شمس الدین کی طرف سے جب اطمینان بخش جواب نہ ملا تو دونوں بھائی بغاوت پر آمادہ ہو گئے اور انہوں نے شمس الدین کو بھی اپنا دشمن تصور کیا۔ تین ہزار سواروں اور پیدل سپاہ کو ہمراہ لے کر انتقام کے لئے نکلے۔ انہیں یقین کامل تھا کہ دارالخلافہ کے عوام بھی ان کا ساتھ یہ سمجھ کر دیں گے کہ یہ غیاث الدین کا انتقام لے رہے ہیں مگر ان کی توقع کے بالکل خلاف ہوا اور جب یہ لوگ دریائے پھورا کو عبور کرکے آگے بڑھے تو دار السلطنت کا ایک باشندہ بھی ان کی طرفداری میں نہ آیا یہ دیکھ کر انہیں بہت مایوسی ہوئی دونوں پھورا کے اس پار ٹھہرے رہے اور یہ طے کر لیا کہ پہلے اصل بات معلوم کرنی چاہیے۔ فیروزشاہ نے شاہی تاج اپنے سر پر رکھا اور احمد شاہ بھائی کو امیر الامراء بنایا۔ سدھو کو سرنوبتی کا عہدہ دیا گیا اور فضل اللہ شیرازی وکالت کے عہدے پر رکھے گئے۔ اسی طرح اور دوسرے ساتھیوں کو بھی آئندہ منصب اور جاگیروں کی امید دلائی گئی۔ اب ان کی فوج پھورا سے آگے بڑھی اور گلبرگہ سے صرف چار کوس کا فاصلہ رہ گیا۔ جب دشمن بالکل مقابلہ پر آگیا تو تغلچین نے خزانہ کی کنجیاں لیں۔ خزانہ کھولا اور امراء اراکین میں تقسیم کر دیا اور سب کو مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا۔ قلعہ مرتول کے پاس دونوں فوجیں برسرپیکار ہوئیں۔ دونوں بھائیوں کو شکست ہوئی اور وہ اپنے مددگاروں کو ساتھ لے کر ساغر کی طرف بھاگے۔ اس فتح سے تغلچین اور مخدومہ جہاں کا دبدبہ اور رعب بہت بڑھ گیا اور رعایا دونوں سے بہت نفرت کرنے لگی۔

بعض شاہی امراء فیروز کی طرف جھکے اور اس کے پاس پوشیدہ طور پر پیغامات بھیجے کہ اب یہی موقعہ ہے کہ فیروز شاہ شمس الدین سلطان سے جان کی امان طلب کرے اور دار السلطنت تشریف لائے۔ فیروز شاہ کو ان کی باتوں پر اعتماد تھا لہٰذا اس نے میر فضل اللہ شیرازی' سید کمال الدین طویل قد و دیگر سادات اور علماء کو مخدومہ جہاں اور تغلچین کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا کہ لوگوں کے بہکانے سے ہم اس جنگ میں حصہ لینے پر تیار ہو گئے اب ہم اپنے قصور کی معافی مانگتے ہیں اور اپنے کیے پر شرمندہ ہیں اگر بادشاہ کی طرف سے امان نامہ حاصل ہو جائے تو ساری زندگی بادشاہ کے زیر سایہ گزار دیں گے اور اس احسان کو نہ بھولیں گے۔" مخدومہ جہاں اور تغلچین دونوں ہی اس تحریر سے بہت متاثر ہوئے اور ایک تسلی آمیز تحریر بطور معافی نامہ روانہ کر دی' جو اب آ جانے کے باوجود بھی دونوں بھائی جانے سے ہچکچاتے رہے۔ ایک دن دونوں کوٹھے پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کشمیری دیوانہ گلبرگہ سے آ رہا تھا۔ کہنے لگا "اے فیروز خاں" روزافزوں "میں تجھے بادشاہ بنانے کے لیے لینے آیا ہوں۔" یہ لوگ دیوانے کی بڑ کو ہی نیک فال سمجھ کر اسی وقت گلبرگہ کی طرف چل دیئے۔ ان لوگوں کو بھی خلعت شاہانہ عطا ہوئی مگر مخدومہ جہاں اور تغلچین دونوں ہروقت ان سے محتاط رہتے اور خوفزدہ بھی۔

دو ہفتہ بعد بیسویں صفر ۸۰۰ھ پنجشنبہ کا دن تھا فیروز خاں بارہ سلاحداروں کے ساتھ سراپردہ شاہی میں گیا فیروز کے پیچھے ہی اس کے خیر خواہ سپاہی جو تین سو کی تعداد میں تھے' وہ بھی آ گئے۔ احمد شاہ بھی قلعہ کے اندر بجلی کی سی تیز رفتاری سے پہنچ گیا۔ فیروز شاہ نے تغلچین سے کہا کہ "میرے دو تین اعزاء جاگیر سے آئے ہیں اگر سلطان شمس الدین کی اجازت ہو تو وہ لوگ شرف قدم بوسی حاصل کریں۔"

فیروز شاہ نے تغلچین کو تو ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا لیا اور احمد شاہ کو باہر بھیجا کہ دو تین آدمیوں کو اندر لے آئے۔ احمد شاہ بارہ سلاحداروں کو اندر لایا اور چاہتا تھا کہ وہ لوگ بادشاہ تک جائیں' مگر دربانوں نے کچھ شک کیا اور مزاحمت کی اس پر راز فاش ہو گیا۔ فیروز شاہ نے تلوار کھینچ لی چند لوگوں کو قتل کر کے یہ سب سراپردہ کے اندر لے گئے۔ تغلچین کے بیٹوں کو بھی قتل کر دیا بادشاہ کے وہ تمام مصاحب جنہوں نے فیروز شاہ سے وعدہ کیا تھا اب خوفزدہ ہو کر کوٹھڑیوں میں چھپ گئے تھے سلطان شمس الدین بھی ایک تہہ خانہ میں جا کر چھپ گیا' سپاہیوں نے خون کی ہولی کھیلی۔ تغلچین اور اس کے بہی خواہوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور سلطان شمس الدین کو قید کرا دیا۔

وفات

۸۱۰ھ میں شمس الدین نے مدینہ منورہ میں وفات پائی' اس نے ایک مہینہ ستائیس دن تک حکومت کی۔

سلطان فیروز شاہ بہمنی بن سلطان داؤد شاہ بہمنی

تخت نشینی

ان دونوں کو کیفر کردار کو پہنچا کر فیروز شاہ خود دیوان خانہ شاہی میں آیا اسی وقت ایک مجلس مرتب کی اور تخت فیروزہ پر بیٹھا۔ اس نے کشمیری دیوانہ کے دیئے ہوئے لقب کو باعث خیر و برکت سمجھ کر اپنا لقب "روزافزوں" رکھا۔ سلطان علاؤ الدین حسن کی تلوار کو اپنی کمر میں باندھا۔ اور سلطنت کے تمام کاموں میں تھوڑے ہی عرصہ میں ماہر ہو گیا۔ شمس الدین شاہ کو اندھا کر دیا اور سلطان غیاث الدین کو ساغر سے بلوایا اور تغلچین کو اس کے حوالہ کر دیا۔ اس نے باوجود نابینا ہونے کے ایک ہی وار میں تغلچین کو واصل جہنم کیا۔ مخدومہ جہاں اور شمس الدین نے مدینہ منورہ کا سفر کیا اور بندرگاہ جیسول سے سوار ہو کر بیت اللہ شریف جا پہنچے۔ فیروز شاہ پانچ ہزار فیروز شاہی اشرفیاں اور دوسرے قیمتی تحفہ تحائف ان لوگوں کے لئے بھیجا کرتا تھا۔

فیروز شاہ کا کردار

"بہمن نامہ دکنی" اور فتوح السلطان میں لکھا ہے کہ فیروز شاہ اپنے قدیم بزرگوں سے بہت زیادہ سنجیدہ اور جاہ و جلال' شوکت و عظمت والا تھا اور نہ اس کے بعد ہی بہمنی خاندان کا کوئی حکمران اس کے مرتبہ تک پہنچا۔ یہ بہمنی خاندان کا سب سے مدبر اور نیک سیرت نوجوان تھا اس کی بڑائی اور جاہ و حشم اس سے ظاہر ہے کہ راجہ بیجانگر جو اپنی بیٹی غیر قوم کو دینا عیب سمجھتا تھا اس نے فیروز شاہ کو اپنا داماد بنایا حالانکہ غیر مسلموں سے جنگ کرنے میں بھی اس نے کبھی کمی نہیں کی اور پوری چوبیس ۲۴ جنگیں اس نے ہندوؤں سے کیں۔ اس کے دور حکومت میں سلطنت بہمنیہ کا آفتاب نصف النہار پر تھا۔ بنکاپور کا قلعہ اور تلنگانہ کے بہترین حصے دار السلطنت گلبرگہ کے زیر نگیں آ گئے تھے۔ یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے تاج شاہی کو دستار کی شکل کا بنوایا' سخاوت اس کی فطرت تھی اسی باعث اس نے اپنا نام دنیا میں چھوڑا اور موسیقی سننے اور تنہائی میں شراب پینے کے سوا کچھ نہ کرتا تھا۔ اس کے لئے یہ جواز پیش کرتا تھا کہ موسیقی سے یاد اللہ دل میں تازہ ہوتی ہے اور شراب نفس میں شر انگیزی نہیں پیدا ہونے دیتی۔ دن کا زیادہ حصہ عبادت و ریاضت میں گزارتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ یہی دو گناہ مجھ سے سرزد ہوتے ہیں' مگر خدا میری نیت سے واقف ہے وہ باز پرس نہ کرے گا۔

حاجی محمد قندھاری لکھتے ہیں کہ فیروز شاہ روزانہ کلام پاک کا چوتھائی حصہ لکھا کرتا تھا۔ عبادت الٰہی کے بعد دوسرا کام رعایا کے احوال کی خبر رکھنا تھا۔

ہر رات کو دیر تک علماء' سادات' مشائخ اور شعراء کی محفلیں جمتی تھیں اور بادشاہ ہر شخص سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ جب میں تخت فیروزہ پر ہوں تو تمہارا بادشاہ ورنہ بحیثیت دوست کے ہوں اور اپنے آپ کو بہمنیہ سلطنت کا حکمران نہیں سمجھتا ہوں بلکہ تم سب جیسا خاک نشین۔" دربانوں کو سختی سے ممانعت تھی کہ اس بے تکلف صحبت میں امور سلطنت کا کوئی ذکر نہ آنے پائے اور نہ ہی کوئی شخص کسی کی غیبت کرے۔ ہر شخص کو آزادی تھی کہ بلا تکلف اپنی خواہش کے مطابق ہر چیز منگا سکتا تھا اور اپنے گھر بھی جا سکتا تھا۔ ایک دن ملا اسحاق سرہندی جو بہت سمجھدار اور خوش طبع بزرگ تھے انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ تو ہدایت کرتے ہیں

[illegible] اور اندازہ

جواب دیا کہ جو لوگ عقلمند اور سمجھدار ہیں وہ کبھی ایسی باتیں نہیں کرتے درحقیقت وہ اس باب میں بہت ہی سادہ دل اور نیک تھا۔

سلطان محمود اور حکیم ابو ریحان کا قصہ

ملا داؤد بیدری نے فیروز شاہ کے متعلق ایسی بہت سی حکایتیں لکھی ہیں لیکن ان کی تفصیل کے لئے مدت چاہیے۔ لہٰذا صرف سلطان محمود اور حکیم ابو ریحان کے قصہ پر ہی اکتفا کی جاتی ہے کیونکہ ان کا ذکر آ گیا ہے۔ ابو ریحان منجم اپنے فن میں بہت مہارت رکھتا تھا اور جو بات کہتا تھا وہ بالکل درست نکلتی تھی چونکہ کامل فن تھا۔ اس لئے طبیعت میں استغناء تھا اور سلطان محمود غزنوی سے بہت بے تکلف تھا۔ غزنوی کو اس کا یہ انداز پسند نہ آیا ایک دن باغ ہزار درخت کے سامنے غزنوی کوٹھے پر بیٹھا ہوا تھا' ابو ریحان بھی ایک دروازہ سے اندر آیا' بادشاہ نے حکیم سے پوچھا کہ اس نشست کے بعد بادشاہ کس دروازہ سے باہر جائے گا۔

منجم نے اسطرلاب درست کیا اور ستاروں کی تقویم کرنے کے بعد حساب لگا کر جواب ایک پرچہ پر لکھا اور محمود غزنوی کے سرہانے رکھ دیا۔ اس کے بعد غزنوی نے حکم دیا کہ "محل کی مشرقی دیوار کھود کر ایک دروازہ بنایا جائے میں اسی راستے سے محل سے باہر جاؤں گا۔" بادشاہ اسی راہ سے باہر گیا اور جب ابو ریحان کا لکھا ہوا نوشتہ دیکھا تو منجم نے بالکل یہی تحریر کیا تھا جو بادشاہ عمل میں لایا۔ بادشاہ اس نوشتہ کو دیکھ کر گھبرایا اور پھر وہیں سے حکم دیا کہ حکیم کو کوٹھے سے نیچے گرا دیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوٹھے سے نیچے تک کوئی چیز جال کی طرح بچھا دی گئی تھی جس کی وجہ سے حکیم کو کوئی چوٹ نہیں آئی۔ اب بادشاہ نے کہا کہ بتاؤ تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔ حکیم نے غلام کے ہاتھ سے ایک کاغذ لے کر بادشاہ کو دیا' حکیم نے اپنے اس دن کے واقعات میں اس حادثہ کا ذکر بھی بجنسہٖ کیا تھا۔

بادشاہ کو ابو ریحان کی یہ بات اور بھی زیادہ بری معلوم ہوئی اور اس نے اسے زندان میں ڈلوا دیا۔ حکیم چھ ماہ تک قید کی سختیاں برداشت کرتا رہا ایک دن حکیم کا غلام بازار گیا۔ وہاں ایک فال نکالنے والے نے اس کو پاس بلا کر کہا کہ "تیرا آقا آج کل قید میں ہے مگر آج سے تیسرے دن وہ قید سے رہائی پائے گا۔" غلام نے یہ بات اپنے آقا کو سنائی اس نے لعنت ملامت کی کہ میرا غلام ہو کر تو بازاری لوگوں پر اعتبار کرتا ہے۔

اس واقعہ کے پورے تین دن کے بعد احمد بن حسن میمندی نے علم نجوم کے موضوع پر بادشاہ سے کچھ گفتگو کی اور اسی دوران میں حکیم ابوریحان کا ذکر بھی آ گیا۔ اس نے حکیم کے حال زار پر افسوس ظاہر کیا کہ اس نے ایک دن میں دو بالکل صحیح باتیں اپنے علم کے زور سے بتائیں اور بجائے انعام و اکرام کے اس کو قید خانہ ملا۔ اس پر محمود غزنوی نے جواب دیا کہ انسان وہ ہے جو شاہوں کا مزاج سمجھے اور بات وہ کرے جو ان کو معلوم ہو اگر اس روز اس کا ایک بھی حکم غلط نکلتا تو اس کے حق میں بہتر ہوتا۔ بادشاہوں کا مزاج لڑکوں کا سا ہوتا ہے اگر وہ ایسا کرتا تو خلعت و انعام بھی حاصل کرتا اور اپنے برابر والوں میں اس کا سر بھی اونچا رہتا۔

غرضیکہ اسی دن حکیم کو قید سے رہا کیا گیا اور اس بازاری فال گو کی بات بھی سچی ثابت ہوئی۔ حکیم ابو ریحان نے اس سے بھی ملاقات کی اور غزنوی کے دربار میں بھی گیا' اسے ہزار دینار' کنیز اور خلعت بطور انعام ملا۔ محمود نے حکیم ابو ریحان سے کہا کہ "اگر واقعی قرب سلطانی کے خواہاں ہو تو بات ہمیشہ میرے مزاج اور طبیعت کے موافق کیا کرو۔ بادشاہوں کی خدمت میں اور ان کی مجلس میں بیٹھنے کا سب سے اہم نکتہ یہی ہے۔"

علمی سرپرستی

فیروز شاہ بندرگاہ گووہ' جیسول' وابل وغیرہ سے ہر سال جہاز منگایا کرتا تھا کیونکہ اس کا حکم تھا کہ تمام دنیا کی نادر اشیاء دکن لائی جایا کریں۔ وہ فن و کمال کا بہت قدردان تھا اور خود کہا کرتا تھا کہ ہر ملک کا سب سے بہترین اور اعلیٰ تحفہ اس ملک کے ماہر کمال و فن اشخاص ہیں۔ وہ ہر ملک کے اہل کمال کو اپنے دربار میں جمع کرنا چاہتا تھا اور ہر صاحب کمال کی صحبت سے فیض حاصل کر کے گھر بیٹھے ہوئے دنیا کے

عجائبات کا تماشا دیکھنا چاہتا تھا۔ اور یہی سبب تھا کہ ساری دنیا کے اہل کمال اس کے دربار میں حاضر ہو کر انعام و اکرام سے مالا مال ہوتے تھے۔

وہ دنیا کی بہت سی زبانیں جانتا تھا اور ہر ملک کے باشندے سے اسی کے ملک کی زبان میں بات چیت کر سکتا تھا اس کا حافظہ غضب کا تھا۔ جو بات ایک بار سن لیتا تھا اس کو زندگی بھر نہیں بھولتا تھا۔ مستند شعراء کے اشعار اس کو نہایت اچھی طرح یاد رہتے تھے۔ خود بھی شعر کہنے کی کوشش کرتا تھا کبھی عروضی (۱) تخلص کرتا تھا اور کبھی فیروزی لہٰذا قارئین کی تفریح کے لئے بعد میں اس کے اشعار لکھے جائیں گے۔ ملا داؤد بیدری نے اس کی علمی سرپرستی اور ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے ہی اپنی کتاب "تحفہ السلاطین" اسی کے نام معنون کی ہے۔

بادشاہ کو تمام علوم سے دلچسپی تھی خاص طور پر تفسیر' اصول حکمت' طبعی اور نظری سے دلچسپی تھی اور ان علوم میں اس کو دستگاہ بھی کافی حاصل تھی۔ صوفیائے کرام کی اصطلاحات سے بھی اس کو دلچسپی تھی ہفتے میں تین دن علم کی درس و تدریس کے لئے تھے (شنبہ' دو شنبہ' چہار شنبہ) اس کے پڑھنے کی خاص کتب زاہدی' شرح تذکرہ فن ریاضی' شرح مقاصد کلام' اقلیدس' علم ہندسہ اور علم و معانی و بیان کی تھیں۔ طلباء کو پڑھانے کا وقت اگر دن میں نہ ملتا تو رات کو پڑھاتا اور اپنے ذخیرہ معلومات سے ان لوگوں کے دلوں کو معمور کرتا۔

میر فضل اللہ شیرازی کی برکت اور آغوش تربیت میں فیروز شاہ نے تمام علوم و فنون سیکھے۔ یہ بات مسلم ہے کہ علم و دانش میں فیروز شاہ کا مرتبہ محمد تغلق سے کہیں زیادہ بلند تھا۔ فیروز شاہ پہلا حکمران تھا جس نے سادات سے سلسلہ شادی و خانہ آبادی شروع کیا۔ میر فضل اللہ شیرازی کی بیٹی سے اپنے بیٹے حسن کا نکاح کیا اور اپنی بیٹی کی شادی حضرت کے فرزند شمس الدین سے کی اپنے داماد کو طرف دار دولت آباد مقرر کیا۔

تعمیرات

بادشاہ نے دریائے تھمندرہ کے کنارے ایک نیا شہر تعمیر کرایا۔ اس کا نام فیروز آباد رکھا اور اس جدید شہر کو اپنا دار السلطنت بنایا۔ اس شہر میں بہت سے خوبصورت اور عمدہ عمدہ بازار تعمیر کرائے اور بازاروں کو بہترین دو کانوں سے سجایا۔ شہر کی سڑکیں بہت سیدھی چوڑی اور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک نیا قلعہ بھی بنوایا اس قلعہ کا ایک سرا دریا سے بالکل ملحق تھا۔ دریائے تھمندرہ سے ایک نہر کاٹ کر محل کے اندر جاری کر دی گئی تھی اور اس قلعہ کے اندر بہترین اور عظیم الشان محل بنوائے گئے۔ ہر محل ایک حرم شاہی کے قبضہ میں دے دیا گیا۔

محلات شاہی

چونکہ محلات شاہی کی کثرت تھی اس لئے محلات کے لئے بہت سے قاعدے مقرر کر دیئے گئے تھے اور انہیں پر عمل ہوتا تھا۔ فیروز شاہ صاحب جمال اور صاحب کمال خواتین کا بہت شائق تھا۔ ایک قانون یہ تھا کہ ہر محل میں جس میں خاص بیگمات رہتی تھیں وہاں ایک بیگم کے پاس لونڈیوں کی تعداد صرف تین ہوتی تھی۔ اور اس کے علاوہ کسی دوسری عورت کو اندر آنے کی اجازت نہ تھی وہ لونڈیاں بیگمات کی ہم زبان ہوا کرتی تھیں۔ فیروز شاہ کو عربی زبان سے بہت لگاؤ تھا۔ خاص دکنی محل جو سلطان محمود شاہ بہمنی کی بیٹی کا تھا وہاں عربی بیگمات رہتی تھیں۔ یہ عرب خواتین حجاز' مکہ اور دوسرے مشہور مقامات کی تھیں اور عربی میں نہایت عمدہ گفتگو کرتی تھیں۔ ان کا محل "عربی محل" کے نام سے مشہور تھا۔ ان کے خدام سب نسل کے حبشی تھے۔ جو شکل و صورت میں اچھے ہوتے اور عربی زبان بولتے تھے۔ جو لوگ عربی زبان نہیں جانتے تھے انہیں اس محل میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی تاکہ عربی خواتین کی زبان عجمی میل جول سے خراب نہ ہو جائے۔ شاہی

ہوتی تھیں جو نہایت میٹھی زبان میں فارسی بولتی تھیں ان کے علاوہ ترکی، فرنگی، خطائی، افغانی، راجپوت، بنگالی، گجراتی، تلنگی، کنٹری، مرہٹی بیگمات کا ایک طبقہ بالکل الگ تھا۔ ان میں بھی ہر خاتون کے پاس اس کے ملک اور وطن کی ہم زبان کنیزیں موجود تھیں۔ بادشاہ ہر روز ایک محل میں آرام کرتا تھا اور ہر ایک کے ساتھ برابر کا سلوک کرتا ہر بیگم یہی سمجھتی تھی کہ بادشاہ بس اسی کا دلدادہ ہے۔

بادشاہ توریت و انجیل بہت اچھی طرح پڑھ لیتا تھا ہر ملت و قوم کے عالم، فاضل لوگ اس کے یہاں ملازم تھے۔ ہر شخص بادشاہ کے افعال و اعمال کو بہت اچھی نظروں سے دیکھتا تھا۔ لیکن اسلام کی حقانیت بادشاہ کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی تھی۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ جس طرح رسول اکرم تمام نبیوں پر فوقیت رکھتے تھے اور برتر تھے اسی طرح فیروز شاہ کا دین اور شریعت بھی تمام مذاہب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ عورتوں کا بیباکانہ مردوں سے ملنا اور شراب پینا صرف آنحضرت کے زمانہ میں ممنوع تھا۔ یہی عالم اس کے عہد میں بھی تھا اس نے ہندوؤں سے یوں تو چوبیس لڑائیاں لڑیں لیکن دو معرکے بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

پہلا معرکہ

مورخ بیدری لکھتے ہیں کہ ۸۰۱ھ میں دیو رائے بیجانگر کے راجہ نے تیس ہزار سواروں اور نوے ہزار پیدل سپاہ، کماندار، تفنگ انداز اور دوسرے پیشہ وروں کے ساتھ مدکل، رائچور اور میان دوآبہ کے دوسرے قصبوں کو فتح کرنے کے ارادے سے سلطنت بہمنیہ پر حملہ کیا۔ فیروز شاہ نے جب یہ سنا تو سراپردہ شاہی کو باہر نکالا اور گلبرگہ سے چل کر ساگر تک آیا۔ بارہ ہزار سوار اس کے ہمرکاب تھے۔ ساگر کا ایک ہندو سات یا آٹھ ہزار سواروں کی جمعیت لے کر ان کے راستہ میں حائل ہوا۔ ان لوگوں کو تہ تیغ کیا گیا اور راستہ کا خطرہ دور ہو گیا۔

اسی دوران میں برار اور دولت آباد کا لشکر بھی اعانت کے لئے آ گیا۔ فیروز شاہ دیو رائے کا سر قلم کرنے کے لئے بالکل تیار تھا اس کو معلوم ہوا کہ قلعہ کھترہ (۲) کے راجہ نرسنگھ دیو نے مندو اور اسیر کے حکمرانوں کی مدد سے اور رائے بیجانگر کے بہکانے سے برار کی حکومت پر حملہ کر دیا ہے اور قلعہ ماہور کے گرد و نواح تک سارا ملک تباہ و برباد کر دیا ہے۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ نرسنگھ دیو نے مسلمانوں کو تباہ و برباد اور ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے تو اس نے برار اور دولت آباد کی فوجوں کو نرسنگھ دیو کی تنبیہہ کے لئے بھیج دیا اور بارہ ہزار کی فوج لے کر خود دیو رائے سے مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑھا۔

برسات کے دن تھے اور دریا کا پاٹ بھی بہت چڑھا ہوا تھا۔ دیو رائے نے بھی دوسرے کنارہ پر اپنے خیمہ لگوائے، مسلمانوں کے لئے دریا کے اس پار جانا جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا۔ فیروز شاہ نے تمام اراکین سلطنت سے صلاح کی اور ہر ایک نے اپنی اپنی عقل و سمجھ کے مطابق صلاح دی۔ ان میں سے قاضی سراج نامی ایک قابل اعتماد امیر اور سلطنت بہمنیہ کا بہی خواہ تھا۔ وہ تیار ہوا کہ میں چند ساتھیوں کو لے کر دریا کے پار جاؤں اور دیو رائے یا اس کے کسی بیٹے کا کام تمام کر دوں۔ پھر جب ہندوؤں کے لشکر میں شور و غل بپا ہو تو دریا کے پانی پر پانچ چھ ہزار آدمیوں کی مدد سے قبضہ کر لیا جائے۔ اور بعد ازاں بادشاہ بھی دریا کو پار کر کے ہندوؤں کے ملک پر قبضہ کر لے۔ اس کے بعد دشمنوں پر حملہ کر دے اور ان کو تباہ و برباد کر دے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اس تجویز کے موافق چمڑے کے ٹوکرے بن کر آ گئے۔

قاضی سراج نے سات نوجوان آدمیوں کو فقیروں کے بھیس میں اپنے ساتھ لیا اور دریا کے اس پار اتر کر دیو رائے کے لشکر کے نزدیک ہی ایک خرابات میں قیام پذیر ہوا اور ایک بازاری عورت سے عشق کرنا شروع کر دیا اس کے ساتھ اس قدر والہانہ اور عاجزانہ محبت جتائی کہ وہ فاحشہ عورت بھی پریشان ہو گئی۔

اتفاقاً ایک دن شام کو قاضی کی معشوقہ کی سواری کہیں چلی۔ اس نے معشوقہ کو زیور و لباس سے آراستہ دیکھ کر اپنی بے تابی کا اظہار کیا اور اصرار کر کے کہنے لگا کہ تو کہاں جا رہی ہے میں بھی تیرے ساتھ ضرور چلوں گا۔ اس نے بتایا کہ راجہ کنور کے یہاں آج محفل رقص و سرود منعقد ہو گی اور اسے جا کر گانا سنانا ہے اور پھر اپنی مجبوری دکھا کر واپس جانے لگی۔ مگر اس رند اور بہروپئے نے کسی طرح

اس فاحشہ کا پیچھا نہ چھوڑا اور اصرار کیا۔ فاحشہ نے کہا کہ وہاں وہی آدمی جا سکتا ہے جو سرود و نغمہ میں مہارت رکھتا ہو۔ اس پر قاضی نے کہا کہ جس طرح ہو سکے گا میں نغمہ چھیڑ دوں گا۔ اس پر اس فاحشہ نے اپنا مندل قاضی کے سامنے رکھ دیا اور کہا اپنا فن دکھاؤ۔ قاضی نے اس پر ایسی نغمہ سرائی کی کہ فاحشہ خود ششدر رہ گئی اور یہ سوچا کہ ایسے باکمال فن کو اپنے ساتھ لے کر چلنا باعث فخر و عزت ہے۔

اب قاضی سراج اور اس کے ساتھی فاحشہ کی وساطت سے دیو رائے کے بیٹے کی محفل رقص و سرود میں پہنچے محفل حاضرین سے بھر گئی۔ پھر طوائفوں کے گروہ نے ناچنا شروع کیا۔ ادھر قاضی بھی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اپنی محبوبہ سے اجازت لے کر مسخروں کے لباس میں اندر آیا۔ اور صاحب مجلس کو کرشمہ بازی اور ناز و انداز دکھانے لگا۔ ان بہروپیوں نے ایسے ایسے کرشمہ دکھائے کہ کنور رائے اور اراکین محفل ان کے گرویدہ ہو گئے۔ جب انہوں نے اچھی طرح اپنے جادو سے سب کو فریفتہ کر لیا تب مسخروں کی رسم کے مطابق کٹاریں ہاتھ میں لے کر کرتب دکھانا شروع کیے اور دکھاتے دکھاتے رائے زادہ کی طرف بڑھے۔ انہوں نے اپنی کٹاریں کنور رائے کے سینے میں گھونپ دیں۔ رائے زادہ فوراً ختم ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرے ساتھی بھی اندر آ گئے اور حاضرین مجلس کو قتل کرنا شروع کیا۔ ساری مشعلیں بجھا دیں۔ اندھیرا چھا گیا اور دل کھول کر قتل و غارت گری شروع کر دی سب لوگ شراب کے نشہ میں مخمور تھے کسی کو کچھ خبر نہ تھی۔ بعض کہتے تھے کہ مسلمان پیادے لشکر سے جدا ہو کر دریا سے نیچے اترے اور شب خون مارا۔ کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ کئی ہزار سوار دریا پار آئے اور رائے کنور کا کام تمام کر دیا۔

چونکہ رات بہت اندھیری تھی اور ہندوؤں کا لشکر پانچ کوس کے فاصلے تک پھیلا ہوا تھا اس لئے تمام سپاہی اپنی اپنی جگہ پر خوفزدہ ہو گئے۔ اور خیمہ سے نکل کر میدان یا دریا کی طرف نہ بڑھ سکے راجہ کے وہ تمام سپاہی جو ساحل کی حفاظت پر تھے وہ مسلمانوں کی فوج دیکھ کر ڈر گئے اور ادھر ادھر منتشر ہو گئے صبح سلطان فیروز شاہ باقی ماندہ فوج لے کر ہندوؤں کے سر پر آ گیا۔ راجہ بیٹے کے غم میں بہت رنجیدہ تھا وہ بیٹے کی لاش لے کر جنگ کئے بغیر میدان سے چلا گیا۔ فیروز شاہ نے راجہ کے مال و دولت پر قبضہ کر لیا اور ہندوؤں کا تعاقب کرتے ہوئے بیجانگر تک گیا۔ راہ میں تلواریں بھی چلیں میر فضل اللہ شیرازی کے حسن تدبیر سے مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور ہندو ہار گئے۔

دیو رائے بہت مشکلوں سے دار السلطنت تک پہنچا۔ اور بیجانگر کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گیا اس نے جنگ نہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ مگر فیروز شاہ نے خان خاناں اور میر فضل اللہ شیرازی کو جنوبی مقبوضات جو سر سبز اور آباد تھے ان کی تباہی اور بربادی کا حکم دے کر بھیجا۔ قاضی سراج کو بھی شاہانہ نوازشات سے مالا مال کیا اور بلند مرتبہ بھی دیا۔

ان امراء نے مل کر جنوبی شہروں کو خوب لوٹا اور بہت سے لونڈی غلام بنائے۔ ان قیدیوں میں دو ہزار برہمن زادے اور ان کی مائیں بہنیں تھیں۔ بیجانگر کے باعزت برہمنوں نے کہا کہ جتنے روپیہ کی ضرورت ہو ہم لوگ جمع کر کے دینے کے لئے حاضر ہیں۔ راجہ کو بھی مذہب اور عزت بچانا لازمی تھا۔ لہٰذا اس نے بھی کہا کہ جس قدر روپیہ مسلمان مانگیں ہم لوگ دینے پر تیار ہیں اور وہ ہمارے قیدی چھوڑ دیں۔ دیو رائے نے برہمنوں کی درخواست منظور کر لی اور کہا کہ برہمن جس صورت سے بھی چاہیں مسلمانوں سے فیصلہ کر لیں ہندوؤں کے پیغامبر فیروز شاہ کی فوج میں دوڑتے ہوئے گئے اور بڑی تگ و دو بحث و مباحثہ کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ بیجانگر کی رعیت دس لاکھ ہون خزانہ شاہی میں جمع کر دے اور ایک لاکھ ہون میر فضل اللہ شیرازی کو اس کارنامہ عظیم کے بدلہ میں دیئے جائیں۔ اس معاہدہ کے موافق چھ لاکھ ہون رعایا نے خود جمع کیے اور پانچ لاکھ راجہ نے اپنے خزانہ سے دیئے اور پوری رقم میر فضل اللہ شیرازی کی خدمت میں بھیج دی گئی۔ بادشاہ کو تمام رقم لا کر شیرازی نے دیدی بادشاہ اس کے خلوص، حسن تدبیر سے بہت خوش ہوا۔ فریقین نے عہد نامہ تیار کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ کبھی آپس میں بغض و عناد نہ پیدا ہو اور دونوں حکومتیں ایک دوسرے کے ممالک مقبوضہ پر کبھی ہاتھ نہ بڑھائیں۔ فیروز شاہ

خاں کو میان دوآبہ کی مہم پر مقرر کیا اور خود گلبرگہ پہنچ گیا۔ فیروز شاہ نے اس سفر کی تکان اتارنے کے لئے دو تین مہینہ آرام کیا۔

دوسرا معرکہ

۸۰۲ھ میں بادشاہ کو برار کی طرف نرسنگھ کی تنبیہہ کے لئے جانا پڑا۔ وہ شکار کھیلتا ہوا ماہور پہنچا۔ ماہور کا امیر جو نرسنگھ کی قوت بازو پر مغرور ہو کر بغاوت کرنے لگا تھا۔ اس نے اپنی جان کی امان کے لئے شاہی امراء کے ذریعہ بادشاہ کے پاس پیغام بھیجا۔ بہت سے قیمتی تحفہ تحائف بھی بھیجے اور مع اپنے فرزندوں کے فیروز شاہ کے ساتھ چلا۔ فیروز شاہ ایک مہینہ پانچ دن ماہور میں ٹھہرا اور اس کے بعد سیدھا قلعہ کنرلہ کے گرد و نواح میں جا پہنچا۔ یہاں کا راجہ بھی بہت سے علاقوں کا مالک اور کوہستان گوندوارہ اور اس کے قرب و جوار کے شہروں پر بھی قابض تھا۔ اس نے فوراً ہی خاندیس اور مالوہ کے راجاؤں کے پاس حکم نامے روانہ کیے اور ان سے فیروز شاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے کمک طلب کی۔ مالوہ اور خاندیس کے حاکم چاہتے تھے کہ یہ مغرور راجہ تباہ و برباد ہو اسی لئے انہوں نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر بھی نرسنگھ دیو مایوس نہ ہوا اور اس نے اپنی تمام فوج نہایت دلیری اور جرات سے آراستہ کی اور کنٹرسے دو کوس کے فاصلہ پر جان کی بازی لگانے کے ارادے سے میدان میں آ گیا۔

فیروز شاہ خود ہی میدان میں جانا چاہتا تھا مگر میر فضل اللہ اور خان خاناں دونوں نے روک دیا اور ان دونوں امراء کی سرکردگی میں لشکر مقابلہ کے لئے صف آرا ہوا۔ پہلے ان امراء نے نرسنگھ کو ایک خط لکھا کہ وہ اطاعت کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ اور جنگ و جدل سے باز رہے مگر وہ نہ مانا اور بدستور اپنے ارادے پر جما رہا۔ اب ان لوگوں نے بھی لشکر کو مرتب کر کے حملہ کر دیا۔ دونوں فوجوں نے خوب داد شجاعت دی اور بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ شجاعت خاں' دلاور خاں' منعم خاں' بہادر خاں اس جنگ میں کام آئے۔ ہندوؤں نے ایسا زبردست حملہ کیا کہ مسلمان سپاہی منتشر ہو گئے۔ خان خاناں فوج کے میمنہ میں تھا' میسرہ کی دیکھ بھال شیرازی کر رہا تھا۔ دونوں بہت ہی حیران و سرگرداں میدان جنگ میں کھڑے ہوئے تھے۔ کہ اسی دوران میں کسی نے خان خاناں کے قتل کی افواہ اڑائی۔ شیرازی نے اس پر توجہ نہ دی۔ وہ دو سو سواروں کو لے کر آگے بڑھا اور اس طرح شادیانے بجوا کر ڈھنڈورہ پٹوا دیا کہ فیروز شاہ بہ نفس نفیس میدان جنگ میں تشریف لے آیا ہے۔

سپاہیوں کے تن مردہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی اور گروہ کے گروہ فضل اللہ شیرازی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے۔ اب شیرازی نے ہندوؤں پر زبردست حملہ کیا اور ان کو اپنے سامنے سے بھگا دیا اور پھر خان خاناں سے جا کر مل گیا۔ دونوں امراء نے نرسنگھ دیو کے فرزند کوسل رائے پر دھاوا کیا اور اس کو زندہ گرفتار کر لیا۔ ہندوؤں کی فوج حواس باختہ ہونے لگی مسلمانوں نے کنہرلہ کے قلعہ تک ہندوؤں کا تعاقب کیا تقریباً دس ہزار ہندو تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ نرسنگھ نے بڑی دقتوں سے اپنی جان بچائی۔ اور قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گیا۔ مسلمانوں نے قلعہ کو گھیر لیا۔ نرسنگھ دیو نے بھی مستقل دو مہینہ تکلیف اٹھانے کے بعد پھر آخر کار جان کی پناہ مانگی۔ دونوں امراء نے صاف کہلوا دیا کہ اس وقت تک جان کی امان پانا بالکل مشکل ہے۔ جب تک کہ راجہ خود بادشاہ کے روبرو حاضر نہ ہو گا۔

غرضیکہ راجہ اور اس کے ساتھی ایلچپور پہنچے اور سلطانی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ نرسنگھ نے خود کو بادشاہ کا خیر خواہ ظاہر کیا اور اپنی سابقہ حرکت اور فعل پر بہت شرمندہ ہوا۔ پھر آپس میں صلح ہو گئی اور بادشاہ نے خلعت اور نیز کلاہ زر دوزی راجہ کو عنایت کی اور قلعہ کی حکومت بھی اس کے ہی ہاتھ میں رہنے دی۔ نرسنگھ دیو کی درخواست کے مطابق اس کی بیٹی کو فیروز شاہ نے اپنے محل میں رکھ لیا۔ نیز نرسنگھ دیو سے چالیس ہاتھی' پانچ من سونا' پانچ من چاندی اور دیگر بیش بہا تحفہ وصول کر کے قلعہ کو فتح کرنے کا خیال دل سے ہمیشہ کے لئے نکال دیا۔ اس کے بعد فیروز شاہ دار السلطنت کی طرف روانہ ہوا۔ اس فتح کا سہرا بھی شیرازی ہی کے سر رہا لہٰذا اس کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ اس کے عہدہ میں بھی ترقی کی گئی اور سر لشکری برار کی خدمت پر مامور کیا گیا۔

امیر تیمور صاحبقراں سے تعلقات

۸۰۴ھ میں فیروز شاہ کو معلوم ہوا کہ امیر تیمور نے دہلی کو فتح کر لیا ہے اور اب اس فاتح کا مقصود یہ ہے کہ دہلی کی سلطنت کسی لائق حکمران کے سپرد کر دے اور خود تمام ہندوستان کو فتح کرے۔ فیروز شاہ نے ان اطلاعات پر بڑی دور اندیشی اور احتیاط سے کام لیا۔ امیر تقی الدین (میر محمد فضل اللہ شیرازی کے داماد) اور مولانا لطف اللہ شیرازی کو بیش قیمت تحفہ تحائف اور ہدیے دے کر دریا کی راہ سے امیر تیمور کی خدمت میں بھیجا۔ فیروز نے ایک پر خلوص و محبت کا خط بھی ان امراء کے ہاتھ صاحبقراں کی خدمت میں روانہ کیا۔ فیروز شاہ کے قاصد بارگاہ تیموری میں حاضر ہوئے۔ ان پر شاہانہ نوازشات کی خوب خوب بارش ہوئی۔ جب بہمنی امراء نے تحفہ تحائف دیئے تو وہ بہت خوش ہوا اور زیادہ مہربان و متوجہ ہوا۔

پھر قاصدوں نے چند قابل اعتماد امراء کے ذریعہ امیر تیمور کی خدمت میں عرض کیا کہ فیروز شاہ بہمنی آستانہ تیموری کا خیر خواہ ہے اور جس وقت صاحبقراں دہلی کی طرف آئیں یا کسی فرزند کو اس طرف روانہ کریں تو فیروز شاہ بھی کمر ہمت باندھ کر آنے کے لئے تیار ہے۔ امیر تیمور اس دوری مسافت کے باوجود فیروز شاہ کے خلوص اور محبت کا بہت شکرگزار ہوا اور دکن و مالوہ کی بادشاہی فیروز بہمنی کو عطا کر دی اور تاج سلطنت اور دیگر لوازمات شاہی عطا کیے۔ ایک عریضہ لکھ کر فیروز شاہ کے نام روانہ کیا اور اس کو "فرزند خیر خواہ" کے القاب سے یاد کیا۔ ان امراء کو مع کمربند' شمشیر مرصع' چہار رقبہ ملوکانہ' ایک ترکی غلام' چار نادر الوجود گھوڑے دے کر واپس دکن بھیجا۔

فرمانروایان گجرات' مالوہ' خاندیس جن کو ابھی تک خیال نہیں آیا تھا۔ کہ ان کی حکومت پر کسی اور کا قبضہ بھی ہو سکتا ہے وہ فیروز شاہ سے خوفزدہ ہو گئے اور پیغام بھیجا کہ "ہم سب دینی بھائی ہیں۔ ہم کو چاہیے کہ آپس کی جو پھوٹ ہے اس کو دور کریں اور میل جول سے زندگی گزاریں تاکہ ہم صاحبقراں کی تلوار اور حملوں سے دور رہیں۔" یہ حکمران ادھر تو بادشاہ سے منافقانہ گفتگو کرتے رہے اور دوسری طرف بیجانگر کے راجہ سے یہ سازش کر لی کہ جس وقت ضرورت ہو گی ہم فوراً روپیہ اور فوج سے مدد دیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ دیو رائے نے بھی اپنا شعار بالکل بدل دیا تھا۔ اور تین چار سال سے خراج کی رقم خزانہ فیروز شاہی میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ مالوہ' گجرات' خاندیس کے راجہ بظاہر تو بہت خلوص سے بادشاہ سے ملتے رہے' مگر بہ باطن سلطنت بہمنیہ کے دشمن اور اس کی تباہی و بربادی کے درپے ہو گئے۔ فیروز شاہ نے بھی حالات کا اندازہ کرتے ہوئے دیو رائے کو بالکل اس کی مرضی پر چھوڑ رکھا تھا اور خراج طلب کرنے میں کسی طرح کی سختی نہ کرتا تھا۔

ایک نیا فتنہ

ملا داؤد بیدری نے ایک قصہ لکھا ہے جس نے اس سوئے ہوئے فتنہ کو بیدار کیا۔ دیو رائے اور فیروز شاہ کی باہمی چپقلش جاری ہی تھی کہ مدکل کے ایک غریب سنار کے گھر ایک بہت خوبصورت بیٹی پیدا ہوئی۔ وہ قدرت کی صناعی کا بہترین نمونہ تھی ماں باپ اس کی شکل و صورت دیکھ کر اپنی غریبی اور اپنا افلاس بالکل بھول جاتے تھے۔ جب بیٹی ذرا بڑی ہوئی تو ماں باپ نے سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے ہی اس کی منگنی اپنے رشتہ داروں میں کرنا چاہی' مگر بیٹی نے اس سلسلے میں ماں باپ کی مخالفت کی اور کہا کہ "جس نے مجھے ایسی شکل و صورت عطا کی ہے وہ کوئی لائق شوہر ضرور عطا کرے گا' خدا پر یہ کام چھوڑ دو۔" لڑکی کنواری ہی رہی اور ماں باپ نے زبردستی بھی نہ کی' اتفاق کی بات ہے بیجانگر کا ایک بوڑھا برہمن تیرتھ یاترا سے فارغ ہو کر ادھر سے گزرا اور اسی سنار کے گھر ٹھہرا۔

میاں بیوی دونوں نے برہمن کی بہت خدمت کی۔ مگر بیٹی سامنے نہ آئی۔ اس پر برہمن نے کہا کہ مجھ سے کیا پردہ اس نے اس کی بیٹی کو بلا کر آواز دی تب وہ باہر آئی۔ برہمن نے اس کو دعائیں دیں اور کہا شکل و صورت کے ساتھ ساتھ نیک سیرت بھی پائی ہے۔ خدا تیرا

موسیقی میں ماہر ہو گئی اور نہایت عقیدت کے ساتھ اپنے استاد کی خدمت کرنے لگی- ایک سال بعد جب پر تھال فن موسیقی میں طاق ہو گئی تو برہمن اپنے وطن روانہ ہوا- برہمن کے بیجانگر پہنچتے ہی پر تھال کے حسن و جمال اور نیک سیرتی کا شہرہ پھیل گیا- دیو رائے نے بھی یہ سب کچھ سنا اور برہمن کو بلا کر اس کی پوری پوری تصدیق کی اس کے بعد ایک جڑاؤ ہار اور بیشمار دولت دے کر اسے مدکل بھیجا- برہمن کو پر تھال اور سارے کنبہ کو بیجانگر کے مندر کی پوجا کے بہانے سے لانے کے لئے کہا گیا پر تھال کے گھر پہنچ کر برہمن نے پر تھال کے ماں باپ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا-

پر تھال کے والدین اس پیغام سے پھولے نہ سمائے اور بیجانگر چلنے پر تیار ہو گئے- جب برہمن نے ہار نکال کر پر تھال کے گلے میں ڈالنا چاہا تو پر تھال نے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ بیجانگر کے حکمرانوں کا دستور ہے کہ جس عورت کو محل میں ڈالتے ہیں پھر ماں باپ سے اس کو ملنے نہیں دیتے ہیں- لہٰذا کیا تم لوگ مجھ سے بیزار ہو جو قید میں ڈال رہے ہو- میں اپنے آپ کو سستے داموں بیچنا نہیں چاہتی ہوں-" مگر سب نے بہت اصرار کیا- اب پر تھال نے دیکھا کہ سچ بولے بغیر چارہ نہیں تو کہا کہ "مجھے بشارت ہوئی ہے کہ میں مسلمان ہو کر کسی مسلمان کے گھر جاؤں گی تم لوگوں کو چاہیے کہ اس نیک ساعت کا انتظار کرو اور اس سونے کے لالچ میں مجھے فروخت نہ کرو- اب برہمن دل برداشتہ ہو کر یہاں سے چل پڑا اور دیو رائے کو ساری داستان سنا دی اس نے اپنے اوپر سارا عیش و عشرت آرام و سکون حرام کر لیا اور پر تھال کے فراق میں سرگردان رہنے لگا- وہ شکار کا بہانہ کر کے بیجانگر سے چلا ہزاروں سوار اور پیادے تھے اس نے پانچ ہزار پیادوں کو دریا کے اس پار مدکل کی طرف جانے کا حکم دیا' اس کا یہ حکم بھی تھا کہ بے خبری کے عالم میں پر تھال کے گھر کا محاصرہ کر لیا جائے پھر اس کو پکڑ کر راجہ کے سامنے حاضر کیا جائے- دیو رائے نے ایک اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا تھا کہ پہلے سے اس برہمن کو سنار کے گھر بھیج کر فوج کے آنے کی اطلاع کر دی تھی تاکہ برہمن روپیہ اور سونے کے لالچ میں گھر پر ہی ٹھہرا رہے مگر سنار بیٹی کو لے کر نکل کھڑا ہوا اور کہیں جا کر چھپ گیا- دیو رائے کا لشکر بہت مایوس ہوا اور جیسا کہ عام طور پر ہوا کرتا ہے لوٹتے وقت فیروز شاہ کے شہروں اور قصبوں کو خوب لوٹا- فولاد جو اس نواح کا حاکم تھا وہ یہ دیکھ کر بہت غضب ناک ہوا وہ آگے بڑھا مگر ہندوؤں نے فولاد خاں کو راستہ میں روک لیا اور اس کی فوج کو بھی پسپا کر دیا' مگر فولاد خاں نے ہمت نہ ہاری اور مقابلہ کیا- ہندو فوج چونکہ ادھر ادھر بکھری ہوئی تھی لہٰذا فولاد خاں کو فتح نصیب ہوئی-

دو ہزار ہندو سپاہی مارے گئے فیروز شاہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی- اس نے اپنی فوج کو فوراً تیار ہونے کا حکم دے دیا- اور جب یہ معلوم ہوا کہ فوج کا ہر سردار اپنی سپاہ کے ساتھ فیروز آباد کے باہر موجود ہے تو وہ خود ۸۰۹ھ میں نیک ساعت دیکھ کر گلبرگہ سے بہت شان و شوکت کے ساتھ نکلا- فیروز شاہ بیجانگر پہنچا دیو رائے قلعہ میں پناہ گزین تھا- قلعہ کو فتح کرنا چاہا مگر ہندوؤں نے مدافعت سے کام لیا اور تمام راستے بند کر دیئے مجبوراً بہمنی فوج باہر ہی ٹھہر گئی- دیو رائے اپنی عظمت و شوکت اور ظاہری جاہ و جلال میں اپنے باپ سے بھی بڑھا ہوا تھا اس نے لشکر کو بہت دبدبہ اور رعب کے ساتھ مرتب کیا- راجہ کی فوج حصار کی پناہ میں آئی اور تیر و تفنگ کی بارش کرنے لگی- مسلمانوں کے گھوڑے بیجانگر کی پہاڑی زمین پر اچھی طرح نہ چل سکتے تھے اس لئے سوار مجبور ہو گئے اور جنگ سے ہاتھ اٹھانے لگے- اسی دوران میں ایک تیر بادشاہ کے بازو پر لگا مگر اس نے زخم کی پرواہ نہ کی اور اسی حالت میں معروف جنگ رہا- اس کے بعد ایک میدان میں خیمہ زن ہو گیا تاکہ زخم مندمل ہو جائے-

جب بادشاہ تندرست ہو گیا تو اس نے بیجانگر کو فتح کرنے کا خیال ترک کیا اور امیر الامراء کو میاں سدھو سرنوبت کے ہمراہ کر کے بیجانگر کے جنوبی شہروں کی تاخت و تاراج کرنے کے لئے روانہ کر دیا- نیز کرناٹک کے مشہور قلعہ کی فتح کے لئے ایک لشکر جرار کے ہمراہ شیرازی کو روانہ کیا- ان دونوں امراء کو الگ الگ مہمات پر بھیج کر فیروز شاہ اپنے لشکر کو اسلحہ جات اور دیگر سامان سے آراستہ کر کے دیو رائے کا

مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ اس کے علاوہ آٹھ اور جنگیں مسلمان اور ہندوؤں کے درمیان ہوئیں اور ہر جنگ میں فیروز شاہ بہمنی ہی کو فتح حاصل ہوئی۔

دیورائے نے نہایت درجہ ہراساں ہو کر پھر اپنے ایلچی گجرات بھیجے اور مدد چاہی' بادشاہ پورے چار مہینے تک محاصرہ میں لگا رہا۔ اس عرصہ میں خان خاناں نے کرناٹک کے شہروں کو خوب تباہ و برباد کیا اور فضل اللہ شیرازی نے موقع دیکھ کر قلعہ بنکاپور اور اس کے گرد و نواح کے شہروں پر قبضہ کر لیا۔ شیرازی نے بادشاہ کے حکم سے پھر قلعہ میاں سدھو کے ہاتھ میں دے دیا اور خود بادشاہ سے آملا۔ اس کے بعد آٹھ ہزار ہندو لڑکے لڑکیوں اور بیشمار دولت کے ساتھ خاں خاناں بھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہر ایک پر شاہانہ نوازشات کی گئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور ان قابل اعتماد اور باعزت امراء سے رائے طلب کی کہ آئندہ کیا اقدامات کرنا چاہیں۔ باہمی مشورے سے یہ فیصلہ ہوا کہ احمد خاں بیجانگر میں دیورائے کے مقابلہ میں ٹھہرا رہے اور کسی صورت سے اس کو سکون کی نیند نہ سونے دے اور بادشاہ و شیرازی نیز دیگر نامی گرامی امراء قلعہ اودنی کو فتح کرنے کے لئے نکلیں۔

ان امراء اور بادشاہ کے اس مشورے کی اطلاع بہت جلد دیورائے کو ہو گئی۔ اس کو یوں بھی خاندیس اور مالوہ کی طرف سے بہت مایوسی ہو چکی تھی اس لئے مجبوراً اس نے پھر فیروز شاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور بادشاہ کے بیجانگر سے رخصت ہونے سے قبل اپنے چند لائق اعتماد امراء کو مسلمانوں کی فوج میں روانہ کر دیا۔ میر فضل اللہ کے ذریعہ سے ان ہندو چند لائق اعتماد امراء کو مسلمانوں کی فوج میں روانہ کر دیا میر فضل اللہ کے ذریعہ سے یہ ہندو قاصد فیروز شاہ کے پاس پہنچے پہلے تو فیروز شاہ نے انکار کر دیا مگر پھر شیرازی کی سفارش پر صلح منظور کی۔ اس میں بھی یہ شرط رکھ دی گئی کہ دیورائے پنی دختر فیروز شاہ کے محل میں داخل کر دے۔

اس کے علاوہ دس لاکھ نقد ہون' پانچ من مروارید اور پچاس زنجیر ہاتھی اور دو ہزار گانے بجانے والیاں اور غلام' خدمت شاہ میں پیش کرے۔ اگرچہ بنکاپور کا قلعہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکا تھا' مگر پھر بھی کہا گیا کہ راجہ اس کو بطور جہیز اپنی بیٹی کو دے دے تاکہ دوبارہ کبھی اس قلعہ کے لئے ملک میں کشت و خون نہ ہو۔ کرناٹک کے راجاؤں نے ابھی تک کسی غیر آدمی کو اپنی بیٹی نہیں دی تھی اور اس کے لئے صلح میں یہ شرط بہت کٹھن تھی' مگر کیا کرتے مجبور تھے۔ تقریباً چالیس دن تک بیجانگر سے بادشاہ کی قیام گاہ تک محفل عیش و طرب رہی' طرح طرح کی مٹھائیاں تقسیم ہوتی رہیں۔ سات کوس تک در و دیوار' گھاٹ' بازار سجے ہوئے تھے ناچ گانے والے اپنا اپنا فن اور کمال دکھا رہے تھے۔ میر فضل اللہ اور احمد خان خاناں تمام سامان شادی لے کر بیجانگر پہنچے اور دیو رائے کی بیٹی کو بیاہ کر لائے۔ دیورائے نے بادشاہ کو اپنے اوپر مہربان دیکھ کر مطلب کی بات کرنا چاہی۔ فیروز شاہ نے ذرا ہمت سے کام لیا اور لشکر کا انتظام خان خاناں کے ہاتھ میں دے کر خود دلہن کو لے کر بیجانگر چل دیا۔

دیورائے نے بادشاہ کا بہت اچھی طرح استقبال کیا شہر کے دروازہ سے لیکر دار الامارت تک تقریباً تین کوس کا فاصلہ تھا اس راستے پر مخمل اطلس اور دوسرے قیمتی کپڑوں کا فرش بچھا ہوا تھا دونوں فرمانروا گھوڑوں پر بیٹھ کر چلے۔ فیروز شاہ شہر میں داخل ہوا۔ اور دیورائے کی طرف سے نچھاور کی رسم ادا کی گئی' حسین لڑکے اور لڑکیاں سونے کے پھولوں کے تھال لیے ہوئے پھول نچھاور کرتے رہے۔ اس کے بعد رعایا نے بھی نچھاور کیا۔ دونوں طرف کی رعیت صدقہ دیتی ہوئی دار الامارت تک پہنچی' دیورائے کی طرف سے جڑاؤ پالکی عروس و نوشہ کے لئے دی گئی۔ فیروز شاہ دو دن تک بیجانگر میں رہا۔ تیسرے دن وہاں سے چلا دیورائے بھی ساتھ ہو گیا۔ راستہ میں اس نے کنٹری زبان میں چند مصالحت کی باتیں کیں۔ بادشاہ کو یہ بات بہت بری معلوم ہوئی اس نے کہا "خیر دیکھا جائے گا" یہ بات دیورائے کے کانوں تک پہنچی اس نے بہت سے ناگوار الفاظ اپنی زبان سے نکالے اس پر فضل اللہ نے کہا کہ دیورائے نے کہا تھا کہ وہ لشکر گاہ تک ساتھ جائے گا مگر

دونوں کے دل باوجود رشتہ قائم ہونے کے صاف نہ ہو سکے۔ فیروز آباد پہنچتے ہی بادشاہ نے آدمیوں کو مدکل بھیجا وہ لوگ مدکل سے پرتھال اور اس کے والدین کو ساتھ لے کر آئے۔ پرتھال بادشاہ کے سامنے آئی بادشاہ نے جیسا سنا تھا پرتھال کو ویسا ہی پایا۔ فیروز شاہ نے اس کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا اور کہا کہ میں تو اب بڈھا ہو گیا ہوں لہٰذا اس کو شہزادہ حسن کے محل میں بھیج دیا جائے۔ بادشاہ نے بہت سی دولت پرتھال کو دی اور اسے اپنی پھوپھی کے حوالہ کیا اور کہا کہ شاہانہ عظمت و شوکت سے اس کی شادی کی جائے۔ جشن ہوا اور شادی ہو گئی اور پرتھال حسن خاں کے محل میں داخل ہو گئی۔ پرتھال اپنی قابلیت کی بدولت سنار کی جھونپڑی سے نکل کر شاہی محل میں داخل ہوئی۔

گونڈواڑہ پر لشکر کشی

اس کے بعد بادشاہ نے ۸۱۰ھ میں ریاضی دانی اور علم ہندسہ میں اپنی قابلیت کا ثبوت دیا۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ دولت آباد بالا گھاٹ میں رصد قائم کی جائے۔ حکیم حسن گیلانی اور سید محمد گاذرونی جو علم ریاضی کے ماہر تھے اور دربار میں بھی ایک اونچا مقام رکھتے تھے انہیں یہ کام سپرد کیا گیا' لیکن حسن گیلانی کی بے موقع موت اور دوسرے حادثات و واقعات نے اس کام کو پورا نہ ہونے دیا۔ ۸۱۵ھ میں فیروز شاہ شکار کا بہانہ کر کے گونڈوارہ گیا اور اس علاقہ کو تباہ و برباد کر کے پھر ہندوؤں کو شکست دی اور اندازاً تین سو ہاتھی گرفتار کر کے اپنے پایہ تخت کو واپس آیا۔ اسی دوران میں بادشاہ کو خبر ملی کہ ایک ولی کامل دہلی سے دکن تشریف لائے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں دعوت دی ان کا نام حضرت گیسودراز تھا۔ فیروز شاہ ہمیشہ ہی سے باکمال اور اہل علم کا دوست رہا تھا۔ وہ یہ خبر سن کر فوراً فیروز آباد سے گلبرگہ آیا اور تمام اعزاء اور رشتہ داروں کو ان کے استقبال کے لئے روانہ کر دیا۔ سید صاحب نہایت عزت و احترام کے ساتھ دکن تشریف لائے۔ فیروز شاہ حکیم طبیعت کا آدمی تھا' اور حضرت بندہ نواز نے علوم ظاہری اور مخصوص معقولات کا ظاہری اکتساب نہ کیا تھا لہٰذا اسنے کوئی خاص عقیدت نہ ظاہر کی۔ برعکس اس کے اس کا بھائی احمد خاں حضرت کا بہت دلدادہ اور معتقد ہو گیا اور ان کے لئے ایک خانقاہ بنوائی اور اکثر اوقات ان کی خدمت میں جاتا اور صوفیانہ کلام سے مستفید ہوتا۔ اکثر محفل سماع میں بھی حاضر ہوتا تھا اور خانقاہ کے درویشوں کو انعامات دیا کرتا تھا۔

اکبر حسن خاں کی جانشینی

بادشاہ نے نہایت درجہ ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دے کر ۸۱۸ھ میں اکبر حسن خاں کے سر پر تاج شاہی رکھا اور تمام ارا کین دولت سے بیعت لی اور اس کے بعد حضرت گیسو دراز سے بھی کہلوایا کہ وہ بھی اس کے حق میں دعائے خیر کریں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ حسن کو تاج شاہی سے سرفراز کر دیا گیا تو اسے اب دنیا میں کس چیز کی ضرورت ہے۔ اس پر بادشاہ نے بہت اصرار کیا تب قاصدوں کو یہ جواب دیا کہ تاج کو تو احمد خان خان خاناں کے سر پر رکھنے کا فیصلہ قدرت نے کر دیا ہے۔ لہٰذا اب مشیت ایزدی سے لڑنا بیکار ہے۔ اس بات سے بادشاہ کو بہت تکلیف پہنچی اور اس نے اس رنجش کا اظہار اس طرح کیا کہ حضرت گیسو دراز سے کہلوا کر بھیجا کہ چونکہ خانقاہ دربار شاہی سے نزدیک ہے اس لئے مریدوں کا شور و غل شاہی کاموں میں مخل ہوتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ شہر سے کہیں باہر خانقاہ تعمیر کرائیں۔ حضرت اس حکم سے بالکل مجبور ہو گئے اور اس جگہ جا کر رہے جہاں اب ان کا مقبرہ ہے۔ اب ان کے مریدوں نے ایک بہت عالی شان اور بلند عمارت تعمیر کرا دی ہے۔

پانگل پر لشکر کشی

۸۰۰ھ میں بادشاہ نے تلنگانہ کے راجہ کے پاس ایلچی بھیجے اور کہلا کر بھیجا کہ چند سال کا بقایا خراج ادا کرے راجہ نے نہایت فرمانبرداری کے ساتھ بہت سا نقد مال جنس روانہ کیا کہ بادشاہ خوش ہو گیا۔ اسی دوران میں بادشاہ نے پانگل کے قلعہ کو جو تلنگنڈہ کے نام سے مشہور تھا فتح کرنے کا ارادہ کیا پانگل سے اودنی تک کا فاصلہ اسی کوس کا تھا۔ بادشاہ نے چڑھائی کرتے وقت کسی طرح کی رشتہ داری اور

قرابت داری کا خیال نہ کیا اور آگے بڑھتا ہی گیا۔ اس نے دو سال تک قلعہ کو گھیرے رکھا مگر قلعہ فتح نہ ہو سکا لشکر میں بیماری پھیلی اور سپاہی اور جانور بیمار پڑ گئے۔ دیورائے نے فیروز شاہ کی اس ناکامی کو اپنے حق میں اچھا سمجھا اس نے ایک اچھی خاصی فوج تیار کر لی اور لڑنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ راجہ تلنگانہ بھی شریک تھا۔ مسلمانوں کو یقین تھا کہ خود ان میں حملہ کرنے کی سکت نہیں ہے اور کامیابی بھی مشکل ہے۔ مگر بادشاہ کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ وہ مقابلہ نہ کرے لہٰذا میر فضل اللہ شیرازی کی سرکردگی میں مقابلہ ہوا شیرازی نے دیورائے کے میمنہ پر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ وہ لشکر کو درہم برہم کرے کہ اتنے میں ایک خادم نے اپنے مالک (میر فضل اللہ) سے بے وفائی کی اور ایک وار اس کے سر پر کیا وار لگتے ہی وہ ختم ہو گیا اس واقعہ سے مسلمانوں کے لشکر میں ہلچل مچ گئی اور کئی اور مسلمان امیر بھی اس معرکہ میں کام آئے' خان خاناں کی حکمت عملی سے ان لوگوں نے دیورائے سے اپنی جان چھڑائی اور اس کے بعد ہندوؤں نے قتل عام کا حکم دے دیا۔ مسلمان اس کثرت سے قتل کیے گئے کہ ان کے سروں کے چبوترے بنائے گئے۔

مسلمانوں کا قتل عام

ہندوؤں نے مسلمانوں سے خوب بدلہ نکالا مسجدوں کو خوب توڑا' قتل و غارتگری میں کسی طرح کی کسر نہ اٹھا رکھی اس صورت سے گویا برسوں کا بغض نکالا' فیروز شاہ نے پریشان ہو کر گجرات سے مدد مانگی۔ احمد شاہ گجراتی کے پاس میر فضل اللہ کے بیٹے ملا غیاث الدین کو بھیجا مگر اس نے مدد نہ دی کیونکہ اس کی حکومت ابھی اس قابل نہ تھی۔ اب خان خاناں نے خزانہ کا دروازہ کھول دیا اور فوج کو جمع کر کے پھر بہمنی سرحدوں سے ہندوؤں کو بھگا دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے اسے شاہانہ عنایات سے سرفراز فرمایا اب بادشاہ اور دیگر اراکین اس شکست کا بدلہ لینے کی تدابیر سوچ رہے تھے کیونکہ فیروز شاہ کے بڑھاپے کے زمانہ میں یہ شکست ایک دھبہ تھی غیرت مند بادشاہ کو بہت ندامت تھی اس غم میں گھل گھل کر وہ بیمار ہو گیا جب مرض بڑھنا شروع ہوا تو بادشاہ کے دو غلام عین الملک اور بیدار الملک سب سیاہ و سفید کے مالک بن بیٹھے ان کے اقتدار میں دکن کی حکومت تھی۔ اسی عرصہ میں کچھ غلاموں نے خلوت میں بادشاہ سے کہا کہ احمد خان خاناں تخت حکومت پر بیٹھنا چاہتا ہے۔ غلاموں کے یہ کہنے پر فیروز شاہ کو حضرت خواجہ بندہ نواز کا قول یاد آگیا اور اس نے مزاحمت کرنا چاہی اور بیٹی کی محبت میں حقیقی بھائی کو اندھا کرنے کی تجویز سوچی لیکن احمد خاں کو ایک دن پہلے اس واقعہ کی اطلاع ہو گئی اور وہ رات میں تھوڑی سی جمعیت لے کر نکل کھڑا ہوا۔ اپنے بیٹے علاؤ الدین کو ہمراہ لے کر پہلے تو حضرت گیسو دراز کے پاس گیا اور ان کو تمام واقعہ سنایا۔

انہوں نے اپنے عمامہ کو دو ٹکڑے کیا ایک باپ کے اور دوسرا بیٹے کے سر پر باندھ دیا پھر اپنے ساتھ کھانا کھلایا اس کے بعد وہ گھر آیا اور سامان سفر درست کر کے راتوں رات شہر سے فرار ہو گیا۔ راہ میں خلف حسن بصری ایک سوداگر ملا جو بہت خیر خواہ تھا۔ وہ احمد شاہ کی نیت کو بھانپ گیا اور اس کو شاہانہ مجرا دیا' احمد شاہ نے کہا کہ تم اپنے گھر میں پوشیدہ ہو جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے تم بھی گرفتار ہو جاؤ۔ خلف حسن بصری نے جواب دیا کہ آرام و آسائش میں تو میں آپ کے ساتھ رہا اور اب تکلیف میں الگ ہو جاؤں میں بھی آپ کے ساتھ ہوں وہ بھی ساتھ ہو گیا یہ لوگ خان پور میں ٹھہرے وہاں جا کر احمد خاں نے یہ دعا کی کہ اگر مجھے سلطنت مل گئی تو اس قصبہ کو رسول آباد کے نام سے موسوم کروں گا اور اس کی آمدنی کو نجف' مکہ اور کربلا کے سیدوں کے اخراجات کے لئے وقف کر دوں گا۔"

احمد خاں سے معرکہ

احمد خاں کے فرار کی خبر نظام الملک اور عین الملک کو ہوئی تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے انہوں نے جا کر بادشاہ کو خبر دی اور لشکر تیار کر کے اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے احمد خاں نے دشمنوں کو زیادہ تعداد میں دیکھ کر ارادہ کیا کہ شہر میں آ کر امراء کو اپنا ہمدرد

تھا اور بہت سے شاہی نوکروں اور خدمت گاروں کو اس کی بہی خواہی کے لئے تیار کیا گیا تھا۔ ادھر احمد خاں کی فوج کی تعداد اب پہلے کی بہ نسبت بڑھ گئی۔ تب دوسری طرف عین الملک کی کمک کے لئے بھی فوج آ گئی شاہی امراء نے ہر طرف سے احمد خاں پر تمام راستے بند کر دیئے۔ ان دنوں بقال (جن کو ہندی میں بنجارہ کہتے ہیں) برار سے غلہ لے کر آ رہے تھے۔ احمد خاں کو خلف حسن بصری نے صلاح دی کہ ان سے غلہ خرید لیا جائے اور ساتھ ساتھ گھوڑے اور بیل بھی جب لڑائی شروع ہو گی تو ہماری طرف سے بیل اور گھوڑوں کی فوج نمودار ہو گی دشمن یہ سمجھے گا کہ برار سے کمک آ گئی مگر احمد خاں نے اس رائے کی پیروی نہ کی حالانکہ شاہی فوج اب بالکل نزدیک آ گئی تھی۔

احمد خاں راہ میں جا رہا تھا تھک کر ایک درخت کے نیچے سو گیا دیکھتا کیا ہے کہ ایک بزرگ باریش فقیرانہ لباس میں ملبوس آ رہے ہیں اور ایک ہرا تاج بارہ گوشوں کا ان کی ہتھیلی پر رکھا ہوا ہے اس نے ان کو بڑھ کر سلام کیا اور انہوں نے تاج سر پر رکھا اور کہا کہ یہ فقیر کی طرف سے تحفہ ہے۔ احمد خان اس کو فال نیک سمجھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے حسن بصری سے فوراً اس کا ذکر کیا اور کہا اب تک میں جنگ کرنے سے کنارہ کشی کر رہا تھا مگر اب اس بشارت نے مجھ کو آمادہ جنگ کر دیا ہے۔ اب میں تیار ہوں اس کے بعد اسی ترکیب پر عمل کیا گیا جو حسن بصری نے سوچی تھی۔ احمد دو سو سواروں کے ساتھ کلیانی پہنچا اور بقالوں سے تمام جانور خرید لیے بعد ازاں طبل جنگ بجوا دیا اور میمنہ و میسرہ کو درست کیا نیز یہ مشہور کر دیا کہ فلاں فلاں جاگیردار احمد خاں کی مدد کے لئے چل چکے ہیں اور تین کوس کے فاصلہ پر ہیں۔ عین الملک اور بیدار الملک اس خبر کو سن کر وحشت زدہ ہو گئے پھر بھی مقابلہ کیا۔ حسن بصری نے قلب لشکر پر حملہ کیا میمنہ اور میسرہ کے سردار جب پسپا ہو گئے تو ان دونوں غلاموں نے بھی جنگ سے منہ موڑا۔

بادشاہ یہ خبر سن کر بہت ہراساں ہوا اور عین الملک وغیرہ کے مشورے سے خود باوجود بیمار ہونے کے اٹھا اور حسن شاہ کے سر پر شاہی تاج رکھا پھر میدان جنگ میں آ گیا اور خان خاناں کی تباہی کی فکر کرنے لگا۔ احمد شاہ بھی تیار ہو گیا گلبرگہ سے تین کوس کے فاصلہ پر مقابلہ ہوا ابھی جنگ کا آغاز بھی نہ ہوا تھا کہ بادشاہ بے ہوش ہو گیا۔ اور لشکر میں اس کی موت کی افواہ مشہور ہو گئی اس کے نتیجے میں اس کے تمام لشکری احمد خاں سے مل گئے۔ بادشاہ کے دونوں غلام بہت ہراساں و پریشان ہو گئے وہ آقا کو لے کر شاہی محل میں داخل ہو گئے۔ قلعہ کے دروازہ پر پہنچ کر بادشاہ کو ہوش آیا تو اس سے غلاموں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ احمد خاں نے پاس ادب کر کے شاہی سواری کا پیچھا نہ کیا اور اس کا لشکر قلعہ کے نزدیک ہی آ کر رک گیا اس کے بعد شہزادہ حسن کی سرکردگی میں دونوں غلاموں نے گولہ باری شروع کی۔ احمد خان کے ساتھیوں پر بھی ایک گولہ لگا ایک جماعت ختم ہو گئی۔

فیروز شاہ کا انتقال

بادشاہ کو اطلاع ہو گئی اس نے اپنے بیٹے حسن خاں کو بلایا اور کہا کہ لشکر اب احمد خاں کے موافق ہے تمام لشکر تیرے چچا کی خیر خواہی چاہتا ہے اب تجھ پر بھی لازم ہے کہ اس کی اطاعت قبول کرے یہ کہہ کر بادشاہ نے قلعہ کا دروازہ کھلوا دیا' شاہی پیادے اور چند قابل اعتماد آدمیوں کے ساتھ احمد خاں قلعہ میں آیا وہ اندر آ کر بادشاہ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور زور زور سے رونے لگا بادشاہ نے کہا کہ شکر خدا ہے کہ اپنی زندگی میں میں نے تم کو بادشاہ بنتے دیکھ لیا۔ حالانکہ شفقت پدری سے مجبور ہو کر میں نے تمہارا حق چھینا اور اپنے بیٹے کو ولی عہد بنایا اب تم حسن کو بھی اپنی امانت سمجھو۔ مہمات سلطنت کو اپنے ہاتھ میں لو اور میری چند ساعت کی بقیہ زندگی میں مجھ کو ہراساں نہ کرو۔

احمد شاہ نے ۸۲۵ھ میں تاج شاہی جو اس کے بھائی نے بنوایا تھا سر پر رکھا اور شوال ۸۲۵ھ میں فیروز شاہ کا انتقال ہو گیا۔ احمد شاہ نے بھائی کے جنازہ کو باعزت طریقے اور شاہانہ عظمت کے ساتھ اٹھایا اور باپ دادا کے پہلو میں لٹا دیا۔

فیروز شاہ نے پچیس سال سات مہینے پندرہ دن تک حکمرانی کی بعض مورخین لکھتے ہیں کہ احمد شاہ نے اپنے بھانجے شیر خاں کے ذریعہ

بادشاہ کا گلا گھونٹ دیا تھا۔

حوالہ جات

(۱) عروضی غلط ہے۔ عروجی ہونا چاہیے۔ کیونکہ فیروز شاہ بہمنی یہی تخلص کرتا تھا۔
(۲) صحیح نام "گہیرلا" ہے یہ صوبہ براء کے شمال میں شہر بیوں کا مشہور قلعہ ہے۔

احمد شاہ بہمنی بن سلطان داؤد شاہ

تخت نشینی

احمد شاہ ۸۲۵ھ میں بھائی کے بنوائے ہوئے تاج کو سر پر رکھ کر بادشاہ بن گیا اور یوں حضرت گیسو دراز کی بشارت صحیح ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے آپ کو سلطان احمد شاہ بہمنی کے نام سے مشہور کیا اور اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔

احمد شاہ کا کردار

وہ مہمات سلطنت کو سر انجام دینے میں کبھی پہلو تہی نہیں کرتا تھا اور اس معاملہ میں اپنے بھائی کی پوری پوری تقلید کرتا وہ علماء و مشائخ اور سادات کی بہت قدر دانی کرتا اور اس میں کسی طرح کی کوتاہی نہ کرتا۔ چونکہ وہ حضرت خواجہ گیسو دراز کی کشف و کرامات کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا للذا اس نے ان کی بہت خدمت کی اور تخت شاہی پر بیٹھتے ہی ان کا بندہ بے دام بن گیا۔ رعیت نے بھی حضرت کی بہت قدر دانی شروع کی۔ احمد شاہ نے تو یہاں تک کیا کہ اپنے خاندانی شعار کے خلاف حضرت بندہ نواز کی بیعت کی اور شیخ محمد سراج کے خاندان سے اپنی ارادت ختم کر دی۔ احمد شاہ نے حضرت گیسو دراز کے رہنے کے لئے ایک بہت عظیم الشان عمارت شہر کے نزدیک ہی بنوائی۔ اس وقت بھی جب کہ سلطنت بہمنیہ عادل شاہیہ سلاطین کے ہاتھوں میں آ گئی۔ احمد شاہ نے جو قصبات وغیرہ اور جاگیریں حضرت بندہ نواز گیسو دراز کے لئے وقف کرائی تھیں وہ ان کے خاندان کے لوگوں کو برابر ملتی رہتی ہیں۔

دکن کے باشندے بھی حضرت گیسو دراز کے بہت معتقد ہیں ان کے متعلق عام طور پر یہ روایت مشہور ہے کہ ایک بار کسی دکنی آدمی سے کسی نے پوچھا کہ "آنحضرت صلعم کا مرتبہ زیادہ اونچا ہے یا سید گیسو دراز کا۔" اس نے جواباً کہا کہ "حضرت صلعم اگرچہ پیغمبر ہیں مگر حضرت گیسو دراز کچھ چیز ہی اور ہیں۔" اس سے اور تو کچھ نہیں حضرت گیسو دراز سے عقیدت کی پختگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آج تک اس گرد و نواح کے عوام حضرت گیسو دراز کی اولاد اور عزیزوں سے دلی عقیدت رکھتے ہیں۔

عطائے جاگیر اور عہدے

احمد شاہ نے خلف حسن بصری کو سلطنت کے وکیل کا عہدہ دیا اور چونکہ اس کا پیشہ سوداگری تھا اس لئے اس کو ملک التجار کا عہدہ بھی دیا آج تک یہ لقب دکن میں مشہور ہے۔ اس نے عین الملک اور بیدار الملک کی فرمانبرداری کا پورا پورا اعتماد کیا۔ عین الملک کو امیر الامراء کا لقب دے کر ہزار پانصدی کے منصب سے سرفراز کیا اور نظام الملک کو دولت آباد کا سرلشکر بنا کر منصب دو ہزاری عطا کیا۔ مستند تاریخوں میں درج ہے کہ بہمنیہ سلاطین کے درباروں میں چار دو ہزاری منصب دار رہتے تھے اور یہ چاروں امراء سلطنت کے گرد و نواح ہی میں صوبہ دار یا سرلشکر ہوا کرتے تھے۔ امیر الامراء ایک ہزاری اور پانصد کا منصب دار تھا اور وکیل سلطنت کو ایک ہزار دو صدی کا منصب دیا جاتا تھا۔ باقی امراء اور منصب دار بھی ایک ہزاری یا اس سے زائد ہی ہوا کرتا تھا۔ اسے طوق و علم و نقارہ بھی سلطنت کی طرف سے ملا کرتا تھا۔

شہزادہ حسن خاں

حسن خان چونکہ تخت و تاج کا مالک تھا مگر عوام اور امراء کے دلوں میں اپنے لئے جگہ نہ پیدا کر سکا کسی نے اس کو اندھا بنانے کی کوشش کی لیکن اس نے کسی کی درخواست اور مشورہ پر عمل نہ کیا۔ احمد شاہ نے اس کو پانصد کا منصب دے کر فیروز آباد کے قلعہ میں

رہنے کا حکم دے دیا- وہ عیش و عشرت کا متوالا تھا اس لئے اسے دنیا کی پرواہ نہ تھی اس کو بادشاہ کی طرف سے اجازت تھی کہ فیروز آباد سے چار کوس کے فاصلہ تک سیر و شکار کے لئے جا سکتا تھا اسے یہ زندگی تاج شاہی کی ذمہ داریوں سے کہیں زیادہ بہتر معلوم ہوتی تھی۔ اس نے بھی اپنے چچا کے خلاف کبھی کچھ نہ کیا اور نہ اس کے دل کو تکلیف پہنچائی حالانکہ چچا کی وفات کے بعد اس کو بہت تکلیفیں دی گئیں اسے اندھا کر دیا گیا اور قید خانہ ہی میں اس کی وفات ہوئی۔

پہلا معرکہ

احمد شاہ نے اپنے اخلاق اور بلند کردار کی وجہ سے سب کو اپنا دلدادہ بنا لیا تھا- اس نے گجرات کی سرحد اپنے قابل اعتماد امراء کے ہاتھ میں دی اور ادھر سے اطمینان کر کے چالیس ہزار تجربہ کار اور لائق سپاہیوں کو لے کر کرناٹک کی طرف بڑھا- دیورائے نے اس حملہ کو اپنی پہلی جنگ سمجھتے ہوئے لشکر کو اکٹھا ہونے کا حکم دیا اور ورنگل کے راجہ کو بھی مدد کے لئے بلوا لیا- غرضیکہ وہ ایک کثیر تعداد فوج لے کر مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے چلا اس نے دریائے تمندرہ کے ساحل پر خیمے نصب کیے- احمد شاہ بھی سفر طے کرتا ہوا ساحل پر پہنچ گیا اور دیورائے کا مقابلہ کرنے لگا- دیورائے کی فوج میں دو لاکھ توپچی اور کماندار تھے- یہ لوگ بہمنی لشکر پر رات کو آ کر حملہ کیا کرتے تھے اور گھوڑوں اور سپاہیوں کو قتل کر کے اپنی فوج میں واپس چلے جاتے تھے- بادشاہ نے ملک روم کی تقلید کرتے ہوئے فوج کے چاروں طرف دو ہزار ارابے مشتعل کرائے اور مسلسل چالیس دن تک یہیں ٹھہرا رہا اس عرصہ میں دیورائے کے بہت سے قلعے اور ممالک تباہ و برباد کر دیئے- دیورائے نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ تلنگانہ کی فوج کو دریا کے اس پار کر کے احمد شاہ کے مدمقابل آ جائے مگر اس سے کچھ نتیجہ نہ نکلا- احمد شاہ نے اپنے تمام امراء اور منصب داروں کو بلایا اور ان سے دریا پار کرنے کی ترکیب پوچھی- تمام حاضرین نے حلف اٹھا کر کہا کہ وہ غیر مسلموں سے جنگ کرنے میں وفادار رہیں گے اور دریا پار کر کے مقابلہ کریں گے- دوسرے دن یہ قافلہ دریا کو عبور کرنے والا تھا اور کشت و خون کا بازار گرم ہونے والا تھا کہ اس بات کی اطلاع راجہ تلنگانہ کو ہوئی- وہ راتوں رات نکل گیا مگر دیو رائے نے اپنا لشکر مقابلہ پر لا کھڑا کیا اسی عرصہ میں بہمنی خاندان کے پرانے وفادار برہان لودھی اور دلاور خاں افغان نے دریا کو عبور کر لیا۔

حسن اتفاق کہ دیورائے اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ باغ میں سو رہا تھا- شاہی سپاہی اسی باغ کو لوٹنے کے لئے آگے بڑھے اور وہاں راجہ کو سوتا ہوا دیکھ کر اس کو باغبان سمجھے اور گنوں کا ایک گٹھا اس کو مارا اور پھر پکڑ کر اپنے ساتھ لے کر چلے- راجہ پہلے تو یہ سمجھ رہا تھا کہ ان لوگوں نے اسے پہچان لیا ہے مگر پھر اطمینان ہو گیا اور اس نے راستہ ہی میں احمد شاہ کی آمد آمد اور دیورائے کے کھو جانے کا قصہ سنا مگر اپنی خیریت اسی میں دیکھی کہ ان سپاہیوں کے ساتھ نہایت خاموشی سے چلا جائے- بعد میں دیورائے کسی طرح دشمن سے جان چھڑا کر اپنی فوج سے جا ملا- امراء نے اس کے سر پر تاج شاہی رکھا اور فوج میں اس کے ملنے پر خوشیاں ہوئیں- راجہ نے اس طرح کی گرفتاری کو بدشگونی سمجھا اور بغیر جنگ کیے ہوئے واپس چلا گیا اور قلعہ بیجانگر میں جا کر رہنے لگا۔

احمد شاہ یوں آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا نہ تھا وہ بھی بیجانگر کی طرف بڑھا- ہندوؤں کی سرحد میں داخل ہوتے ہی مسلمانوں کی تلوار نیام سے باہر نکل آئی اور ہندوؤں کا خون بہنے لگا- احمد شاہ نے محمد شاہ کی قرارداد کے بالکل خلاف خون بہانا شروع کر دیا بہت سی جانوں کو پیوند اجل کیا وہ روزانہ بہت گائیں ذبح کراتا- مورتیاں حضرت خواجہ بندہ نواز کے آستانہ کے نزدیک پھینک دی گئیں- تاکہ مریدوں کے پاؤں تلے آ کر پامال ہوں- وہ جس جگہ جاتا بیس ہزار ہندوؤں کو قتل کراتا اور پھر وہیں جشن عشرت مناتا اور خوشی کے شادیانے بجواتا۔

اسی دوران میں جب بازار قتل و غارت گری گرم تھا ایک دن احمد شاہ شکار کے لئے نکلا اور تنہا رہ گیا فدائیوں کا وہ گروہ جو احمد شاہ کو قتل کرنے کے لئے مدت سے وہاں پھر رہا تھا اس نے اس موقع کو بہت غنیمت سمجھا اور بادشاہ کا پیچھا کیا- ادھر بادشاہ کے تیر انداز جانوروں کا

ان لوگوں نے تیر چلانا شروع کیے۔ بادشاہ نے بھی خوب تیر برسائے اور ہندوؤں کو ہلاک کیا۔ نزدیک تھا کہ بادشاہ خود بھی تیروں کا شکار ہو جائے کہ وہ تیز انداز جو جانوروں کے پیچھے گئے ہوئے تھے' آ گئے' اور انہوں نے مقابلہ شروع کر دیا۔ احمد شاہ نے بہزار دقت خود کو نالہ سے باہر نکالا اور چار دیواری تک پہنچ گیا اور ہر ایک سپاہی جان دینے پر آمادہ ہو گیا۔ سید حسن بدخشی' میر فرخ بدخشی' میر علی سیستانی' میر علی کرد' عبد اللہ کابلی' خسرو' خواجہ حسن' اور ستائی خواجہ بیگ قلندر' خواجہ قاسم صف شکن وغیرہ نے اس دن ایسی داد شجاعت دی کہ بادشاہ حیران رہ گیا۔ ہندوؤں نے چند تیر اندازوں کو مار ڈالا اور چاہا کہ مسلمان دیوار سے اتر آئیں۔ پانچ چھ ہزار ہندو خنجر اور تلواریں لے کر دیوار کو کھودنے کے لئے بڑھے اور احمد شاہ چند خاص ساتھیوں کے ساتھ دیوار کے اندر کھڑا ہوا تھا مگر اس پر سایہ ذو الجلال تھا اسے کوئی نقصان نہ پہنچا۔

بادشاہ چونکہ تنہا نکلا تھا اس لئے عبد القادر سر سلحدار نے جو دو صدی کا منصب دار بھی تھا یہ سوچا کہ بادشاہ بہت کم جمعیت کو ساتھ لے کر گیا ہے ہو سکتا ہے کہ اس کو لشکر کی ضرورت پیش آئے۔ اس لئے وہ دو تین خاصہ کے سوار لے کر اس کی تلاش میں نکلا موقعہ واردات پر پہنچ کر حقیقت حال کی خبر ہوئی۔ عبد القادر نے فوج کو ٹھیک کیا اور فدائیوں کے مقابلہ میں صف آرا ہوا بہت شدید معرکہ ہوا اور بہمنی اقبال نے اپنا زور دکھایا اور ہندوؤں کو شکست بھی ہوئی اس بلائے بے درماں سے نجات حاصل ہوئی۔ احمد شاہ کا اس صورت سے بے خوف و خطر اس خطرہ سے دوچار ہونا اور بچ کر نکل آنا ایک معجزہ سے کم نہ تھا اور ایسا واقعہ کسی بھی حکمران کے دور میں نظر نہیں آتا۔ عبد القادر کو خان جہاں کا لقب دیا گیا دو ہزاری منصب عطا کیا گیا اور برار کا سر لشکر مقرر کر کے اس کو دار السلطنت سے باہر بھیج دیا گیا۔ اس کے چھوٹے بھائی نے بھی بہت ہی جاں نثاری اور سچائی کا ثبوت دیا تھا لہٰذا اس کو بھی دو ہزاری منصب ملا۔ تلنگانہ کے لشکر کی سرداری ملی اور ساتھ ہی ساتھ خان اعظم کا خطاب بھی ملا۔

انعامات و اعزازات

خاں جہاں نے لمبی عمر پائی اور مسلسل چالیس سال تک برار کا حاکم رہا اور آخر کار فتح اللہ عمادی نے جو برار کا مستقل حکمران تھا اس کو قتل کرایا یہ خاں جہاں کی اولاد کا غلام تھا۔ اس کے متعلق تفصیلی حالات بعد میں لکھے جائیں گے غرضیکہ ہر تیر انداز کو خلعت فاخرہ سے سرفراز کیا۔ جن لوگوں کے ساتھ بہت خصوصیت کا برتاؤ کیا ان کے نام یہ ہیں سید حسن بدخشی' میر فرخ بدخشی' میر علی سیستانی' حسن خان' فرخ خان سب کو خطابات عطا کیے گئے اور سہ صدی کے منصب دار بھی بنائے گئے۔ قاسم بیگ پانچ صدی منصبدار ہو کر گلبرگہ کا جاگیردار بنایا گیا۔ خواجہ بیگ قلندر کے خطاب سے سرفراز کیا گیا اور اس کو دو صدی منصبدار کا عہدہ دے کر گلبرگہ کا حاکم بنایا گیا۔ میر علی کرد نے بیجانگر کے ایک پہلوان کو تفنگ سے ختم کر دیا تھا اس کو کافرکش کا خطاب دیا گیا اور ایک ہزاری امراء کے گروہ میں شامل کیا گیا۔ عبد اللہ کابلی ایک صدی منصب دار ہو کر جنیر کا حکمران بنایا گیا۔ خواجہ حسن اور سیستانی اور خسرو بیگ اوزبک دونوں امیر صدہ مقرر کیے گئے اور انہیں ہدایت کر دی گئی کہ شہزادوں کو تیر اندازی کی تعلیم دی جائے۔ خلف حسن بصری کو یہ حکم دیا گیا کہ عراقی' خراسانی' ماور النہری' رومی' عربی تین ہزار تیر انداز ہر وقت موجود رہیں۔ بادشاہ نے تمام امراء کو ہدایت کر دی کہ وہ بھی اپنے بچوں کو تیر اندازی کی تعلیم دیں تاکہ یہ فن عام ہو جائے۔

اس کے بعد بادشاہ بیجانگر آیا اور قلعہ کو گھیر لیا اور قیدیوں پر بہت سختیاں کیں۔ دیورائے نے پھر صلح کی درخواست کی بادشاہ نے اس شرط پر صلح منظور کر لی کہ دیورائے اپنے خاصہ کے ہاتھیوں کو بیش بہا تحفہ تحائف کے ساتھ اپنے بیٹے کے ہمراہ بھیجے۔ راجہ نے اپنے خاص ہاتھیوں کو اپنے بیٹے کے ساتھ بھیج دیا۔ بادشاہ اس کے بیٹے سے بغل گیر ہوا بہت عزت و تکریم سے بٹھایا اور خلعت و انعام اور مرصع کمر و خنجر عطا کیا۔ بیس عربی اور ترکی گھوڑے' بیس بدخشی گھوڑے' پانچ ہاتھی' پانچ چیتے' نو شکاری کتے' تین شکاری باز رائے زادہ کو عنایت کیے

گئے اور احمد شاہ خود حسن آباد گلبرگہ روانہ ہوا۔

قحط سالی

اسی سال ملک میں قحط پڑا اور بہت سے انسان' جانور اور پرندے مر گئے- احمد شاہ نے خزانہ شاہی عوام کے لئے کھول دیا اور ایک منڈی آباد کرا دی تاکہ رعایا بھوک سے پریشان نہ ہو- ایک سال پورا اسی بلائے ناگہانی میں گزرا دوسرے سال بھی بارش کا ایک قطرہ نہ گرا- بادشاہ بہت ہراساں اور پریشان ہوا اب اس نے علماء اور مشائخ سے قحط دور ہونے کے لئے دعائیں منگوائیں' رعیت اس کے قدموں کو منحوس سمجھ کر اس سے بہت سرگرداں اور پریشان ہو گئی بادشاہ کو عوام برا بھلا کہنے لگے اس صورت کا اندازہ کر کے بادشاہ بھی بہت غمگین تھا- ایک دن اس نے رنجیدہ ہو کر ایک پہاڑی پر سجدہ میں گر کر دعا کی اسی وقت اس کی دعا قبول ہو گئی اور خوب زور کی بارش ہونے لگی ملک میں خوشحالی پھیل گئی بادشاہ وہیں پہاڑی پر بیٹھا رہا ہرچند لوگوں نے چلنے کو کہا مگر وہ نہ اٹھا اور کہا کہ فیض الٰہی سے بھاگ کر کہاں جاؤں لیکن جب بارش بہت ہوئی اور امراء نے بھی چلنے کی درخواست کی اور کہا کہ "اے احمد شاہ ولی تیری ولایت ہم پر منکشف ہوئی-" اب مخلوق کا خیال کر کے واپس چلیں لہٰذا بادشاہ واپس آیا- اب تک بادشاہ احمد شاہ ولی بہمنی کے نام سے مشہور ہے-

دوسرا معرکہ

۸۱۸ھ میں بادشاہ کو یہ پتہ چلا کہ ورنگل کا راجہ بیجانگر کے راجہ سے کچھ ناراض ہے احمد شاہ نے اس سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ورنگل اور تلنگانہ کے دوسرے شہروں پر قبضہ کرنے کی نیت کی- احمد شاہ تلکنڈہ پہنچا اور خان اعظم کو آس پاس کے دیگر امراء کے ساتھ پہلے ہی روانہ کر دیا- اعظم خاں روانہ ہونے کے ایک مہینہ اور بیس دن بعد تلکنڈہ سے چلا اور ورنگل کے آس پاس پہنچا- راجہ نے بھی اپنا لشکر مرتب کیا اور سوچا کہ ابھی بادشاہ نہیں آیا لہٰذا اپنا کام بنا لے اس نے اعظم خاں سے جنگ کرنا چاہی' لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ راجہ اور اس کے سات ہزار تلنگی سپاہی اسی معرکہ میں ختم ہو گئے جنگ ختم ہوئی تو احمد شاہ بھی ورنگل جا پہنچا- ان خزانوں اور دفینوں پر قبضہ کیا جنہیں راجہ نے بہت حفاظت سے رکھا تھا- سب خزانوں پر بادشاہ کا قبضہ با آسانی ہو گیا- اعظم خاں عبد اللطیف کو بادشاہ نے ایک جڑاؤ ہار' بیس چھوٹے ہاتھی' چار مروارید کی تسبیحیں اور چالیس ہزار نقد دینار دیئے- اس کے بعد اس فاتح اعظم کو دوسرے ملکوں کی مہم پر روانہ کر کے بادشاہ خود ورنگل آ گیا- اعظم خاں نے تین چار ماہ کی مدت میں تمام مشہور ملکوں پر قبضہ کر لیا اور جگہ جگہ تھانے' چوکیاں بنوائیں بعد ازاں اسے تلنگانہ کے ان وارثوں کو تباہ کرنے کے لئے بھیجا گیا جو پوشیدہ تھے' بادشاہ خود گلبرگہ چلا آیا-

قلعہ ماہور پر حملہ

یہ قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر کسی ہندو زمیندار کے قبضہ میں چلا گیا تھا- ۸۱۰ھ میں احمد شاہ نے اس پر قبضہ کیا اگرچہ یہ حملہ بہت خاموشی کے ساتھ کیا گیا مگر پھر بھی کئی ہزار ہندو مع متذکرہ زمیندار کے قتل کیے گئے- بادشاہ نے ہندوؤں کے بیوی بچوں کو قید کر کے سب کو مسلمان کیا- احمد شاہ نے حصار (۲) کلم پر اپنا قبضہ کر لیا اور الماس کی کان جو حاکم گونڈ وارہ کے تحت تھی اس پر بھی قبضہ کیا- بہت سے مندروں کو گروا دیا اور ان کی جگہ مسجدیں بنوائیں وہاں موذن اور قاری مقرر کر کے روشنی کا خاص انتظام کیا- ایلچپور میں ٹھہر کر قلعہ ٥ویل بنوایا اور ترنالہ (۳) کے گرد و نواح کو بھی بنوایا کیونکہ قلعہ کی حالت بہت خراب ہو گئی تھی- امیر تیمور صاحبقران نے خاندیس' مالوہ اور گجرات کو تاجدار دکن کے سپرد کر دیا تھا- وہ ان پر پورا قبضہ کرنے اور آہستہ آہستہ ان شہروں پر قابض ہو کر بیجانگر کو فتح کرنے کی کوشش کرنے لگا- ہوشنگ شاہ جو شاہ آباد کا حاکم تھا اس کو احمد شاہ کی نیت کسی طرح معلوم ہو گئی- اور اس نے قلعہ کھرلہ کے حاکم

مملکت کو بہت بری طرح تباہ و برباد کر دیا اور شہروں اور گاؤں پر قبضہ کر لیا۔ نرسنگھ نے فوج مہیا کرنے کی کوشش شروع کی اس پر ہوشنگ نے اسے تباہ و برباد کرنے کی مزید کوششیں شروع کیں۔

۸۳۲ھ میں راجہ نے ایک عریضہ احمد شاہ کی بارگاہ میں بھیجا اور اس سے کمک مانگی۔ اس نے لکھا کہ ہوشنگ ایک لشکر عظیم کے ساتھ مجھے تاخت و تاراج کرنے کی نیت سے آ رہا ہے میں سلطنت بہمنی کی اطاعت کا جوا اپنے کاندھوں پر رکھ چکا ہوں۔ اسے اتار کر پھینکنا مشکل ہے لہٰذا جب میں آپ کا اطاعت گزار ہوں تو مجھے تباہی اور بربادی سے بچایا جائے۔" بادشاہ نے عریضہ ملتے ہی برار کے حاکم کو فوراً ایک زبردست لشکر کے ساتھ راجہ کی مدد کرنے کا حکم دے دیا اور خاں جہاں کے بعد خود بھی کمک کے لئے روانہ ہوا وہ شکار کھیلتا ہوا ایلچپور پہنچا۔ ہوشنگ ابھی تک اپنے ہی ملک میں تھا۔ احمد شاہ نے اس امر کو اس کی کمزوری پر محمول کیا اور لشکر ہمراہ لے کر کھترلہ کے گرد و نواح میں ٹھہرا۔ ہوشنگ شاہ نے تباہی و بربادی کا بازار گرم کر دیا' اور قلعہ کو گھیر لیا۔ احمد شاہ بھی یہ سن کر کھترلہ پہنچا۔

اس دوران میں ملا عبد الغنی صدر اور نجم الدین مفتی اور دوسرے علماء نے بادشاہ سے کہا کہ آج تک کسی بہمنی حکمران نے کسی مسلمان پر تلوار نہیں اٹھائی۔ لہٰذا بادشاہ کو بھی اپنی تلوار مسلمان کے خون سے نہ آلودہ کرنا چاہیے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ہوشنگ کو صلح نامہ بھیجا کہ میں مسلمانوں کے حق میں تلوار اٹھانا نہیں چاہتا اور راجہ چونکہ بہمنی خاندان کا اطاعت گزار ہے اس لئے اس سے بھی جنگ کرنا مناسب نہیں۔ ہوشنگ شاہ نے اس کو احمد شاہ کی بزدلی پر محمول کرکے بہمنی فوج کا تعاقب شروع کر دیا۔ اب بادشاہ سے برداشت نہ ہو سکا تو اس نے کہا کہ میں علماء دین کی شریعت پر زیادہ نہیں چل سکتا کیونکہ بے غیرت بن کر جینا مشکل ہے اس نے اپنا یہ فیصلہ سنا دیا کہ اب جنگ کرنا ہی ہوگی۔ مسلمانوں کا خون ظاہر ہے کہ ہوشنگ شاہ کی گردن پر ہوگا۔ دوسرے دن بادشاہ نے فوج کو درست کیا اور چار سو جنگی ہاتھی ساتھ لے لیے۔ میمنہ پر خاں جہاں عبد القادر اور میسرہ پر اسمٰعیل فتح خاں کے نواسے عبد اللہ خاں کو مقرر کیا۔ شہزادہ علاؤ الدین کے سر پر چتر سیاہ رکھ کر اس کو لشکر کے بیچ میں رکھا۔ خود دو ہزار سوار لے کر دس جنگلی ہاتھیوں کے ساتھ کمین گاہ میں ٹھہرا۔

ہوشنگ شاہ کو ان حالات کی بالکل خبر نہ تھی وہ ستر ہزار سواروں کو لے کر اسی طرح تعاقب کرنے کے لئے نکلا۔ دکنی فوج سے مقابلہ کرنے پر مجبور ہوا گو کہ مالوہ کی سپاہ جنگ کے لئے بالکل آمادہ نہ تھی پھر بھی مجبوراً ہوشنگ شاہ صف آرا ہوا۔ فریقین میں جنگ شروع ہو گئی بادشاہ کمین گاہ سے نکلا اور دشمن پر حملہ کر دیا۔ ہوشنگ کے سپاہی اس حملہ کی تاب نہ لا سکے اور جنگ سے فرار ہونے لگے' بادشاہ کے لشکری خوب خوب ہوشنگ کی سپاہ اور اسباب و سامان کی غارت گری میں مصروف ہو گئے۔ ہوشنگ شاہ کی بی بی اس کی دو بیٹیاں اور دو سو جنگی ہاتھی پکڑ لئے گئے۔

نرسنگھ کو معلوم ہوا کہ دشمن ہار گیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اور قلعہ سے نکلا۔ بادشاہ نے ہوشنگ شاہ کی بیوی اور بیٹیوں کو باعزت طریقے سے مالوہ بھیج دیا اور راجہ نرسنگھ نے بادشاہ کی بہت شاندار دعوت کی بہت سے تحفہ تحائف دیئے اور احمد شاہ کو کھترلہ لے گیا۔ ایک من الماس اور یاقوت اور سچے موتی پیش کیے امرائے دربار کی بہت خاطر داری کی۔ وہ قصبہ ماہور تک بادشاہ کے ساتھ آیا اور شاہی خلعت و انعامات سے سرفراز ہو کر مع اپنے بیٹوں کے کھترلہ چلا گیا۔ تاریخ مالوہ میں لکھا ہوا ہے کہ احمد شاہ نے کھترلہ پر حملہ کیا تھا اور ہوشنگ نرسنگھ کی درخواست پر اس کی کمک کے لئے آیا تھا حالانکہ انجام وہی ہوا جو اوپر لکھا گیا (واللہ اعلم بالصواب)

لومڑی کی بہادری کا واقعہ

احمد شاہ اس جنگ سے فارغ ہو کر پھر قلعہ بیدر کے قریب پہنچا اور سیر و شکار میں مصروف ہو گیا۔ سیر کرتے ہوئے اس نے ایک وسیع میدان دیکھا جو اپنی خوبصورتی اور قدرتی مناظر کی وجہ سے جنت کا نمونہ معلوم ہو رہا تھا اس جنگل میں بادشاہ کو ایک لومڑی نظر آئی جو شیطان کی خالہ ہوتی ہے چونکہ نہایت تیز طرار تھی وہ اچھلتی پھر رہی تھی اور اپنے کو شکاری کتوں کی زد سے بچا رہی تھی۔ اس جانور کی

ادائیں بادشاہ کو بہت بھلی معلوم ہوئیں۔ اس نے چند شکاری کتوں کو لومڑی کے پیچھے چھوڑا لومڑی نے جب موت کے فرشتوں کو سرہانے کھڑا دیکھا تو راہ فرار اختیار نہ کی بلکہ اس نے کتوں سے جنگ شروع کی اور فوراً اس کے دل میں خیال ہوا کہ جس مقام کے جانور اتنے بہادر اور شیر دل ہیں وہ جگہ کتنی اچھی ہو گی۔ بادشاہ نے اس سرزمین کو اپنا پایہ تخت بنانے کا ارادہ کیا۔ احمد شاہ نے اپنے دل کی بات درباریوں سے کہی۔ سب نے اس خیال کو نہایت مبارک اور نیک فال سمجھا اور کہا کہ ایک الہام غیبی ہے جو نازل ہوا ہے یہ مقام ویسے بھی دکن کا دل ہے۔ لہذا کیوں نہ اسے ہی دار السلطنت بنایا جائے آب و ہوا کے لحاظ سے بھی بہت اچھی جگہ ہے۔

احمد آباد بیدر کی کیفیت

فرشتہ اپنی آنکھوں دیکھا حال لکھتا ہے کہ اس نے سرزمین ہند کے بہترین شہروں کی سیاحت کی ہے مگر لطافت خوبی اور صفائی میں یہ شہر اپنی مثال آپ ہے۔ یہاں کی مٹی بھی شنجرفی ہے برسات میں یہاں غلاظت اور کیچڑ نہیں ہوتا کیونکہ یہاں کی زمین سرخ ہے۔ یہاں پر خواجہ محمود کاواں نے اپنے عہد میں زعفران' امرود اور ہر طرح کے انگور کے درخت لگائے تھے۔ اس وقت اس کا کوئی خاص مالک بھی نہیں تھا۔ لہذا پایہ تخت بنانے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ بادشاہ نے منجم اور جوتشیوں کو بلایا اور نیک ساعت پوچھی ہر ایک نے مناسب جواب دیا۔ نقشہ نویسوں نے بہت اچھا نقشہ کھینچ کر بادشاہ کو دکھایا اور شہر کی بنیاد نیک ساعت میں رکھی گئی۔ ہنرمند اور باسلیقہ معمار اس کو بنانے لگے۔ پھر یہ شہر احمد آباد بیدر کے نام سے مشہور ہوا۔

آج سے پانچ ہزار سال پہلے کی لکھی ہوئی۔ ہندوؤں کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ دکن کے حکمرانوں کا دار السلطنت بیدر تھا اور بیدر کے حکمران کے تحت تلنگانہ اور مرہٹواڑی کا سارا علاقہ تھا۔ رام بھیم سین جو دکن کے حکمرانوں میں سب سے زیادہ منصف مزاج' بہادر اور مشہور تھا وہ بیدر کا حاکم تھا اور راجہ نل بھیم سین کی بیٹی دمن پر غائبانہ عاشق ہو گیا تھا۔ ان کی داستان ہندوستان کی رومانی تاریخ کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ علامہ فیضی نے اکبر شاہ کے زمانہ میں اس قصہ کو فارسی زبان میں نظم کیا تھا اور مثنوی نل دمن کے نام سے اسے موسوم کیا۔

بہمن نامہ کی تصنیف

شیخ آذری اسفرائنی جو بادشاہ کے ساتھ تھا شاہ اور شہر کی تعریف لکھ کر بڑا نام حاصل کر چکا تھا نیز بادشاہ کی نگاہوں میں بھی مقبول ہو چکا تھا۔ اس نے بادشاہ کی اجازت سے بہمن نامہ لکھنا شروع کیا اور سلطان احمد شاہ کے عہد تک کے حالات قلمبند کر چکا تب واپس جانے کی اجازت مانگی۔ احمد شاہ نے کہا کہ حضرت گیسو دراز کے وصال کے بعد جو خلا پیدا ہو گیا تھا اس کو تم نے کسی حد تک پر کر دیا ہے۔ اب اس طرح جدا ہو کر جانے سے مجھے بہت تکلیف ہو گی۔" شیخ آذری نے بادشاہ کو اتنا مہربان اور مخلص پایا تو اپنی اولاد کو بھی یہیں بلا لیا۔ اتفاقاً اسی دوران میں دار الامارت کا محل بن رہا تھا شیخ آذری نے اس کی تعریف میں دو اشعار لکھے۔ ملا شرف الدین مارزندانی نے اس قطعہ کو خوش خط لکھا اور اس کے بعد سنگ تراشوں نے اس کو پتھر پر کندہ کیا اور محل کے دروازہ پر لگا دیا۔

ایک روز بادشاہ کی نظر اس پتھر پر پڑی اس نے پوچھا کہ یہ شعر کس کا ہے سب نے بتایا کہ شیخ آذری نے لکھا ہے اب موقع تھا کہ آذری بادشاہ سے کچھ کہہ سکے اس نے کہا کہ اپنے وطن جانے کا مجھ کو بے حد اشتیاق ہے۔ اگر بادشاہ سفر کی اجازت مرحمت کرے تو بادشاہ کو حج اکبر کا ثواب ملے گا۔" بادشاہ اس بات سے بہت خوش ہوا اور فوراً اجازت دے دی۔ ایک تولہ چاندی کی قیمت کے چالیس ہزار تنگہ دیئے۔ ان عطیات کو دیکھ کر آذری نے کہا کہ آپ ہی کے باربردار ان ہدیوں کو اٹھا کر لے جا سکتے ہیں۔ اس پر بادشاہ نے بیس ہزار تنگہ راستہ کا خرچ اور کرایہ کے تیس بھی عطا کیے' خلعت خاص اور پانچ سو غلام بھی عطا کیے۔ جاتے وقت آذری نے بادشاہ سے وعدہ کیا کہ

بعد کے واقعات ملا نظیری اور وسنائی نیز دیگر شعراء کے لکھے ہوئے ہیں اور دولت بہمنیہ کے تنزل تک کا افسانہ موجود ہے۔ بعض خود غرض شعراء نے اشعار میں تبدیلی کر کے تمام کتاب کو اپنی ہی تصنیف قرار دیا ان اشعار کے داخلی تضاد سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ تمام کتاب ایک ہی شاعر کے غور و فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔

مصنف بہمن نامہ شیخ آذری

چونکہ شیخ کا ذکر بارہا آیا لہٰذا مناسب ہے کہ بہمن نامہ کے مصنف کے کچھ حالات لکھ دیئے جائیں وہ اپنے دور کا بہترین شاعر تھا۔ ایک زمانہ وہ تھا جب شیخ آذری شیخ صدر الدین اور الغ بیگ میرزا کی ملاقات کے لئے مشہد مقدس گئے۔ مرزا نے شیخ صدر الدین سے پوچھا کہ تمہارا تخلص "رواس" سین سے ہے یا ثے (ث) سے ہے۔ شیخ نے جواباً کہا کہ میں وہ رواص ہوں جس کا املا "ص" سے ہے۔ اس پر میرزا نے کہا کہ تم وہ نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ لفظ "ص" سے کلام عرب میں منقول نہیں اس کے بعد شیخ آذری سے بھی میرزا الغ بیگ نے سوال کیا کہ تم نے آذری تخلص کس مناسبت سے رکھا ہے۔ اس پر شیخ آذری نے کہا کہ چونکہ میری پیدائش آذر کے مہینہ میں ہوئی اس لئے میرا تخلص یہ ہے۔ میرزا نے کہا کہ تم شاعر پیشہ نہیں ہو جس آذر کا تم نے ذکر کیا ہے۔ اس کے پہلے حرف پر ضمہ ہے نہ کہ فتح شیخ نے چھوٹتے ہی جواب دیا کہ ماہ آذر کی "ذال" عرصہ دراز تک ذلت و خواری میں رہی اس لئے اس کی کمر دوہری ہو گئی' لیکن اب اس کو ادراک و شعور حاصل ہوا ہے اور وہ سیدھی ہو گئی ہے۔

میرزا الغ بیگ شیخ کے جواب سے بہت مطمئن اور خوش ہوا اور اس کو اپنے مقربین خاص میں شامل کر لیا اور انعامات و اکرامات سے نوازا۔ شیخ کو بڑھاپے میں تصوف سے بہت لگاؤ ہو گیا تھا وہ اسفرائن سے حجاز چلے گئے تھے۔ حج اکبر اور زیارت آستانہ رسول صلعم کے بعد ہندوستان آئے اور یہاں احمد شاہ کے دربار سے منسلک ہو گئے۔ بادشاہ ان سے بہت خوش رہا زندگی بھر ان کا شیدا رہا اور انہیں ملک الشعراء کا خطاب بھی دیا۔ عرصہ دراز کے بعد وطن کی محبت نے شیخ کو ستایا' شہزادہ علاؤ الدین کی کوششوں سے پھر اسفرائن واپس چلے گئے۔ انہوں نے دکن کے عطیات سے بہت سی خانقاہیں بنوائیں اور ساری زندگی عبادت خداوندی میں گزار کر ۸۶۶ھ میں راہی ملک عدم ہوئے۔

شہزادہ علاؤ الدین کا جشن عروسی

احمد شاہ نے بہت دور اندیشی سے کام لے کر مالوہ کے حکمرانوں کے مشورے کے بالکل خلاف ارادہ کیا کہ اسیر کے حکمران کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی کرے یہ سوچ کر اس نے اپنے ایک رشتہ دار عزیز خاں کو نصیر خاں کے دربار میں بھیجا۔ نصیر خاں مالوہ سے ہمیشہ ہی ڈرتا رہتا تھا اور اپنی مملکت خاندیس کی طرف سے ہمیشہ غیر مطمئن رہا کرتا تھا۔ لہٰذا اس نے اس پیغام کو نعمت خداوندی تصور کیا اور جشن شادی بڑی دھوم دھام سے منعقد کر کے بیٹی کو احمد آباد بیدر روانہ کر دیا۔ دلھن کو شہر سے باہر ایک باغ میں ٹھہرایا گیا اور مسلسل دو مہینہ تک جشن عیش و عشرت منایا جاتا رہا۔ نجومیوں' جوشیوں کی بتائی ہوئی نیک ساعت میں دلھن کو دولھا کے سپرد کیا گیا۔ اس جشن عیش و طرب کے ختم ہونے کے بعد پھر بادشاہ نے ایک اور مجلس منعقد کی اور ساری مملکت کو اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا۔

تقسیم مملکت

رام گر (۴) اور ماہور' کلم' برار کے بہت سے حصے شاہزادہ محمود خان کو دے دیئے گئے اور داؤد خاں کو تلنگانہ کا ملک عطا ہوا۔ کہ وہ اس پر حکمرانی کرے اور پرانے امراء کے ایک گروہ کو شہزادہ کے ساتھ کر دیا گیا۔ شہزادہ علاؤ الدین جو کہ سب سے بڑا بیٹا تھا احمد شاہ نے اس کو اپنا جانشین بنایا۔ اور سب سے چھوٹے بیٹے محمد خان کو بڑے بھائی کا مددگار بنایا اور دونوں کو آپس میں متفق رہنے کی نصیحت کی۔ بادشاہ نے اس کام کو نہایت اہم طریقہ سے اور عاقبت اندیشی سے انجام دیا۔

احمد شاہ نے خلف حسن بصری کو دو دو ہزاری منصب دار بنایا- اسے دولت آباد کا سپہ سالار بنایا اور حکم دیا کہ کوکن کے حصے کو باغیوں سے بالکل پاک کرائے- کوکن دریائے عمال کے پاس ہے بادشاہ کا حکم تھا کہ اس مملکت کے جو راجہ اپنی حدود سے آگے بڑھ کر سر اٹھائیں ان کا سر کچل دیا جائے- خلف حسن بصری نے شاہی فرامین کی بجنبہٖ تعمیل کی اور ان سرکشوں اور فتنوں کو ختم کر کے ملک میں پر امن فضا قائم کر دی- بادشاہ حسن بصری کی اس خدمت سے بہت خوش ہوا اور اس کو خلعت خاص' کمر بند اور شمشیر مرصع سے نوازا- اتنی عنایات اس سے پہلے یا بعد میں بھی کسی شاہی ملازم پر نہ کی گئی تھیں- حسن بصری نے اپنا اعتماد قائم کرانے اور اعتقاد شاہی کو ظاہر کرنے کے لئے جزیرہ مہائم (۵) جو گجرات کے فرمانرواؤں کے قبضے میں تھا' فتح کیا- احمد شاہ گجراتی نے یہ خبر سن کر اپنے بیٹے ظفر خاں کو جزیرہ واپس لینے کے لئے روانہ کیا- ادھر شہزادہ علاؤ الدین بھی حسن بصری کی اعانت کے لئے آیا- دونوں شہزادوں کو خلیج پار کرنے کی ہمت نہ ہوئی- جو جزیرہ مہائم کے درمیان واقع تھی-

شہزادہ علاؤ الدین کوکن کی خراب آب و ہوا سے بیمار پڑ گیا اور واپس چلا گیا- اب شہزادہ ظفر کو موقع مل گیا وہ حسن بصری سے معرکہ آرا ہوا- دو ہزار نوجوان گتھم گتھا ہو کر جنگ کی نذر ہو گئے- حسین بن حسن جو کہ حسن بصری کا بھائی تھا گجراتیوں کے ہاتھوں قید ہو گیا اور دکنیوں کو بہت بری طرح شکست نصیب ہوئی- سارا مال اسباب گجراتیوں کو مل گیا- تاریخ محمد شاہی میں لکھا ہوا ہے کہ شہزادہ علاؤ الدین نے بھی خوب ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا' لیکن ان لوگوں کو شکست ہوئی- اب احمد شاہ بہمنی نے تمام حالات کا اندازہ کیا اور چل کھڑا ہوا' دونوں حکمران عرصہ تک باہم دارو گیر میں مبتلا رہے' مگر کسی کو ایک دوسرے پر سبقت نہ مل سکی- یہاں تک کہ علماء اور مشائخ نے دونوں فریقین کو سمجھایا اور اس طرح آتش غیظ و غضب ٹھنڈی ہو گئی اور کہا کہ اپنی اپنی مملکت پر اکتفا کریں- طمع اور لالچ کی ضرورت نہیں-

قلعہ تنبولہ کا محاصرہ

تاریخ الفی میں لکھا ہے کہ احمد شاہ بہمنی ہمیشہ گجراتیوں کی بیخ کنی میں لگا رہتا تھا- جزیرہ مہائم کی شکست کی فکر اس کو ہر وقت رہتی تھی- ۸۳۵ھ میں فاتح گجرات کا بیٹا محمود خان ندربار میں آ کر ٹھہرا- احمد شاہ نے اس وقت سے فائدہ اٹھانا چاہا اور خود بھی اس علاقے میں بہت جلد روانہ ہو گیا- احمد شاہ گجراتی بھی اسی طرف روانہ ہوا اس وجہ سے دکنیوں نے واپس جانا ہی بہتر سمجھا اور چار منزل تک جا کر واپس لوٹ آئے- گجراتی بھی واپس آ کر دریائے تاپی کے کنارے ٹھہر گئے جاسوسوں نے آ کر خبر دیدی کہ دکنیوں نے آ کر قلعہ تنبولہ کو گھیر لیا ہے- گجرات کے لوگ بھی اسی طرف بڑھے اور دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابلہ میں معرکہ آرا ہو گئے- صبح سے شام تک جنگ ہوتی رہی جب رات سر پر آ گئی تو دونوں حاکم اپنے اپنے ملک واپس چلے گئے-

دوسرے تاریخ دانوں نے تنبولہ کے محاصرہ کو دوسری طرح بیان کیا ہے- فرشتہ نے تفصیلات میں جانے سے بہتر یہ تصور کیا کہ مختصراً بیان کر دیا جائے- اسی دوران میں احمد آباد بیدر کا قلعہ جو چونے اور پتھر سے بن رہا تھا وہ مکمل ہو گیا- اسی سال احمد شاہ نے اپنے بھانجے شیر خاں کو جس نے بعض مورخین کے خیال میں سلطان فیروز شاہ کا گلا گھونٹا تھا کسی جرم کی بنا پر تہہ تیغ کرا دیا-

ہوشنگ شاہ کا فتنہ

۸۳۵ھ میں ہوشنگ شاہ مالوی نے دکن کے لوگوں اور گجراتیوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھایا اور نرسنگھ کے ملک پر حملہ کیا' نرسنگھ معرکہ میں کام آیا- کھرلہ کی مملکت ہوشنگ کو مل گئی سلطان احمد شاہ اس کی طرف بڑھا مگر نصیر خاں نے دونوں کے بیچ میں آ کر صلح کرا دی اور بڑی گفت و شنید کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ کھرلہ پر ہوشنگ شاہ اور برار پر احمد شاہ بہمنی کا قبضہ و تصرف رہے- اس عہد و پیماں پر بہت سی قسمیں لسانی کھائی [illegible] اور اپنے اپنے ملکوں کو واپس چلے گئے-

سلطان احمد شاہ کا عزم تلنگانہ

اسی دوران میں سلطان احمد شاہ نے تلنگانہ کے سفر پر کمر بلند کی اور بہت سے زمیندار جو شہزادہ داؤد سے پرخاش رکھتے تھے ان کو تہ تیغ کیا اور اپنے ملک واپس آ گیا۔ احمد آباد بیدر سے ایک منزل پر حضرت ناصر الدین کربلائی کو (جن کی صورت میں احمد شاہ نے آنحضرت صلعم کو خواب میں دیکھا تھا) پانچ ہزار تنکہ (چاندی کے) مصارف خاص کے لئے عطا فرمائے اور بیس ہزار تنکے دوسرے کربلائی سادات کے لئے عطا کیے۔ ناصر الدین اسی روز ایک ایسی جگہ سے گزرے جہاں شیر خاں ملک بیٹھا ہوا تھا۔ سید نے چاہا کہ اسی طرح سوار اس کے آگے سے گزر جائیں۔ سید کی یہ ادا شیر ملک کو ایک آنکھ نہ بھائی اور اس نے کہا کہ سید کو گھوڑے سے اتار لیا جائے۔ سید ناصر الدین کو طیش آ گیا اور انہوں نے بادشاہ سے شیر ملک کی بے ادبی کی شکایت کر دی۔ بادشاہ نے ناصر الدین سے کہا کہ اس معاملہ کے فیصلہ کو خدا اور رسول پر چھوڑ دیا۔ ایک دن احمد شاہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ شیر ملک دربار میں حاضر ہوا۔ احمد شاہ کو اس کی وہ بے ادبی یاد آ گئی جو سید کربلائی کے ساتھ کی تھی اور اس نے شیر ملک کو ایک ہاتھی کے نیچے ڈال کر مروا دیا۔

سلطان احمد شاہ بہمنی کی وفات

بارہ سال دو ماہ حکومت کرنے کے بعد ۸۳۸ھ میں دکن کا یہ تاجدار اور بہمنی خاندان کا نامی فرمانروا انتقال کر گیا۔ وہ ہمیشہ ارا کین دولت اور مقربین خاص سے بہت اچھی طرح پیش آتا تھا۔ اور درویشوں سے بہت خلوص برتتا تھا اور ہر وقت ان کی خدمت کرتا رہتا تھا۔

شاہ نعمت اللہ ولی

اس کے زمانہ میں شاہ نعمت اللہ ولی اور ان کی کرامات کی بہت دھوم تھی۔ بادشاہ نے شیخ حبیب اللہ جنیدی کے ذریعہ جو شاہ نعمت اللہ کے مریدین خاص میں شمار کیے جاتے تھے۔ میر شمس الدین قمی کے ہمراہ بہت سے ہدیے اور تحفے دے کر کرمان روانہ کیا تاکہ یہ بحیثیت وکیل سلطان شاہ نعمت اللہ سے ملاقات کریں۔ انہوں نے تحفہ تحائف کی بہت قدر کی اور ایک سبز تاج بارہ گوشوں کا بنوا کر صندوق میں بند کر کے ملا قطب الدین کے سپرد کر دیا اور کہا کہ یہ بادشاہ کی امانت ہے۔ احمد شاہ نے قطب الدین کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو وہی فقیر ہیں جن کو میں نے سلطان فیروز شاہ سے معرکہ آرائی کے زمانہ میں خواب میں دیکھا تھا کہ ایک سبز تاج عنایت کر رہے ہیں۔ حالانکہ آج تک میں نے اس خواب کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ اس پر حضرت قطب الدین آگے بڑھے اور کہا کہ فلاں تاریخ سے لے کر اس وقت تک تمہاری یہ امانت میرے پاس موجود تھی، مگر افسوس کہ اسے آپ تک پہنچانے کا موقع نہیں ملا۔ اب شیخ حبیب اللہ کے آنے سے سلسلہ شروع ہوا۔ اس لئے واجب ہے کہ آپ کو یہ امانت پہنچا دوں۔

سلطان احمد شاہ کا بیان ہے کہ اس پر تاج اور بزرگ کو دیکھ کر رقت طاری ہو گئی اور دل میں شک و شبہ کرنے لگا۔ مگر پھر بزرگ نے یقین دلایا کہ فلاں درخت کے نیچے میں نے خواب میں یہ تاج دیا تھا۔ پھر صندوق کھولا۔ تاج دکھایا اور خط بھی دیا اس عریضہ میں شاہ نعمت اللہ ولی نے شہاب الدین احمد شاہ کو ولی کے نام سے یاد فرمایا تھا۔ اب احمد شاہ فرامین اور حکم ناموں میں ولی کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اسی سال سلطان احمد شاہ نے خواجہ عماد الدین سمنانی اور سیف اللہ حسن آبادی کو بھی شاہ نعمت اللہ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا اور ان سے یہ التماس کی کہ وہ اپنے کسی بیٹے کو دکن روانہ فرمائیں۔ لیکن حضرت کو اپنے بیٹے شاہ خلیل اللہ کی جدائی گوارا نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ ان کے اکلوتے بیٹے تھے۔ لہٰذا اپنے پوتے میر نور اللہ بن شاہ خلیل اللہ کو دکن بھیج دیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی اور اس نے میر ابوالقاسم جرجانی کے ذریعہ خاصہ کی پالکی روانہ کر دی۔

میر نور اللہ جب بیدر کے گرد و نواح میں پہنچے تو بادشاہ مع اپنے تمام فرزندوں کے آیا۔ اور بہت عزت و تعظیم سے ان کا استقبال کیا۔ جس جگہ بادشاہ اور سید صاحب میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہاں ایک مسجد بنائی گئی اور اس جگہ کا نام نعمت آباد رکھا گیا۔ میر نور اللہ کو اس زمانہ

کے تمام علماء و فضلاء پر فوقیت دی گئی۔ حتیٰ کہ حضرت گیسو دراز کی اولاد سے بھی بڑھ کر ان کا رتبہ سمجھا گیا۔ ان کو ملک المشائخ کا لقب بھ
ملا۔ احمد شاہ نے میر نور اللہ کو اپنا داماد بنایا۔

۸۳۴ھ میں حضرت نعمت اللہ ولی کا ماہان میں وصال ہوا۔ دوسرے مخدوم زادوں حبیب اللہ شاہ، محب اللہ شاہ وغیرہ کے ہمراہ شاہ خلیل
اللہ بھی دکن تشریف لائے شاہ حبیب اللہ کی شادی احمد شاہ کی بیٹی سے ہوئی اور شاہ محب اللہ کا عقد علاؤ الدین کی بیٹی سے ہوا۔ شاہ خلیل
اللہ کو بے حد دولت و عزت دے کر ہندوستان سے رخصت کیا گیا۔ بعض تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ شاہ صاحب ہندوستان ہی میں فو
ہوئے۔ بہرکیف اس خاندان سے قرابت کی وجہ سے شاہ خلیل اللہ کی اولاد دنیا میں سرسبز ہوئی۔ شاہ حبیب اللہ امراء کے گروہ میں شامل
کر قصبہ بیر کے جاگیردار مقرر ہو گئے۔ شاہ محب اللہ نے کئی مرتبہ ہندوؤں سے جہاد کیا۔ اس لیے احمد شاہ نے انھیں خطابات سے سرفر
فرمایا۔

ایک وفادار کتا

احمد شاہ کے زمانہ حکومت میں ایک شخص کے پاس ایک نہایت ہی وفادار کتا تھا۔ ایک بار اس آدمی کو روپیہ کی سخت ضرورت پڑ
اس نے ایک آدمی کے پاس کتا گروی رکھ کر قرض لیا۔ وہ شخص کتے کو لے کر قصبہ گنجوئی کی طرف چلا راستہ میں اس کا ایک دشمن ملا
اس کو تلوار سے زخمی کر کے آگے بڑھ گیا۔ کتے سے اپنے مالک کے یہ زخم دیکھے نہ گئے اس نے دوڑ کر حریف پر حملہ کیا اور اس کے تلو
کے وار بچا بچا کر اس کو ختم کر دیا۔ اس کے بعد کتا اپنے مالک کے پاس آیا اس کا مالک زندہ تھا کسی صورت سے کتا اور اس کا مالک پاس
گاؤں میں گئے لوگوں نے اس کی مرہم پٹی کی مگر کچھ روز بعد اس آدمی کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے زخم مندمل نہ ہوں گے اور وہ زندہ نہ
سکے گا لہٰذا اس نے ایک پرچہ کتے کے مالک کے نام لکھا کہ میں اپنی خوشی سے کتا تمہارے پاس روانہ کر رہا ہوں تم اس کو رکھ لو مجھ
روپیوں کی بھی ضرورت نہیں اس کتے کو ہزار دوستوں سے بڑھ کر سمجھو۔

کتا جب اپنے مالک کے پاس پہنچا تو مالک کو غصہ آ گیا اور وہ بولا کہ تو نے لوگوں میں میرا اعتماد کھو دیا بھاگ کر کیوں چلا آیا یہ کہہ کر
جوتے سے بہت زور سے مارا کتا وہیں گر کر مر گیا اس کے بعد مالک نے جب گردن سے نکال کر پرچہ پڑھا تو بہت صدمہ ہوا اس کی موت
پر اظہار موت کیا اس نے قرض کے روپیہ نیز کچھ اپنے پاس سے بھی پیسے خرچ کر کے شہر کے باہر اس کتے کا مدفن بنایا اور اس کی قبر پر
ایک گنبد بنوا دیا جو آج تک اسی صورت میں موجود ہے۔

حوالہ جات

(۱) یہ چھوٹی عمارت کاشتکاروں کا "باڑہ" تھی جسے کسانوں نے شہر سے بہت دور جنگل میں آرام کرنے کے لئے بنایا تھا۔

(۲) جنوب مشرقی برار میں ایک مشہور تاریخی قلعہ ہے لیکن اب ایک چھوٹا سا گاؤں رہ گیا ہے۔

(۳) ترنالہ غلط ہے نرنالہ ہونا چاہئے برار کے شمال میں ایک مشہور اور مستحکم قلعہ تھا اکولا کے ضلع میں ہے اور ویران ہے مسلمان
بادشاہوں کی قدیم یادگاریں موجود ہیں۔

(۴) رام گیر زیادہ صحیح ہے جنوب مشرقی برار کا ایک ضلع تھا۔

(۵) بمبئی کے تقریباً ۵۰ میل شمال ساحل پر واقع ہے۔ مہائم مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں مشہور شہر تھا۔

سلطان علاؤ الدین بن احمد شاہ بہمنی

تخت نشینی

باپ کی وصیت کے مطابق علاؤ الدین نے تخت حکومت پر جلوس فرمایا اور اپنے بھائی محمد خاں کا بہت خیال کیا اس کو جاگیریں، گھوڑے، ہاتھی وغیرہ عنایت کیے، دلاور خاں افغان جو اس خاندان کا بہت مشہور وکیل تھا شاہی وکیل بنایا گیا۔ اور خواجہ جہاں استر آبادی وزیر کل مقرر ہوئے بادشاہ نے خواجہ جہاں کو انتظام سلطنت میں بہت اختیارات دے رکھے تھے۔ عماد الملک غوری جو بہمنی خاندان کا وفادار غلام تھا اس کو امیر الامراء بنایا اس کو شہزادہ محمد اور خواجہ جہاں کے ساتھ بیجانگر کے ہندوؤں کی بغاوت اور سرکشی کو دور کرنے کے لیے روانہ کر دیا۔

انتظام سلطنت

علاؤ الدین نے ان ہندوؤں کی سرکوبی کے لیے جنہوں نے تقریباً پانچ سال سے خراج نہیں ادا کیا تھا شہزادہ محمد خاں کو بھیجا۔ یہ لوگ کترلہ کی لڑائی میں مصروف تھے بیجانگر کا راجہ اس فوج کے آنے سے بہت گھبرا گیا اور اس نے بیس ہاتھی، آٹھ لاکھ ہون دو سو رقاصہ لونڈیاں اور دیگر تحفے شہزادہ محمد خاں کی خدمت میں بھیجے۔ شہزادہ واپس چلا آیا اور اس کے بعد مدکل کے گرد و نواح میں پہنچا۔ یہاں دکن کے کمینہ اور کینہ پرور لوگوں نے اس کو سکھایا کہ جب سلطان مرحوم نے تم کو حکومت میں برابر کا شریک کیا ہے تو بہتر ہے کہ تم کسی دو باتوں میں سے ایک کا فیصلہ اپنے حق میں سلطان علاؤ الدین سے کرا لو یا تو وہ تمہیں اپنے پہلو بہ پہلو تخت شاہی پر بٹھا کر حکومت کے کاروبار میں تمہاری بھی رائے لے۔ یا پھر سلطنت کے دو حصہ کر کے ایک تمہارے سپرد کر دے۔ شہزادہ ان فریبی لوگوں کی باتوں میں آ گیا اور اپنے بھائی سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہوا۔ اس نے عماد الملک غوری اور خواجہ جہاں کو اپنا ہم خیال بنانا چاہا۔ ان دونوں امراء نے شہزادہ کی رائے کی مخالفت کی اور اسی جرم میں انہیں شہزادہ نے موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے بعد وہ بیجانگر سے فوج مہیا کرنے لگا۔

شہزادے نے بہت جلد فوج جمع کر لی اور مدکل، رائچور، شولا پور اور نلدرک پر اپنا قبضہ کر لیا۔ سلطان علاؤ الدین غوری کے قتل سے بہت دل برداشتہ ہو گیا اور کہا کہ اس نے ہمارے آباؤ اجداد کی خدمت کی تھی اس کا خون رنگ لا کر رہے گا۔ بادشاہ لشکر درست کر کے بھائی کے مقابلہ پر روانہ ہوا۔ دونوں میں خونریز جنگ ہوئی اور آخر کار فتح علاؤ الدین کے ہاتھ رہی اور محمد خاں چند ساتھیوں کے ساتھ جنگلوں میں فرار ہو گیا۔ بادشاہ بیدر واپس آیا اور فتنہ پرداز لوگوں کے قصور معاف کر دیئے نیز بھائی کو بہت دلاسا اور پیار سے بلایا ادھر داؤد خاں فوت ہو گیا لہٰذا اس کو تلنگانہ کا حکمران بنا کر بھیج دیا۔ پھر زندگی بھر شہزادہ محمد خاں نے کبھی بھائی کی مخالفت نہ کی اور عیش عشرت کی زندگی گزار کر وہیں تلنگانہ میں انتقال کیا۔

راجگان کوکن کی سرزنش

۸۴۰ھ میں بادشاہ نے دلاور خاں کو خلعت شاہانہ عطا کیا اور ملک کی سب سے باغی جماعت یعنی کوکن کے راجاؤں کی تنبیہہ کے لیے روانہ کر دیا۔ راہیل اور سنگیشر کے راجاؤں نے اپنا سر تسلیم خم کرنے میں قطعی پس و پیش نہ کیا اور خراج ادا کرنے پر راضی ہو گئے۔ دلاور خاں نے سنگیشر کی بیٹی جو بہت خوبصورت تھی اسے بادشاہ کے لیے منتخب کیا اور "زیبا چہرہ" کا خطاب دیا۔ ان دونوں کے عشق و محبت کی داستان سارے ملک میں شہرت پا گئی لیکن آخر کار دلاور خاں پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے رشوت بہت لے لی ہے اسی لیے کوکن کے

راجہ اس سے خوش ہیں اور وہ قلعہ فتح کرنے میں ٹال مٹول کر رہا ہے۔ اس پر بادشاہ ناراض ہوا دلاور خاں نے نہایت عاجزی کے ساتھ عہدۂ وکالت چھوڑ دیا اور نجات حاصل کر کے ایک گوشہ عافیت میں بیٹھ رہا۔

اب وکالت کا عہدہ ایک خواجہ سرا دستور الملک کو دیا گیا مگر تھوڑے ہی دنوں میں ہر ایک اس کی شکایتیں کرنے لگا بادشاہ ان باتوں کو لوگوں کے حسد اور خود غرضی پر محمول کرتا اور ذرا توجہ نہ دیتا دستور الملک کا اعزاز بڑھتا ہی گیا۔

ایک بار شہزادہ ہمایوں (فرزند اکبر علاؤالدین) نے اس سے کسی کام کے لیے کہا اس نے جواب دیا کہ وہ تین دن بعد ہو جائے گا جب دو تین دن گزر گئے تو شہزادے نے پوچھا کہ وہ ہوا یا نہیں اس پر دستور الملک نے جواب دیا اس قسم کے معاملات مجھ سے متعلق ہیں شہزادے کو ان معاملات میں پڑنے کا کیا حق۔" شہزادہ بہت غصہ ور اور جابر تھا اس نے سلاحدار سے کہہ دیا کہ جب دیوان خانے سے باہر دستور الملک نکلے تو اس کی گردن اڑا دی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا سلاحدار خود بھی اس سے بہت پریشان تھا فوراً عرض حال کا بہانہ کر کے اس کے پاس گیا اور ایک ہی وار میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس پر شور و غل ہوا دستور الملک کے ملازموں نے اسے گھیر لیا علاؤالدین نے تحقیق کے لیے بیٹے کو بھیجا بیٹے نے باہر سے آ کر کہا کہ ایک نمک خوار اور وفادار سلاحدار کو دستور الملک نے گالی دی تھی اس نے غصہ میں آ کر قتل کر دیا چونکہ علاؤ الدین خود بہت نیک دل تھا کبھی قتل نہ کرتا تھا لہٰذا اس نے شہزادے کی بات کو حقیقت پر محمول کر کے سلاحدار کو نظربند کرا دیا اور میاں من اللہ دکنی کو یہ عہدہ دے دیا گیا یہ فیروز شاہی عہد کا بہت دانش مند آدمی ہے۔

برار کی فتح کا ارادہ

۸۴۱ھ میں بادشاہ کی بیگم ملکہ جہاں نے اپنے باپ سے بادشاہ کی بے رخی اور "زیبا چہرہ" کا ذکر کیا اس شکایت پر نصیر خاں، علاؤ الدین سے بہت ناراض ہوا اور احمد شاہ گجراتی کی رائے پر عمل کرتے ہوئے برار کے امراء کے پاس پوشیدہ طور پر خطوط بھیجے اور ان سے اعانت کی درخواست کی۔ ان امراء نے یہ سوچا کہ چونکہ نصیر الدین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں لہٰذا اگر ہم ان کے ساتھ ہو کر جنگ کریں تو شہید یا غازی کہلائیں گے۔ لہٰذا انہوں نے جواب میں نہایت عقیدت مندانہ خطوط نصیر خاں کو لکھے۔ نصیر خاں بلا تامل راجہ کونڈ واڑہ کی طرف سے آئی ہوئی فوج کو لے کر برار کی طرف چلا۔ یہاں کے نمک حرام اور باغی امراء نے چاہا کہ برار کے لشکر کے سردار خواجہ جہاں کو قید کر لیں اور نصیر الدین خاں کے پاس بھیج دیں۔ خواجہ جہاں کو ان کی سازش کا پتہ چل گیا اور وہ وہاں سے بھاگ کر فوراً قلعہ ترنالہ میں روپوش ہو گیا۔ اس نے تمام حالات اور امراء کی نصیر خاں سے ساز باز کی اطلاع بادشاہ کو دی اور یہ بتایا کہ برار میں نصیر خاں کا خطبہ و سکہ جاری ہو گیا ہے نیز دشمنوں نے قلعہ ترنالہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ سلطان علاؤ الدین نے فوراً اپنی مجلس مشاورت کا اجلاس طلب کیا اور سب سے اس معاملے میں گفتگو کی۔ دکنی اور حبشی امراء نے باتفاق رائے یہ کہا کہ مہم کا انجام پانا خود بادشاہ کی توجہ پر منحصر ہے کیونکہ جب ہم اس ملک پر حملہ کریں گے تو گجرات، مندو اور کونڈوارہ کے حاکم، نصیر خاں کی مدد کے لئے تیار ہو جائیں گے۔ یہ سن کر بادشاہ کو ان کے باہمی نفاق کا اندازہ ہو گیا لہٰذا اس نے خلف حسن بصری، ملک التجار اور دولت آباد کے سر لشکر کو اس مہم کے لئے نامزد کیا۔ خلف حسن بصری نے اس خدمت کو قبول کیا اور شاہی بارگاہ میں عرض کیا۔ ہم فرمانبرداروں کو حکم شاہی سے سرمو تجاوز کرنے کی بھی ہمت نہیں ہے، لیکن اس امر سے سب لوگ بخوبی واقف ہیں کہ مہمات کی شکست کی اصل وجہ دکنی اور حبشی امراء کا رشک و حسد ہے یہ لوگ پسند نہیں کرتے کہ ہمارے بھائیوں یعنی غریبوں کے ہاتھوں کوئی اچھا کام انجام کو پہنچے۔ اگر حضور مغل امراء کو خاصہ کے ہمراہ میرے ساتھ روانہ فرمائیں اور کسی دکنی اور حبشی امیر کو میرے ساتھ نہ کریں تو خداوند تعالیٰ کی مدد اور حضور کے اقبال سے یہ امید ہے کہ کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔"

لئے بہتر یہی ہے کہ غریبوں کے گروہ کو پہلے بطور مقدمہ کے روانہ کیا جائے اگر ان لوگوں سے کام بن پڑا تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ان کے پیچھے پیچھے خود بادشاہ کو بھی روانہ ہونا چاہیے۔ سلطان علاؤ الدین نے لشکر خاصہ کے تین ہزار (۳۰۰۰) مغل تیر اندازوں کو خلف حسن بصری کے ہمراہ روانہ کیا۔ نیز بعض عربی امراء کو بھی' جن میں کچھ سلطان فیروز شاہ کے اور کچھ احمد شاہ بہمنی کے تربیت یافتہ تھے' اس خدمت کے لئے نامزد کیا۔ خلف حسن بصری ان تمام لوگوں کے ساتھ دولت آباد آیا۔ اس علاقے کے تمام دکنی اور حبشی امراء سرحدوں' خاص طور پر گجرات اور مندو کی سرحدوں پر متعین کرکے' سات ہزار عربوں کے ہمراہ' بڑی شان و شوکت سے برار کی طرف روانہ ہوا۔ موقع پا کر خاں جہاں بھی قلعہ ترنالہ سے نکلا اور خلف حسن بصری کے استقبال کے لئے روانہ ہوا۔

روہتی نگر پر قبضہ

ہنکر نامی قصبے میں خاں جہاں اور خلف حسن بصری کی ملاقات ہوئی۔ حسن نے ان دکنی اور حبشی لشکریوں کو' جو خاں جہاں کے ساتھ تھے' ایلچپور اور مالاپور کی طرف روانہ کیا اور خود پرگنہ روہتی نگر (جہاں نصیر خاں کی لشکر گاہ تھی) کی طرف چل پڑا۔ روہتی نگر کے گھاٹ پر خاندیس والوں سے معرکہ آرائی ہوئی' جس میں غریبوں کو فتح ہوئی۔ نصیر خاں نے اس شکست کو اپنے حق میں بدشگونی تصور کیا اور روہتینگر سے فوراً روانہ ہو گیا اور برہان پور جا پہنچا۔ وہاں اس نے لشکر کی فراہمی کا کام بڑے زور و شور سے شروع کیا۔ الغرض اس طرح خلف حسن بصری نے روہتینگر پر قبضہ کر لیا بعد ازاں برہان پور پر حملہ آور ہوا۔ نصیر خاں نے حملے کی تاب نہ لا کر قلعہ تلنگ میں پناہ لی۔ خلف حسن بصری نے دشمن کی فوج کو پوری طرح تباہ و برباد کیا اور اس شہر کے دولتمندوں سے دولت حاصل کی۔

قلعہ تلنگ پر حملہ

اس کے بعد خلف حسن بصری' خاندیس کو تباہ و برباد کرنے اور لوٹنے کے لئے آگے بڑھا اس کام کو اس نے بحسن و خوبی سرانجام دیا پھر برہان پور میں واپس آیا۔ یہاں اس نے تمام شاہی عمارات کو نذر آتش کر دیا اور دکن واپس جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔ ایک روز جب کہ رات کا ایک حصہ گزر چکا تھا اس نے دفعتاً قلعہ تلنگ پر حملہ کر دیا اور چار ہزار سواروں کے ساتھ اس علاقے میں پہنچ گیا۔ نصیر خاں دشمن کی کمی اور پریشان حالی کے خیال کو ذہن میں رکھتے ہوئے بارہ ہزار سواروں اور ان گنت پیادوں کے ہمراہ معرکہ آرائی کے لئے آگے بڑھا۔ قلعے سے دو کوس کے فاصلے پر فریقین میں جنگ ہوئی خاندیس والوں کو شکست ہوئی اور نصیر خاں کے بہت سے معتبر امراء اور برار کے باغی مارے گئے۔

انعام و اکرام کی بارش

خلف حسن بصری ستر ہاتھیوں اور ایک بہت بڑے توپ خانے کو ساتھ لے کر' کامیاب و کامران احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہوا۔ قدر شناس بادشاہ نے شہزادہ ہمایوں اور ارکین سلطنت کو خلف حسن کے استقبال کے لئے چار کوس کے فاصلے تک روانہ کیا۔ بادشاہ نے خلف حسن کو چند زنجیر ہاتھی' خلعت' شمشیر اور مرصع کمر بند عنایت کیا اور دولت آباد واپس جانے کا حکم دیا۔ علاؤ الدین نے دیگر غریبوں کے منصبوں میں بھی خاطر خواہ اضافہ کیا اور انہیں انعامات سے نوازا۔ شاہ قلی نے اس معرکے میں بڑی دلیری دکھائی تھی۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی کو اس سے بیاہ دیا۔ بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ سواری کے وقت اس کی دائیں طرف غریب بیٹھیں اور بائیں طرف حبشی اور دکنی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دکنیوں اور غریبوں (غیر دکنیوں) میں دشمنی پیدا ہو گئی جو آج تک چلی آ رہی ہے۔

اسی زمانے میں بیجانگر کے حاکم دیو رائے نے اپنے ارکین دولت اور برہمنوں کو طلب کیا اور ان سے کہا "ہمارا ملک یعنی کرناٹک طول و عرض کے لحاظ سے دکن سے بڑا ہے ہمارا لشکر ان سے کئی گنا زیادہ ہے' ہماری آمدنی بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب کبھی جنگ ہوتی ہے تو فتح ان ... [illegible]

کتابوں میں درج ہے کہ تیس ہزار سال تک کے لئے خدا نے مسلمانوں کو ہم ہندوؤں پر غالب کیا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمان اکثر اوقات ہم کو مغلوب کر لیتے ہیں۔" راجہ کے بعض مقربین نے یہ رائے ظاہر کی کہ "مسلمانوں کی فتح کے دو اسباب ہیں اول یہ کہ ان کے گھوڑے بہت طاقتور اور بڑے ہوتے ہیں اس کے برعکس ہمارے گھوڑے چھوٹے اور کمزور ہوتے ہیں" دوسرا سبب یہ ہے کہ دکنیوں کے لشکر میں تیر اندازوں کی کثرت ہے لیکن ہمارے پاس تیر انداز کم ہیں۔" یہ سن کر راجہ نے حکم دیا "مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ ملازمتیں دی جائیں ان سے بہت اچھا برتاؤ کیا جائے۔"

دیو رائے کے لشکر میں اضافہ

راجہ نے بیجانگر میں بہت سی مسجدیں بنوائیں اور مسلمانوں کو ہر طرح کی آزادی دی، ہندوؤں کو یہ حکم دیا کہ وہ مسلمانوں سے تیر اندازی کا فن سیکھیں۔ راجہ کے پاس اس وقت دو لاکھ سوار اور اسی ہزار پیادے موجود تھے۔ راجہ کے امراء نے یہ طے کیا کہ مزید ستر ہزار سواروں اور تین لاکھ پیادوں کو ملازم رکھا جائے اور ایسی تدبیر کی جائے کہ لشکریوں کی تنخواہ میں اضافہ کر دیا جائے۔ تاکہ وہ اچھے گھوڑے اور بہتر ساز و سامان رکھ سکیں۔ حکومت کے کارپردازوں نے اس تجویز کے پیش نظر دس ہزار مسلمان سوار اور ساٹھ ہزار ہندو سوار جو سب کے سب ماہر تیر انداز تھے فراہم کیے۔ اس کے علاوہ تین لاکھ پیادے بھی بھرتی کیے اور دیو رائے کی خدمت میں ملاحظے کے لئے پیش کیے۔

ممالک بہمنیہ پر دیو رائے کا حملہ

لشکر میں اس عظیم الشان اضافے کے بعد دیو رائے نے سلاطین بہمنیہ کے ممالک پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ ۸۴۷ھ میں اس نے بڑے اہتمام کے ساتھ بہمنی علاقوں پر حملہ کیا سلطان علاؤ الدین نے مقابلہ کیا کئی مقامات پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں جنگ ہوئی آخر کار سلطان اور دیو رائے میں صلح ہو گئی۔

نظام حکومت

مورخین کا بیان ہے کہ سلطان علاؤ الدین نے اپنی حکمرانی کے زمانے میں ایک بہت عمدہ اور اعلیٰ درجے کا شفا خانہ تعمیر کروایا تھا اور اس کے اخراجات کے لئے چند دیہات وقف کر دیئے تھے۔ ان دیہاتوں کی آمدنی سے بیماروں کی دوا اور غذا کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ہندو اور مسلمان طبیبوں کی تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں اور اسی نوعیت کے دوسرے کام انجام پاتے تھے۔ بادشاہ نے سارے ملک میں قاضی، امین اور حق شناس محتسب مقرر کیے۔ اگرچہ وہ بادہ خواری کا عادی تھا لیکن اس نے سارے ملک میں منادی کرا دی کہ ہر شخص شراب اور جوئے وغیرہ سے پرہیز کرے (بادشاہ کو مفت خوروں سے بہت نفرت تھی) اس نے فقیروں اور بھک منگوں کے گلے میں لوہے کا طوق ڈالا اور انہیں غلاظت صاف کرنے، مٹی اٹھانے اور دوسرے محنت طلب کاموں میں لگایا۔ اس طریقے کار سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اس قسم کے لوگ محنت مزدوری کی وجہ سے گداگری کا پیشہ چھوڑ دیں۔ یا بہمنی حکومت کی حدود سے نکل کر کہیں اور چلے جائیں۔

اگر کوئی شاہی قواعد و ضوابط کی خلاف ورزی کرتا اور شراب پیتا تو اسے سخت سزا دی جاتی ایسے شخص کے حلق میں سیسہ گلا کر ڈالا جاتا اس سلسلے میں کسی شخص سے خواہ اس کا مرتبہ کچھ ہی ہو کسی قسم کی رعایت نہ کی جاتی تھی۔ علاؤ الدین نے اپنے زمانے میں ملک کی رعایا کا اس طور سے خیال رکھا کہ اس عہد میں فریدوں اور نوشیرواں کے قصوں کو افسانہ سمجھا جانے لگا۔ علاؤ الدین ہمیشہ جمعہ اور عید کے موقعہ پر مسجد میں حاضر ہوتا اور منبر کے قریب بیٹھ کر وعظ سنتا۔ وہ خدا کے بندوں کو تکلیف پہنچانے اور بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کو قطعاً پسند نہ کرتا تھا اس نے نئی مندروں کو مسمار کروایا اور بہت سی نئی مسجدیں تعمیر کروائیں۔ علاؤ الدین کا یہ دستور تھا کہ وہ عیسائیوں

عیش پرستی

جب علاؤ الدین شاہ بیجانگر کے ہنگامے سے واپس ہوا تو عیش و عشرت اور لہو ولعب نے اس پر غلبہ حاصل کر لیا اس کے نتیجے میں حکومت کا تمام انتظام نااہل درباریوں کے ہاتھ آ گیا بادشاہ نے اپنے محل میں ایک ہزار خوبصورت ترین عورتیں جمع کیں اور دریائے نعمت آباد کے کنارے ایک عظیم الشان باغ لگوایا- اسی باغ میں اس نے بزم مے و ساقی آراستہ کی عیش و عشرت کے اس زمانے میں لوگوں کو چار یا پانچ مہینے میں صرف ایک مرتبہ سلام عام کی اجازت ہوتی تھی اس اثنا میں دکنیوں کو ہر طرح کا اقتدار حاصل ہو گیا اور میاں من اللہ دکنی مستقل شاہی وکیل بن گیا-

خلف حسن بصری کی مہمات

اسی زمانے میں بادشاہ کو یہ خیال آیا کہ دریا کے کناروں کے ملکوں کو فتح کیا جائے اس نے خلف حسن بصری کو اس مہم کے لیے روانہ کیا اور تین ہزار عرب سوار اور سات ہزار دکنی سوار اس کے ہمراہ کر دیئے- خلف حسن بصری نے جالنہ کے قصبہ کو جو جنیر کے علاقے کے قریب واقع ہے اپنی قیام گاہ بنایا- اور وہاں ایک قلعہ تعمیر کیا یہاں سے وہ اپنے لشکر کے ذریعہ آس پاس کے راجاؤں کو مغلوب کرنے لگا یہاں تک کہ موت نے اسے آواز دی اور وہ خود لشکر لے کر روانہ ہوا- حسن بصری نے سرکہ نامی ایک راجہ کے قلعے کو بڑی محنت اور جگر سوزی سے فتح کیا اور راجہ سرکہ کے سامنے دو باتیں رکھیں یا تو وہ مسلمان ہو جائے یا اپنا سر بادشاہ کی نذر کرے- اس نے حسن بصری سے کہا- "میں اور حوالئی کندھانہ کا حکمران راجہ سنگمیر دونوں ہی ہم مرتبہ اور ہم حیثیت ہیں اگر میں مذہب اسلام قبول کر لوں گا تو وہ اپنی موجودہ حالت ہی پر قائم رہے گا جب آپ واپس چلے جائیں گے تو وہ مجھ پر طعن و تشنیع کر کے میرے رشتہ داروں اور عزیزوں کو مجھ سے برگشتہ کر دے گا اور میرے سارے ملک پر قبضہ کر لے گا اگر آپ تھوڑی سی زحمت گوارا کریں اور وہاں کے علاقے کو فتح کر کے میری حکمرانی میں دے دیں یا اپنے کسی امیر کو اس علاقے کا حکمران بنا دیں تو میں بڑی خوشی سے مشرف بہ اسلام ہو کر بادشاہ کا اطاعت گزار ہو جاؤں گا-" میں ہر سال (ایک خاص حد تک) مال و دولت شاہی خزانے میں داخل کرتا رہوں گا اور اگر اس کے بعد اس علاقے میں کوئی شورش یا ہنگامہ اٹھا تو آپ مجھ سے جواب طلب کیجئے گا-"

حسن بصری کی عاقبت نااندیشی

خلف حسن بصری نے یہ سن کر یہ جواب دیا کہ "مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہاں جانے کا راستہ بہت ہی خراب دشوار گزار اور تنگ و تاریک ہے-" سرکہ نے کہا- "میں خود آپ کا مقدمتہ الجیش بن کر آگے آگے چلوں گا مجھے یقین ہے کہ آپ کے کسی سوار کو کبھی کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچے گا اور بڑے اطمینان کے ساتھ آپ اپنا مقصد حاصل کر لیں گے چونکہ حسن بصری کی موت قریب آ چکی تھی اس لیے اس نے دشمن کا اعتبار کر لیا اور ۸۵۰ھ میں اس طرف روانہ ہوا-

ایک خطرناک جنگل

حبشیوں اور دکنیوں کی بیشتر تعداد نے حسن بصری کا ساتھ نہ دیا اور وہ خود ہی سرکہ کے ساتھ روانہ ہوا سرکہ کی راہنمائی میں دو روز تک تو بڑا اچھا سفر رہا اہل لشکر صاف اور کھلے ہوئے راستوں سے گزرتے رہے اس وجہ سے لشکری سرکہ سے بہت خوش ہوئے لیکن تیسرے روز سرکہ لشکر کو ایک ایسے راستے پر لے آیا کہ جو بہت ہی تنگ و تاریک اور خوفناک تھا بے حد خراب راستہ' سپاہیوں نے بصد مشکل طے کیا اور ایک ایسے جنگل میں پہنچے جہاں درختوں اور جھاڑیوں وغیرہ کی اس قدر کثرت تھی کہ وہاں ہوا مشکل ہی سے گزر سکتی تھی- اس جنگل میں تین اطراف عظیم الشان اونچے اونچے پہاڑ تھے اور ایک طرف خلیج تھی جو جنگل کے کناروں تک پھیلی ہوئی تھی پہاڑوں میں جو درے اور غار تھے وہ ایسے مہیب تھے کہ ان کی تہہ کا بالکل پتہ نہ چلتا تھا-

خلف حسن بصری کے لشکر کی پریشانی

لشکر جس راہ سے جنگل میں داخل ہوا تھا اس کے علاوہ کوئی اور راہ نظر نہ آتی تھی۔ خلف حسن بصری ان دنوں خونی اسہال کے مرض میں مبتلا تھا اسے دن اور رات میں چالیس بار حاجت کے لیے اپنے بستر سے اٹھنا پڑتا تھا۔ اس نے بہت کوشش کی کہ اہل لشکر ترتیب اور قاعدے کے ساتھ ایک دوسرے کے قریب رہیں لیکن اس سلسلے میں اس کی ایک نہ چلی۔ اس کے دو سبب تھے اول یہ کہ صبح سے لے کر شام تک سفر کرنے کے بعد سپاہی اس قدر تھک جاتے تھے کہ کچھ ہوش نہ رہتا تھا اور جس کو جہاں جگہ ملتی تھی وہیں شب باشی کا انتظام کر لیتا تھا دوسرے یہ کہ جنگل میں کہیں بھی اتنی وسعت نہ تھی کہ دو خیمے ایک دوسرے کے آمنے سامنے لگا کر رات کو آرام کیا جا سکے اس صورت حال میں اہل لشکر کی پریشانی و بدحواسی دیکھنے کے قابل تھی۔

لشکر کی تباہی

سرکہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جنگل میں غائب ہو گیا اس نے رائے سنگیسر کو کہلوا بھیجا۔ "میں تمہارے لیے ایک ایسا عمدہ شکار لایا ہوں کہ تم جس کا کبھی تصور بھی نہیں کر سکتے اب تم جو کچھ کر سکتے ہو کرو۔" رائے سنگیسر نے تین ہزار توپچیوں، کمانداروں اور خنجر بازوں کا ایک زبردست لشکر جمع کیا اور خلف حسن بصری کے لشکر کی تباہی کے لیے چل پڑا آدھی رات گزرنے کے بعد یہ لوگ غاروں اور دروں کے راستے سے جنگل میں داخل ہوئے اور سات آٹھ ہزار مسلمانوں کو بکریوں کی طرح ذبح کر دیا اس وقت ہوا اس زور سے چل رہی تھی کہ اس کے شور سے مسلمان مظلوموں کی آوازیں اور چیخیں ایک دوسرے کو سنائی نہ دیتی تھیں تاریکی اس قدر تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔

خلف حسن بصری کا قتل

جب رائے سنگیسر کا لشکر مسلمانوں کی فوج کو قتل کر چکا تو یہ ظالم خلف حسن بصری کی طرف بڑھے اور اسے مع پانچ سو کربلائی نجفی اور مدنی سادات حسنی کے شہید کر دیا۔ قصہ مختصر یہ کہ مسلمانوں کے لشکر کے باقی ماندہ افراد بڑی مشکلوں اور دقتوں کے ساتھ اس خوفناک جنگل سے باہر نکلے اور ان دکنی امیروں سے جا کر مل گئے جنہوں نے خلف حسن بصری سے منافقانہ سلوک کیا تھا اور اس کا ساتھ نہ دیا تھا۔

مغل لشکر کا ارادہ

دکنی امیروں نے ان پریشان حال سپاہیوں سے کہا کہ اس وقت تمہاری حالت بہت خراب ہو رہی ہے لہٰذا تم لوگ اپنی جاگیروں پر واپس جا کر اپنا سامان وغیرہ درست کر کے جلد از جلد یہاں واپس چلے آؤ۔ دکنی اور حبشی سپاہی یہ مشورہ سن کر اسی وقت اپنے ملک کو واپس چلے گئے لیکن مغل سپاہیوں نے کہا۔ "ہماری جاگیر یہاں سے بہت دور ہے اس لیے شاہی حکم کے بغیر ہم یہاں سے سفر نہیں کر سکتے ہمارا ارادہ یہ ہے کہ جاکنہ کے قصبہ میں خلف حسن بصری کی قیام گاہ پر جائیں اور وہاں قیام پذیر ہو کر کسی سے روپیہ قرض لیں اور اس طرح اپنا سامان درست کر کے یہاں واپس آئیں۔" دکنی امیروں نے اس ارادے کی تائید کی اور مغل سپاہی جاکنہ کی طرف روانہ ہوئے چند نئے فہم مغل لشکریوں نے یہ کہا کہ خلف حسن بصری اور دیگر سادات کی شہادت کا سبب انہیں دکنی امیروں کے نفاق کا نتیجہ ہے ہم قصبہ جاکنہ جا کر بادشاہ کی خدمت میں یہ عریضہ گزاریں گے اور اسے اصل حقیقت سے آگاہ کریں گے۔"

دکنی امراء کی عیاری

دکنی امیروں کو جب مغل سپاہیوں کے اس ارادے کی اطلاع ملی تو وہ بڑے گھبرائے اور اپنے انجام سے لرزنے لگے انہوں نے عیاری سے کام لے کر پہل کی اور بادشاہ کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا۔ "خلف حسن بصری کی شہادت خود اس کی غلطی کا نتیجہ ہے اس

داخل ہو گیا ہم سلطنت کے جانثاروں نے اگرچہ ہزار طرح سے اسے سمجھانے کی کوشش کی اور اس سفر کی مصیبتوں سے آگاہ کیا، مگر اس کی آنکھوں پر ایسے پردے پڑے کہ اس نے ہماری کوئی بات نہ مانی اس پر اور اس کے لشکر پر جو گزری ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔"

خلف حسن بصری کی شہادت کے بعد ہم جاں نثاروں نے اگرچہ مغل امیروں' سیدوں اور خاصہ خیل سے بہت کہا کہ نمک حلالی کا یہ تقاضا ہے کہ ہم بادشاہ سے کوئی دوسرا سردار طلب کریں اور آپس میں مل کر سرکہ اور سنگیسر سے بدلہ لیں لیکن انہوں نے ہماری بات نہیں مانی بلکہ جواب میں ہمیں گالیاں دیں اور برا بھلا کہا وہ ہم سے ناراض ہو کر جاکنہ کے قصبے میں چلے گئے ہیں۔ اب ان لوگوں کا یہ ارادہ ہے کہ جاکنہ میں قیام پذیر ہو کر کوکن کے راجوں سے گٹھ جوڑ کر کے ملک میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کریں۔"

دکنی امراء نے یہ خط مشیر الملک دکنی کے پاس بھجوا دیا وہ ان دنوں مغلوں کا بہت بڑا دشمن تھا اور بادشاہ کے مزاج میں اسے بڑا دخل تھا مشیر الملک نے یہ خط اس وقت بادشاہ کے سامنے پیش کیا جب وہ شراب کے نشے میں تھا مشیر الملک نے خلف حسن بصری اور دوسرے لوگوں کے واقعات کچھ اس انداز میں بیان کیے کہ بادشاہ کا مزاج بگڑ کر رہ گیا اور اسے جھوٹ اور سچ میں بالکل تمیز نہ رہی۔ علاؤ الدین نے مشیر الملک دکنی اور نظام الملک دکنی کو جو غریبوں کی جان کے دشمن ہو رہے تھے اور ان کے غلبے سے بے حد ناراض تھے حکم دیا کہ جاکنہ کے امیروں کو قتل کر دیا جائے۔

سادات کے قتل کا حکم

مشیر الملک دکنی اور نظام الملک دکنی بادشاہ کا حکم پا کر سادات کا خون بہانے کے لیے روانہ ہو گئے عرب و عجم کے سیدوں نے کیا' امیر اور کیا غریب' سبھی نے یہ داستان سنی اور وہ جاکنہ کے قلعہ میں جا کر پناہ گزین ہو گئے انہوں نے اپنے قصبے کے تحفظ اور قلعے کے استحکام کی طرف پوری پوری توجہ کی انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں پورے خلوص کے ساتھ اصل واقعہ بیان کیا گیا تھا راستے میں یہ خط مشیر الملک کے ہاتھ لگ گیا اور اس نے اسے احمد آباد بیدر نہ جانے دیا بلکہ پھاڑ کر پھینک دیا۔ بیچارے سادات کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے دو اور خط لکھے یہ خطوط اپنے ہم قوموں کے ہاتھ بھجوانا مشکل تھا اس لیے انہوں نے دو ہندوستانیوں کی خدمات حاصل کیں اور دونوں کو الگ الگ راستوں سے احمد آباد بیدر کی طرف روانہ کیا۔

افسوس کہ ان ہندوستانیوں نے دشمنی سے کام لیا اور دونوں خطوط مشیر الملک کے حوالے کر دیے۔ مشیر الملک نے ان دونوں کو گھوڑے' خلعت اور روپیہ وغیرہ انعام میں دے کر خوش کیا اور خطوں کو پہلے کی طرح پھاڑ کر پھینک دیا ان حالات کو دیکھ کر سیدوں کی جماعت اپنے جد اعلیٰ حضرت حسین ؓ کی طرح اپنے انجام سے مایوس ہو کر خداوند تعالیٰ کی مرضی پر صابر ہو گئی۔ ان لوگوں نے حسب ضرورت غلہ اور دیگر سامان جمع کیا اور دشمن کی مدافعت کی تیاریاں کرنے لگے جب مشیر الملک کو یہ اطلاع ملی تو اس نے دکنی امراء کو جو کوکن میں قیام پذیر تھے اور سارے فساد کے بانی تھے اپنے پاس طلب کیا اور ان کی مدد حاصل کی نیز چتر اور اس کے قرب و جوار کے ان گنت سپاہیوں کو جمع کر کے جاکنہ پر حملہ کر دیا اس نے قلعے کا محاصرہ کر کے اہل قلعہ پر ظلم ڈھانے شروع کر دیئے۔

تقریباً دو ماہ تک فریقین میں لڑائی ہوتی رہی اس دوران میں دکنیوں کے خطوط متواتر بادشاہ کے پاس پہنچتے رہے ان خطوط میں یہ لکھا ہوا تھا کہ "ان لوگوں کے سروں سے بغاوت اور سرکشی کا سودا ابھی تک نہیں گیا اور پہلے کی طرح ابھی تک اپنے ارادوں پر قائم ہیں۔ ان لوگوں نے سلطان گجرات سے مدد مانگی ہے اور اب یہ چاہتے ہیں کہ اس قصبے کو سلطان گجرات کے حوالے کر دیں۔" علاؤ الدین کے درباری دکنی امراء مناسب اوقات میں ان خطوط کو بادشاہ کے ملاحظے کے لیے پیش کرتے رہتے اور بادشاہ ان کے جواب میں عام طور پر اس مضمون کے فرمان بھجوایا کرتا کہ ان باغیوں کی تباہی اور ان کے قتل کے لیے ہر ممکن کوشش کرو انہیں ایسی عبرتناک سزائیں دو کہ دوسروں کو سبق حاصل ہو۔"

اگر کبھی کبھاری محنت اور کوشش کر کے سادات غریب اپنا کوئی خط بیدر پہنچا دیتے تو اہل دکن وہ خط حاصل کر لیتے تھے اور واپس نہیں کرتے تھے اور یہ جواب دیتے تھے کہ ہم تمہارے خطوں کو بادشاہ تک پہنچا دیتے ہیں بادشاہ چونکہ تم لوگوں سے بہت ناراض ہے اس لیے وہ ان خطوں کا کوئی جواب نہیں دیتا۔ ان غریبوں نے جب اپنے خطوں کو اس طرح "لاجواب" پایا نیز یہ دیکھ کر کہ غلہ اور دیگر سامان بہت کم رہ گیا ہے تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ بیوی بچوں کو معتبر لوگوں کی نگرانی میں قلعے کے اندر چھوڑ کر احمد آباد بیدر کا رخ کیا جائے اور وہاں پہنچ کر بادشاہ کو اصل حالات سے آگاہ کیا جائے۔

اہل دکن کی عیاری

دکنیوں کو غریبوں کے اس ارادے کی جب خبر ہوئی تو انہوں نے آپس میں مشورے شروع کئے نظام الملک اور مشیر الملک نے دوسرے دکنی امراء کے ساتھ مل کر سوچا کہ اگر دشمن قلعہ سے نکل کر روانہ ہوا اور اس کا پیچھا کیا گیا تو اس وقت اس کو تباہ و برباد نہ کیا جا سکے گا جب تک ہم اپنے لشکر کی ایک کثیر تعداد کی قربانی نہ دے لیں (ظاہر ہے کہ یہ سودا بڑا مہنگا تھا) اس لیے دکنی امیروں نے غریبوں کو دھوکہ دینے کی سوچی اور اہل قلعہ کو یہ پیغام دیا۔ "ہم لوگ خاصۂ خاصان رسل صلعم کے امتی ہیں اور مذہب اسلام کے نام لیوا ہیں ہمیں تمہارے بیوی بچوں پر جو زیادہ ترسید ہیں رحم آیا ہے اس لیے ہم لوگوں نے بادشاہ سے تمہارے لیے معافی نامہ جاری کرنے کی گذارش کی ہے بادشاہ نے ہماری درخواست قبول فرمالی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو کسی قسم کا مالی اور جانی نقصان نہ پہنچایا جائے۔ اور تم جس علاقے میں جانا چاہو اس کی تمہیں اجازت دے دی جائے۔" ان دکنی امراء نے اپنی بات کی تصدیق کے لیے شاہی فرمان بھی اہل قلعہ کو دکھایا مشیر الملک اور نظام الملک دونوں نے خدا اور اس کے رسول کی قسمیں کھا کر اہل قلعہ کو یہ یقین دلایا کہ انہیں قطعاً کسی قسم کا نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔"

سادات کی دعوت

غریبوں نے اہل دکن کی باتوں کا اعتبار کیا اور ان کے دام فریب میں آ گئے وہ سب تعداد میں ڈھائی ہزار تھے ان میں بارہ سو صحیح النسب سید تھے یہ سب لوگ اپنے بیوی بچوں اور مال و اسباب وغیرہ کے ساتھ قلعے سے باہر نکلے چونکہ ان لوگوں کے پاس بار برداری اور سواری کے لیے جانور نہ تھے اس لیے ان کا انتظام کرنے کے لیے وہ قلعے کے قریب ہی مقیم ہو گئے۔ مشیر الملک اور نظام الملک قلعے کے اندر داخل ہو گئے یہ دکنی امیر تین روز تک اپنے وعدے پر قائم رہے اور اہل قلعہ کو ان لوگوں نے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ چوتھے روز اہل دکن نے غریبوں کے سرداروں کو دعوت پر مدعو کیا غریبوں کے مشہور افراد اور سردار جن میں قاسم بیگ صف شکن، قراجہان گرد اور احمد بیگ یکہ بازان میں شامل نہیں تھے قلعہ میں دعوت میں شریک ہوئے ان سب غریبوں کی تعداد تین سو تھی۔

قتل و غارت گری

سب سادات قلعے میں کھانا کھانے لگے دکنیوں کا ایک گروہ گھات میں چھپا بیٹھا تھا نظام الملک اور مشیر الملک کے اشارے سے یہ لوگ ہاتھوں میں خنجر اور تلواریں لیے ہوئے نکلے اور بیچارے سیدوں اور غریبوں پر ٹوٹ پڑے۔ چار ہزار دکنی سپاہی جنہیں ہنگامے کے لیے متعین کیا گیا تھا، موقع پا کر غریبوں کے خیموں کی طرف چلے گئے اور ان میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا ان ظالموں کی آنکھوں میں ایسا خون اترا ہوا تھا کہ انہوں نے ایک سال کے شیر خوار بچے سے لے کر سو سال تک کے بوڑھے کو ایک ہی بے رحمی کے ساتھ قتل کیا۔ اہل دکن کے ہاتھوں تقریباً پانچ یا چھ ہزار مغل اور بارہ سو سید قتل ہوئے۔ اہل دکن نے مقتولوں کے بال بچوں کو اس بری طرح قتل کیا کہ کربلا کے واقعے کی یاد ایک بار پھر تازہ ہو گئی۔ حیرت ہے کہ اہل دکن جو اپنے آپ کو رسول صلعم کی امت کہتے تھے انہوں

باقی ماندہ لوگوں کی روانگی

قاسم بیگ صف شکن قراجہاں گرد اور احمد بیگ یکہ بازان مظلوموں سے کہ جنہیں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا ایک کوس کے فاصلے پر مقیم تھے انہیں اس المناک سانحے کی خبر ملی ان لوگوں نے خود جبے پہن لیے اور اپنی مستورات کو مردانہ لباس پہنا کر احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہوئے۔ مشیر الملک اور نظام الملک کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے دو ہزار سواروں کا لشکر داؤد خاں کی نگرانی میں ان لوگوں کے پیچھے روانہ کیا اور رعایا اور تمام جاگیرداروں کو لکھا۔ "یہ سب لوگ بڑے عیار اور نمک حرام ہیں۔ اگرچہ یہ بادشاہ کی اطاعت و فرمانبرداری کا دم بھرتے ہیں لیکن ان کی باتوں کا کچھ اعتبار نہیں جس طرح بھی ہو سکے ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کے گھوڑے اور مال و اسباب کو لوٹ لیا جائے۔ مختصراً یہ کہ ان لوگوں کو کہیں آرام نہ لینے دیا جائے۔

قاسم بیگ صف شکن دوسرے امراء اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ حیران و بدحواس چلے جا رہے تھے راستہ میں جس جگہ بھی اہل دکن ان کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے یہ بہادر لوگ بڑی جان بازی سے ان کا مقابلہ کرتے اور تیروں کی بوچھاڑ کر کے ان کو بھگا دیتے رات کے وقت یہ لوگ جنگل میں قیام کرتے تھے جب یہ لوگ شہر کے قریب پہنچے تو راستے میں داؤد خاں نے ان سے چھیڑ خانی کی اور بیٹر کے جاگیر دار حسن خاں کو خط لکھا کہ یہ سب لوگ نمک حرام ہیں جس طرح بھی ہو سکے تم ان لوگوں کو اس طرف سے بھگا دو اور قتل کر دو۔" ہم ان سب کو تباہ و برباد کر کے ان کے سروں کو بادشاہی بارگاہ میں پیش کریں گے۔"

حسن خاں کی نیک دلی

حسن خاں جاگیر دار بیٹر اور قاسم بیگ صف شکن میں اچھی خاصی شناسائی تھی قاسم نے بیجانگر کی ایک لڑائی میں حسن کو دشمن کے چنگل سے چھٹکارا دلایا تھا حسن کو اس وقت قاسم کا یہ احسان یاد آ گیا اس نے جواب دیا "یہ لوگ اگر نمک حرام اور باغی ہوتے تو اس وقت یہاں نہ ہوتے بلکہ بہت پہلے ہی گجرات کی سرحد پر جو یہاں سے تین دن کے فاصلے پر واقع ہے پہنچ گئے تھے۔" داؤد خاں کو حسن خاں کی مدد سے مایوسی ہو گئی اس کا تمام بقیہ لشکر بھی اس سے آ ملا اور داؤد خاں نے تقریباً ڈھائی ہزار سواروں کا ایک لشکر تیار کیا قاسم بیگ صف شکن سے لڑائی شروع کر دی قاسم بیگ اور اس کے ساتھی بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو کر میدان جنگ میں آ پہنچے۔

داؤد خاں کا قتل

اتفاق کی بات کہ لڑائی کے میدان میں ایک ساتھ دو تیر داؤد خاں کے جسم میں پیوست ہو گئے اور وہ وہیں مر گیا۔ دکنیوں نے جب یہ عالم دیکھا تو انہوں نے اپنے دشمن کی تباہی و بربادی سے کہیں زیادہ قوت و طاقت اور زور و شور کا مظاہرہ کیا اور غریبوں کو حواس باختہ کر دیا۔ اسی اثنا میں حسن خاں اپنے لشکر کو ساتھ لے کر میدان جنگ میں آ پہنچا غریبوں نے یہ سمجھا کہ ایک نئی مصیبت آ پہنچی ان لوگوں میں حسن خاں کی فوج کا ایک سپاہی اچانک آ پہنچا اور اس نے کہا تم لوگ ثابت قدمی سے میدان جنگ میں ڈٹے رہو ہم تمہاری مدد کے لیے آئے ہیں۔ یہ سن کر قاسم بیگ اور اس کے ساتھیوں کی جان میں جان آئی۔

غریبوں کی بادشاہ سے ملاقات

تھوڑی دیر بعد حسن خان میدان جنگ میں وارد ہو کر غریبوں کا ساتھ دینے لگا اور دکنیوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔ اہل دکن نے جب یہ عالم دیکھا تو وہ داؤد خاں کی خاک و خون میں لتھڑی ہوئی لاش کو اٹھا کر جاکنہ کے قصبے کی طرف چلے گئے۔ قاسم بیگ نے قصبہ بیٹر کے باہر قیام کیا اس نے حسن خاں سے مشورہ کرنے کے بعد ایک عریضہ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ بادشاہ تک یہ عریضہ پہنچا اور اسے اصل حالات سے آگاہی ہوئی اس نے قاسم بیگ کو اپنے حضور میں طلب کیا۔ غریبوں کی پوری جماعت حسب الحکم بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئی۔ سلطان علاؤ الدین کے سامنے تمام حالات بیان کیے گئے۔ بادشاہ نے اسی وقت ... مصطفیٰ خاں ... کر قتل کا فرمان جاری

کر دیا اور حکم دیا کہ اس کی لاش کو شہر کے تمام گلی کوچوں میں پھرایا جائے۔ مصطفیٰ خاں کا جرم یہ تھا کہ اس نے اب تک غریبوں کے تمام خطوط چھپائے رکھے تھے اور بادشاہ تک نہ پہنچائے تھے۔

سلطان علاؤ الدین نے قاسم بیگ صف شکن کو خلف حسن بصری کی جگہ سرلشکر دولت آباد اور خیبر مقرر کیا۔ قراجہاں گرد اور احمد بیگ یکہ تاز کو یک ہزاری منصب داری میں شامل کر کے ان کی عزت افزائی کی۔ بادشاہ نے غریبوں کے حال پر بہت توجہ کی اور ان میں سے بیشتر کو صاحب اختیار بنایا۔ مشیر الملک دکنی اور غوری کے مکانوں کو بحکم سرکار ضبط کر لیا گیا اور یہ دونوں امیر دوسرے بہت سے مفسدوں کے ساتھ گرفتار کر لئے گئے۔ شاہی حکم کے مطابق ان سب بدکرداروں کو طوق و زنجیر پہنا کر پایہ تخت میں لایا گیا جن لوگوں نے غریبوں پر جھوٹے الزامات لگائے تھے اور شروع میں بادشاہ کی خدمت میں جھوٹے عریضے روانہ کئے اور فکر و فریب کا جال بچھایا تھا۔ ان کو بڑی بری طرح موت کے گھاٹ اتارا گیا ان کے اہل و عیال کو دانے دانے کا محتاج کر دیا۔ "طبقات محمود شاہی" میں بیان کیا گیا ہے کہ مشیر الملک اور اس کا ساتھی غوری دونوں ہی اسی سال برص کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور ان کی اولاد تباہ و برباد ہو گئی۔

شیخ آذری کا نصیحت نامہ

شیخ آذری بادشاہ کا مرشد تھا اور شہزادگی کے زمانے میں اس کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا۔ ۸۵۵ھ میں شیخ کا ایک طویل خط بادشاہ کے نام آیا جس میں اس نے بادشاہ کو متعدد نصیحتیں کی تھیں بادشاہ یہ خط پڑھ کر بہت ہی متاثر ہوا اور اس نے بادہ نوشی ترک کر دی۔ علاؤ الدین نے دکنیوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو جو غریبوں پر ظلم ڈھانے کی وجہ سے قید و بند کی مصیبتیں جھیل رہا تھا موت کے گھاٹ اتار دیا۔ شیخ آذری کو اپنے ہاتھ سے اس کے خط کا جواب لکھا اور ایک بہت بڑی رقم اس کے لیے خراسان روانہ کی۔ اس کے بعد علاؤ الدین نے اپنے باپ عظیم الشان سلطان احمد شاہ بہمنی کی طرح تمام امور سلطنت کو بذات خود انجام دینا شروع کر دیا اور دکنیوں کو دربار اور محل کی بڑی بڑی اور ذمہ دار خدمتوں سے علیحدہ کر دیا۔

علاؤ الدین کی بیماری اور ملکی حالات کی پراگندگی

۸۵۷ھ میں علاؤ الدین کی پنڈلی پر ایک زخم آ گیا اس نے بہت علاج معالجہ کیا لیکن کسی طرح آرام نہ آیا اس روگ کی وجہ سے بادشاہ کا گھر سے نکلنا تقریباً ختم ہو گیا۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ اس کی موت کی افواہیں ملک میں گشت کرنے لگتی تھیں نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطان احمد شاہ بہمنی کا داماد جلال خاں جو سید جلال بخاری کی اولاد میں سے تھا اور تلنگانہ کی سرکار میں نلگنڈہ کا جاگیردار تھا اس علاقے کے قرب و جوار کے بیشتر حصوں پر قابض ہو گیا جلال خاں نے اپنے بیٹے سکندر خاں کو جو احمد شاہ بہمنی کا نواسہ تھا لشکر اور دیگر سامان سے آراستہ کر کے اس ملک کا حاکم بنا دیا۔

سکندر خاں کی بغاوت

اس زمانے میں خان اعظم کا انتقال ہو چکا تھا اس لیے تلنگانہ میں کوئی صاحب اقتدار اور بااثر امیر باقی نہ رہا تھا ان حالات میں تلنگانہ کے تمام امراء سکندر خاں کے ساتھ مل گئے اور یہ طے کیا کہ اسے اس علاقے کا حاکم تسلیم کر لیں۔ سلطان علاؤ الدین نے باوجود بیماری کے لشکر کو طلبی کا حکم دیا اور حملے کی تیاریاں کرنے لگا۔ جلال خاں کو جب یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ ابھی زندہ ہے اور حملے کی تیاریاں کر رہا ہے تو اس نے اس سلسلے میں اپنے مشیروں سے بات چیت کی آخر یہ طے کیا کہ سکندر خاں تلنگانہ اور برار کے درمیانی علاقے ماہور میں چلا جائے اور وہاں ایک بڑا لشکر تیار کرے۔ بادشاہ متواتر عہد نامہ ارسال کرتا رہتا تھا لیکن اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا اس کا سبب یہ تھا کہ شہزادہ محمد خاں کی بغاوت و سرکشی میں بھی سکندر خاں کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔

فوت ہو چکا ہے اراکین سلطنت نے اپنے فوائد اور مقاصد کی تحصیل کے لیے اس کی موت کی خبر کو چھپا رکھا ہے ان کا ارادہ یہ ہے کہ ملک کے نمایاں اور ممتاز افراد کو قتل کر دیا جائے اگر آپ اس وقت ذرا سی بھی توجہ فرمائیں تو تلنگانہ اور برار دونوں ملک آپ کے قبضے میں آسکتے ہیں۔" سلطان محمود مالوی نے اس بات کا اعتبار کر لیا اور دکن کے سفر کی تیاریاں کرنے لگا۔

علاؤ الدین کا عزم ماہور

سلطان محمود نے زبردست لشکر اور دیگر سامان کثیر کے ساتھ ۸۶۰ھ میں سفر کا آغاز کیا۔ سکندر خاں نے چند منزل اس کا استقبال کیا اور اس سے جا ملا۔ سلطان علاؤ الدین کو جب ان حالات کا علم ہوا تو اس نے تلنگانہ کی بغاوت کو فرو کرنا کچھ عرصے کے لیے ملتوی کیا اور جلال خاں کی سرزنش کی طرف توجہ کی اس نے خواجہ محمود گیلانی عرف گاواں کو یک ہزاری منصب دار بنایا اور اسے دیگر امراء کے ساتھ جلال الدین کے فتنے کو فرو کرنے کے لیے مقرر کیا۔ علاؤ الدین نے لشکر برار کو حاکم برہان پور کے مقابلے پر روانہ کیا جو سلطان محمود شاہ مالوی سے ساز باز کیے ہوئے تھے بادشاہ نے قاسم بیگ سر لشکر دولت آباد کو مقدمہ لشکر بنا کر روانہ کیا اور خود بھی اس کے پیچھے پیچھے پانچ کوس کے فاصلے سے بیجاپور اور خاصہ خیل کی فوج کے ساتھ پالکی میں بیٹھ کر روانہ ہوا اور سلطان محمود خلجی سے معرکہ آراء ہونے کے لیے ماہور کے جنگل میں ٹھہرا۔

سلطان محمود کی واپسی

سلطان محمود کو جب یہ معلوم ہوا کہ سلطان علاؤ الدین فرمانروائے دکن ابھی بقید حیات ہے اور ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ معرکہ آرائی پر تلا ہوا ہے تو وہ نصف شب کے قریب اپنے ملک کی طرف واپس لوٹ گیا۔ سلطان محمود نے اپنے ایک معتبر امیر کو سکندر خاں کے ساتھ کر دیا اور اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ اگر سکندر خاں دوبارہ اہل دکن سے ساز باز کرنا چاہے تو اسے ایسا نہ کرنے دیا جائے اور اس کا تمام ساز و سامان اور ہاتھی گھوڑے وغیرہ ضبط کر کے مندو میں پہنچا دیئے جائیں۔ سکندر خاں اس بات کی تہہ تک پہنچ گیا اور وہ مالوی سپاہیوں سے علیحدہ ہو کر ان کی داہنی جانب کے راستے سے چل پڑا۔ اس کے ساتھ دو ہزار افراد تھے جن میں راجپوتوں اور افغانوں کی کثیر تعداد تھی ان سب لوگوں کے ساتھ وہ نلگنڈہ جا پہنچا۔

سکندر خاں کی اطاعت

اس زمانے میں خواجہ محمود گاواں نے نلگنڈہ کا محاصرہ کر رکھا تھا سکندر خاں اپنی چالاکی کی بدولت کسی نہ کسی طرح قلعہ کے اندر پہنچ گیا۔ خواجہ محمود گاواں کی تو دلی خواہش یہی تھی اس کے بعد گاواں نے محاصرے کو شدید کر دیا اور اہل قلعہ پر پہلے سے کہیں زیادہ سختیاں کرنے لگا سکندر خاں جب بہت زیادہ پریشان ہو گیا تو اس نے خواجہ گاواں کے وسط سے بادشاہ سے معافی نامہ حاصل کر لیا اور قلعہ خواجہ کے سپرد کر دیا۔ محمود گاواں کے ساتھ سکندر خاں بھی بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ نے اسے اس کی جاگیر نلگنڈہ پر بحال کر دیا۔ فخر الملک کو حسب سابق لاہور کا حاکم مقرر کیا گیا علاؤ الدین نے رائچور کے تھانے دار فخر الملک کو شاہانہ عنایات سے مستفید کیا اور پھر احمد آباد بیدر کی طرف لوٹا۔

سلطان علاؤ الدین کی وفات

علاؤ الدین کی پنڈلی کا زخم اچھا نہ ہوا آخر کار اس نے اسی عارضہ کی وجہ سے ۸۶۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اس حکمران نے تیئس سال نو ماہ اور بیس روز تک امور سلطنت انجام دیئے۔

عادات و کردار

کہا جاتا ہے کہ علاؤ الدین فصاحت و بلاغت میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا۔ وہ فارسی زبان سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اس کے علاوہ

اس نے دوسرے علوم میں بھی کمال حاصل کیا تھا۔ کبھی کبھار عید اور جمعہ کے روز وہ جامع مسجد میں بھی جایا کرتا تھا اور منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھتا تھا وہ اپنے آپ کو السلطان العادل الکریم الحلیم الروف عفی عباد اللہ الفتی علاء الدنیا والدین بن اعظم السلاطین احمد شاہ ولی بھمنی۔" کہا کرتا تھا ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک عرب سوداگر نے چند گھوڑے بادشاہ کے درباریوں کے پاس فروخت کیے درباریوں نے گھوڑے تو لے لیے لیکن قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتے رہے۔ یہ تاجر سیدوں کے قتل کی وجہ سے بھی آزردہ خاطر تھا ایک دن اس نے موقع پا کر جب کہ بادشاہ مسجد میں آیا ہوا تھا منبر کے پاس بیٹھ گیا بادشاہ نے جب مذکورہ بالا الفاظ میں اپنا نام لیا تو عرب فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور کہنے لگا۔

"میں خداوند تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تو عادل' کریم' رحیم اور رؤف نہیں ہے اے جھوٹے شخص! تو نے نبی کریم صلعم کی مقدس اولاد کو قتل کیا ہے تجھے مسلمانوں کے سامنے منبر پر بیٹھ کر اس قسم کی بات نہیں کرنا چاہیے۔" علاؤ الدین یہ سن کر بہت ہی متاثر ہوا اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سلسلہ جاری ہو گیا وہ کہنے لگا۔ "خدا کرے وہ لوگ آخرت میں بھی سرخرو نہ ہوں جو مجھے یزید کی طرح بدنام کرتے ہیں۔" یہ کہہ کر علاؤ الدین نے اسی وقت سوداگر کو اس کے گھوڑوں کی قیمت ادا کر دی اور اسی وقت اپنی قیام گاہ واپس آ گیا۔ اس واقعے کے بعد بادشاہ نے پھر کبھی اپنی قیام گاہ سے باہر قدم نہ رکھا اور اگر باہر نکلا بھی تو اس وقت جب کہ وہ مر چکا تھا۔

سلطان علاؤ الدین کے عہد حکومت ہی میں شاہ خلیل اللہ بن شاہ نعمت اللہ ولی اور میر نور الدین بن شاہ خلیل اللہ کا انتقال ہوا۔ شاہ خلیل نے اپنے پیچھے دو بیٹے چھوڑے ایک شاہ حبیب اللہ جو سلطان احمد شاہ بہمنی کا داماد تھا۔ اور دوسرا شاہ محب اللہ جو سلطان علاؤ الدین کا داماد تھا ان دونوں میں حبیب اللہ بڑا تھا اور فن سپہ گری سے اسے رغبت تھی محب اللہ اپنے باپ کا سجادہ نشین ہوا حبیب اللہ نے بڑی امیرانہ زندگی بسر کی۔

ہمایوں شاہ ظالم کی جانشینی

مورخین کا بیان ہے کہ جب سلطان علاؤ الدین کا آخری وقت آیا تو اس نے اپنے تمام امراء اور اراکین سلطنت کی توقع کے خلاف ہمایوں شاہ ظالم کو جس کی عادات قبیحہ سے سبھی لوگ متنفر تھے اپنا جانشین مقرر کیا۔ بادشاہ کی وفات سے کچھ عرصہ قبل نظام الملک دولت آبادی جو کچھ عرصے سے وکیل السلطنت کے عہدے پر سرفراز تھا اور اپنے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتا تھا بھاگ گیا اور اپنے بیٹے کے پاس چلا گیا اس کا بیٹا قاسم بیگ شکن کے انتقال کے بعد ملک التجار کا خطاب پا کر صوبہ دار دولت آباد اور جنیر مقرر ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ سلطان علاؤ الدین کی وفات کی خبر ان کو ملتی' یہ دونوں باپ بیٹے گجرات کی طرف چلے گئے اور یوں ہمایوں شاہ بہمنی کے دست ظلم سے بچ گئے۔

ہمایوں شاہ بہمنی

حسن خاں کی تخت نشینی

جس وقت سلطان علاؤ الدین کا انتقال ہوا اس کا بیٹا ہمایوں شاہ جو ظالم کے لقب سے مشہور تھا اس وقت گھر میں تھا۔ ممتاز بہمنی امیروں سیف خاں اور ملو خاں نے بادشاہ کی موت کی خبر کو صیغہ راز میں رکھا اور جلد از جلد علاؤ الدین کے چھوٹے بیٹے حسن خاں کو تخت پر بٹھا دیا۔ شاہ حبیب اللہ ولد شاہ خلیل اللہ اور کچھ دنوں نے جو ہمایوں شاہ کو ناپسند کرتے تھے حسن خاں کی تخت نشینی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور یہ لوگ ہمایوں شاہ کو قتل کرنے اور اس کے گھر کو تباہ و برباد کرنے کے لیے روانہ ہو گئے۔

ہمایوں اور مخالف دکنی امراء کا معرکہ

ایک عجیب و غریب ہنگامہ بپا ہو گیا۔ ہمایوں شاہ جبہ پوش سواروں کے ساتھ جن میں سکندر خاں اور اس کے بھائی بھی شامل تھے باہر نکلا اور حملہ آوروں سے معرکہ آرا ہوا۔ اس معرکے میں حملہ آوروں کو شکست ہوئی اور وہ حسن خاں کے پاس پناہ گزین ہو گئے ہمایوں ان کے تعاقب میں روانہ ہوا اور شاہی دربار میں جا پہنچا راستے میں جو شخص بھی (مثلاً فیل بان' پردہ دار' سلحدار اور دیگر کار آمد لوگ) ہمایوں شاہ کو دیکھتا اسی کے ساتھ ہو لیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمایوں شاہ کا لشکر بہت بڑا ہو گیا' ہمایوں اس جرار لشکر کے ساتھ دیوان خانے میں داخل ہو گیا۔

حسن خاں کی گرفتاری

ہمایوں نے اپنے چھوٹے بھائی حسن خاں کو اس وقت گرفتار کر لیا جب کہ وہ تخت سے اتر کر خوف اور دہشت کے مارے لرزہ براندام ہو رہا تھا ہمایوں نے سیف خاں کو جو اس سارے ہنگامے کی بنیاد تھا ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر سارے شہر میں پھرایا اور پھر قتل کر ڈالا شاہ حبیب اللہ اور دیگر مخالف امراء کو نذر زنداں کیا ملوخاں معرکہ کرتا ہوا شہر سے باہر نکل گیا اور کرناٹک کی سرحد تک جا پہنچا۔

ہمایوں شاہ کی تخت نشینی

ہمایوں شاہ بہمنی نے تمام مخالفوں کو زیر کر کے تخت حکومت پر جلوس کیا اپنے باپ کی وصیت کے مطابق خواجہ محمود گاواں کو جو حاجی محمد قندھاری کے بیان کے مطابق سلاطین کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا ملک التجار کے خطاب سے نوازا۔ اور شاہی وکیل اور بیجاپور کا طرف دار مقرر کیا۔ ملک شاہ کو جو بزرگ زادۂ خاندان مغل تھا اور جس کے متعلق بعض مورخوں کا خیال ہے کہ وہ چنگیزی سلاطین کے خاندان سے تعلق رکھتا تھا "خواجہ جہاں" کا خطاب دیا اور اسے طرف دار تلنگانہ مقرر کیا۔ عماد الملک غوری کا بھتیجا بڑا قابل اور جان باز نوجوان تھا ہمایوں شاہ نے اسے "نظام الملک" کا خطاب دے کر یک ہزاری منصب داروں میں شامل کیا اور تلنگانہ کے علاقے اس کی جاگیر میں شامل کیے۔

جلال شاہ کی مخالفت

جلال خاں کا بیٹا سکندر خاں جو ہمایوں شاہ کی شاہزادگی کے زمانے میں اس کا مصاحب تھا تلنگانہ کی سپہ سالاری کی امید لگائے بیٹھا تھا اسے مذکورہ بالا تقرر سے بہت افسوس ہوا اور وہ آزردہ خاطر ہو کر اپنے باپ کے پاس بغیر شاہی اجازت کے نلگنڈہ چلا گیا۔ جلال خاں نے اپنے بیٹے کی خاطر کا پاس کرتے ہوئے ہمایوں شاہ کی مخالفت کا اعلان کر دیا اور معرکہ آرائی کے لیے فوج تیار کرنے میں مشغول ہو گیا

ہمایوں شاہ کو جب ان حالات کی اطلاع ملی تو اس نے برار کے حاکم خان جہاں کو جو اس زمانے میں مبارک باد دینے بیدر آیا ہوا تھا جلال الدین کی سرکوبی کے لیے مقرر کیا۔

تلنگانہ پر لشکر کشی

سکندر خاں نے ایک زبردست لشکر فراہم کر کے تلنگانہ میں خان جہاں سے معرکہ آرائی کی اور اسے شکست دی۔ اب ہمایوں شاہ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ جب تک وہ بذات خود اس طرف توجہ نہ کرے گا سکندر خاں کی مخالفت ختم نہ ہو گی یہ سوچ کر اس نے اسی سال نلگنڈہ کی طرف لشکر کشی کی ہمایوں شاہ نے نلگنڈہ کے ایک قریبی مقام پر قیام کیا اور اس امر کا انتظار کرنے لگا سکندر خاں اور جلال خاں یعنی دونوں باپ بیٹے اس کی خدمت میں حاضر ہو کر امان طلب کریں' لیکن ایسا نہ ہوا حریف کچھ اور چال چلا۔

ہمایوں اور سکندر خاں کی بات چیت

ایک رات کو اچانک سکندر خاں نے شاہی لشکر پر شب خون مارا اور بہت نقصان پہنچا کر چلا گیا صبح کے وقت ہمایوں شاہ نے اپنے لشکر کو مرتب کیا اور تسخیر قلعہ میں مصروف ہو گیا سکندر خاں کو اپنے سپاہیوں پر پورا پورا اعتماد تھا وہ اپنے لشکر کا میمنہ اور میسرہ مرتب کر کے ساتھ آٹھ ہزار راجپوت دکنی اور افغان سواروں کے ساتھ ہمایوں شاہ کے مقابلے پر آیا۔ بادشاہ نے سکندر خاں کو یہ پیغام بھجوایا۔ "تمہارے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ تم اپنے ولی نعمت سے معرکہ آرائی کرو تم اس لڑائی میں مارے جاؤ گے اور تمہارے جیسے انسان کا مرنا میرے لیے افسوس کا باعث ہو گا میں تمہارے تمام قصور معاف کرتا ہوں اور یہ اجازت دیتا ہوں کہ دولت آباد کے جس پرگنے کو بھی تم چاہو اپنی جاگیر میں لے لو۔" سکندر خاں نے اس پیغام کا یہ جواب بھجوایا۔" آپ مرحوم بادشاہ احمد شاہ کے پوتے ہیں اور میں ان کا نواسہ ہوں حکمرانی کا مجھے بھی اتنا ہی حق ہے جتنا آپ کو یا تو آپ مجھے تلنگانہ کا ملک عطا کر دیجئے یا پھر لڑائی کے لیے تیار ہو جائیے۔ یہ جواب سن کر ہمایوں شاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے جنگ کا نقارہ بجوا دیا۔

معرکہ آرائی

سکندر خاں نے لڑائی میں بڑی جاں بازی اور بہادری کا مظاہرہ کیا وہ چونکہ ایک تجربہ کار اور مشاق جنگجو تھا اس لیے اس نے ہر مرتبہ بادشاہ کے حملوں کی مدافعت اس بہادری کے ساتھ کی کہ زمین و آسماں عش عش کر اٹھے عین ممکن تھا کہ اس روز فریقین بغیر کسی نتیجے کے ایک دوسرے سے جدا ہو کر فیصلے کے لیے دوسرے دن کا انتظار کریں کہ اچانک ملک التجار کاواں نے بیجاپور کی فوج اور خواجہ جہاں نے تلنگانہ کے لشکر کو ساتھ لے کر میمنہ اور میسرہ سے ایک زبردست حملہ کیا۔ سکندر خاں کے بہت سے بہادر اور جان باز سپاہی اس معرکے میں کام آئے یہ عالم دیکھ کر ہمایوں شاہ کو ایک اچھا موقع ہاتھ آ گیا اس نے پانچ سو تیر چلانے والوں اور پانچ سو نیزہ پھینکنے والوں کو اپنے قلب لشکر سے جدا کر کے ایک مست ہاتھی ساتھ لیا اور سکندر خاں کے خاصہ کے لشکر پر حملہ کر دیا تیر اندازوں نے فوراً تیروں کی بارش کر دی۔ سکندر خاں ایک بہادر شیر کی طرح مقابلے کے لیے بڑھا اور دشمن کو اپنے دائیں بائیں اطراف میں پیچھے ہٹا دیا بادشاہ کا مست ہاتھی بھی چونکہ شریک کار زار تھا اس لیے سکندر خاں کے بہت سے بہادر سپاہی اس کے ہاتھوں لقمہ اجل بنے۔ سکندر خاں نے نیزہ ہاتھ میں لے کر اس مست ہاتھی کو بذات خود ہلاک کرنے کی کوشش کی لیل بانوں کی تحریک اور کوشش سے ہاتھی نے سکندر خاں کو اپنی سونڈ میں لپیٹ لیا اور زمین سے اٹھا کر بہت زور کے ساتھ زمین پر دے مارا اور پھر دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہوا۔

سکندر خاں کی موت

سکندر خاں کے بہت سے ساتھی مفرور ہو گئے بادشاہ نے ان کے تعاقب میں اپنا لشکر روانہ کیا بہت سے مفرور پکڑے گئے اور موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

جلال خاں کی امان طلبی

خواجہ جہاں اور ملک التجار کاواں نے اس واقعے کے دوسرے روز شاہی حاکم کے مطابق نلگنڈہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اپنی قوت سے پورا پورا کام لے کر قلعے کو تسخیر کر لیا۔ جلال خاں کا بیٹا تو لقمہ اجل ہو ہی چکا تھا لہٰذا ایک ہفتے کے بعد اسے سوائے اس کے کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا کہ بادشاہ سے امان طلب کر لی۔ جائے جلال خاں نے ملک التجار کاواں اور خواجہ جہاں کے توسط سے بادشاہ سے امان طلب کی اور اپنے ساتھ بے حساب دولت لے کر جو اس نے اپنی امارت کے پچاس سالوں میں جمع کی تھی ہمایوں شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا بادشاہ نے جلال خاں پر رحم کھایا اور اسے قتل نہ کیا بلکہ گرفتار کر لیا جلال خاں نے اسی اسیری کی زندگی کو غنیمت سمجھا اور اسی عالم میں شب و روز بسر کرتا رہا۔

دیوکنڈ پر لشکر کشی

سکندر خاں کے ہنگامے کو ختم کرنے کے بعد ہمایوں شاہ نے دیوکنڈ کے قلعے کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ قلعہ تلنگانہ کے زمینداروں کے قبضے میں تھا جو کہ سکندر کی ہوا خواہی اور ہمدردی کا دم بھرتے تھے۔ بادشاہ نے بہت غور و خوض کے بعد بذات خود ورنگل کا سفر اختیار کیا اور خواجہ جہاں اور نظام الملک غوری کو دیوکنڈ کی تسخیر کے لیے روانہ کیا۔ تلنگانہ کے باشندوں نے آپس میں مل کر کئی بار بادشاہ لشکر سے معرکہ آرائی کی لیکن انہیں ہربار شکست کھانی پڑی۔ آخر کار خواجہ جہاں کو فتح ہوئی۔ تلنگیوں نے جب اپنے آپ میں مقابلے کی ہمت نہ پائی تو وہ ناچار قلعہ بند ہو گئے۔ خواجہ جہاں نے کوہستان میں اپنے خیمے گاڑ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اہل قلعہ کو طرح طرح سے تکالیف پہنچانے لگا۔

اہل قلعہ کی حواصلہ افزائی

تلنگی اس محاصرے سے بہت حواس باختہ ہوئے انہوں نے اڈیسہ اور دیگر راجاؤں کے پاس جو اپنی طاقت اور شان و شوکت کے لحاظ سے بہت نمایاں اور ممتاز حیثیت رکھتے تھے اپنے قاصد روانہ کیے۔ اور بہت سی دولت کے عوض ان سے مدد کی خواہش کی ان راجاؤں نے بہت سا لشکر مع چند زنجیر ہاتھیوں کے ان کی مدد کو روانہ کیا۔ اور خود اپنی مدد کا بھی یقین دلایا' یہ دیکھ کر تلنگیوں کو بہت خوشی ان کے حوصلے بہت بڑھ گئے اور انہوں نے جنگ کا تہیہ کر لیا۔

خواجہ جہاں اور نظام الملک غوری کو جب حالات کی اطلاع ملی تو انہوں نے آپس میں مشورے کرنے شروع کر دیئے۔ نظام الملک نے یہ مشورہ دیا اس سے پہلے کہ امدادی فوج یہاں پہنچے ہمیں قلعے کے محاصرے سے دستبردار ہو جانا چاہیے اور تنگ دروں سے نکل کر کھلے میدان میں اپنے خیمے گاڑنے چاہئیں۔" خواجہ جہاں نے نظام الملک کی رائے کو ناپسند کیا اور کہا "اگر ہم نے یہاں سے کوچ کیا تو دشمن یہ سمجھے گا کہ ہم مایوس ہو کر بھاگ رہے ہیں لہٰذا وہ ہمارا پیچھا کرے گا میرے خیال میں یہی مناسب ہے کہ ہم اسی جگہ دشمن کا مقابلہ کریں۔" یہ جواب پا کر نظام الملک خاموش ہو گیا۔

شاہی امراء کا فرار

دوسرے دن صبح کے وقت خواجہ جہاں کے لشکر پر ایک جانب سے راجہ اڈیسہ اور اوریانے اور دوسری جانب سے تلنگانہ اور قلعہ کے لشکر نے حملہ کیا چونکہ جگہ بہت تنگ تھی اس وجہ سے سپاہیوں کو آنے جانے کا موقع نہ ملا لہٰذا مسلمانوں کو شکست ہوئی اور ان کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ خواجہ جہاں اور نظام الملک غوری بڑی خستہ حالی کے عالم میں اس جگہ سے باہر نکلے لیکن غیر مسلموں نے ان کا

تعاقب کر کے انہیں کہیں دم لینے کا موقع نہ دیا۔ اور اسی کوس تک بھاگتے ہوئے چلے گئے یہاں تک کہ ورنگل میں ہمایوں شاہ کے پاس پہنچ گئے۔

نظام الملک غوری کا قتل

بادشاہ نے ان لوگوں سے تمام حالات پوچھے خواجہ جہاں نے جھوٹ سے کام نہ لیا اور حق گوئی کو اپنا شعار بنا کر سب کچھ صاف صاف کہہ دیا اس نے کہا۔ "یہ جو کچھ ہوا ہے اس کی تمام ذمہ داری نظام الملک پر عائد ہوتی ہے۔" اس سے قبل کہ خواجہ جہاں اس اجمال کی تفصیل بیان کرتا بادشاہ نے اسی وقت نظام الملک جیسے بہادر اور جری جنگجو کے قتل کا حکم دے دیا۔ نظام الملک کے رشتہ دار اور عزیز فرار ہو کر محمود شاہ خلجی کے پاس پہنچ گئے۔ ہمایوں شاہ نے خواجہ جہاں کو بھی ایک قلعے میں نظر بند کر دیا۔

یوسف ترک کچل کی بغاوت

ایک روایت یوں بھی بیان کی جاتی ہے کہ نظام الملک خود ہی فرار ہو کر محمود مالوی کے پاس پناہ گزین ہوا۔ بہر حال کچھ بھی ہو قصہ مختصر یہ کہ ہمایوں شاہ کے دل میں انتقام کے جذبات کروٹیں لینے لگے اور اس نے دیوکنڈ پر دوبارہ لشکر کشی کا پکا ارادہ کر لیا ابھی وہ تیاریوں میں مصروف ہی تھا کہ ایک دم احمد آباد بیدر سے یہ خبر آئی کہ یوسف ترک کچل نے شہزادہ حسن اور شاہ حبیب اللہ کو قید خانے سے نکال لیا ہے۔ اور یہ سب آپس میں مل کر بیدر کے قصبے میں چلے گئے ہیں۔ یہ خبر سنتے ہی ہمایوں شاہ نے ملک التجار کو تلنگانہ کے انتظامات کے لیے وہیں چھوڑا اور خود جمادی الآخر کے مہینے میں جلد از جلد اپنے دارالسلطنت کی طرف روانہ ہو گیا اور وہاں پہنچ کر ظلم و ستم کا بازار گرم کرنے لگا۔

معزز قیدیوں کی رہائی کا قصہ

ہمایوں شاہ نے شاہ حبیب اللہ کو شہزادہ حسن خاں کی دوستی کے جرم میں داخل زنداں کیا تھا جب بادشاہ نے نلگنڈہ پر حملہ کیا اور وہ سکندر خاں کو قتل کر کے اس علاقے کے قلعوں کو تسخیر کرنے میں مشغول ہوا تو شاہ حبیب اللہ کے ساتھ مریدوں نے آپس میں مل کر اپنے مرشد کو قید خانے سے نکالنے کا ارادہ کیا ان لوگوں نے یوسف کچل سے بات چیت کی یوسف کچل بادشاہ کا غلام تھا اور اپنے ذاتی اوصاف کے لحاظ سے بہت پاکیزہ فطرت انسان تھا یوسف شاہ حبیب اللہ کے خاندان کے سلسلہ مریدی رکھتا تھا اس لیے اس نے شاہ صاحب کو قید سے نکالنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ اس نے بعض کوتوالوں اور محافظوں سے ساز باز کر کے پچاس پیادوں اور بارہ سواروں کا ایک مختصر سا گروہ تیار کر لیا۔

زنداں بادشاہی محل میں تھا وہاں تین ہزار پیادے حفاظت کے لیے موجود تھے یوسف نے خدا پر بھروسہ کیا اور اپنی مختصر سی جماعت کو ہمراہ لے کر شام کے وقت بادشاہی محل میں گیا اکثر محافظ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے اور تھوڑے بہت چوکیدار جو وہاں موجود تھے انہوں نے یوسف کو اندر جانے سے روکا یوسف نے ان چوکیداروں سے کہا۔ "میرے پاس شاہی فرمان آیا ہے کہ قید خانے میں جا کر فلاں فلاں قیدیوں کی آنکھیں نکال لوں۔" یہ کہہ کر یوسف نے اپنی بغل سے سرخ رنگ کا شاہی فرمان جیسا کہ بہمنی سلاطین میں مروج تھا نکال کر چوکیداروں کو دکھایا وہ یہ فرمان دیکھ کر خاموش ہو گئے اور یوسف کو اندر جانے کی اجازت دے دی یوسف پہلے دروازے سے نکل کر [illegible] دروازے پر پہنچا اس دروازے کے دربانوں نے بھی اسے روکا تو یوسف نے وہی جعلی فرمان ان کو بھی دکھا دیا لیکن یہ دربان [illegible] کو اندر جانے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہ ہوئے اور کہا کہ ایسے امور کی انجام دہی کے لیے کوتوال شہر کے پروانے کی ضرورت ہوتی ہے

سے شور و غل کی آوازیں آنے لگیں یوسف فوراً قید خانے کے اس حصے میں پہنچا جہاں ملک کے ممتاز اور نمایاں لوگوں کو نظر بند کیا گیا تھا اس نے شاہ حبیب اللہ کی زنجیر توڑ ڈالی یہ عالم دیکھ کر شہزادہ یحییٰ خاں اور حسن خاں نے نیز جلال الدین خاں بخاری نے بھی بڑی منت و سماجت کے ساتھ یوسف سے درخواست کی کہ ان کی زنجیروں کو بھی توڑ ڈالا جائے یوسف نے ان لوگوں کو بھی رہا کر دیا اور دیگر قیدیوں سے جو دارالامارت کے پاس نظر بند تھے کہا۔ "جو شخص ہمارا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو وہ اپنی زنجیر توڑ ڈالے اور شاہی دروازے پر ہم سے آکر مل جائے۔"

یوسف نے شہزادہ حسن خاں اور قید خانے کے دوسرے معزز اور ممتاز قیدیوں کو اپنے ساتھ لیا اور شاہی محل کے دروازے پر ایک پہر رات تک کھڑا رہا قیدی جن میں عالم، فاضل، سید، فقیر، الغرض ہر طبقہ اور ہر جماعت کے لوگ شامل تھے تعداد میں سات ہزار تھے ان سب لوگوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور جوق در جوق اپنے آپ کو زنجیروں سے چھڑا کر یوسف کے گرد شاہی محل کے دروازے پر جمع ہونے لگے ان قیدیوں میں بعض ایسے لوگ بھی تھے جو لکڑی اور پتھر سے جنگ کھلانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔

اسی اثنا میں کوتوال شہر کو حالات کا علم ہوا وہ فوراً شاہی محل کی طرف دوڑا قیدیوں نے بڑی دلیری سے کام لیا اور کوتوال کو پتھر اور لکڑی مار مار کر بھگا دیا۔ اس رات ہر شخص ایک علیحدہ گوشے میں قیام پذیر ہوا لیکن جلال خاں بخاری جو اس وقت تک زندگی کی اسی منزلیں طے کر چکا تھا اور شہزادہ یحییٰ خاں بن سلطان علاؤ الدین کسی نہ کسی طرح کوتوال شہر کے ہتھے چڑھ گئے کوتوال نے بڑی ذلت اور رسوائی کے ساتھ ان دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

شہزادہ حسن کا عزم تسخیر قلعہ ارک

شہزادہ حسن خاں اور شاہ حبیب اللہ ایک حجام کے گھر میں چھپ گئے۔ یہ حجام شاہ صاحب کا قدیم نمک خوار تھا، یہاں دونوں نے ہمایوں شاہ کے ظلم و ستم کو دیکھتے ہوئے، ملک میں ایک پرامن حکومت قائم کرنے کے مشورے کیے۔ دونوں فقیروں اور درویشوں کے ایک گروہ کے ساتھ باہر نکل آئے۔ سپاہیوں کے گروہ کے گروہ ان کے پاس آ آ کر جمع ہونے لگے۔ یوسف ترک نے بھی شہزادہ حسن کا ساتھ دیا اور اس سے آملا۔ یہ سب لوگ دارالسلطنت کے سب سے خوبصورت باغ میں جو احمد آباد بیدر سے تین کوس کے فاصلے پر واقع تھا، قیام پذیر ہوئے۔ بعد ازاں تین ہزار سواروں اور پانچ ہزار پیادوں کا ایک عالی شان لشکر لے کر قلعہ ارک بیدر فتح کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔

ان لوگوں پر یہ پوری طرح واضح ہو گیا کہ ارک کا فتح کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ کیونکہ اہل قلعہ نے اپنے آپ کو بہت اعلیٰ طریقے سے مستحکم کر رکھا ہے۔ ان لوگوں نے کوشش کی لیکن اہل قلعہ کی مدافعت نے ان کو مایوس کر دیا۔ لہٰذا یہ لوگ قلعے کی تسخیر کا خیال ترک کر کے قصبہ بیر کی طرف روانہ ہوئے تاکہ ملک کے اس حصے پر قابض ہو سکیں۔

ہمایوں کی بیدر میں آمد

یوسف ترک امیرالامراء مقرر ہوا۔ شاہ حبیب اللہ وزارت اور جمعیتہ الملکی کے منصب پر فائز ہوئے اور حسن خاں اور اس کے حاشیہ نشین لشکر کو جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ہمایوں شاہ کو، جس کے ظلم و ستم اور ظالمانہ عادات ملک دکن میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ جب یہ تمام حالات معلوم ہوئے، تو وہ اس وقت تلنگانہ میں تھا یہ خبریں سنتے ہی وہ جلد از جلد بیدر پہنچا۔ اس نے بیدر میں پہنچتے ہی سب سے پہلے ان تین ہزار سپاہیوں کو جو شہر کی حفاظت کے لئے مقرر تھے، طرح طرح کے عذاب سے لقمہ اجل بنایا۔ کوتوال شہر کو لوہے کے ایک بہت بڑے پنجرے میں قید کر دیا۔ ہمایوں شاہ ہر روز کوتوال کے جسم کا ایک حصہ کاٹ کر اسے کھانے کے لئے دیتا آخر کار کوتوال اس وحشت و بربریت کی تاب نہ لا کر مر گیا۔

بھائیوں میں جنگ اور حسن خاں کی فتح

اس کے بعد ہمایوں شاہ نے آٹھ ہزار سوار اور ان گنت پیادے اپنے بھائی حسن خاں کے مقابلے کے لئے روانہ کیے۔ فریقین میں، بیڑ کے جنگل میں، خانقاہ کے قریب زبردست معرکہ آرائی ہوئی۔ جس کے نتیجے میں، شاہ حبیب اللہ کی کوششوں سے، شہزادہ حسن خاں کو فتح نصیب ہوئی۔ یہ عالم دیکھ کر ہمایوں شاہ کا غصہ اپنے شباب پر آگیا اور اس نے ان تمام امراء اور سلحداروں کو، جو تلنگانہ کی مہم میں اس کے ساتھ تھے، خزانے اور جنگی ہاتھیوں کے ساتھ بیڑ کی طرف روانہ کیا۔

دوسرا معرکہ اور حسن خاں کا فرار

ہمایوں شاہ نے ان امراء کے اہل و عیال کو موکلوں کے سپرد کر دیا تاکہ کہیں یہ امراء حسن خاں کے ساتھ ساز باز نہ کر لیں۔ دونوں بھائیوں میں گھمسان کا رن پڑا، حسن خاں کے پاؤں اکھڑ گئے اور اپنا سب کچھ چھوڑ کر بیجاپور کی طرف فرار ہو گیا۔ وہ انتہائی خستہ حالی میں پریشانی کے عالم میں سات یا آٹھ سو سواروں کے ساتھ بیجاپور کے قریب جا پہنچا۔ اس علاقے کا تھانیدار سراج خاں جنیدی تھا جو بعد میں ہمایوں شاہ کا ملازم ہو کر، خواجہ معظم خاں کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ سراج خاں نے حسن خاں کے ساتھ دغابازی کی اور اسے پیغام دیا۔ "اس سارے ملک کو آپ اپنا ملک تصور کیجیے چونکہ اس علاقے کا طرفدار خواجہ کاواں ان دنوں تلنگانہ میں ہے اور یہ ملک دشمن سے بالکل خالی ہے، لہٰذا اگر آپ یہاں قیام پذیر ہوں تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ بیجاپور رائچور اور مدگل کی تمام رعایا اور فوج آپ کا پورا پورا ساتھ دے گی اور آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہ کرے گی یہ سب لوگ آپ کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اپنا فرض سمجھیں گے۔"

سراج خاں جنیدی کی عیاری

شہزادہ حسن خاں نے، شاہ حبیب اللہ اور اپنے دیگر سات، معتمد امراء کے مشورے سے سراج خاں جنیدی کی درخواست قبول کر لی، اور بیجاپور کے کچے قلعے میں مقیم ہوا۔ سراج خاں نے ان لوگوں کی بہت خاطر و مدارات کی اور دعوت و اظہار خلوص میں کسی قسم کی کمی نہ کی۔ ان لوگوں نے جلال خاں پر پورا بھروسا کر لیا اور غافل ہو گئے۔ شام کے وقت جلال خاں، سلام کے بہانے سے قلعے کے اندر آیا اور اس محل کا، کہ جس میں یہ سب لوگ قیام پذیر تھے، محاصرہ کر لیا۔ سراج خاں نے یہ ارادہ کیا کہ ان لوگوں کو گرفتار کر کے دوسرے روز ہمایوں شاہ کے پاس بھجوا دیا جائے۔

حسن خاں وغیرہ کی گرفتاری

شاہ حبیب اللہ نے جب یہ عالم دیکھا تو انہوں نے اپنا ترکش سنبھال لیا اور حریف سے لڑائی شروع کر دی، وہ اس قدر لڑے کہ آخر کار شہید ہو گئے۔ سراج خاں نے شہزادہ حسن، یوسف ترک اور ان کے دوسرے ساتھیوں اور ہمدردوں کو یہاں تک کہ حبشیوں اور فراشوں کو بھی قید کر لیا۔ اور احمد آباد بیدر کی طرف روانہ کر دیا، ہمایوں شاہ کی ظالمانہ سرشت جوش پر آگئی۔ اس نے حکم دیا کہ بیدر کے بازار میں جگہ جگہ پھانسیاں لٹکا دی جائیں اور وہاں مست ہاتھیوں اور دوسرے طرح طرح کے درندوں کو کھڑا کر دیا جائے۔ اس کے علاوہ گرم پانی اور جلتے ہوئے تیل کے قرابے بھی تیار رکھے جائیں۔

ظلم و ستم کی گرم بازاری

شاہی حکم کی تعمیل کی گئی اور ہمایوں شاہ اپنے دیوان خانے میں بالا خانے پر نظارہ کرنے کے لئے آ بیٹھا سب سے پہلے شہزادہ حسن کو شیر کے سامنے پھینکا گیا۔ اس سفاک درندے نے شہزادے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اس کے بعد یوسف ترک اور اس کے ساتوں ساتھی تلوار کے گھاٹ اتارے گئے۔ ان [illegible]

تہذیب کے منافی ہے۔ ان لوگوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھائے گئے' سختیاں کی گئیں اور ان خاص طریقوں سے جو ہمایوں شاہ کی اپنی ایجاد تھے ان بیچاروں پر آفتیں ڈھائی گئیں' عورتوں' بچوں اور بوڑھوں الغرض سبھی کو موت کے گھاٹ اتارا گیا اپنے طرز عمل سے گویا ہمایوں شاہ نے ضحاک اور حجاج کے کارناموں کو بھی مات کر دیا۔

اس کے بعد ہمایوں شاہ شہزادہ نے حسن خاں کے متعلقین اور مقربین کو شاہی بازار میں بلوایا یہ سب ایسے لوگ تھے کہ جن کا گزشتہ واقعات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ تعداد میں سات سو تھے' اور ان میں باورچی اور قینچی وغیرہ بھی شامل تھے' ان میں سے بعضوں کو پھانسی پر لٹکایا گیا' بعضوں کو شیروں اور ہاتھیوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا گیا' بعضوں کو دیگوں میں ڈال کر بھونا گیا۔ بعضوں کو چاقو اور دستہ سے مارا گیا' اور بعضوں کے اجسام ٹکڑے ٹکڑے کرکے انہیں سپرد اجل کیا گیا۔

ہمایوں شاہ کا غصہ

"تاریخ محمود شاہی" کے مولف نے بیان کیا ہے کہ میں نے ہمایوں شاہ کے خاص ندیم اور شاہی مقرب کی زبانی سنا ہے کہ جس زمانے میں ہمایوں شاہ نے ورنگل کے شہزادہ حسن کی بغاوت کی خبر سنی تو اس پر ایسا غصہ طاری ہوا کہ وہ اس جنون و وحشت میں اپنے کپڑے پھاڑنے لگتا۔ کبھی زمین کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر دباتا' یہاں تک کہ ہونٹ اور منہ زخمی ہو جاتا۔ ہمایوں شاہ نے ورنگل سے بیدر پہنچ کر جو کچھ کیا اور جس انداز سے ظلم و ستم کا بازار گرم کیا اس کی نظیر قدیم ظالموں کے کارناموں میں نہیں ملتی۔ اس کی تلوار کے سامنے اپنے اور پرائے میں کوئی فرق نہ تھا جو سامنے آتا مارا جاتا' اس سفاک کے مقابلے پر اگر حجاج کو نوشیرواں عادل سے نسبت دی جائے تو کچھ نامناسب نہ ہوگا۔

شہزادہ حسن کے واقعے نے ہمایوں شاہ کو کچھ ایسا دیوانہ بنا دیا تھا کہ اس نے ان شہزادوں میں سے اکثر کو' جو ملک کے وارث تھے اور قلعوں اور دوسری جگہوں پر قناعت اور بے فکری کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے' موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ہمایوں شاہ پر حکمرانی کا کچھ ایسا بھوت سوار ہوا کہ وہ تمام خلق خدا سے بدگمان ہو گیا۔ اس کی بے رحمی اور ظلم و ستم میں کسی طرح بھی کمی نہ ہوتی تھی۔ اس کی تلوار سے' مسلم' غیر مسلم اور بے گناہ کوئی محفوظ نہ تھا سبھی اس کے ظلم و تشدد کی بھینٹ چڑھتے تھے۔ اس کے قہر و غضب کا یہ عالم تھا' کہ اگر کسی قصبہ میں سے کوئی شخص کسی جرم کا مرتکب ہوتا تو سارا قصبہ تباہ کر دیا جاتا اس کے غصے کی آگ' خشک و تر سبھی کو جلا کر راکھ کر دیتی تھی۔

ہمایوں شاہ نے لوگوں کے اہل و عیال کو بھی اپنا نشانہ' ستم بنایا اور اپنی نفسانی خواہشات کے لئے بھی مظالم ڈھائے کبھی ایسا ہوتا کہ اس کے حکم سے کوئی دلہن راستے ہی میں پکڑ کر اس کے محل میں پہنچا دی جاتی۔ اور پھر دوسرے دن اپنے شوہر کے گھر روانہ کی جاتی اہل حرم کو بھی "جرم بے گناہی" کی پاداش میں قتل کیا جاتا۔ حکومت کے امیر وزیر اور ملازم جب کبھی بادشاہ کو سلام کرنے کے لئے جاتے تو وہ اپنے بیوی بچوں سے رخصت ہو کر دیوانخانے میں آتے تھے' اپنے بچوں اور متعلقین کو وصیتیں کرنے کے بعد ہی لوگ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

ہمایوں شاہ ابھی ظلم و ستم میں مصروف ہی تھا کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کیا اور ہمایوں شاہ بیمار پڑ گیا۔ ہمایوں کو یقین ہو گیا تھا کہ اس کی یہ بیماری مرض الموت کے سوا کچھ اور نہیں اس نے اپنے بڑے بیٹے نظام شاہ کو' جو اس وقت آٹھ سال کا تھا' اپنا ولی عہد مقرر کیا' خواجہ جہاں کو قلعہ سے آزاد کرکے اور ملک التجار کو تلنگانہ سے بلوایا اور ان دونوں کو اپنی وصیت سے آگاہ کیا۔ خواجہ جہاں سے بڑھ کر کوئی با اختیار امیر موجود نہ تھا اس لئے اسے وکیل السلطنت اور ملک التجار کو وزیر مقرر کیا گیا۔ بادشاہ نے ان دونوں کو یہ تاکید کی وہ کبھی کوئی کام شاہزادے کی مرضی کے بغیر نہ کریں۔ آخر کار ہمایوں شاہ کے دن پورے ہوئے ۲۸ ذیقعد ۸۶۵ھ کو اس کا انتقال ہوا اور یوں

خدا کے بندوں نے اس سفاک کے ہاتھوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔

میرے نزدیک صحیح روایت یہ ہے کہ ہمایوں شاہ کو وصیت راس آئی اور اس نے مرض سے چھٹکارا حاصل کر لیا چونکہ ہمایوں کے ظلم کی وجہ سے سب لوگ اس سے نالاں تھے اس لئے چاہتے تھے کہ وہ مر جائے۔ حرم سرا کے داروغہ خواجہ سرا شہاب خاں نے حبشی لونڈیوں سے سازش کر کے اسے ختم کروا دیا۔ ہوا یوں کہ ایک رات ہمایوں شاہ شراب کے نشے میں دھت پڑا ہوا تھا کہ ایک کنیز نے لکڑی کی چوب اس کے سر پر ایسی لگائی کہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ مشہور شاعر مولانا نظیری نے تاریخ وفات کہی۔ مولانا نظیری کو ملک التجار کی مہربانی سے "ملک الشعراء" کا خطاب ملا تھا اور وہ شاہ حبیب اللہ کے زندانی ساتھیوں میں تھے ان دنوں وہ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔

ہمایوں شاہ کی مدت حکومت تین برس چھ ماہ ہے۔

نظام شاہ بہمنی

ملکہ جہاں کی دانشمندی

ہمایوں شاہ کے انتقال کے بعد اس کے خوبصورت اور حسین بیٹے اکبر شاہ نے' جس کی عمر صرف آٹھ سال تھی' عنان حکومت سنبھالی۔ نظام شاہ کی ماں بہت ہی ذہین اور عقلمند عورت تھی' اس نے مرحوم بادشاہ کی وصیت کے مطابق ملک کے ہر طرح کے حالات سے آگاہ ہو کر تمام امور کو خواجہ جہاں ترک اور ملک التجار محمود گاواں کے مشورے کے مطابق انجام دینا شروع کر دیا۔ اس خاتون نے بہت عقل و دانشمندی سے مہمات سلطنت کو سرانجام دیا۔ متذکرہ بالا دونوں امیروں کے علاوہ کوئی اور شخص سلطنت کے کاموں میں دخل نہ دیتا تھا۔ ہمایوں شاہ کی وصیت کے مطابق ملک التجار محمود گاواں کو جمعیتہ الملک' وزیر کل اور بیجاپور کا طرف دار اور خواجہ جہاں ترک کو وکیل السلطنت اور تلنگانہ کا طرف دار بنایا گیا۔

ہر روز صبح کے وقت یہ دونوں امیر شاہی بارگاہ میں آتے اور ماہ بانو نامی ایک عورت کے ذریعے ملکہ جہاں سے سلطنت کے معاملات کے بارے میں بات چیت کرتے۔ آپس کی گفتگو سے جو کچھ طے پاتا اس کو عمل میں لانے کے لئے شہزادہ نظام شاہ کو باہر نکال کر تخت فیروز پر بٹھاتے۔ ملک التجار شہزادے کی داہنی طرف اور خواجہ جہاں ترک بائیں طرف کھڑا ہو جاتا اور اس طرح طے شدہ امور کو عمل میں لایا جاتا۔ الغرض ان تینوں کے باہمی مشورے سے حکومت کا کام بڑی خوش اسلوبی سے چلنے لگا اور ہمایوں شاہ کے عہد میں جو ظلم و ستم ہوا تھا اس کی تلافی ہو گئی۔

اوریا و اڑیسہ کے راجوں کی لشکر کشی

آس پاس کے علاقوں کے مسلم اور غیر مسلم حکمرانوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ حکومت ایک نو عمر لڑکے کے ہاتھ میں ہے' نیز ہمایوں شاہ کے ظلم و ستم کی وجہ سے اہل لشکر و امراء وغیرہ کے دل چاک چاک تھے' اس لئے ہر ایک حکمرانی کے خواب دیکھنے لگا۔ سب سے پہلے تو اڑیسہ اور اوریا کے راجوں نے راجمندری کے راستے سے لشکر کشی کر کے دکن کو فتح کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ لوگ ایک عظیم الشان لشکر لے کر ملک السلام کی طرف روانہ ہوئے۔ اور قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کیا کہ سارے ملک کو ویران کر کے رکھ دیا۔ نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ کولاس کے علاقے تک آبادی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔

ملکہ جہاں' خواجہ جہاں ترک اور ملک التجار نے ان مفسدوں کی شورش کو ختم کرنے کے لئے باہم مشورے کیے اور اس سلسلے میں ایسی باحوصلگی کے ساتھ متوجہ ہوئے کہ اپنے قدموں میں ذرا بھی لغزش نہ آنے دی۔ پایہ تخت سے ملک میں چاروں طرف فرامین روانہ کر کے فوج کو طلب کیا گیا۔ ان لوگوں نے تقریباً چالیس ہزار سوار بیدر میں جمع کر لیے اور ان کو ساتھ لے کر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ' کہ جس کی مثال پہلے کے بادشاہوں میں نہیں ملتی' اڑیسہ اور اوریا کے راجہ کی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوئے۔

ارکان نظام شاہی کا پیغام

احمد آباد بیدر سے دس کوس کے فاصلہ پر دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا' جنگ شروع ہو گئی۔ راجہ کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو مغلوب کر لیا جائے اور دکن کے فرمانروا سے خراج حاصل کر کے واپس لوٹا جائے۔ غیر مسلموں نے اپنے اس ارادے کا اظہار بھی نہ کیا تھا کہ نظام شاہ کے امراء اور وزراء نے اس کے پاس یہ پیغام بھیجا۔ "ہمارے جواں بخت فرمانروا کا یہ ارادہ ہے کہ جاجنگر اور اڑیسہ پر حملہ

کرکے ان ممالک کو فتح کرلے۔ اس وقت تم نے خود ہی ہماری مشکلوں کو آسان کر دیا ہے اور اس طرف چلے آئے ہو۔ اگر تم نے خراج دینا قبول نہ کیا اور وہ تمام روپیہ جو تم نے مسلمانوں سے وصول کیا ہے واپس نہ دیا تو تمہیں تباہ و برباد کر دیا جائے گا۔ اور تمہارا ایک فرد بھی یہاں سے زندہ نہ جانے دیا جائے گا۔

معرکہ آرائی

یہ پیغام ارسال کرنے کے فوراً بعد ہی شاہ محب اللہ بن شاہ خلیل اللہ نے نظام شاہ کے لشکر سے ایک سو ساٹھ سواروں کو اپنے ساتھ لیا اور جہاد کی نیت سے رائے اوریا اور اڑیسہ کے مقدمہ لشکر پر' جو دس ہزار پیادوں اور چار سو سواروں پر مشتمل تھا' حملہ کر دیا۔ مسلمانوں کے سپاہی صبح سے لے کر دوپہر تک بڑی بہادری اور مردانگی سے دشمن کے بخیے ادھیڑتے رہے آخر کار مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔

مسلمانوں کی فتح

اڑیسہ اور اوریا کے راجہ بھاگ کر اپنے لشکر سے جا ملے۔ یہ دونوں اس شکست سے بے حد آزردہ خاطر ہوئے اور اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر اپنی قیام گاہ سے رات کے وقت فرار ہو گئے۔ خواجہ جہاں ترک نے ان فراریوں کا تعاقب کیا' ملک التجار کاواں' نظام شاہ کو ساتھ لے کر' خواجہ جہاں ترک کے پیچھے آہستہ آہستہ روانہ ہوا۔ روزانہ کوچ کے وقت تقریباً دو ہزار ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔ مسلمان انکی تباہی و بربادی میں کسی قسم کی کمی روا نہ رکھتے تھے آخر کار یہ راجہ ایک قلعے میں پناہ گزین ہو گئے۔ ان لوگوں نے اپنے قاصدوں کو ملک التجار کے پاس روانہ کیا اور بڑی عاجزی اور محبت سے بات چیت شروع کی۔ بہت ہی حیل و حجت اور قاصدوں کے بار بار آنے جانے کے بعد متذکرہ راجاؤں نے پانچ نقرئی سکے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے اور اڑیسہ اور اوریا کی طرف روانہ ہو گئے۔ نظام شاہ کامیاب و کامران' واپس احمد آباد بیدر میں آیا اور اس نے امراء اور فوجی سرداروں کو خلعت فاخرہ' تازی گھوڑوں اور مرصع کمر بندوں سے سرفراز کیا' اور انہیں ان کی جاگیروں پر روانہ کر دیا۔

نئے فساد

اسی زمانے میں سلطان محمود خلجی مالوی نے اپنے متعلقین اور رشتہ داروں یا نظام الملک غوری کے اکسانے پر اٹھائیس ہزار سواروں کا ایک لشکر جرار تیار کرکے ملک دکن کو فتح کرنے کا ارادہ کر لیا۔ وہ خاندیس کے راستے سے بہمنی ممالک میں داخل ہوا۔ جب اڑیسہ اور اوریا کے راجوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے تلنگانہ کے راجوں سے مل کر' ایک عظیم الشان لشکر مسلمانوں کے ملک کو فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ نظام شاہ کے امیروں نے بھی ان دشمنوں کو نیچا دکھانے کا انتظام کیا۔ تلنگانہ کے لشکر کو اس علاقے کے راجاؤں کا مقابلہ کرنے کے لئے اسی ملک میں چھوڑا اور خود بیجاپور' برار اور دولت آباد کی فوج کو اپنے ہمراہ لے کر سلطان محمود خلجی سے معرکہ آرائی کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔

نظام شاہی لشکر کی ترتیب

قندھار کے قلعے کے قریب دونوں لشکروں میں آمنا سامنا ہوا اور ہر فریق معرکہ آرائی کے لئے تیار ہو گیا۔ بہمنی خاندان کا صاحب جمال اور خوبصورت بادشاہ' کم عمری کے باوجود ترکش کمر سے باندھ کر اور تلوار لٹکا کر بڑی چستی اور اطمینان کے ساتھ لشکر کی صفوں کو مرتب کرنے میں مصروف ہوا۔ میمنہ پر ملک التجار محمود کاواں کو دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ متعین کیا گیا' بادشاہ خود خواجہ جہاں اور اپنے کاکا سکندر خاں غلام ترک کے ساتھ قلب لشکر میں ٹھہرا جو گیارہ ہزار سواروں اور ایک سو ہاتھیوں پر مشتمل تھا۔

سلطان محمود کے لشکر کی ترتیب

دوسری جانب سلطان محمود خلجی نے اپنے لشکر کو اس انداز سے ترتیب دیا کہ میمنہ کی نگرانی اپنے بیٹے شہزادہ غیاث الدین کے سپرد کی اور چندیری کے حاکم مہابت خاں اور ظہیر الملک کو میسرہ پر متعین کیا' خود سلطان محمود اپنے چیدہ اور بہادر ترین سپاہیوں کے ساتھ قلب لشکر کے ساتھ کھڑا ہوا۔

جنگ

قصہ مختصر یہ کہ ابھی نقارہ جنگ کی آواز پوری طرح بلند بھی نہ ہوئی تھی کہ ملک التجار محمود کاواں نظام شاہی لشکر کے میمنہ سے آگے بڑھا اور بہادری کے جوش میں مست ہو کر' بیجاپور کے لشکر کو اپنے ساتھ لے کر' دشمن کے میسرہ پر دھاوا بول دیا۔ مہابت خاں اور ظہیر الملک نے بڑی بہادری اور جان بازی کے ساتھ حملے کو روکا' لیکن محمود کاواں کی قوت کا وہ مقابلہ نہ کر سکے اور میدان جنگ سے فرار ہونے کے لئے پر تولنے لگے مگر محمود کاواں کے لشکریوں نے انہیں قتل کر دیا۔ نظام الملک ترک نے بھی بہادری کا مظاہرہ کیا اور ایک بپھرے ہوئے شیر کی طرح نعرہ لگا کر شہزادہ غیاث الدین پر حملہ کر دیا' غیاث الدین میدان جنگ میں اپنے آپ کو پانچ سو بہادر سپاہیوں کے برابر سمجھتا تھا۔ وہ بہت سی لڑائیوں میں اپنے دشمنوں کو نیچا دکھا چکا تھا' اس وجہ سے اس کی بہادری اور شجاعت کی سارے ہندوستان میں دھوم مچی ہوئی تھی۔ جس وقت لڑائی اپنے شباب پر تھی' اس وقت اتفاقاً شہزادہ غیاث الدین اور نظام الملک کا آمنا سامنا ہو گیا۔

یہ دونوں بے نظیر اور جواں ہمت بہادر ایک دوسرے کو پہچانے بغیر ہی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے اور تلواریں چلنے لگیں۔ نظام الملک کی تلوار اس آویزش میں ٹوٹ گئی' اس کے ہاتھ میں صرف دستہ رہ گیا' لیکن اس نے ہمت نہ ہاری بلکہ بڑی حاضر دماغی اور چالاکی سے کام لیا اس نے تلوار کا دستہ غیاث الدین کے منہ پر اس زور سے دے مارا کہ غیاث الدین کی آنکھ زخمی ہو گئی اس میں سے خون بہنے لگا' اس کے بعد نظام الملک نے غیاث الدین کو گھوڑے سے نیچے گرا لیا اور اپنا گھوڑا اس پر دوڑا کر اس کا کام تمام کرنے ہی والا تھا کہ شہزادے کے ہمراہی سپاہیوں کی ایک جماعت نے وہاں پہنچ کر شہزادے کو اٹھا لیا اور بھاگ نکلے۔

محمود خلجی کی کم ہمتی

نظام شاہی لشکر نے فراریوں کا پیچھا کیا اور تقریباً دو کوس کے فاصلے تک ان کا پیچھا کرتے چلے گئے۔ اور دشمن کے سپاہی کو قتل کر کے چاروں طرف لاشیں ہی لاشیں بکھیر دیں۔ اس کے بعد دکنیوں نے دشمن کے لشکر کی طرف توجہ کی اور پچاس ہاتھی گرفتار کر لیے۔ سلطان محمود خلجی نے جب اپنے لشکر کے میمنہ اور میسرہ کی یہ حالت دیکھی تو وہ حواس باختہ ہو گیا۔ اس نے بھاگ کر مندور چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔ جب اس کے اس ارادے کی خبر' اس کے ایک ہمراز درباری کو معلوم ہوئی تو اس درباری نے محمود خلجی کو سمجھایا اور میدان جنگ میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب دی۔

ہاتھی کی مستی

اس وقت نظام شاہ کا جی چاہا کہ اپنی ذاتی شجاعت کے کچھ جوہر دکھائے۔ اس نے سلطان محمود خلجی کے خاصہ کی فوج پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ خواجہ جہاں نے بادشاہ کو اس ارادے سے باز رکھا اور وہ خود دس ہزار بہادر سپاہیوں اور چند نامی گرامی ہاتھیوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ اس نے سلطان محمود کے لشکر سے' جو بارہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا مقابلہ کیا۔ جب لڑائی جاری تھی اس وقت سلطان محمود نے سکندر خاں غلام ترک کے ہاتھی کے ماتھے پر ایک تیر مارا۔ سکندر خاں' خواجہ جہاں کے ساتھ معروف جنگ تھا۔ ہاتھی تیر کھا کر بدک اٹھا اور بھاگ نکلا اور اس نے اپنے ہی لشکر کے بہت سے سپاہیوں کو لقمہ اجل بنا دیا۔ اس موقع پر عین ممکن تھا کہ بادشاہ کو کوئی نقصان پہنچ جاتا۔

نظام شاہ کی بیدر کو روانگی

سکندر خاں غلام نے اپنی حماقت اور عاقبت نا اندیشی اور خواجہ جہاں کی مخالفت کا خیال کر کے سپاہیوں کو لڑائی کرنے کے لئے اکسایا۔ بلکہ نظام شاہ کو اپنے ساتھ لے کر میدان جنگ سے باہر نکل گیا اور کچھ فاصلے پر جا کر لشکر کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جب امیروں اور خاصہ کے لشکر نے شاہی کوکبہ کو اس جگہ پر نہ دیکھا تو وہ معرکہ آرائی سے بیزار ہو کر ایک ایک کر کے میدان جنگ سے بھاگ نکلے۔ اور نظام شاہ کو اپنے ساتھ لے کر سیدھے بیدر جا پہنچے۔

نظام شاہیوں کا فرار

خواجہ جہاں نے جب یہ دیکھا کہ میمنہ اور میسرہ کا لشکر تو اپنے آپ کو فاتح سمجھ کر دشمن کی تباہی و بربادی میں مصروف ہے اور شاہی چتر بھی میدان جنگ میں موجود نہیں ہے۔ نیز قول کے لشکری آمادہ فرار ہیں تو اس نے میدان جنگ سے باہر نکل کر حسن تدبیر سے شاہی چتر کو اپنے قبضے میں کر کے احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ کر لیا۔ ملک التجار محمود گاواں اور دیگر دکنی اور حبشی امراء بھی ان حالات کو دیکھتے ہوئے میدان جنگ سے بھاگ نکلے اور اس طرح ساری فوج بیدر پہنچ گئی۔

سکندر خان کی گرفتاری

سکندر خاں غلام ترک جو نظام شاہ کو تقریباً دو تین سو سواروں کے ساتھ میدان جنگ سے نکال کر لایا تھا اور اس وجہ سے سب لوگ اسے تحسین و آفرین کا مستحق سمجھتے تھے' وہ خواجہ جہاں سے ملاقات کرنے کے لئے گیا۔ خواجہ جہاں نے سکندر خاں کو اس جرم پر کہ اس نے بے موقع و محل بادشاہ کو میدان جنگ سے باہر نکالا' گرفتار کر لیا اور اسے بہت ہی بے عزتی اور تذلیل کے ساتھ اپنے مکان سے باہر نکال کر موکلوں کے سپرد کر دیا۔ خواجہ جہاں کے اس سلوک سے تمام ترکی غلام چراغ پا ہو گئے انہوں نے آپس میں مل کر نظام شاہ کی والدہ ملکہ جہاں سے کہا۔ "ہم غلاموں نے آج تک آپ کی خیر خواہی کے سوا اور کوئی کام نہیں کیا۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ جب میمنہ اور میسرہ کی فوج دشمن کی تباہی و بربادی میں مصروف ہوئی۔ اور بادشاہ کے قریب کوئی سپاہی نہ رہا تو سکندر خاں نے مصلحت وقت کو دیکھتے ہوئے آپ کے بیٹے کو میدان جنگ سے باہر نکال لیا اور آپ کے سپرد کر دیا۔ اب بادشاہ کے کاکا کو گرفتار کر لیا گیا ہے' ایک ترک کا ایک مغل کے ہاتھوں اس ذلت و رسوائی کے ساتھ گرفتار ہونا بہت بڑی بدنامی کی بات ہے۔"

دکن کے باشندوں کو اپنے غلاموں سے بے پناہ محبت ہوتی ہے اس لئے ملکہ جہاں ترکوں کی بات سن کر بہت رنجیدہ ہوئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس نے کہا "مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میں مصلحتاً کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتی تم لوگ فکر نہ کرو میں آئندہ کبھی اس کی تلافی کر دوں گی۔ خواجہ جہاں کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے سکندر خاں کو ملکہ جہاں کے پاس بھیجدیا اور یہ عذر کیا کہ سلطان محمود خلجی جو ہمیشہ خواجہ جہاں سے خائف رہتا تھا' اس کی ناراضگی سے واقف ہو گیا ہے اور احمد آباد بیدر کو فتح کرنے کے لئے اپنے ملک سے روانہ ہو چکا ہے۔

سلطان محمود خلجی کا اقتدار

ملکہ جہاں' خواجہ جہاں کی عیاری سے اچھی طرح واقف تھی' اس سے ڈرتی تھی' اور مندرجہ بالا معرکے میں شکست کا سبب اسی کو سمجھتی تھی۔ ملکہ نے محمود گاواں سے مشورہ کر کے ارک کے قلعے کا نگران ملوخاں کو مقرر کیا اور خود تمام شاہی خزانوں' بیگمات' نظام شاہ اور محمود گاواں کے ساتھ فیروز آباد کی طرف روانہ ہوئی۔ سلطان محمود خلجی نے بڑی سہولت کے ساتھ شہر کا محاصرہ کر لیا اور سترہ دن کے اندر اندر قلعے پر قبضہ کر کے حصار کے اندر مقیم ہو گیا۔ محمود شاہ نے برار اور دولت آباد کے اکثر شہروں کو اپنی حکومت میں لے لیا اور

مالوی کے قبضے میں چلی گئی۔

محمود شاہ گجراتی کی آمد

اسی دوران میں اچانک محمود شاہ گجراتی' جو خود اس زمانے میں کم سن تھا' کا لشکر گجرات کی سرحد پر نمودار ہوا۔ جن دنوں نظام شاہ معرکہ آرائی کے لئے روانہ ہو رہا تھا' اس نے محمود کاواں کے مشورے سے محمود شاہ گجراتی کے نام خلوص و محبت کا ایک خط ارسال کیا تھا اور اسے حقیقت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ نظام شاہ نے فیروز آباد ہی میں قیام کیا اور یہ اطمینان ہو جانے کے بعد کہ مفرور سپاہی بھی اس کے ساتھ آ ملے ہیں' اس نے خواجہ جہاں کو ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ محمود شاہ خلجی کے مقابلے پر روانہ کیا۔ خواجہ جہاں ابھی رخصت ہوا ہی تھا کہ یہ اطلاع ملی کہ محمود شاہ گجراتی اسی ہزار سواروں کے ساتھ آ گیا ہے۔

ملک التجار کی بیدر کو روانگی

ملکہ جہاں نے یہ خبر سنتے ہی محمود کاواں کو جس کی خوش اسلوبی اور حسن سلوک سے تمام لشکری بہت خوش تھے اور اس کو بہت چاہتے تھے' تقریباً پانچ چھ ہزار سواروں کے ساتھ شہر کی راہ سے شاہ گجرات کے پاس روانہ کیا۔ محمود شاہ گجراتی نے اپنے بہت سے قابل اعتبار امراء کو بیس ہزار سواروں اور بے شمار آلات حرب کے ساتھ حریف کی مدافعت کے لئے محمود کاواں کے ساتھ روانہ کیا۔ محمود کاواں نے دکن کے چاروں طرف اپنے قاصد روانہ کیے اور کچھ دنوں میں چالیس ہزار دکنی اور گجراتی سواروں کا ایک جرار لشکر تیار کر کے احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہو گیا۔

سلطان محمود خلجی شہر کے اندر قیام پذیر تھا' ان دنوں وہ ارک کا قلعہ تسخیر کرنے کی کوشش کر رہا تھا' نیز اپنا سامان درست کرنے میں مصروف تھا۔ قلعہ حاصل کرنے کے لئے وہ ہر روز طوغاں سے معرکہ آرائی کرتا تھا۔ محمود خلجی کو جب ملک التجار کی آمد کی خبر ملی تو وہ بہت ہراساں ہوا اور بیدر سے مندو کی طرف بھاگ نکلا' بالکل اسی طرح جیسے کوئی پرندہ پنجرے سے آزاد ہو کر بھاگتا ہے۔ ملک التجار نے دس ہزار دکنی سواروں کا ایک لشکر برار کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہ تمام راستوں کی ناکہ بندی کر کے مالویوں کو آنے جانے کا موقع نہ دیں اور وہ خود بھی دس ہزار دکنیوں اور بیس ہزار گجراتیوں کی ایک جمعیت لیکر سلطان محمود خلجی کے قریب ہی قندھار اور بیٹر کے درمیانی علاقے میں مقیم ہوا۔

سلطان محمود خلجی کی فوج کی بدحالی

ملک التجار نے اپنے دشمن کو ہر چہار طرف سے گھیر لیا۔ اور اس کی فوج کو چاروں طرف برباد کرنا شروع کر دیا۔ غلہ اور دیگر سامان ضرورت حاصل کرنے کی تمام راہیں بند کر دیں۔ سلطان محمود خلجی کے پاس' صحیح روایت کے مطابق بیس ہزار سواروں کا لشکر تھا' وہ لڑنے کے لئے تیار ہوا۔ مگر ملک التجار نے لڑائی نہ کی بلکہ اسی طرح اپنے کام میں مصروف رہا۔ اسی کاروائی کا یہ نتیجہ نکلا کہ سلطان محمود کی فوج میں قحط کے آثار پیدا ہو گئے۔ مندو کے قریب خیموں میں بیٹھے ہوئے لشکری بھوک سے تنگ آ کر آہ و زاری کرنے لگے' سلطان محمود خلجی نے جب کوئی چارہ کار نہ دیکھا تو اس نے تن تنہا فرار ہونے کی سوچی' وہ تمام ہاتھی جنہیں وہ اپنے ساتھ نہ لے جا سکتا تھا' ان کو اندھا کر دیا گیا۔ اور شاہی اسباب اور اسلحہ وغیرہ کو نذر آتش کر دیا گیا۔ سلطان محمود خلجی نے جب یہ دیکھا کہ مندو کے تمام براہ راست اور پرامن راستوں پر حریف کا قبضہ ہے تو وہ اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کونڈواڑہ کے راستے سے روانہ ہوا۔

سلطان محمود خلجی کا فرار

محمود کاواں کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے ان فراریوں کا پیچھا کیا اور ان کی تاراجی و بربادی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سلطان محمود خلجی کے ساتھ کونڈواڑہ کا مکھیا بھی تھا۔ سلطان نے اس سے کہا۔ "کوئی ایسا راستہ بتاؤ کہ ہمارا لشکر باسانی سفر طے کر سکے اور دکنیوں کے ظلم

دستم سے محفوظ رہے اور تجھ پر بھی کوئی آنچ نہ آئے۔" یہ کھیا سلطان سے انتقام لینے کے درپے تھا لہٰذا اس نے کہا۔ "اس علاقے میں ایسا کشادہ راستہ کوئی نہیں ہے کہ جس سے انسان اور جانور بہ آسانی گزر سکیں۔ ہاں ایک ایسی راہ ضرور ہے کہ جس سے ہم سفر طے کر سکتے ہیں' لیکن اس راہ میں چاہ ہاروت کی طرح ایسے کنوئیں ہیں کہ جن میں پانی کا نام و نشان تک نہیں ہے۔"

راستے کی مشکلیں

سلطان محمود خلجی' ملک التجار کے تعاقب کرنے کی وجہ سے بہت حواس باختہ ہو رہا تھا۔ اس نے مجبور ہو کر ایلچپور اور اکل کوٹ کی راہ اختیار کی اور کہا۔ "کوئی دشوار گزار راستہ اختیار کرنا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم کوئی آسان اور کشادہ راستہ اختیار کریں کہ جس پر دشمن کا قبضہ ہو اور وہ ہم کو مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کر دے۔" قصہ مختصر یہ کہ پہلے روز پانی کی کمی' ہوا کی تپش اور راستے کی مشکل کی وجہ سے تقریباً پانچ چھ ہزار افراد لقمہ اجل ہوئے۔ دوسرے روز اس علاقے کے باشندوں یعنی کونڈوں نے' ان لوگوں کی مجبوری اور غریب الوطنی سے فائدہ اٹھا کر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا' اور انہیں ایک دوسری مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ ان لوگوں نے اپنے مال و اسباب کو اپنی جان پر سے صدقے کر دیا اور اپنی تمام دولت جنگلی اور پہاڑی علاقے میں قزاقوں کے آگے پھینکنے لگے۔ پانی اس قدر نایاب تھا کہ ایک پیالہ دو تنکے نقرئی میں بکنے لگا' لیکن اس کے باوجود بھی پانی ضرورت کے مطابق نہ ملتا تھا۔

الغرض سلطان محمود خلجی ہزار ہا مصیبتیں اور پریشانیاں اٹھا کر اس جنگل سے باہر نکلا' باہر نکل کر اسے معلوم ہوا کہ کنوؤں کو پوشیدہ کرنا اور راستوں میں ڈاکوؤں کو کھڑا کرنا' کونڈواڑہ کے مقدم کی حرکت ہے۔ محمود خلجی نے فوراً مقدم کے قتل کا حکم دے دیا۔ اس مقدم کو جب اس حکم سے آگاہی ہوئی تو اس نے بادشاہ کو ایک بڑی سی گالی دے کر کہا۔ "میں نے تو شاندار انتقام لیا ہے۔ اگر بادشاہ ہزار ہا افراد کی جانوں کے عوض ایک میری گردن مارے گا تو اسے کیا ملے گا۔ میرے بیٹوں کو خدا رکھے میں پھر ان کی اولاد کی صورت میں دنیا میں آجاؤں گا۔" اس مقدم کی اس بات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کونڈواڑہ کے ہندو بھی دیگر بت پرستوں کی طرح عقیدہ تناسخ کے قائل ہیں اور اسی سبب سے وہ اپنے قتل سے ڈرتے نہیں ان لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ آدمی مر کر بالکل فنا نہیں ہو جاتا' انسان مر کر دنیا میں دوبارہ آتا ہے' خواہ کسی بھی چیز کے بھیس میں آئے' لیکن اس کی حالت اس جنم کی حالت سے کہیں بہتر ہوتی ہے۔

محمود خلجی کا کردار

مورخین کا بیان ہے کہ سلطان محمود خلجی نے احمد آباد بیدر کا محاصرہ کر کے وہاں کی عمارتوں کو نذر آتش کر دیا اور رعایا کو بہت بری طرح تباہ و برباد کیا اور طرح طرح کے مصائب کے دروازے کھول دیئے۔ اس کے بعد دکن کے دوسرے علاقوں کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اور رعایا کی دلجوئی اور ملک کی خوشحالی کی طرف متوجہ ہوا۔ سلطان محمود کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے لباس اور غذا کے لئے کام کرتا اور بڑے حلال اور جائز طریقے سے اپنی ضروریات پوری کرتا۔ وہ جائز طریقے سے حاصل کیا ہوا چاول' گھی' گیہوں اور کپڑا سفر میں اپنے ساتھ رکھتا اور لکڑی کے تختوں پر بوئی ہوئی سبزیاں ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی تھیں۔

مولانا شمس الدین کی حق گوئی

جب سلطان محمود خلجی کو احمد آباد بیدر میں قیام کرتے ہوئے کافی دن ہو گئے تو اس نے مولانا شمس الدین حق گوئے کرمانی سے' جو شاہ خلیل اللہ کے مقبرے کے مجاور تھے۔ ملاقات کی اور ان سے کہا "میرے پاس ترکاری ختم ہو گئی ہے اور اس سے بہت پریشانی ہے۔ ان تختوں کے اوپر' اس قدر ترکاری پیدا کرنا جو شاہی باورچی خانے کے لئے کافی ہو' بہت مشکل ہے۔ اگر کسی شخص کے پاس حلال کے روپے سے خریدی ہوئی زمین موجود ہو تو مجھے بتایئے تاکہ میں اسے اچھی قیمتیں دے کر سبزیاں خرید لوں۔" یہ بات سن کر مولانا شمس الدین حق

کو' تباہ و غارت کرنا' ان کے گھروں اور آبادیوں کو ویران کرنا اور اس کے باوجود کپڑے اور ترکاری وغیرہ کی خرید و فروخت کے سلسلے میں حلال و حرام کا خیال رکھنا حماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟ یہ سب کچھ خدا ترسی سے بہت دور ہے۔" یہ سن کر بادشاہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اس نے کہا آپ سچ کہتے ہیں' لیکن جہان بانی اور ملک گیری ان باتوں کے بغیر بہت مشکل ہے۔"

ملک عرب کا ایک قصہ

مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ اس حکایت کے مماثل ایک دوسرا قصہ "فتوحات" یا کسی دوسری کتاب میں دیکھا ہے جو اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ملک عرب میں یحیٰی بن نعمان نامی ایک بادشاہ تھا اس کے عہد حکومت میں ابو عبد اللہ نامی ایک بزرگ تھے' جنہوں نے دنیا میں اور اہل دنیا سے ہر قسم کے تعلقات قطع کرکے گوشہ نشینی اور فقیری کو اپنا لیا تھا۔ ایک دن یحیٰی بن نعمان کا گزر ایک ایسے راستے سے ہوا کہ جس پر شیخ ابو عبد اللہ بھی اپنے مریدوں کے ہمراہ گزر رہے تھے۔ شیخ صاحب نے بادشاہ کو سلام کیا بادشاہ نے سلام کا جواب دے کر ان سے پوچھا۔ "میرے بدن پر جو ریشمی لباس ہے اسے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟" یہ سن کر شیخ صاحب مسکرا دیئے اور کہنے لگے۔" تیرا حال بالکل اس شخص جیسا ہے کہ جو سر سے لے کر پاؤں تک نجاست و غلاظت میں ملوث ہو' لیکن پیشاب کی چھینٹ سے پرہیز کرتا ہو' تیرا پیٹ حرام کے لقموں سے بھرا ہوا ہے' تیری گردن پر خلق اللہ پر ظلم ڈھانے کا طوق ہے۔ اور تو ریشم اور نماز کے مسئلے کو دریافت کرتا ہے۔" یہ سچی بات سن کر یحیٰی بن نعمان رو دیا اور اپنے گھوڑے سے اتر کر شیخ کا ہاتھ چوم لیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے بادشاہت ترک کر دی اور اپنی باقی زندگی شیخ صاحب کی خدمت میں بسر کر دی۔

احمد آباد بیدر کی تعمیر نو

قصہ مختصر جب سلطان محمود خلجی مندو واپس چلا گیا تو نظام شاہ نے محمود شاہ گجراتی کے نام ایک خط روانہ کیا اور بہت سے تحفے اور ہدیے اور کئی ہاتھی اپنے خاص مصاحبوں کے ہاتھ ارسال کیے اور زحمت دینے کی معذرت چاہی۔ محمود شاہی گجرات واپس چلا گیا نظام شاہ احمد آباد بیدر واپس آیا اور شہر کو از سر نو تعمیر کرکے آباد کرنے لگا کچھ ہی عرصے میں احمد آباد بیدر پہلے کی طرح آباد شہر بن گیا۔

محمود خلجی کا نیا حملہ

سلطان محمود خلجی کو ملک التجار محمود گاواں سے بڑی سخت دشمنی ہو گئی تھی اس لئے اس نے دوسرے سال یعنی ۸۶۷ھ میں حسب روایت نظام الدین احمد' نوے ہزار سواروں کے لشکر کے ساتھ دکن پر حملہ کیا نظام شاہ نے بھی لشکر تیار کروایا اور مقابلے کے لئے نکل پڑا۔ اس نے محمود شاہ گجراتی سے بھی مدد طلب کی۔ محمود شاہ نے بغیر کسی قسم کی تاخیر کے اپنے لشکر تیار کیا اور سلطان پور کی طرف چل پڑا اور راستے ہی میں محمود خلجی کو گھیر لیا۔ محمود خلجی اس مرتبہ بھی گونڈواڑہ کے راستے مندو چلا گیا اس کی روانگی کے بعد دونوں خوبصورت اور یوسف جمال فرمانروا ایک دوسرے سے ملے اور ایک دوسرے کو تحفے تحائف دے کر رخصت ہوئے۔

بہمنی خاندان کا یہ رواج تھا کہ بادشاہ کی پہلی بیوی "ملکہ جہاں" کے خطاب سے سرفراز ہوتی تھی اور اس کے لئے یہ ضروری ہوتا تھا کہ وہ بہمنی خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ نظام شاہ کی والدہ نے اپنے بیٹے کی شادی کے لئے اپنے ایک عزیز کی لڑکی کا انتخاب کیا۔ نظام شاہ کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی اور ایک عظیم الشان جشن مسرت کا انعقاد کیا گیا' لیکن افسوس کہ شب زفاف کو' جب کہ ساری دنیا عیش و عشرت میں مصروف تھی' اور ہر گھر عشرت کدہ بنا ہوا تھا' دفعتاً شاہی محل سے آدھی رات کے وقت رونے پیٹنے کی صدائیں بلند ہوئیں اور یہ معلوم ہوا کہ نظام شاہ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور دوسرے کے لئے اپنا تخت خالی کر دیا۔ یہ حادثہ ۱۳ ذیقعد ۸۶۸ھ کو وقوع پذیر ہوا۔

نظام شاہ کی مدت حکمرانی دو سال ایک ماہ ہے۔

محمد شاہ ثانی بن ہمایوں شاہ ظالم

مورخین کا بیان ہے کہ ہمایوں شاہ ظالم نے ملکہ جہاں (والدہ نظام شاہ) کے بطن سے تین بیٹے یادگار چھوڑے۔ ان تینوں کے نام یہ ہیں (۱) نظام شاہ (۲) محمد شاہ (۳) احمد شاہ بڑے بیٹے نظام شاہ نے عنفوان شباب ہی میں داعی اجل کو لبیک کہا اور محمد شاہ نو سال کی عمر میں بہمنی تاج و تخت کا مالک ہوا۔

تعلیم و تربیت

محمد شاہ کی حکومت کے ابتدائی زمانے میں' نظام شاہ کے عہد حکومت کی طرح' خواجہ جہاں ترک اور ملک التجار محمود گاواں' نظام شاہ کی والدہ کے مشورے سے حکومت و سلطنت کے امور کی انجام دہی کرتے تھے۔ ہمایوں شاہ ظالم کا سب سے چھوٹا لڑکا عمدہ پرگنوں' جاگیردار مقرر ہو کر اپنے بھائی محمد شاہ بادشاہ کا ہم نشین ہوا خواجہ جہاں نے محمد شاہ کی تعلیم و تربیت کی طرف بہت توجہ کی اور ملکہ جہاں کے مشورے سے اسے حیدر خاں شوستری کے حوالے کیا جو اپنے زمانے کا زبردست عالم اور پرہیزگار شخص تھا۔

علم و ذکاوت

محمد شاہ تعلیم حاصل کرنے اور مختلف علوم میں تربیت حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہوا اور کچھ ہی عرصے میں اچھی خاصی استعداد علمی بہم پہنچائی نیز خوشخطی میں بھی مہارت پیدا کر لی' بہمنی خاندان میں فیروز شاہ کے بعد محمد شاہ جیسا صاحب علم فرمانروا پھر پیدا نہیں ہوا خواجہ جہاں ترک تزک و احتشام کے ساتھ امور سلطنت کو انجام دیتا تھا اور ملک کے کسی دوسرے آدمی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس نے قدیم امیروں سے اکثر پرگنے حاصل کر کے خودساختہ نئے امیروں کے حوالے کر دیئے اور شاہی خزانے کو حسب خواہش صرف کرنے لگا۔

خواجہ جہاں ترک کا اقتدار

خواجہ جہاں ترک نے اپنا یہ شعار بنا لیا تھا کہ وہ شاہی خدمت کو بغیر کسی شرکت کے سرانجام دیا کرتا تھا محمود گاواں اس زمانے میں سلطان محمود خلجی کو دکن کی حدود سے باہر نکال دینے کے بعد پہلے سے کہیں زیادہ شان و شوکت کا مالک ہو گیا تھا۔ اسے بھی خواجہ جہاں ترک کسی سلسلے میں دخل دینے نہ دیتا تھا اور اسے اکثر و بیشتر سرحدی مہمات پر روانہ کرتا رہتا تھا۔

محمد شاہ کی والدہ' ملکہ جہاں بڑی عقلمند اور دور اندیش عورت تھی' وہ خواجہ جہاں ترک کا چلن دیکھ کر دل ہی دل میں خائف ہوئی اور اس نے محمد شاہ کو بھی خواجہ جہاں ترک کی بری نیت سے آگاہ کر دیا۔ اور اسے اس بات پر راضی کر لیا کہ جب دوسرے دن صبح کے وقت خواجہ جہاں شاہی دربار میں آئے اور ملکہ جہاں اسے تنہا ہی بادشاہ کے پاس بھیجے تو محمد شاہ اسے بغیر کسی حیل و حجت کے فوراً قتل کروا ڈالے۔

خواجہ جہاں ترک کا قتل

اس بات چیت کے دوسرے روز جو ۸۰۰ھ کا کوئی دن تھا' خواجہ جہاں ترک بڑی شان و شوکت اور عظمت کے ساتھ بادشاہی دیوان خانے میں آیا' اس نے خلاف معمول دیوانخانے میں نظام الملک کے ساتھ نوجوان کی ایک مسلح جماعت دیکھی تو اسے تشویش لاحق ہوئی مگر وہ کر بھی کیا سکتا تھا مجبوراً بادشاہ کی خدمت میں دیوانداری میں مشغول ہوا اسی اثنا میں محل کے اندر سے دو معمر خواتین باہر آئیں اور

مخاطب ہوا اور کہا یہ شخص حرام خور ہے لہٰذا اس کو موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے۔" نظام الملک خواجہ جہاں ترک کا دشمن تو تھا ہی' اس نے شاہی حکم کے ملتے ہی بلا تامل' خواجہ جہاں کو ہاتھ سے پکڑا اور باہر لے گیا۔ وہاں اس نے تلوار کے کئی واروں سے خواجہ جہاں کا کام تمام کر دیا۔

ملک التجار کی عزت افزائی

کچھ دنوں بعد سلطان محمد شاہ نے اپنی والدہ کے مشورے سے ملک التجار محمود گاواں کو خلعت خاص سے سرفراز کیا اور خواجہ جہاں کا خطاب عنایت کرکے اسے وکیل السلطنت اور امیر الامراء مقرر کیا ملک التجار نے اس طرح دنیاوی عزت و افتخار سے بہرہ ور ہو کر ساری دنیا میں شہرت حاصل کی' اسے تحریر و تقریر میں "مخدوم جہانیاں معتمد درگاہ سلطان آصف جم نشان امیر الامراء ملک نائب مخدوم خواجہ" کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

محمد شاہ کی شادی

جب محمد شاہ کی عمر چودہ سال کی ہو گئی تو اس کی والدہ نے بہمنی خاندان کی ایک لڑکی سے اس کی نسبت قرار دی' ملک التجار کی نگرانی میں ایک جشن مسرت منعقد کیا گیا' کہ جس کا حال بیان کرنے سے زبان قاصر ہے اور یوں بادشاہ کا نکاح کر دیا گیا۔ اس شادی سے فارغ ہونے کے بعد بادشاہ کی والدہ نے حکومت کے تمام امور و انتظامات بادشاہ کے سپرد کر دیئے اور خود عبادت و تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئی۔

سلطان محمد شاہ کا معمول تھا کہ وہ اپنی ماں کے مشورے کے بغیر کسی اہم کام کو انجام نہ دیتا تھا اور ہر طرح اس کی تعظیم و تکریم کیا کرتا تھا' وہ ہر روز اپنی ماں کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوتا تھا۔ بادشاہ جب شادی کے ہنگامے سے فارغ ہوا تو اس نے مہمات سلطنت کی طرف توجہ کی' اس نے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے اور ان کے ملکوں پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔

کھرلہ کے قلعے کی فتح

بادشاہ نے نظام الملک کو برار کے لشکر کا سردار مقرر کیا اور اسے بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ۸۷۲ھ میں کھرلہ کا قلعہ' جو حاکم مالوہ کے قبضہ میں تھا' فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ نظام الملک نے وہاں پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا اور اہل قلعہ کی مدد کے لئے جو مندوی لشکر آیا تھا' اسے کئی بار شکست فاش دی۔ آخری بار راجپوت اور افغان سوار' جو تعداد میں بارہ ہزار تھے' بڑے جوش اور ولولے کے ساتھ نظام الملک کے مقابلے پر آئے۔ قلعہ کے قریب ہی طرفین میں معرکہ آرائی ہوئی اور دونوں لشکروں کے سپاہیوں کی ایک بہت بڑی تعداد لقمہ اجل ہوئی' لیکن اس بار بھی خداوند تعالےٰ کے حکم سے مالویوں کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اہل قلعہ میں سے جو لوگ باہر نکل کر معرکہ آرائی میں شریک ہوئے تھے وہ بھی شکست کھا کر واپس قلعے کے اندر چلے گئے' نظام الملک اور دیگر بہت سے دکنی سپاہی تلواریں ہاتھ میں لے کر اور سپروں کو بلند کیے ہوئے ان لوگوں کے پیچھے بھاگے اہل قلعہ نے غلط فہمی کی بنا پر ان لوگوں کو بھی اپنے ہی آدمی سمجھا لہٰذا مالویوں کے ساتھ دکنی بھی قلعے کے اندر داخل ہو گئے اور شام کے وقت قلعے پر قبضہ کر لیا۔

ایک دوسری روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ جب دشمن کے مفرور سپاہی قلعے کے پاس پہنچے تو دکنیوں نے ان کا پیچھا چھوڑ کر پہلے کی طرح قلعے کا محاصرہ کر لیا' اہل قلعہ نے مصائب سے تنگ آ کر بڑی عاجزی سے امان طلب کی اور قلعہ دکنیوں کے حوالے کر دیا۔ اہل دکن نے قلعے والوں کو کوئی جانی نقصان نہ پہنچایا البتہ انہیں قلعے سے نکل جانے کا حکم دے دیا اسی دوران میں دکن کے لوگوں کے نچلے طبقے نے اپنی عادت کے مطابق مالوہ کے لوگوں کو برے لفظوں میں یاد کیا۔ اس پر غیر مسلم راجپوتوں میں سے دو شخصوں نے اپنی بہادری کا مظاہرہ کرنے کی ٹھانی' جب لوگوں کی بھیڑ ذرا چھٹی اور اہل مالوہ کے تمام لوگ' مرد اور عورتیں ... قلعے سے باہر نکل [illegible]

راجپوت نظام الملک سے ہم کلام ہوئے۔

نظام الملک کا قتل

انہوں نے نظام الملک سے کہا "ہم نے اپنی تمام زندگی جنگ کے میدانوں میں گزاری ہے لیکن تم جیسا بہادر انسان ہم نے آج تک نہیں دیکھا' اگر تم اجازت دو تو ہم تمہارے پاؤں چومیں نظام الملک نے یہ دیکھ کر کہ یہ دونوں راجپوت نہتے ہیں' انہیں پاس بلا لیا۔ یہ دونوں پاؤں چومنے کا اظہار کرتے ہوئے نظام الملک کے پاس آئے۔ اور بڑی پھرتی سے انہوں نے قریب کھڑے ہوئے لوگوں سے خنجر اور تلوار چھین کر نظام الملک پر حملہ کر دیا اسے قتل کرنے کے بعد یہ دونوں دوسروں کی طرف متوجہ ہوئے اور اس قدر لڑے کہ ہلاک ہو گئے۔

مالویوں کا قتل

نظام الملک کے دو بھائی تھے۔ ایک یوسف عادل سوائی اور دوسرا دریا خاں ترک' اول الذکر عادل شاہی خاندان کا مورث ہے اور دریا خاں اپنی بہادری اور جرات مندی میں بے نظیر تھا' نظام الملک کے ان دونوں بھائیوں نے یہ خیال کیا کہ نظام الملک کا قتل اہل قلعہ کی سازش کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا انہوں نے اہل قلعہ کے پیچھے لشکریوں کی ایک جماعت روانہ کی۔ اہل قلعہ' قلعہ سے ایک کوس کے فاصلے پر بڑے آرام و اطمینان کے ساتھ مقیم تھے کہ مذکورہ بالا جماعت ان کے پاس جا پہنچی اور ان سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

عادل شاہ اور دریا خاں کا اعزاز

یوسف عادل اور دریا خاں کی قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔ اور انہوں نے بادشاہ کی ہمدردی اور بہی خواہی کے پیش نظر قلعے کو بہت زیادہ مستحکم و مضبوط کیا۔ انہوں نے پیادوں اور سواروں کے ایک گروہ کو قلعے کی حفاظت پر متعین کیا۔ اور خود بے شمار دولت اور نظام الملک کا جنازہ لے کر احمد آباد بیدر پہنچے۔ اور سارا مال غنیمت بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ کو ان دونوں کی یہ خدمت اور اطاعت گزاری بہت پسند آئی۔ لہٰذا اس نے ان دونوں کو یک ہزاری امیر مقرر کر کے' کھترلہ کا قلعہ اور اس کے مضافات کی جاگیرداری عطا فرمائی نیز انہیں اپنے مقرب امراء کے گروہ میں شامل کر لیا۔

حاکم مندو کا پیغام

مندو کے حاکم نے جب اہل دکن کی مستقل دشمنی کو دیکھا تو اس نے اپنے رویہ میں نرمی پیدا کر لی اور شریف الملک نامی ایک شخص کو بہت سے قیمتی تحفے تحائف دے کر محمد شاہ کے پاس روانہ کیا اور بادشاہ کو پیغام دیا کہ "سلطان احمد شاہ ولی بہمنی اور سلطان ہوشنگ نے آپس میں عہد کیا تھا کہ برار سلطان دکن کے قبضے میں رہے گا اور کھترلہ اور اس کے مضافات پر مندو کے حاکم کی نگرانی ہو گی۔ ان دنوں بہمنی امراء نے کھترلہ کے قلعے کو فتح کر لیا ہے۔ اگر آپ کوئی ایسی تدبیر عمل میں لائیں جس سے عہد شکنی نہ ہو اور مسلمانوں کا خون نہ بہے تو یہ آپ کی دینداری اور برادر نوازی سے کچھ دور نہیں ہے۔"

محمد شاہ کا جواب

سلطان محمد شاہ نے شیخ احمد صدر کو' جو بہت ہی نیک طبیعت اور پارسا انسان تھا۔ شریف الملک کے ساتھ مندو روانہ کیا اور سلطان مالوہ کو یہ پیغام دیا "محبت اور اتحاد باہمی کے راستے میں ہماری ثابت قدمی پہلے کی طرح ہے۔ ہمارے قرب و جوار میں کرناٹک کا ملک موجود ہے جس میں غیر مسلموں کے بہت سے قلعے موجود ہیں' جنہیں ہم باسانی فتح کر سکتے ہیں۔ ہمیں کھترلہ کے قلعے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارے خاندان میں [illegible]

غارت گری کا ایسا بازار گرم کیا کہ چنگیز کے کارنامے بھی مات ہو گئے۔ اس کے لشکر نے بھی کبھی اسلامی ممالک میں ایسی تباہی نہ مچائی تھی۔ بہرحال جو کچھ ہوا اس پر خاک ڈالو' ماضی کا شکوہ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔ شیخ احمد صدر جو تمام مسلمانوں کا خیر خواہ اور ہمدرد ہے' میں تمام معاملہ اس کے سپرد کرتا ہوں اور جو کچھ یہ فیصلہ کرے گا اسے ہم تسلیم کر لیں گے۔"

شیخ احمد مندو کے علاقے میں پہنچا اور خلجیوں کے امراء وغیرہ نے اس کا استقبال کیا اور اسے بڑی عزت اور احترام کے ساتھ شہر میں لائے۔ سلطان مندو سے شیخ احمد نے ملاقات کی اور اسے بادشاہ کا پیغام سنایا۔ اس وقت دربار میں تمام علماء اور فضلاء موجود تھے انہوں نے یک زبان ہو کر اقرار کیا کہ بلاشبہ عہد شکنی ہماری طرف سے ہی ہوئی ہے خدا ہمیں اس کے وبال سے بچائے۔" سلطان مندو نے کہا۔ "شیطان نے ہم کو گمراہ کیا اور ہم ایک برے فعل کے مرتکب ہوئے لہٰذا تم اس کا خیال نہ کرو۔ اب تم کوئی ایسی تدبیر سوچو جس پر عمل کر کے ہمارے اور بہمنی خاندان کے درمیان اچھے تعلقات قائم ہو جائیں اور ہم دونوں خاندانوں کی اولاد میں شریعت اور انسانیت کے خلاف کوئی امر وقوع پذیر نہ ہو۔

عہد نامہ

سلطان محمد شاہ بہمنی کی وکالت تو شیخ احمد صدر کر رہے تھے' سلطان مندو کی جانب سے سید العلماء سید سلام اللہ وکیل مقرر ہوئے۔ آپس میں بڑے وعدے وعید کئے گئے اور شرعی حلف کے ساتھ ایک عہد نامہ تیار کیا گیا اور اس پر تمام امراء' عالموں اور شیوخ کی مہریں ثبت کی گئیں۔ دونوں بادشاہوں نے اس عہد نامے کے حاشیے پر یہ عبارت لکھی "جو شخص اس عہد نامے کے خلاف عمل کرے اس پر خدا کی لعنت ہو اور رسول کریم صلعم کی نفریں میں جتلا ہو۔" عہد نامے کا لب لباب یہ تھا کہ "طرفین ایک دوسرے کے ملک و مال پر قبضہ کرنے سے پرہیز کریں۔ اور سلطان احمد شاہ بہمنی کے عہد میں جو کچھ طے پایا تھا اس پر عمل کیا جائے۔ کھرلہ کا قلعہ سلطان محمود خلجی کے حوالے کر دیا جائے۔ غیر مسلموں کے ممالک سے جو علاقہ کوئی فرمانروا فتح کرے وہ اسی کے تصرف میں رہنے دیا جائے اور دوسرا اس کو حاصل کرنے کا لالچ نہ کرے۔"

کھرلہ کے قلعہ کی واپسی

دو تین ماہ کے بعد جبکہ عہد نامہ مکمل ہو گیا تو شیخ احمد صدر نے ان امراء کو' جو کھرلہ میں مقیم تھے' اس مضمون کا مراسلہ بھیجا کہ "سلطان محمد شاہ کا یہ حکم ہے کہ قلعے کو خالی کر کے اہل مالوہ کے حوالے کر دیا جائے۔" چونکہ قلعے سے متعلق امراء کو یہ شاہی فرمان پہنچ چکا تھا کہ وہ شیخ احمد صدر کی کسی بات کی مخالفت نہ کریں اور شیخ کے حکم کو بادشاہ کا حکم سمجھیں۔ اس لئے اہل قلعہ نے شیخ احمد صدر کا مراسلہ ملتے ہی قلعہ خالی کر کے سلطان محمود کے ملازموں کے حوالے کر دیا۔ شیخ احمد صدر اپنے مقصد میں کامیاب و کامران واپس آئے۔ اس عہد نامے کے بعد سے ان دونوں خاندانوں میں پھر کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔

ملک التجار کی روانگی

ملک التجار محمود گانواں ۸۷۴ھ کے شروع میں بیجاپور کا لشکر ساتھ لے کر' بڑی شان و شوکت سے رائے سنگیسر اور کہنیہ کی سرزنش اور کوکن کے دوسرے قلعوں کو فتح کرنے کے لیے روانہ ہوا۔ جنیر چاکنہ' کلتر' دابل' چیول اور پاٹین وغیرہ کی فوج اس کے ساتھ مقرر کی گئی۔ رائے سنگیسر اور رائے کہنیہ کا معمول تھا کہ وہ دریا میں اپنی تین سو کشتیاں ہروقت تیار رکھتے تھے اور مسلمانوں کے قتل اور ان کے مال و اسباب کو لوٹنے کے لئے انہیں استعمال میں لاتے تھے۔ انہوں نے خشکی کے راستوں سے بھی مسلمانوں کو بہت شدید مالی و جانی نقصان پہنچایا تھا۔

ہندوؤں کے ارادے

ان دونوں کو جب ملک التجار کی روانگی کی خبر ملی تو انہوں نے آپس میں مسلمانوں کو قتل کرنے اور ان کو نقصان پہنچانے کے عہد و پیمان کیے۔ انہوں نے مسلمانوں کے قتل کو جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ سمجھا اور بڑے غرور اور ڈھٹائی کے ساتھ گھاٹ کے سرے کی ناکہ بندی کر دی۔ ملک التجار نے گھاٹ تک پہنچنے میں جلد بازی سے کام نہ لیا اور گھاٹ کے قریب ہی جسے "کروہ" کہا جاتا ہے قیام پذیر ہوا۔ ملک التجار نے اپنی تدبیروں سے آہستہ آہستہ گھاٹ کو غیر مسلموں کے قبضے سے نکال لیا۔

محمود کاواں کی فراست

محمود کاواں کو جب یہ اندازہ ہو گیا کہ اس جگہ سوار فوج کسی کام نہیں آ سکتی تو اس نے وہ لشکر جو احمد آباد بیدر سے اس کے ساتھ روانہ ہوا تھا واپس کر دیا۔ اس نے اپنے ہم قوم امیر سعید خاں گیلانی کو جنیر کے لشکر کے ساتھ اور خوش قدم نامی اپنے غلام کو وائل اور کلہر کے لشکر کے ساتھ بلا لیا اور ایک بہت بڑی فوج تیار کر لی بعد ازاں اس نے کھنیہ کے جنگل کو، جس میں سے گزرنا بہت مشکل تھا نذر آتش کر کے ایک ہموار جنگل میں تبدیل کر دیا۔ اور پورے پانچ ماہ تک کھنیہ کا محاصرہ جاری رکھا۔

اسی زمانے میں برسات کا موسم بھی آ گیا اور اس وجہ سے صحرا کو فتح نہ کیا جا سکا۔ محمود کاواں نے گھاٹ کے سرے کو دس ہزار توپچی اور پیادوں کی نگرانی میں چھوڑا اور خود اپنے لشکر کو ہمراہ لے کر گھاٹی سے نیچے کھولا پور کے پرگنہ میں اس نے گھاس پھونس کے مکانات تعمیر کروائے اور برسات کا سارا موسم اسی جگہ بیکاری کے عالم میں گزار دیا۔

رام کنہ اور کھنیہ کے قلعوں کی فتح

محمود کاواں نے کچھ ہی عرصہ میں رام کنہ کا قلعہ فتح کر لیا۔ برسات کا موسم جب ختم ہو گیا تو محمود کاواں گھاٹ کے اوپر آیا اور اس نے مختلف تدبیروں سے کھنیہ کا قلعہ، جو آج تک کسی بادشاہ سے سر نہ ہوا تھا، فتح کر لیا۔ اس کے بعد پھر برسات کا موسم شروع ہو گیا اور محمود کاواں نے پچھلے سال کی طرح قلعہ اور گھاٹی کو جان باز سپاہیوں کے حوالے کیا، جو کوکن کی آب و ہوا کو برداشت کر سکتے تھے اور خود اپنے سواروں کے ساتھ گھاٹ سے نیچے اتر آیا۔

سنگیسر کی فتح

محمود نے چار ماہ تک اسی جگہ قیام کیا اور برسات کے موسم کے خاتمے کے بعد سنگیسر کی طرف روانہ ہوا اس نے ملک کو بڑی آسانی کے ساتھ فتح کر لیا۔ اور اس علاقے کے زمینداروں سے ملک التجار خلف حسن بصری کا انتقام لیا۔ اس نے یہاں کی رعایا کو اپنا فرمانبردار اور اطاعت گزار بنایا۔ محمود نے اس ملک کو اپنے قابل اعتبار لوگوں کے حوالے کیا اور خود جزیرہ کودہ کی طرف روانہ ہوا۔

جزیرہ کودہ کی فتح

یہ جزیرہ بیجانگر کے راجہ کی مشہور بندرگاہوں میں شمار ہوتا تھا۔ محمود کاواں نے ایک سو بیس جنگی جہاز سواروں سے بھر کر دریا کے راستے سے روانہ کیے اور خود اپنے لشکر کے ساتھ خشکی کے راستے وہاں پہنچا۔ کودہ میں پہنچ کر اس نے جنگ شروع کر دی اور اس سے پہلے کہ اس کی آمد کی خبر بیجانگر کے راجہ کو معلوم ہو اور وہ مقابلے کے لئے وہاں سے آئے محمود کاواں نے کودہ کو فتح کر لیا۔

محمود کاواں کی واپسی اور اعزاز

سلطان محمد شاہ کو جب اس فتح کی خوشخبری ملی تو وہ خوشی سے دیوانہ ہو گیا، اس نے ایک ہفتے تک ملک میں خوشی کے شادیانے بجوائے۔

میں کابل تین سال کے بعد واپس آیا۔ سلطان محمد شاہ محمود کاواں سے اس درجہ خوش تھا کہ وہ خود اس کے گھر گیا۔ اور وہاں ایک ہفتے تک عیش و عشرت میں مصروف رہا' بادشاہ نے محمود کاواں کو خلعت خاص سے سرفراز کیا۔ بادشاہ کی والدہ نے بھی اسے "برادر" کے لقب سے یاد کیا۔ بادشاہ نے محمود کاواں کے لقب میں بھی اضافہ کیا اور حکم دیا کہ تمام فرمانوں اور منشوروں میں اس کا نام اس طرح لکھا جائے۔
"حضرت مجلس کریم سید عظیم ہمایوں اعظم صاحب السیف و القلم مخدوم جہانیاں معتمد درگاہ شاہان آصف جم نشان امیر الامراء ملک نائب مخدوم الملک التجار محمود کاواں المخاطب بہ خواجہ جہاں۔"

خوش قدم کی عزت افزائی

عیش و عشرت کے اسی ہفتے میں محمود کاواں کے غلام خوش قدم کو' اعلیٰ خدمات انجام دینے کی بنا پر "کشور خاں" کے خطاب سے نوازگی اور نامی گرامی امراء کے طبقے میں داخل کرکے اس کی جاگیر میں قلعہ کو دہ وہندوہ' کوندوال' کولا پور کا اضافہ کیا گیا الغرض اسے طرح طرح کی شاہانہ عنایات سے سرفراز کیا گیا۔

محمود کاواں کی دریا دلی

سلطان محمد شاہ ایک ہفتے تک عیش و عشرت میں مصروف رہنے کے بعد محمود کاواں کے مکان سے رخصت ہوا اس کی رخصت سے محمود بہت آزردہ خاطر ہوا' اس نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر لیا اور لباس فاخرہ اتار کر رونے لگا اسی عالم میں وہ زمین پر گر پڑا' سر کو زمین پر رکھ کر وہ اس انداز سے روتا رہا کہ اس کے گالوں پر مٹی جم گئی۔ اس کے بعد وہ اپنے حجرے سے نکلا اور احمد آباد بیدر کے تمام علماء فضلاء اور درویشوں وغیرہ کو اپنے پاس بلایا۔ اس نے اپنا تمام مال و اسباب اور قیمتی جواہرات وغیرہ جو اس نے اپنے عہد تجارت و امارت میں جمع کیے تھے' ان لوگوں میں تقسیم کر دیئے۔ اپنے لئے صرف کتابیں' گھوڑے اور ہاتھی رکھ لیے۔ یہ تمام اشیاء بانٹ دینے کے بعد محمود کاواں نے کہا۔ "خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج میں نے نفس امارہ کی کثافتوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔"
ان علماء میں سے ایک شخص نے جس کا نام شمس الدین محمد تھا اور جو محمود کاواں کا مخلص دوست تھا' اس نے پوچھا۔ "آخر اس میں کیا راز ہے کہ تم نے اپنا تمام اثاثہ تو درویشوں میں بانٹ دیا ہے' لیکن کتابیں' گھوڑے اور ہاتھی اپنے پاس ہی رکھے ہیں۔" محمود کاواں نے جواب دیا۔ "جس وقت سے بادشاہ میرے مکان پر آیا ہے اور بادشاہ کی والدہ نے مجھے "برادر" کے لقب سے یاد کیا ہے اس وقت سے میرے نفس میں بغاوت کے آثار پیدا ہو گئے۔ اور میرے دل میں غرور اور تکبر کے اتنے جذبات پیدا ہو گئے کہ میں سخت پریشان ہوا۔ میں نے اسی جلسہ عیش و عشرت میں اپنے نفس کو لعنت ملامت کی اور اس سلسلے میں کچھ اتنا مستغرق ہوا کہ دوران گفتگو میں بادشاہ کی بات کا جواب بھی نہ دے پایا۔ بادشاہ نے جب میری یہ حالت دیکھی تو اس نے مجھ سے اس کا سبب دریافت کیا میں نے یہ جواب دیا کہ میرے دل میں کچھ اختلاجی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔"
بادشاہ نے یہ سمجھا کہ کیفیت شاید جسمانی نظام کی کسی کمزوری کی وجہ سے ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا کہ میں آرام کروں اور وہ خود میرے مکان سے رخصت ہو گیا۔ بس اسی وجہ سے میں نے اپنا تمام مال و اسباب لوگوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ صرف دو چیزوں کو میں نے اپنے پاس رکھ لیا ہے جو میری ملکیت نہیں ہیں۔ ایک کتابیں جو طالب علموں کی ملکیت ہیں اور دوسرے گھوڑے اور ہاتھی جن پر بادشاہ کا حق ہے۔ یہ جانور کچھ دنوں کے لیے میرے پاس ہیں اور پھر انہیں شاہی اصطبل میں پہنچا دیا جائے گا۔"

محمود کاواں کی پاکیزگی طبع

اس واقعے کے بعد محمود کاواں نے بہت سادہ اور معمولی لباس پہننا شروع کر دیا۔ وہ سلطنت کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد اپنے مدرسے اور مسجد میں اور فقراء کی صحبت میں بیٹھتا۔ اسے فقیروں اور درویشوں کے ساتھ بڑی عقیدت تھی۔ ان کے حالات کی پرسش اور

تیمار داری کو وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کی رات اور دوسری متبرک راتوں کو وہ لباس تبدیل کر کے' روپے اور اشرفیاں ہاتھ میں لے کر گلی گلی گھومتا۔ ضرورت مندوں میں یہ دولت تقسیم کرتا اور ان سے کہتا کہ یہ بادشاہ کی طرف سے تحفہ ہے اس کو استعمال میں لاؤ۔ اور اپنے مالک کی عمر اور دولت میں ترقی کی دعا کرو' لیکن افسوس کہ اس پاکیزگی طبع اور اخلاص و محبت کے باوجود دکن کے فتنہ پسندوں نے اس فرشتہ سیرت انسان پر نمک حرامی کا الزام لگا کر شہید کر دیا۔ اس اجمال کی تفصیل آئندہ اوراق میں بیان کی جائے گی۔

رائے اوریا کی وفات

۸۷۶ھ میں یہ اطلاع ملی کہ رائے اوریا نے داعی اجل کو لبیک کہا ہے اور اس کے متعلقین آپس میں دست و گریباں ہو رہے ہیں۔ چونکہ خزانہ اور تخت' متوفی راجہ کے متبنی کے ہاتھ میں تھا اس لئے وہی سب پر غالب آیا۔ ہیمبر کو پہاڑی علاقے اور جنگل میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ اسی اثنا میں متوفی راجہ کے بھتیجے' ہیمبر کی ایک درخواست بادشاہ کے نام آئی جس میں اس نے لکھا تھا کہ اوریا کے راجہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور اس کے متبنی بیٹے منگل رائے نے تاج و تخت پر قبضہ کر لیا اور اپنے آپ کو اوریا کا راجہ مشہور کیا ہے۔ میری رائے میں جناب کے لشکر کے لئے یہی وقت مناسب ہے۔ حضور اس ملک کو فتح کر کے میرے حوالے کر دیں تاکہ میں ہر سال اتنی رقم بطور خراج شاہی خزانے میں داخل کرتا رہوں۔"

اوریا پر لشکر کشی

سلطان محمد شاہ کو جب یہ دعوت ملی تو وہ بہت خوش ہوا کیونکہ وہ ایک زمانے سے اوریا' راجمندری و کندیر وغیرہ کو فتح کرنے کی خواہش رکھتا تھا۔ ملک حسن بحری جو احمد نگر کے بادشاہوں کا مورث اعلیٰ اور شاہان بہمنیہ کا غلام تھا اسے محمد شاہ نے "نظام الملک کا خطاب دے کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ اوریا روانہ کر دیا۔ جب ملک حسن اوریا کی سرحد پر پہنچا تو وہاں اس کے استقبال کے لئے ہیمبر آیا وہ مقدمتہ الجیش بن کر شاہی لشکر کے ساتھ روانہ ہوا۔ منگل رائے نے بھی ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور لڑائی کے لئے مقابلے پر آیا۔

ہندوؤں کی شکست

دونوں لشکروں کے بہادروں نے اپنے نیاموں سے تلواریں نکالیں اور ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ آخر کار بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد ہندوؤں کو شکست ہوئی اور انہوں نے میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کی اور یوں ہیمبر نے اپنے خاندانی تاج و تخت پر قبضہ کر لیا۔

راجمندری اور کندنیر کی فتح

اس کے بعد ملک حسن نظام الملک بحری نے راجمندری اور کندنیر کا رخ کیا اور صحیح روایت کے مطابق ان دونوں شہروں کو فتح کر لیا۔ سلطان محمد شاہ کے حکم کے مطابق اس نے ان دونوں ملکوں کی حکومت اپنے قابل اعتبار امراء کے سپرد کی۔ ہیمبر کو اس کے ملک میں روانہ کرنے کے بعد ملک حسن بہت سا مال و غنیمت' جواہرات اور گراں قدر تحفے تحائف لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ملک حسن کی عزت افزائی

بادشاہ کی والدہ کی مہربانی اور محمود گاواں کی سفارش سے ملک حسن کو خلعت خاص عنایت کیا گیا اور اسے تلنگانہ کا سر لشکر مقرر کیا گیا۔ لے نا۔ شاہان بہمنیہ کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ اسی امیر کو خلعت خاص عطا کیا کرتے تھے جو کسی صوبہ کا سر لشکر ہوتا تھا۔ فتح اللہ عماد الملک کو' جو شاہان برار کا مورث اعلیٰ اور محمود گاواں کے غلاموں میں ذہین و فہیم انسان تھا' اسی زمانے میں برار کا سر لشکر مقرر کیا گیا۔

یوسف عادل کی عزت افزائی

ان امور کے دو تین مہینوں بعد یوسف عادل سوائی کو' جسے محمود کاواں نے اپنا بیٹا بنایا تھا دولت آباد کا سر لشکر بنایا گیا اور خلعت فاخرہ سے نوازا گیا۔ یہ منصب بہت ہی بلند ہے' خاندان بھمنیہ میں اس سے زیادہ کوئی منصب نہیں ہوتا تھا۔ دریا خاں اور دیگر نامی گرامی ترکی غلام جو طبقہ امراء میں شامل تھے' یوسف عادل کی تحتی میں دیئے گئے اور ان کی جاگیر بھی دولت آباد ہی کے علاقے میں مقرر کی گئی۔ قاسم بیگ ولد قاسم بیگ صف شکن' شاہ قلی سلطان اور دیگر مغل امراء جو جنیر اور چاکنہ کے جاگیردار تھے' انہیں بھی یوسف عادل کی' تحتی میں دیا گیا۔ الغرض یوسف عادل' محمود کاواں کی عنایت اور مہربانی سے تمام طرفداروں میں سب سے زیادہ صاحب عزت و جاہ ہوا۔ سلطان محمد شاہ کو جب یہ یقین ہو گیا کہ یوسف عادل شاہ اس قابل ہے کہ اس پر شاہی عنایات اور مہربانیاں کی جائیں تو اس نے اسے دیرہ کہرہ اور انتور کے قلعوں کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔

قلعہ انتور کی فتح

دیرہ کہرا اور انتور کے قلعے لودھیوں کی شورش کے دوران میں ایک مرہٹے کی تحویل میں چلے گئے تھے۔ یہ مرہٹہ بادشاہ کا اطاعت گزار نہیں تھا۔ یوسف عادل دولت آباد پہنچا اور اس نے قاسم بیگ صف شکن کو انتور قلعے کے محاصرے پر لگایا اور دریا خاں کو دیرہ کہرا روانہ کیا۔ قلعہ انتور پر جو مرہٹہ قابض تھا اس نے اپنے آپ میں مقابلے کی قوت نہ پا کر جان کی امان طلب کی اور قلعہ قاسم بیگ صف شکن کے سپرد کر دیا۔ دیرہ کہرا کے قلعہ کا راجہ جینک رائے پہلے تو تقریباً پانچ چھ ماہ تک بڑی بہادری اور جوانمردی سے مقابلہ کرتا رہا' مگر اس کے بعد اس میں کمزوری کے آثار پیدا ہونے لگے اور اس نے اپنے قاصد کو یوسف عادل کے پاس بھجوایا اور یہ پیغام دیا۔

قلعہ دیرہ کہرہ کی تسخیر

"اگر میرا قصور معاف کر دیا جائے اور میری جان بخشی کی جائے تو میں اپنا سب کچھ آپ کے حوالے کر کے خالی ہاتھ اپنے بال بچوں کے ساتھ قلعے سے باہر نکل آؤں گا۔" یوسف عادل نے راجہ کی درخواست منظور کر لی اور دریا خاں کو حکم دیا کہ اہل قلعہ کی عزت اور جانوں کی حفاظت کی جائے اور یہ لوگ جہاں چاہیں انہیں جانے دیا جائے۔ دریا خاں نے یوسف عادل کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے لشکر کو ساتھ لے کر قلعہ کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اور جینک رائے کو مع اس کے بال بچوں کے قلعے سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ بیچارا راجہ اپنے باپ دادوں کے وقتوں کے بھرے پڑے خزانے چھوڑ کر کف افسوس ملتا ہوا قلعے سے باہر نکل گیا۔

قلعہ لانچی کی فتح

یوسف عادل نے اس علاقے کے بڑے بڑے چوہدریوں کو اپنی مہربانیوں سے نوازا اور لانچی کے قلعے کی طرف چل دیا۔ لانچی کا حاکم' جو حال ہی میں اپنے باپ کی وفات کے بعد سیاہ و سپید کا مالک ہوا تھا' یوسف عادل کے مقابلے کی تاب نہ لا سکا۔ اس نے بڑی عاجزی سے جان کی امان طلب کی' وہ قلعہ اور اپنا ساز و سامان یوسف عادل کے حوالے کر کے قلعے سے چلا گیا۔ یوسف عادل نے سامان میں سے جو کچھ لینے کے قابل تھا لے لیا۔ اور اس حاکم کو اپنے امراء کے گروہ میں شامل کر لیا نیز لانچی کا قلعہ اور یہاں کا علاقہ اسے جاگیر میں دے دیا۔ اس کے بعد یوسف عادل احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہوا۔

بادشاہ کا اظہار مسرت

یوسف عادل بیدر پہنچا اور اس نے تمام مال غنیمت جو گھوڑوں' ہاتھیوں جواہرات اور ان گنت قیمتی اشیاء پر مشتمل تھا' بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ مال غنیمت اس قدر زیادہ تھا کہ راجندری اور کندیر کے مال غنیمت بھی اس کے سامنے ہیچ نظر آنے لگے۔ بادشاہ یہ سب کچھ دیکھ کر یوسف عادل سے بہت خوش ہوا اور اسے طرح طرح کی عنایات سے سرفراز کیا۔ اور کہا "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منو

شخص خواجہ کاواں کا بیٹا ہو' اسے ایسا ہی ہونا چاہیے اور اسے ایسے امور ہی سرانجام دینے چاہئیں۔" بادشاہ نے محمود کاواں کو حکم دیا کہ وہ یوسف عادل کو ایک ہفتے تک اپنے گھر میں مہمان رکھے اور اس کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھے۔

یوسف عادل کی خاطر تواضع

خواجہ نے بڑے ادب کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا۔ "بغیر حضور کی شرکت کے دعوت کا کچھ مزا نہ آئے گا۔" محمد شاہ نے جواب دیا۔ "مشترک دعوت میں عام طور پر لطف نہیں آتا تم پہلے ایک ہفتہ تک یوسف عادل کی مہمانداری کرو' اس کے بعد مجھے اپنے گھر بلانا۔ خواجہ نے بادشاہی حکم کی تعمیل کی اور یوسف عادل کو اپنے گھر لے گیا اور اس کی خاطر و مدارت میں مصروف ہوا۔ اس نے زمانے کے دستور کے مطابق بڑے پر تکلف انداز سے یہ خدمت انجام دی۔

خواجہ کے گھر میں بادشاہ کی آمد

جب یہ خاطر و مدارات ایک ہفتے تک ہوتی رہی تو آٹھویں روز بادشاہ نے خواجہ کے مکان کو اپنی آمد کے شرف سے نوازا اور یوسف عادل کو بھی اپنی دعوت میں شریک کیا۔ خواجہ نے دعوت کے اہتمام میں بڑا اعلیٰ معیار پیش کیا۔ خواجہ نے اپنے گھر کی آرائش و زیبائش میں بڑی خوش ذوقی کا ثبوت دیا تھا۔ بادشاہ کی آمد کے بعد خواجہ کے گھر پر جشن مسرت آٹھ روز تک جاری رہا اس عرصے میں بادشاہ نے یوسف عادل کو اپنے ساتھ شریک رکھا۔

شاندار ضیافت

خواجہ نے بادشاہ کی خدمت میں ایسے ایسے نایاب اور گراں قدر تحفے اور ہدیے پیش کیے کہ دکنی لوگ انہیں دیکھ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ضیافت کے آخری دن خواجہ نے اعیان حکومت' روسا' امراء اور شہزادوں وغیرہ کو بھی بہترین تحفے دیئے۔ اس کے بعد خواجہ نے اپنا تمام سامان اور دولت وغیرہ بادشاہ کو دکھلائی اور اس سے کہا کہ "یہ سب کچھ حضور کی نذر کرتا ہوں آپ جس کو چاہیں میں اس کے حوالے کر دوں۔" بادشاہ نے جواب دیا۔ "میں یہ تمام مال اسباب اور دولت قبول کرتا ہوں اور پھر تمہیں کو بخشتا ہوں۔" ان تمام واقعات کے بعد خواجہ کے اعتبار اور عظمت میں بہت اضافہ ہوا۔ نیز یوسف عادل کی بھی ایسی عزت افزائی ہوئی کہ لوگ ان دونوں سے حسد کرنے لگے اور ان دونوں کا تزک و احتشام دیکھ کر جی ہی جی میں کڑھنے لگے۔

پر کیتنہ رائے پر لشکر کشی

انجیر رائے حاکم بیجانگر کی ترغیب سے پر کیتنہ رائے نے ۸۷۷ھ میں جزیرہ کو فتح کرنے کا ارادہ کیا اسی سال انجیر رائے کے حکم ہی سے نیکاپور کے قلعے کا سپہ سالار ایک زبردست فوج اپنے ساتھ لے کر اس طرف متوجہ ہوا اور اس نے آمد و رفت کے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی۔ سلطان محمد شاہ کو جب ان حالات کا علم ہوا تو وہ بہت برافروختہ ہوا اور اس نے لشکر کے تمام سرداروں کو حاضری کا حکم دیا۔ محمد شاہ سیر و شکار کا شغل کرتا ہوا نیلکوں کی جانب روانہ ہوا اور پر کیتہ رائے نے قلعہ بند ہو کر مدافعت شروع کر دی۔

یہ قلعہ چونے اور پتھر کا بنا ہوا تھا اور بہت ہی مضبوط تھا۔ قلعے کے گرد پانی سے بھری ہوئی ایک خندق تھی اس کے علاوہ دیگر حفاظتی تدابیر کو اس طور پر عمل میں لایا گیا تھا قلعے کے اندر داخل ہونا بہت دشوار ہو گیا تھا۔ بادشاہ نے قلعے کے قریب پہنچ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ راجہ پر کیتنہ نے بڑی دور اندیشی اور فہم و فراست سے کام لیا اور خواجہ اور دوسرے امراء شاہی کے پاس پیغامبر روانہ کیے اور ان کی معرفت بادشاہ سے جان بخشی اور امان کی درخواست کی۔ خواجہ اور دوسرے امیروں نے راجہ پر کیتنہ کی سفارش کی' لیکن سلطان محمد شاہ نے یہ درخواست قبول نہ کی اور اس علاقے کے دوسرے راجاؤں کی عبرت کے لئے آتش بازوں کو طلب کر کے ان کو حکم دیا۔

اندر داخل ہونے کا راستہ بنا دو۔" اس کے بعد خواجہ سے کہا "خندق کو پاٹنے اور خاکریزی کی خدمت تمہارے سپرد کی جاتی ہے۔ جس روز بہادر اور جیالے سپاہی قلعے کو مسمار کریں اسی روز یہ خندق بھی پٹ جانی چاہیے تاکہ فوج آرام و اطمینان کے ساتھ قلعے میں داخل ہو سکے۔"

خواجہ سارا دن اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر پتھر اور لکڑی سے خندق پاٹتا رہتا تھا لیکن رات کے وقت اہل قلعہ ان پتھروں اور لکڑیوں کو خندق سے باہر نکال پھینک دیتے تھے۔ خواجہ نے آنے جانے کا راستہ مسدود کرکے ایک دیوار تعمیر کر دی اور مورچل بانٹ کر' سرکوب اور نقب کی تیاری کا حکم دیا جس کا اس وقت تک دکن میں رواج نہ تھا۔ شہر کے لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ رائے پر کیتہ' خندق میں پانی کی موجودگی کے پیش نظر' نقب کا برج تک پہنچانا ناممکن سمجھ کر' اپنی جگہ پر بہت مطمئن تھا۔ اس اثناء میں لشکریوں نے نقب کو یوسف عادل خان اور فتح اللہ عماد الملک کے مورچل کے ذریعے قلعے کے نیچے پہنچا دیا اور اسے بارود سے بھر دیا۔ اس کے بعد نقب میں آگ لگا دی گئی اور اس کے نتیجے میں حصار کے برجوں وغیرہ میں شگاف پیدا ہو گئے۔ ان شگافوں پر رائے پر کیتہ کے لشکری پہنچ گئے اور انہوں نے معرکہ آرائی شروع کر دی۔ اس معرکے میں شاہی لشکر کے تقریباً دو ہزار جانباز کام آئے۔ عین ممکن تھا کہ اہل قلعہ ان شگافوں کو لکڑی اور پتھروں سے بھر دیتے کہ اچانک فوراً محمد شاہ نے دھاوا بول دیا اور خندق پر سے ہو کر' جو مٹی سے پٹ چکی تھی' حصار کے شگافوں اور رخنوں پر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے ان رخنوں پر قبضہ کرکے پہلے حصار کو فتح کر لیا اور دوسرے حصار کی تسخیر میں مشغول ہو گیا۔

رائے پر کیتہ اپنا لباس تبدیل کرکے قلعے سے باہر نکلا اور سلطان محمد شاہ کے مورچے کے پاس جا کر بادشاہ سے یوں مخاطب ہوا۔ "راجہ نے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے۔" بادشاہ کے مصاحبوں نے' سلطان محمد شاہ کو اس کی اطلاع کی سلطان نے اسے بلوا لیا۔ راجہ بڑے ادب سے بادشاہ کی قدم بوسی کی اور گردن میں پگڑی لٹکا کر گویا ہوا۔ "راجہ پر کیتہ اپنے بیٹوں کے ساتھ حضور کی خدمت میں حا ہے اب عالی جناب کو یہ حق حاصل ہے کہ خواہ مجھے موت کے گھاٹ اتار دیں یا میرا قصور معاف کریں۔" سلطان محمد شاہ نے راجہ کا قہ معاف کر دیا اور اس کی جاں بخشی کی۔

راجہ کی اطاعت

بعض کتابوں میں تحریر کیا گیا ہے کہ جب رائے پر کیتہ نے یہ دیکھا کہ پہلے حصار پر دشمن کا قبضہ ہو گیا ہے اور امراء اور اراکین دولت کے توسط سے بادشاہ' راجہ کا قصور معاف نہیں کرتا تو راجہ بذات خود برج کے اوپر آیا اور بڑی عاجزی اور رحم طلب نگاہوں کے ساتھ بادشاہ سے امان کا طالب ہوا۔ سلطان محمد شاہ کو راجہ کی یہ حالت دیکھ کر بہت رحم آیا اور اسے معاف کر دیا۔ راجہ کو بادشاہ نے اپنے طبقہ امراء میں داخل کرکے اس کی عزت افزائی بھی کی۔

بیدر کو واپسی

بہرحال جو روایت بھی درست ہو محمد شاہ نے راجہ کو امان ضرور دی۔ اس کے بعد بادشاہ اسی روز قلعے میں داخل ہوا اور خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکرانہ ادا کیا۔ اس موقع پر بادشاہ نے اپنے آپ کو "لشکری" کے لقب سے مشہور کیا۔ قلعہ نیلگوان کو بادشاہ نے خواجہ کی جاگیر میں دے دیا اور خود بیدر کی طرف واپس ہوا۔

بادشاہ کی والدہ کی وفات

اسی زمانے میں بادشاہ کی والدہ نے جو اس مہم میں بادشاہ کی شریک تھی اور جس کی وجہ سے محمد شاہ کی بادشاہت کا ڈنکا بجتا تھا داعی اجل کو لبیک کہا بادشاہ نے اپنی والدہ کی لاش کو تو بیدر روانہ کر دیا اور خود بیجاپور پہنچا۔

بادشاہ کا قیام بیجاپور

بیجاپور خواجہ کی جاگیر میں شامل تھا' اس لئے خواجہ نے بادشاہ سے کچھ دنوں اس جگہ قیام کرنے کی درخواست کی۔ بادشاہ نے یہ درخواست قبول کرلی کچھ دنوں تک یہاں قیام پذیر ہوا۔ خواجہ نے خوب جی کھول کر بادشاہ کی خاطر و مدارت کی اور بادشاہ بھی پوری دلجمعی کے ساتھ عیش و عشرت میں مشغول ہوا۔

قحط بیجاپور

بادشاہ کا یہ ارادہ تھا کہ موسم برسات بیجاپور میں گزارنے کے بعد بیدر کی طرف مراجعت کرے۔ اتفاق کی بات کہ اس سال سارے دکن میں یہاں تک کہ بیجاپور میں بھی ایک بوند پانی نہ برسا اور اس صورت حال کے نتیجے میں تمام کنوئیں خشک ہو گئے۔ اس وجہ سے مجبوراً بادشاہ کو بیدر کی طرف لوٹنا پڑا۔ اس سال بڑا سخت قحط پڑا تاریخ میں یہ قحط "قحط بیجاپور" کے نام سے مشہور ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دوسرا سال بڑا خشک گیا اور بارش بالکل نہ ہوئی۔ ایسا قحط پڑا کہ شہروں' قصبوں اور دیہاتوں میں آبادی کا نام و نشان تک نہ رہا بیشمار لوگ لقمہ اجل بنے' اور جو زندہ رہے انہوں نے مالوہ' گجرات اور جاجنگر میں پناہ لی۔ قصہ مختصر یہ کہ پورے دو سال تک مالوہ' مرہٹواڑی اور دوسرے تمام ممالک میں کھیتی باڑی کا کام منسوخ رہا' تیسرے سال جب خداوند تعالیٰ کا کرم ہوا اور بارش ہوئی اس وقت ملک میں کھیتی باڑی کرنے والے لوگ موجود نہ تھے۔

قلعہ کندنیر کے باشندوں کی بغاوت

بہمن نامہ میں مرقوم ہے کہ جب لوگ قحط اور بیماری کی مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرکے ملک میں آباد ہوئے تو معلوم ہوا کہ قلعہ کندنیر کے باشندوں نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ اور انہوں نے اپنے ظالم اور بدکار حاکم کو' جو رعیت کے مال و اسباب اور عزت و جان کا بڑا دشمن تھا' قتل کر دیا ہے۔ یہ اطلاع بھی ملی کہ ان لوگوں نے قلعہ بادشاہ کے دست گرفتہ ہیمبراوریا کے حوالے کر دیا ہے اور ہیمبر اوریا نے راجہ کے پاس یہ پیغام بھیجا ہے کہ "تم چونکہ ہر وقت اپنے موروثی ملک کو واپس لینے کی فکر میں غلطاں رہتے ہو اور اس امر کے خواہاں ہو کہ ملک تلنگانہ پھر اس کے اصل مالکوں کے ہاتھ میں آ جائے اس لئے ازراہ کرم تھوڑی سی زحمت گوارا کرو اور اس طرف آؤ۔ کیونکہ آجکل دکن میں قحط پڑا ہوا ہے اور اس وجہ سے یہ مہم باسانی سر کی جا سکتی ہے۔ میں تمہارا ہمسایہ ہوں' حق ہمسائیگی ادا کرو اور تلنگانہ کو فتح کرکے میرے حوالے کردو اور اس کے عوض قلعہ کندنیر پر تم خود قابض ہو جاؤ۔"

راجہ اڈیسہ کی تلنگانہ پر لشکر کشی

اڈیسہ کا راجہ مکر و فریب کے جال میں پھنس گیا اور دس ہزار سواروں اور سات آٹھ ہزار پیادوں کو نیز کی مدد کے لئے جاجنگر کے راجوں کو ساتھ لے کر تلنگانہ چلا آیا۔ حاکم صوبہ نظام الملک مقابلہ نہ کر سکا اور قلعہ بند ہو گیا۔ اس نے بادشاہ کو تمام حالات سے باخبر کیا بادشاہ نے خواجہ کے مشورے پر عمل کرکے اس مہم کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ سلطان محمد شاہ نے اپنے خزانے سے تمام لشکریوں کو ایک سال کی پیشگی تنخواہ عطا کی اور جلد روانہ ہو کر راجندری کے قریب پہنچا بادشاہ کی آمد کی اطلاع پا کر تمام راجہ باہم مشورہ کرنے لگے۔

رائے اڈیسہ نے جلد از جلد دریائے راجندری کو پار کرکے اپنے ملک کا راستہ لیا اور وہاں دریا کے کنارے قیام پذیر ہوا۔ سلطان محمد شاہ راجندری میں نظام الملک کے پاس جا پہنچا۔ ساری کشتیاں رائے اڈیسہ کے قبضے میں تھیں اور دریا ان دنوں بہت زوروں پر تھا۔ چونکہ دریا کو جلد پار کر لینا مشکل تھا اس لئے سلطان محمد شاہ نے دریا کے کنارے پر اپنے خیمے گاڑ لیے بادشاہ نے لڑائی کا سامان درست کرکے

بادشاہ کا اڑیسہ پہنچنا

سلطان محمد شاہ اڑیسہ کے راجہ سے بہت ہی ناراض تھا- اس نے شہزادہ محمود خاں کو خواجہ کے ساتھ راجمندری ہی میں چھوڑا- اور خود بیس ہزار مسلح سواروں کو ہمراہ لے کر ۸۸۲ھ کے آخر میں دریا کو پار کرکے اڑیسہ جا پہنچا- اس نے اڑیسہ کے باشندوں کے قتل اور غارتگری میں کوئی کمی نہ کی اور خوب جی کھول کر تباہی و بربادی کا بازار گرم کیا- ان دنوں راجہ اپنے ملک کے درمیانی حصے کو خالی کرکے اپنی سلطنت کے آخری حصے میں چلا گیا تھا- اس لئے محمد شاہ نے بڑے آرام و اطمینان کے ساتھ یہاں چھ ماہ تک قیام کیا اور یہاں کے لوگوں سے' کبھی تسلی اور تشفی دے کر' اور کبھی بنوک شمشیر بے شمار دولت حاصل کی۔

راجہ اڑیسہ کی عاجزی

سلطان محمد شاہ کا ارادہ تھا کہ وہ شہزادہ محمود خاں اور خواجہ کو بلا کر اڑیسہ کا علاقہ بھی ان کے سپرد کر دے- راجہ اڑیسہ بادشاہ کے اس ارادے سے واقف ہو گیا اس نے بیشمار دولت اور ان گنت ہاتھیوں کے ساتھ اپنے قاصد بار بار بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیے اور اپنے قصور کی معافی طلب کی- راجہ نے یہ وعدہ کیا کہ وہ اب کبھی تلنگانہ کے زمینداروں کی مدد نہ کرے گا اور کبھی بادشاہ کے حلقہ اطاعت سے باہر قدم نہ رکھے گا- محمد شاہ نے جواب دیا "اگر راجہ ان ہاتھیوں کے علاوہ اپنے باپ کے خاصہ سے پچیس ہاتھی پیش کرے تو اس کی درخواست قبول کر لی جائے گی- راجہ کو یہ ہاتھی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھے لیکن اس موقع پر وہ مجبور تھا' لہٰذا اس نے ان ہاتھیوں کو اطلس و زربفت کی جھولیں پہنا کر اور چاندی کی زنجیریں باندھ کر بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔

بادشاہ اڑیسہ سے روانہ ہو گیا اور شکار کھیلتا ہوا سفر کی منزلیں طے کرنے لگا- سفر کے دوران میں بادشاہ کو ایک پہاڑ پر ایک قلعہ نظر آ[...] محمد شاہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس قلعے کے پاس گیا اور لوگوں سے پوچھا کہ کیا یہ قلعہ ہمبرا و ریا کے قبضے میں ہے- لوگوں نے جواب د[...] کہ یہ قلعہ راجہ اڑیسہ کی ملکیت ہے اور کسی کی یہ ہمت نہیں ہے کہ وہ آنکھ اٹھا کر اس قلعے کی طرف دیکھ سکے-" بادشاہ یہ جواب پا ک[...] بہت ہی غضب ناک ہوا اور اس نے پہاڑ کے دامن میں قیام کیا-

دوسرے روز سلطان محمد شاہ معرکہ آرائی کے ارادے سے قلعے کی طرف روانہ ہوا- اہل قلعہ کی ایک جماعت بھی بادشاہ کا مقابلہ کرنے کے لئے باہر نکل آئی- مسلمانوں نے تیروں کی بارش کر دی او' اس دشمن کے بہت سے سپاہی موت کا شکار ہو گئے- راجہ اڑیسہ کو جب اس حادثے کی اطلاع ملی تو اس نے بادشاہ کی خدمت میں اپنا قاصد بھیج کر کہلوایا- "یہ لوگ جنگلی اور وحشی ہیں انہوں نے آپ کی شان میں جو گستاخی اور بے ادبی کی ہے اسے میری خاطر معاف فرمایئے اور قلعہ میرے حوالے کر دیجئے- اس سے آپ یہی سمجھے کہ جیسے آپ نے قلعہ فتح کرکے اپنے کسی سپاہی کو بخش دیا ہو-"

کندنیر کو روانگی

سلطان محمد شاہ راجہ کے اس پیغام کی جامعیت اور خوش ادائی سے بہت خوش ہوا اور اس نے یہ قلعہ جو کامل ڈیڑھ ماہ کی کوشش کے بعد تسخیر ہوا تھا' راجہ کے سپرد کر دیا اور کندنیر کی طرف روانہ ہوا کندنیر پہنچ کر بادشاہ نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا پانچ چھ ماہ کے بعد اوریا کی حالت بڑی خراب ہوئی اور اس نے کچھ معتبر لوگوں کی ایک جماعت کے ذریعے بڑی مشکلوں سے بادشاہ سے امان طلب کی اور قلعہ بادشاہ کے حوالے کر دیا۔

برہمن کشی

مورخین کا بیان ہے کہ بہمنی خاندان میں سلطان محمد شاہ پہلا حکمران ہے کہ جس نے کسی برہمن کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا ورنہ اس سے پہلے کے بادشاہ کبھی برہمنوں کے قتل کا حکم بھی نہ دیتے تھے- کسی برہمن کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا سوال [...]

برہمنوں کا یہ خیال' بلکہ ایمان ہے کہ برہمن کشی محمد شاہ کے حق میں مفید ثابت نہ ہوئی اور سارے ملک میں فتنے اور فساد پیدا ہو گئے۔
اس واقعے کے بعد خواجہ کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے' محمد شاہ نے تقریباً ایک سال راجمندری اور اس کے گرد و پیش کے علاقے میں گزارا اور سرحدوں کو مستحکم کرکے بہت سے زمینداروں کو برباد و تاراج کیا۔

نرسنگھ کے ملک کی فتح کا خیال

جب بادشاہ نے تلنگانہ کے تمام انتظامات کو درست کر لیا تو اس کو نرسنگھ کے ملک کا خیال آیا اور اس نے خواجہ سے کہا۔ "کسی ایسے شخص کا نام لو کہ جو راجمندری اور دوسرے قلعوں کا خوش اسلوبی سے انتظام سنبھال سکے۔" خواجہ نے جواب دیا "ملک حسن نظام الملک کے سوا کوئی دوسرا شخص اس کام کا اہل نہیں ہو سکتا۔" سلطان محمد شاہ نے خواجہ کی رائے سے اتفاق کیا اور راجمندری' کندنیر اور اس علاقے کے دوسرے ملکوں کی حکومت نظام الملک کے سپرد کر دی۔ ورنگل اور تلنگانہ کے دوسرے ممالک کا انتظام اعظم خاں بن سکندر خاں بن جلال کے سپرد کیا گیا اور خود بادشاہ نرسنگھ کے علاقے کی طرف روانہ ہوا۔
تلنگانہ میں اعظم خاں کا صاحب اقتدار ہونا اور حکومت کے امور میں ملک حسن کا دخیل ہونا نظام الملک بحری کو کچھ اچھا معلوم نہ ہوا۔ اس نے بادشاہ سے عرض کیا۔ "میں نے اپنی ساری زندگی حضور کے قدموں میں گزاری ہے' میری خواہش ہے کہ اس صوبہ کی حکومت اپنے کسی بیٹے کے سپرد کر دوں اور خود حضور کے ساتھ رہوں۔" سلطان محمد شاہ نے جواب دیا۔ "میری اصل غرض یہ ہے کہ اس ملک کا انتظام اچھی طرح ہو تم جو مناسب سمجھو کرو۔"
کہا جاتا ہے کہ خواجہ کاواں' ملک حسن نظام الملک بحری کی نیت سے واقف ہو گیا تھا اس کا بیٹا ملک احمد حرم سرا میں قرابت کرکے اپنے باپ سے بھی زیادہ صاحب اقتدار اور نڈر ہو گیا۔ خواجہ کاواں نے اس وجہ سے ان دونوں باپ بیٹوں کے قریب رہنا خلاف مصلحت سمجھا اور اسی وجہ سے اس نے گزشتہ دنوں میں' جبکہ نظام الملک راجمندری کا صوبہ دار مقرر ہوا تھا اس کے بیٹے ملک احمد کو سہ صدی منصب دار کا عہدہ دے کر خداوند خاں حبشی کے ماتحت کر دیا تھا۔ ملک حسن نظام الملک کو خواجہ کاواں کی اس کاروائی پر بہت افسوس ہوا تھا اور اب جب نظام الملک کو موقع ملا تو اس نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اس کے بیٹے ملک احمد کو خود اسی کی ماتحتی میں تلنگانہ کا جاگیردار مقرر کیا جائے۔

ملک احمد کا حاکم راجمندری مقرر ہونا

سلطان محمد شاہ نے نظام الملک کی درخواست قبول کی اور خواجہ کے نام شاہی فرمان جاری کر دیا۔ خواجہ کاواں کو مجبوراً ملک احمد کے نام فرمان طلب جاری کرنا پڑا۔ ملک احمد یہ فرمان پا کر جلد از جلد روانہ ہوا اور راجمندری سے چار کوس کے فاصلے پر شاہی لشکر سے آ ملا۔ ملک احمد ایک ہزاری منصب سے نوازا گیا اور اپنے باپ کی طرف سے راجمندری کا حاکم مقرر ہوا۔

راجہ نرسنگھ

سلطان محمد شاہ نرسنگھ کے ملک کو فتح کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ نرسنگھ بہت ہی طاقتور اور دیوں جیسے ڈیل ڈول کا آدمی تھا وہ دولت اور لشکر کی کثرت کی وجہ سے بہت شہرت کا مالک تھا' وہ تلنگانہ اور کرناٹک کے درمیانی حصے پر حکمرانی کرتا تھا اس کا ملک دریا کی دوسری طرف مچھلی پٹن کے علاقے تک پھیلا ہوا تھا۔ اس زمانے میں راجہ نرسنگھ نے موقع پا کر بیجانگر کے راجہ کے بہت سے علاقوں پر بھی ہاتھ صاف کر لیا تھا۔ نیز کئی شان دار اور مستحکم قلعے تعمیر کروا کے وہ زمینداروں کو اکساتا رہتا تھا کہ وہ شاہان بہمنیہ کے ملک میں شورش اور ہنگامے پیدا کریں۔

قلعے کی تعمیر

اس علاقے کے بہمنی امیروں میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ راجہ نرسنگھ کا مقابلہ کرتے لہٰذا وہ ہمیشہ بادشاہ سے اس کی شکایات کیا کرتے تھے۔ دوران سفر میں بادشاہ نے ایک بہت بڑا قلعہ ایک پہاڑی کے اوپر دیکھا دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ دہلی کے بادشاہوں کی یادگار ہے جو انہوں نے اس علاقے کا انتظام کرنے کے لئے پہاڑ کے اوپر بنوایا تھا۔ سلطان محمد شاہ نے اسی جگہ قیام کیا اور قلعے کی تعمیر کا حکم دیا۔ خواجہ نے یہ کام سنبھالا اور ایسی مستعدی سے انجام دیا کہ چھ ماہ کے اندر اندر قلعہ تعمیر ہو گیا اگر کوئی دوسرا شخص یہ کام سنبھالتا تو اسے یقیناً دو سال کا عرصہ درکار ہوتا۔

خواجہ کے اقبال کا انتہائے کمال

قلعے کی تکمیل کے بعد خواجہ بادشاہ کو پہاڑ کے اوپر لے گیا بادشاہ نے قلعے کا معائنہ کیا اور خواجہ کی مستعدی اور فرض شناسی کی بے انتہا تعریف کی اور کہا "میں خداوند باری تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے حکومت اور فرمانروائی کے علاوہ خواجہ جیسا دوست' بہی خواہ اور خدمت گزار بھی عطا کیا ہے۔" سلطان محمد شاہ نے اپنے جسم سے لباس اتار کر خواجہ کو عطا کیا اور خواجہ کا لباس خود زیب تن کیا۔ مورخ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ تاریخ میں کبھی ایسا واقعہ دیکھنے میں نہیں آیا کہ کسی بادشاہ نے اپنے ملازم کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا ہو۔ یہ خواجہ کے عروج کی انتہا تھی چونکہ ہر عروج کے بعد زوال بھی آتا ہے اس لئے کچھ ہی عرصے بعد ایسی مصیبتیں ٹوٹیں کہ دیکھنے والے انگشت بدنداں رہ گئے۔

ایک عظیم الشان مندر

قصہ مختصر یہ کہ سلطان محمد شاہ نے قلعے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہاں دو تین ہزار سپاہیوں کو اپنے ایک قابل اعتماد امیر کی نگرانی میں چھوڑا اور خود آگے بڑھا۔ بادشاہ جس مقام پر بھی پہنچتا وہاں تباہی و بربادی اور قتل و غارت گری کا ایسا بازار گرم کرتا کہ الامان و الحفیظ۔ جب وہ کوندپور پلی کے مقام پر پہنچا تو لوگوں نے اسے بتایا کہ اس جگہ سے دس روز کی مسافت طے کرنے کے بعد ایک مندر آتا ہے جو کنچی کے نام سے مشہور ہے۔ اس مندر کی دیواریں' دروازے اور چھتیں وغیرہ زر و جواہر اور گراں قیمت موتیوں سے آراستہ و پیراستہ ہیں اور آج تک کسی مسلمان بادشاہ نے اس مندر کا نام نہیں سنا۔

مندر کی تسخیر کا ارادہ

سلطان محمد شاہ نے اپنی فوج سے چھ ہزار خنجر چلانے والے سواروں کو علیحدہ کیا اور انہیں ساتھ لے کر اس مندر پر لشکر کشی کی۔ باقی لشکر کو کوندپور میں خواجہ اور شہزادہ محمد خاں کی نگرانی میں چھوڑ کر اور بقیہ امیروں کو اپنے ساتھ لے کر بادشاہ نے ایسی برق رفتاری کے ساتھ سفر کی منزلیں طے کیں کہ چالیس سے زیادہ سوار اس کے ساتھ منزل مقصود پر نہ پہنچ سکے جو لوگ ساتھ پہنچے ان میں یوسف عادل' ملک حسن نظام الملک اور تفرش خاں ترک بھی شامل تھے۔

یہ امراء مندر کے قریب پہنچے مندر میں سے چند عظیم الجثہ اور قوی ہیکل سوار باہر آئے۔ ان سواروں میں سے ایک طاقتور ہندو تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے چند لمحے میدان میں ٹھہرا اور خونخوار نظروں سے دشمن کی طرف دیکھتا رہا۔ یہ ہندو بادشاہ کو دیکھ کر اس کی طرف بڑھا اور سپر ہاتھ میں لے کر تلوار کا ایک وار کیا بادشاہ نے بڑی مستعدی اور پھرتی سے گھوڑا دوڑا کر اس وار کو روک لیا اور خود تلوار کا ایک وار کیا۔ بادشاہ کا وار بھی خالی گیا ہندو سوار نے دوبارہ بادشاہ پر حملہ کیا لیکن اس بار بادشاہ نے ایسا ہاتھ مارا کہ حریف دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس کے بعد ایک دوسرا ہندو سوار' جو پہلے سوار سے کہیں زیادہ طاقتور دکھائی دیتا تھا' بادشاہ کی طرف بڑھا۔ بادشاہ کے تمام ساتھی اپنے اپنے طور پر جنگ میں مشغول تھے اس لئے اس ہندو سوار کی طرف کوئی توجہ نہ دے سکا محمد شاہ نے خود اس سوار کی طرف پیش قدمی کی اور اسے

قتل کر دیا۔

مندر کی تباہی

ہندوؤں کے باقی سپاہی بھاگ کر مندر میں چھپ گئے۔ اس دوران میں سلطان محمد شاہ کا بقیہ لشکر بھی پہنچ گیا اور بادشاہ معرکہ آرائی کر کے مندر کے اندر داخل ہو گیا اور قتل و غارتگری کا بازار گرم کر دیا۔ اس تاراجی و بربادی کے بعد بادشاہ نے ایک ہفتے تک وہیں قیام کیا اور پھر واپس ہوا۔

مچھلی پٹن کی فتح

سلطان محمد شاہ نے ملک حسن نظام الملک' یوسف عادل خاں' فخر الملک اور دوسرے امیروں کو دولت آباد اور جنیر کی فوج کے ساتھ نرسنگھ کی مہم کے لئے روانہ کیا۔ اور مچھلی پٹن کو' جو نرسنگھ کے مقبوضات میں سے تھا' فتح کیا اور کندپور پلی میں واپس آ گیا۔

خواجہ کی مخالفت

ملک حسن نظام الملک' ظریف الملک اور دوسرے امراء جو خواجہ کے اقتدار کو ناپسند کرتے تھے' وہ موقع بہ موقع بادشاہ کی حضوری کے غلاموں کے توسط سے' بادشاہ کو خواجہ سے بدگمان کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے یہ غلام ادھر ادھر کی باتیں بنا کر بادشاہ کے کان بھرے رہتے تھے' غلاموں کا یہ گروہ متذکرہ بالا امیروں کے زیر اثر تھا اور یہ لوگ اپنا مقصد حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتے تھے۔ ان مخالفوں نے کندپور پلی میں خواجہ پر ایک بہت بڑا الزام لگایا اور اس نیک طبیعت امیر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سلا دیا اس واقعے کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

ضوابط سلطنت میں ترمیم

سلطان محمد شاہ کے عہد حکومت میں سلطنت کو بہت وسعت ملی۔ خواجہ کاواں نے ملکی و سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر سلطنت کے بانی سلطان علاؤ الدین حسن کے قائم کردہ ضابطوں میں ترمیم کرنے کا ارادہ کیا۔ اس سلسلے میں اس نے بادشاہ کو باوزن اور معقول دلائل سے سمجھایا اور اس کی اجازت سے سلطنت کے ضابطوں کی چند دفعات میں حسب ذیل ترمیمات کیں۔

(ا) سلطنت کی نئی تقسیم

پہلے ملک چار حصوں میں بٹا ہوا تھا اب خواجہ نے اسے آٹھ حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ہر حصے میں لشکر کا ایک سردار مقرر کیا جسے اہل دکن کی اصطلاح میں "طرف دار" کہا جاتا ہے۔ برار کے دو حصے کیے گئے' عماد الملک کو کاویل کا اور خداوند جہاں حبشی کو ماہور کا افسر مقرر کیا گیا' یوسف عادل کو دولت آباد سونپا گیا۔ خواجہ کے ایک عزیز فخر الملک کو جنیر کی حکومت' انند پور کے بیشتر پرگنوں' دمان' ویس' ملک کے وسطی حصے' بندر کوہ اور نلگوان کی حکومت دی گئی۔ آصف جم اقتدار خواجہ جہاں کو بیجاپور اور اس علاقے کے دریائے ہور تک کے اکثر حصوں اور رائچور اور مدکل کا حاکم بنایا گیا۔ حبشی خواجہ سرا دستور دینار کے حوالے حسن آباد' گلبرگہ' ساغر' نل ورک اور شولاپور تک کے علاقے کیے گئے۔

تلنگانہ کا ملک بھی جو پہلے سارے کا سارا ملک حسن نظام الملک بحری کی ماتحتی میں تھا دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ راجمندری' نلگنڈہ' مچھلی پٹن' اوریا اور چند دوسرے مواضع انتظام الملک کے حوالے کیے گئے۔ ورنگل کا علاقہ اعظم خاں اور سکندر خاں ولد جلال خاں کی ماتحتی میں دیا گیا مندرجہ بالا آٹھوں اطراف میں بہت سے پرگنے داخل خاصہ شاہی کیے گئے۔

(۲) قلعوں کی نگرانی

سلطان علاؤ الدین حسن کے وقت سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ جو سرلشکر ملک کے جس حصے کا حاکم ہوتا اس نواح کے تمام قلعے اسی کی نگرانی میں رہتے۔ یہ شخص جس کو بھی چاہتا قلعہ دار مقرر کر دیتا تھا۔ اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ کبھی کبھی سکندر خاں اور بہرام خاں جیسے طاقتور سرلشکر ان قلعوں کے حاکم بن کر علم سرکشی بلند کرنے کا ارادہ بھی کر لیتے تھے خواجہ کاواں نے بہت سوچ بچار کے بعد اس قاعدے میں تبدیلی کی کہ ایک قلعہ تو سرلشکر کے قبضے میں رہے لیکن بقیہ قلعوں پر بادشاہ کی طرف سے دوسرے امراء اور زمینداروں کو حاکم بنایا جائے۔ اس قاعدہ نو کی رو سے دولت آباد' جنیر' بیجاپور' گلبرگہ' ماہور' کاویل' ورنگل اور راجمندری کے قلعوں پر تو لشکر کے سرداروں کی حکومت رہی' لیکن دوسرے قلعے بادشاہ کی طرف سے قابل اعتبار امیروں کے حوالے کیے گئے۔

(۳) جاگیرداروں سے متعلق ضابطہ

سلطان علاؤ الدین کے عہد حکومت میں جب کہ تلنگانہ کا ملک فتح نہ ہوا تھا یہ ضابطہ مقرر تھا کہ پانصد امراء کو ایک لاکھ ہون اور یک ہزاری امراء کو دو لاکھ ہون خزانہ جاگیر سے نقد ادا کیے جاتے تھے۔ جب تلنگانہ فتح ہوگیا تو پھر یہ دستور ہوا کہ پانصدی امراء کو ایک لاکھ پچیس ہزار ہون اور پنج ہزاری کو اڑھائی لاکھ ہون ادا کیے جاتے۔ جن لوگوں کو جاگیریں عطا کی جاتی تھیں' ان کا یہ قاعدہ تھا کہ اگر جاگیر کی آمدنی ایک لاکھ ہون سے کم ہوتی تو وہ باقی رقم سرکاری خزانے سے وصول کرتے تھے۔ اسی طرح دیگر امراء ایک خاص مقرر تعداد سے اگر ایک سپاہی بھی کم رکھتے تھے' تو اسی قدر رقم ان سے واپس لے لی جاتی تھی۔

خواجہ کی مخالفت

ان ضابطوں کے عمل میں آنے کی وجہ سے لشکر میں زبردست اضافہ ہوا۔ امور سلطنت کی انجام دہی میں آسانیاں پیدا ہوگئیں اور خلق خدا کو بہت فائدے پہنچے۔ خواجہ کاواں کی یہ ترمیمات امراء کے مزاج پر گراں گزریں کیونکہ وہ تو حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے اور خواجہ نے یہ خواب منتشر کرکے رکھ دیئے۔ لہٰذا وہ سب خواجہ کی مخالفت کرنے لگے خواجہ ان امراء کی نیت سے بخوبی واقف ہوگیا لیکن اس نے بادشاہ کی ہمدردی کے خیال سے ان امیروں کی مخالفت کو کوئی اہمیت نہ دی اور ان کی مخاصمانہ کاروائیوں سے قطعاً پریشان نہ ہوا۔

خواجہ کے خلاف سازش

یوسف عادل' خواجہ کا بیٹا تھا اس لیے یہ دونوں امیر تہہ دل سے ایک دوسرے کے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے مشورہ کیے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے یہی وجہ تھی کہ خواجہ کے دشمن یوسف عادل کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔ اسی دوران میں یوسف عادل نرسنگھ کی مہم پر روانہ ہوا۔ دکنی اور حبشی امراء نے جو محمود کاواں کی مہربانیوں اور عنایتوں سے آگے بڑھے تھے اور جن کا شمار شاہی اراکین میں ہوتا تھا آپس میں مل کر سازش کی۔ اس سازش میں ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی جو ان دنوں نظام الملک بحری کے بہی خواہوں میں شامل ہوگیا تھا جیسے امراء بھی شامل تھے۔

ان امراء نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ چونکہ ان دنوں یوسف عادل خواجہ کاواں کے قریب نہیں ہے (اور نرسنگھ کی مہم پر گیا ہوا ہے) اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر خواجہ کاواں کی تباہی و بربادی کی پوری پوری کوشش کرنا چاہیے۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مفتاح حبشی' ظریف الملک اور دوسرے ہندی درباریوں نے خواجہ کے ایک حبشی غلام سے جو خواجہ کا مہربردار تھا واقفیت پیدا کی۔ انہوں نے اس غلام سے خوب رسم و راہ پیدا کی اور اسے طرح طرح کے بیش قیمت تحفے' گھوڑے' جواہرات' اور اعلیٰ درجے کی اشیاء دیں۔

ایک روز بزم شراب میں جبکہ جام پر جام لنڈھائے جا رہے تھے' مفتاح حبشی اور ظریف الملک نے سفید رنگ کا تہہ کیا ہوا ایک کاغذ ہاتھوں میں لے کر غلام سے کہا "یہ کاغذ ...

ہیں' اس پر خواجہ کاواں کی مہر کی بھی ضرورت ہے اگر تم یہ مہر لگا دو تو ہم تمہارے بہت ممنون ہوں گے" اس غلام نے بڑی حماقت کا ثبوت دیا اور بغیر کاغذ کو پڑھے ہوئے اس پر خواجہ کی مہر ثبت کر دی۔

جعلی خط

ظریف الملک اور مفتاح حبشی کی منشا کے مطابق جب معاملہ طے پا گیا تو وہ خوش خوش روانہ ہو گئے اور رات کے وقت ملک حسن نظام الملک بحری کے گھر اس سے ملاقات کرنے گئے اور اس سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ ان مکاروں اور عیاروں نے اس کاغذ پر خواجہ کی طرف سے راجہ اڑیسہ کے نام ایک خط لکھا تھا جس کا مضمون یہ تھا "ہم سلطان محمد شاہ کی بادہ نوشی اور اس کے ظالمانہ رویے سے سخت پریشان ہیں اور اس سے بے انتہا نفرت کرتے ہیں۔ اگر تم' موجودہ حالات میں تھوڑی سی بھی توجہ کرو تو دکن کو بہ آسانی فتح کر سکتے ہو۔ راجمندری میں اس وقت کوئی طاقتور سردار موجود نہیں ہے۔"

"جب تم بغیر کسی روک ٹوک کے دکن کی سرحد تک چلے آؤ گے تو میں بھی بغاوت کا جھنڈا اٹھا لوں گا تمام امراء چونکہ میری ماتحتی میں ہیں اس لئے سب میرا ساتھ دیں گے۔ اس کے بعد بادشاہ کو موت کے گھاٹ اتار کر ملک کو ہم آپس میں برابر برابر تقسیم کر لیں گے۔"

ظریف الملک اور مفتاح حبشی نے یہ خط بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس وقت دربار میں ملک حسن نظام الملک بحری بھی موجود تھا۔ بادشاہ خواجہ کی مہر کو پہچانتا تھا' اس لئے یہ خط پڑھ کر وہ حواس باختہ ہو گیا۔ نظام الملک نے آگ پر تیل ڈالا اور اس سلسلے میں ادھر ادھر کی عجیب و غریب باتیں کر کے بادشاہ کے غصے کو تیز سے تیز کر دیا۔ اس عالم میں محمد شاہ بالکل دیوانہ ہو گیا۔ اس نے ذرہ بھر بھی عقل سے کام لیا ہوتا تو وہ سب سے پہلے اس معاملے کی پوری پوری تحقیق کرتا' اس قاصد کو بلا کر سوال و جواب کرتا جو اس خط کو لیے جا رہا تھا' لیکن اس نے اس طرف مطلق توجہ نہ کی اور فوراً خواجہ کاواں کو بلانے کے لئے لوگ روانہ کیے۔

خواجہ کاواں کے مقربوں اور ندیموں کو تمام حالات کا علم ہو گیا انہوں نے خواجہ کو مشورہ دیا۔ "آپ کسی بہانے سے آج دربار میں جانے کو ملتوی کیجئے اور کل تشریف لے جایئے گا یہی بہتر ہے۔" خواجہ نے اس کے جواب میں کہا ہمایوں شاہ کی اطاعت گزاری اور خدمت گاری میں میرے بال سفید ہو گئے ہیں' اگر اس کے بیٹے کے ہاتھوں یہ بال رنگین ہو جائیں تو یہ میری سرخروئی ہو گی۔ جو کچھ قسمت میں لکھا ہے اس سے منہ موڑنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے" اسی اثناء میں چند نامی گرامی امراء نے' جو خواجہ کے حلقہ اطاعت میں شامل تھے اسے یہ پیغام بھجوایا۔

"ہمارے سننے میں عجیب و غریب قسم کی خبریں آ رہی ہیں آپ کے خاصے کے ایک ہزار سوار حاضر خدمت ہیں آپ انہیں ساتھ لے کر گجرات چلے جائیں۔ ہم بھی آپ کے ساتھ روانہ ہوں گے۔" خواجہ نے انہیں جوابدیا۔ "میں نے ایک لمبے عرصے تک بہمنی خاندان کی بدولت بڑے عیش و آرام سے زندگی گزاری ہے مجھ سے' ملازمت کے تمام زمانے میں کبھی کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی ہے' مجھے ہرگز ہرگز یہ توقع نہیں ہے کہ بادشاہ اصل معاملے کی تحقیقات کیے بغیر ہی مجھ پر عتاب نازل کرے گا اور اگر وہ ایسا کرے بھی اور محض ایک الزام کی وجہ سے مجھے گردن زدنی قرار دے تو میں اس کو نمک حرامی سے بہتر سمجھتا ہوں۔" یہ کہنے کے بعد خواجہ بادشاہ کے دربار میں جا پہنچا۔

سلطان محمد شاہ نے خواجہ سے پوچھا۔ "جو شخص اپنے آقا کے ساتھ غداری کرے اس نمک حرام کو کیا سزا دینی چاہیے۔" خواجہ نے جواب دیا۔ "ایسے بدقسمت شخص کو موت کے گھاٹ اتار دینا ہی بہتر ہے۔" یہ سن کر بادشاہ نے متذکرہ بالا جعلی خط خواجہ کو دکھایا۔ خواجہ نے خط دیکھا اور کہا "یہ سراسر الزام ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پر مہر میری ہی ثبت ہے لیکن یہ خط ہرگز ہرگز میرا نہیں۔" خواجہ

حبشی کو خواجہ کے قتل کا حکم دیا خواجہ نے یہ سن کر کہا۔

خواجہ کا قتل

"مجھ بوڑھے شخص کو موت کے گھاٹ اتارنا بہت آسان ہے' لیکن یہ یاد رکھو کہ میرا خون تمہاری بدنامی اور سلطنت کی تباہی کا باعث ہوگا۔" محمد شاہ نے کوئی بات نہ سنی اور حرم سرا میں داخل ہوگیا۔ جوہر حبشی بادشاہ کے حکم کی تعمیل میں تلوار سونت کر خواجہ کاواں کی طرف بڑھا۔ خواجہ قبلہ کی طرف منہ کرکے دو زانو ہو کر بیٹھ گیا اس نے کلمہ شہادت پڑھا' جب تلوار اس کی گردن پر لگی تو اس کی زبان سے "الحمد للہ علی نعمتہ الشہادۃ" کی آواز نکلی اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سو گیا۔ اسی دوران میں خواجہ کاواں کا ہم قوم اور نامی گرامی امیر سعید گیلانی' دیوان خانے میں آیا۔ اس وقت غلام چونکہ سرگرم سیاست تھے۔ اس لئے انہوں نے بغیر شاہی حکم کے سعید کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا۔ خواجہ کے قتل کا حادثہ ۵ صفر ۸۸۶ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ اس وقت خواجہ کی عمر اٹھتر ۷۸ سال کی تھی۔ مرنے سے پہلے خواجہ نے محمد شاہ کی شان میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا۔ ملا عبدالکریم ہمدانی مصنف "تاریخ محمود شاہی" جو خواجہ کاواں کا شاگرد بلکہ مرید تھا اور خواجہ کے مداح و دوست ملا سامی نے اس سانحے کی بے مثال تاریخیں کہیں۔

محمود کاواں کی تعمیر کردہ عمارات

محمود کاواں کی بنوائی ہوئی عمارتیں دکن میں کثرت سے موجود ہیں۔ خواجہ نے اپنی شہادت سے دو سال قبل احمد آباد بیدر میں ایک مدرسہ بنوایا تھا۔ ان عمارات' مسجد اور چار طاق بازار کے نشانات اب تک (تحریر کتاب کے زمانے تک جو ۱۰۲۳ھ ہے) باقی ہیں۔ یہ عمارتیں ایسی خوبصورت اور دلکش ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے معمار ابھی ابھی ان کی تعمیر سے فارغ ہوئے ہوں۔

خواجہ کی جامع کمال شخصیت

خواجہ کاواں معقولات اور منقولات میں بڑا درک رکھتا تھا۔ خاص طور پر ریاضی اور طب میں تو اسے بہت ہی کمال حاصل تھا۔ نظم و نثر اور انشاء میں وہ اپنی مثال آپ تھا' خوش نویسی پر بھی اسے بڑی دسترس تھی اس کا دیوان اور رسالہ "روضتہ الانشا" دکن میں اکثر اہل علم حضرات کے پاس موجود ہیں۔ خواجہ کاواں کا یہ دستور تھا کہ وہ اپنے عہد کے خراسانی اور عراقی فضلاء سے خط و کتابت کیا کرتا تھا۔ خواجہ کے لکھے ہوئے مراسلات اس کی کتاب انشاء میں شامل ہیں۔ مولانا عبد الرحمٰن جامی نے خواجہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا تھا اور ایک قطعے میں انعام کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

خواجہ کاواں کے حالات زندگی

ملا عبد الکریم ہمدانی نے اپنی ایک کتاب میں خواجہ کے پیدائش سے لے کر وفات تک کے حالات بیان کیے ہیں۔ خاکسار مورخ فرشتہ' اسی کتاب سے خواجہ کے حالات کا خلاصہ درج کرتا ہے کیونکہ تاریخی نقطہ نظر سے یہ حالات بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ خواجہ کاواں کے آباد و اجداد قدیم زمانے میں گیلان کے بادشاہوں کے وزیر تھے ان پر شاہی عنایات ہمیشہ ہوتی رہتی تھیں۔ خواجہ کے بزرگوں میں ایک خوش قسمت شخص نے بادشاہت کا مرتبہ بھی حاصل کیا تھا اور اس کے نام کا خطبہ جاری ہوا تھا۔ حاجی محمد قندھاری کے بیان کے مطابق اس خاندان نے ایک عرصے تک حکمرانی کے فرائض انجام دیئے اور شاہ طہماسپ صفوی کے عہد میں اس خاندان کے ہاتھوں سے بادشاہت نکل گئی۔

خواجہ عماد کی جلاوطنی

اس نامی گرامی خاندان میں جو خواجہ عماد الدین محمود پیدا ہوئے۔ انہوں نے علوم و فنون کی تحصیل میں بڑی محنت کی لیکن آس پاس کے حکمرانوں اور امراء کے رشک و حسد کی وجہ سے انہیں اپنے آبائی وطن میں رہنا نصیب نہ ہوا اور یہ وہاں سے چل پڑے۔ اس جلاوطنی
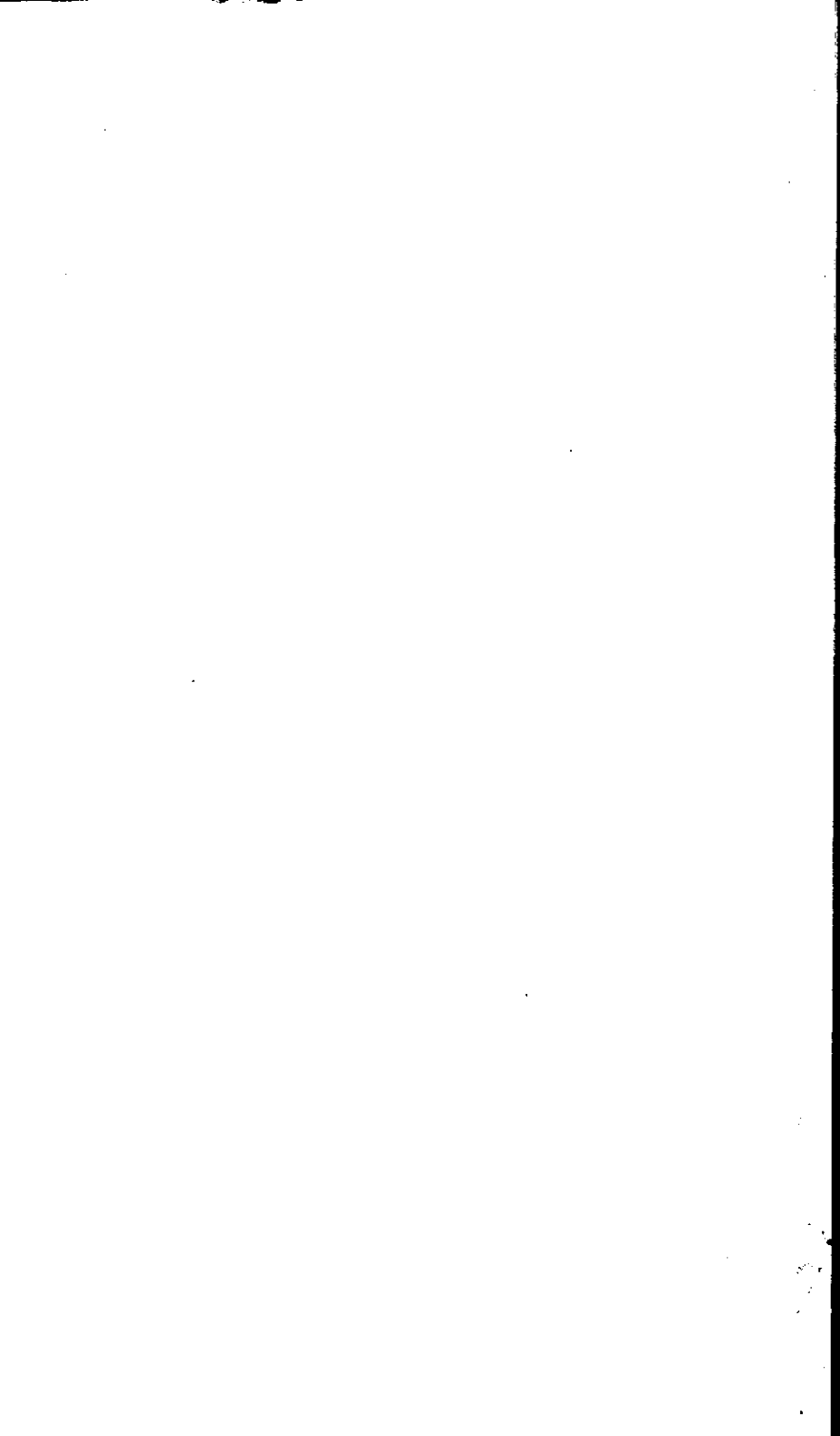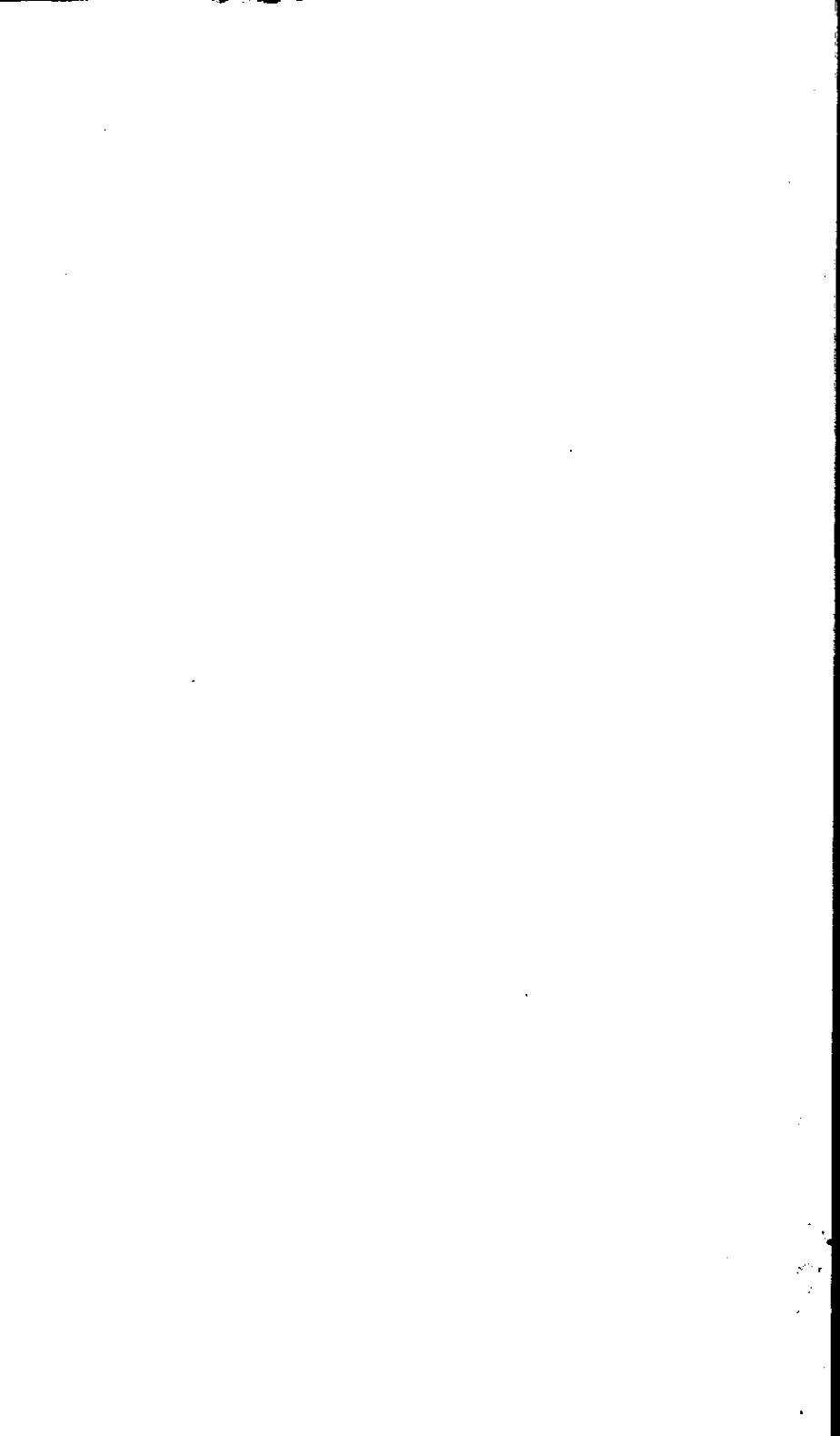
چھپا کر رکھا ہوگا۔" نظام خزانچی نے اس کے جواب میں کہا۔ "بیدر میں جو رقم رکھی جاتی تھی' وہ بھی مذکورہ بالا دونوں مدات میں سے بچی ہوئی رقم ہوتی تھی' آپ وہاں تحقیق کر سکتے ہیں' اگر وہاں سے ایک پھوٹی کوڑی بھی برآمد ہو تو حضور میرے بدن کے سو ٹکڑے کر ڈالیں۔" بادشاہ نے خواجہ کاواں کے تمام خدمتگاروں اور ملازمین کو اپنے حضور میں طلب کیا اور ان سے اصل حقیقت پوچھی ان ملازمین نے بھی خزانچی کا سا جواب دیا۔

بادشاہ کے ندامت کے آنسو

یہ دیکھ کر بادشاہ سمجھ گیا کہ میرے ساتھ فریب کیا گیا ہے' حریف اپنے عیارانہ داؤں میں کامیاب ہو چکا ہے بادشاہ کو اس صورت حال میں خواجہ کاواں کے قتل کا بہت افسوس ہوا۔ وہ ہر روز خواجہ کو ہزاروں بار یاد کرتا اور اس کے قتل کا واقعہ یاد کرکے روتا بادشاہ اپنے غم و رنج کو شراب کی نذر کرکے وقت کاٹتا' مگر پھر بھی اسے سکون نہ ملتا یوں تو بظاہر وہ محفل شراب میں دن رات مصروف عیش و عشرت رہتا' لیکن غم و اندوہ اندر ہی اندر اس کا کام تمام کیے جاتا تھا۔ اس کے دل و دماغ ہر لمحہ کمزور پڑتے جاتے تھے۔

شہزادہ محمود خاں کی جانشینی

سلطان محمد شاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ محمود خان کو اپنا جانشین مقرر کیا اور ملک حسن نظام الملک بحری کو وکیل شاہی کا عہدہ عنایت فرمایا۔ بادشاہ نے اس بارے میں ایک محضر تیار کروایا اور شہر کے تمام بڑے بڑے علماء اور قاضیوں سے اس پر دستخط لئے۔ اس زمانے میں بادشاہ اکثر کہا کرتا تھا "اب خاندان بہمنیہ کے زوال کا وقت آ چکا ہے' میں زوال کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ جب لشکر کے امیر میرے جیسے تجربہ کار فاتح فرمانروا کی اطاعت نہیں کرتے تو پھر میرے بعد ایک کمسن بادشاہ کی بات کہاں مانیں گے۔"

بیدر کو روانگی اور کمزوری

سلطان محمد شاہ کی حالت بہت ہی کمزور ہو گئی اور اسی عالم میں وہ احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے کمزوری کے باوجود عراقی شراب' جو ہندوستان میں تیار کی جاتی ہے' پی اور عیش و عشرت میں محل کی عورتوں کے ساتھ مصروف ہو گیا اس کے بعد اسے نیند آ گئی۔ عیش و عشرت کی حرکتوں اور شراب کی گرمی نے بادشاہ کے دل پر اثر کیا اس وجہ سے بڑی پریشانی کے عالم میں اس کی آنکھ کھل گئی شاہی طبیب اشرف جہاں نے عرق بید مشک اور ٹھنڈے پانی سے علاج کیا' اس سے بادشاہ کو کسی قدر آرام آ گیا۔

وفات

سلطان محمد شاہ نے اس غلط مقولے پر عمل کیا کہ جو شراب سے مرتا ہو اس کا علاج شراب ہی کر سکتی ہے' اور اپنے مصاحبوں کی رائے پر عمل کرتے ہوئے شراب کے چند جام چڑھا لئے' اس بار نشے نے موت کا کام کیا بادشاہ بے ہوش ہو کر تڑپنے لگا اور اس پر نزع کا عالم طاری ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو اس نے کہا۔ "خواجہ کاواں کا مقدس ضمیر مجھے قتل کر رہا ہے۔" یہاں تک کہ اسی عالم میں اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ یہ واقعہ یکم صفر ۸۸۷ھ کا ہے۔

محمد شاہ کی حکمرانی کی مدت بیس سال ہے۔

سلطان محمود شاہ بہمنی

محمود شاہ کی تخت نشینی

مورخوں نے تحریر کیا محمود شاہ بارہ سال کی عمر میں تاج و تخت کا مالک ہوا۔ تخت نشینی کے وقت تمام درباری امراء ملک حسن نظام الملک بحری' قوام الملک کبیر' قوام الملک صغیر' اور قاسم برید سرنوبت نے' جو اس وقت پایہ تخت میں موجود تھے' بادشاہ سے بیعت کی۔ تخت نشینی کی رسم اس طرح ادا کی گئی کہ خاندان بہمنیہ کا تخت جس کا نام "تخت فیروزہ تھا۔ اور جس کی مثال اس زمانے میں ناپید تھی' محفل میں بچھایا گیا اور تخت کی دونوں اطراف میں چاندی کی دو کرسیاں رکھی گئیں۔ اس کے بعد اپنے زمانے کے فاضل اور پرہیزگار علماء شاہ محب اللہ اور سید حبیب نے فاتحہ پڑھ کر بہمنی تاج سلطان محمود شاہ کے سر پر رکھا۔

ان دونوں بزرگوں نے بادشاہ کا دایاں اور بایاں ہاتھ پکڑ کر اسے تخت پر بٹھایا اور خود دونوں اطراف کی چاندی کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ شاہ محب اللہ بادشاہ کی داہنی طرف بیٹھے اور سید حبیب بائیں طرف۔ اس کے بعد نظام الملک' قاسم برید اور قوام الملک کبیر و صغیر نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تخت نشینی کی مبارک باد دی۔ اور اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہو گئے۔ جب یہ تقریب ختم ہو گئی تو شہر کے تمام امیروں' سلحداروں اور شہزادوں کو شاہی دربار میں مدعو کیا گیا۔ اس موقع پر بعض لوگوں نے کہا اس وقت یوسف عادل خاں سوائی' دریا خاں' ملوخاں اور فخرالملک جیسے نامی گرامی امراء دربار میں موجود نہیں ہیں اس لیے ان کی غیر موجودگی میں تخت نشینی کا جلسہ کیوں منعقد کیا گیا۔

بدشگونی

ملک حسن نظام الملک بحری نے اس کا جواب دیا "سلطنت کے ضروری امور کی طرف توجہ نہ کرنا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ جس وقت یہ سب امیر کوکن کی مہم سے واپس آ جائیں گے اس وقت پھر تاجپوشی کا جشن منعقد کر لیا جائے گا۔ اور مناصب و خطابات آپس میں تقسیم کر لیے جائیں گے۔" ملا عبد الکریم ہمدانی بھی اس جلسے میں شریک تھا اس نے لکھا ہے کہ جو دانشمند تھے انہوں نے عین تخت نشینی کے دن اس قسم کی گفتگو کو ایک طرح کی بدشگونی سمجھا چنانچہ وہی ہوا کہ جس کا ان لوگوں کو خطرہ تھا۔ محمود شاہ نے اگرچہ ایک طویل عرصے تک حکمرانی کی' لیکن اس کا تمام عہد حکومت شور و شر' ہنگاموں اور باہمی چپقلشوں میں گزرا۔ اس اجمال کی تفصیل ذیل کی سطور میں پیش کی جاتی ہے۔

عہد محمد شاہ کے کچھ حالات

محمود شاہ کے باپ محمد شاہ بہمنی نے جب عنان حکومت ہاتھ میں لی تھی اس وقت اس کی عمر بھی بہت ہی کم تھی اس وجہ سے تمام درباری امراء خود مختاری اور حکمرانی کے خواب دیکھنے لگے تھے۔ مگر محمد شاہ کی والدہ اور ملک التجار محمود گاواں کی دور اندیشی' معاملہ فہمی اور خوش اسلوبی کی وجہ سے یہ امیر اپنے خوابوں کی سہانی تعبیریں نہ دیکھ سکے اور وہ سدا اسی غم میں گھلتے رہے۔ سلطان محمد شاہ جب بالغ ہوا اور اس میں اپنی ماں اور خواجہ جہاں کی تربیت سے حکومت کے معاملات کو طے کرنے کی اہلیت پیدا ہو گئی تو اس نے تمام غداروں اور دون فطرت امراء کو چن چن کر تباہ و برباد کیا اور اپنے غلاموں کو تربیت علماق دینے میں مصروف ہوا۔

نظام الملک کی عزت افزائی

بادشاہ نے دو ہزار گرجی' چرکسی اور قلماق غلام خریدے اور اتنے ہی حبشی اور ہندی غلام بھی حاصل کیے۔ اس نے ترکی غلاموں میں سے نظام الملک کو جو' کھرلہ میں مقیم تھا' اپنی نوازشوں اور عنایتوں سے سرفراز کیا۔ حبشیوں میں دستور دینار اور ہندیوں میں سے ملک حسن کو اپنے مقربین خاص میں شامل کیا۔ ملک حسن نظام الملک بحری بادشاہ کا کوکہ تھا اور محمد شاہ کو بچپن کے زمانہ میں اپنے کاندھوں پر لیے لیے گھومتا تھا۔ اس وجہ سے اس کی عزت و عظمت میں بہت اضافہ ہوا اور اس کا شمار نامی گرامی امراء میں ہونے لگا۔ بادشاہ نے اپنی بحری خاصہ جو چیدہ شکاری جانوروں کا تھا' اور جس کے لئے یک ہزاری منصب اور علم و نقارہ کی عزت مخصوص تھی نظام الملک کے سپرد کر دیا اور یوں وہ "بحری" کے لقب سے مشہور ہوا۔

ملک حسن نظام الملک بھی بادشاہت کے خواب دیکھتا تھا۔ اس نے ہندی غلاموں کی ایک بہت بڑی جماعت تیار کی اور اپنے پروردہ پر داختہ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔ ان غلاموں میں سے بعضوں کو امیر اور بعضوں کو منصب دار بنایا گیا۔ جس زمانے میں سلطان محمد شاہ نے نظام الملک کو تلنگانہ کا طرفدار مقرر کیا تھا اس وقت اس علاقے میں ہندی غلاموں کے علاوہ کوئی اور جاگیردار موجود نہ تھا۔ اس سے نظام الملک کی تدبیروں کی کامیابی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

خواجہ جہاں کو نظام الملک بحری کے انداز و اطوار سے اس کے باغیانہ ارادوں کا سراغ مل گیا تھا' اس لئے وہ نظام الملک سے بہت چوکنا اور ہوشیار رہتا تھا۔ اسی طرح یوسف عادل خاں سوائی بھی جو کسی نہ کسی طرح ترکی غلاموں کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا۔ کھرلہ کے قلعے کی فتح کے بعد منصب دار اور جاگیردار ہوا۔ اس کے دوسرے بہت سے ترکی غلام بھی یعنی قوام الملک کبیر و صغیر' فرہاد الملک کوتوال' دریا خاں اور تفرش خان کو بھی امراء کے طبقے میں شامل کرکے جاہ و منصب سے بہرہ ور کیا گیا۔ یوسف عادل کے علاوہ دینار حبشی نے بہت ترقی کی۔

نظام الملک نے اپنے قومی بھائیوں کی تربیت کی طرف بہت توجہ کی۔ اس نے سعید خاں گیلانی زین الدین علی خاں اور بہت سے دوسرے مغل امراء کو آگے بڑھایا اور اپنے غلام کشور خاں کو امراء کے گروہ میں شامل کرکے صاحب جاہ و حشمت بنایا۔ اس طرح گویا چار فرقے یا جماعتیں پیدا ہو گئیں جو یہ ہیں (۱) مغل (۲) ترک (۳) حبشی اور (۴) دکنی۔ ان چاروں فرقوں میں سے حبشی غلاموں کا گروہ جو کہ خواجہ جہاں کا پروردہ پر داختہ تھا' دکنیوں سے مل گیا اور حسن نظام الملک کی وفاداری کا دم بھرنے لگا۔ حبشیوں کی طرح ترکوں نے خواجہ جہاں سے بیوفائی نہ کی اور سچے دل سے اس کی اطاعت گزاری کرتے رہے۔

خواجہ جہاں کی دلی خواہش یہ تھی کہ ترکیوں کی جماعت ہمیشہ دکنیوں پر غالب رہے۔ خواجہ نے یوسف عادل خاں سوائی کو دولت آباد کا طرفدار مقرر کرنے کے بعد گجرات اور مندو کے حاکموں کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔ خواجہ نے اپنی تدبیروں کو عمل میں لا کر یوسف عادل خاں کو ترکی امیروں کا سردار بنا کر' شاہی دربار میں اسے نظام الملک سے بڑی جگہ پر پہنچا دیا۔ ملک نظام الملک اس سبب سے اپنے دل میں بہت ہی رنجیدہ ہوا اور اس نے خواجہ کے خلاف بادشاہ کے کان بھرنے شروع کر دیئے' لیکن ان چغل خوریوں کا بادشاہ پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور خواجہ جہاں اور یوسف عادل کی عزت اس کے دل سے پہلے سے کہیں زیادہ ہو گئی' لیکن آخر کار نظام الملک اپنے مفسد ارادوں میں پوری طرح کامیاب ہوا اور خواجہ جہاں کو' جیسا کہ تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے مکاری اور فریب کے دام میں لا کر شہید کر دیا گیا۔ یوسف عادل خاں اپنی اقبالمندی کی وجہ سے ملک حسن نظام الملک جیسے طاقتور دشمن سے دور رہا اور بیجاپور کا فرمانروا بنا۔ اس طرح یوسف عادل کو محمد شاہی دربار سے کہیں زیادہ عزت اور ناموری حاصل ہوئی۔

مغل اور ترک امراء کی پایہ تخت میں آمد

سلطان محمد شاہ کی وفات کے بعد یوسف عادل اور سارے دکنی، مغل اور ترک امراء جو کوکن کی مہم میں ہمراہ تھے آپس میں مل کر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ سلطان محمود شاہ کو تخت نشینی کی مبارکباد دینے کے لئے پایہ تخت کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ سب امراء شہر کے باہر قیام پذیر ہوئے اور ان میں سے یوسف عادل خاں، دریا خاں، فخر الملک، تفرش خاں ولد قاسم بیگ صف شکن، اژدر خاں اور غضنفر خاں ایک ہزار تجربہ کار اور چیدہ مغل اور ترک لشکریوں کے ساتھ بادشاہ کی ملازمت کرنے کے مقصد سے شہر میں داخل ہوئے۔

یہ سب لوگ ارک کے قلعے میں پہنچے اس امر کی اجازت نہ تھی کہ اپنے ملازموں اور خدمتگاروں کو بھی قلعہ اندر لے جائیں۔ لیکن ان لوگوں کو چونکہ ملک حسن نظام سے خطرہ تھا اس لئے یہ لوگ اپنے ساتھ دو سو مسلح جوانوں کو بھی لے کر دار الامارت میں داخل ہوئے۔ ملک حسن بھی غافل نہ تھا، اس نے پہلے ہی سے یوسف عادل کی سرزنش کے لئے قلعے میں پانچ سو مسلح جوان متعین کر رکھے تھے۔ یوسف عادل خاں کو اس بات کا علم ہوا، لیکن اس نے واپس لوٹنے کو خلاف مصلحت سمجھا اور خدا تعالیٰ پر بھروسا کرکے اپنے مسلح نوجوانوں کے ساتھ بادشاہی محل میں اوپر چلا گیا۔

یوسف عادل خاں شاہی دربار میں

ملک حسن نظام الملک اور امیر قاسم برید نے مجبور ہو کر ان نووارد امراء کا استقبال کیا اور انہیں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا۔ یوسف عادل نے شاہی حضور میں جلوس کی مبارک باد پیش کی اور حسب عادت ایک ایسی جگہ پر کھڑا ہو گیا جو ملک حسن کی جگہ سے ممتاز نمایاں اور اعلیٰ تھی۔ نظام الملک سے بعد کی جگہ پر دریا خاں کھڑا ہو گیا اور اس طرح نظام الملک اور اس کے بیٹے ملک احمد کے درمیان فاصلہ ہو گیا۔ ان امراء کی ترتیب کچھ اس طور پر تھی کہ اگر نظام الملک کے ہوا خواہ یوسف عادل اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرنا چاہتے تو انہیں پہلے نظام الملک اور ملک احمد کا کام تمام کرنا پڑتا۔ ملک احمد کو یہ دیکھ کر بہت غصہ آیا اور اس نے اپنے اور اپنے دشمنوں کے درمیان سے نظام الملک کو ہٹانا چاہا۔

یوسف اور نظام الملک کی ''گرم جوشی''

نظام الملک اپنے بیٹے کے ارادے سے باخبر ہو گیا اور اس نے ملک احمد کو منع کر دیا اور فساد کو رفع کرنے کے لئے بادشاہ سے گزارش کی۔ بادشاہ نے ان تمام لوگوں کو ان کے مرتبے کے مطابق خلعت سے سرفراز کیا اور پھر یہ سب رخصت ہو گئے۔ یوسف عادل کو نظام الملک کی طرف سے کچھ اطمینان نہ تھا۔ یوسف نے اپنے دشمن کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور گفتگو کے بہانے سے اسے اپنے ساتھ قلعے کے باہر تک لے آیا یوسف نے بڑے خلوص اور محبت کا اظہار کیا، نظام الملک کی بہت خاطر تواضع کی، اپنے لشکر تک پہنچ کر یوسف، نظام الملک سے رخصت ہو گیا اور اپنے ایک ہزار تجربہ کار ساتھیوں کے ہمراہ شہر سے باہر اپنی قیام گاہ میں مقیم ہوا۔ یوسف نے دریا خاں کو بڑی احتیاط کے ساتھ شہر کے باہر مقیم ہونے کا مشورہ دیا۔

دوسرے روز ملک حسن نظام الملک، قوام الملک کبیر و صغیر کے ہمراہ یوسف عادل کی قیام گاہ میں آیا اور یوسف سے کہا۔ ''مناسب یہی ہے کہ تم اور تمہارے ترکی امراء بھی شہر کے اندر ہی قیام کریں تاکہ ہم سب مل کر روزانہ شاہی دربار میں حاضری دیا کریں۔ اس طرح ملکی معاملات میں پہلے کی طرح ترتیب و نظم پیدا ہو جائے گا نیز ہمارا باہمی اتحاد ترقی کرے گا۔ اور ہم ایک دوسرے کے دوست بن کر دشمنوں کو تباہ و برباد کریں گے۔ یوسف عادل نے جواب دیا ''باہمی اتحاد و محبت کے بارے میں تم نے جو کچھ کہا، بالکل وہی میری خواہش بھی ہے، لیکن یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ میں بھی ہر روز تمہاری طرح دربار میں حاضری دیا کروں۔ ہم سپاہی پیشہ لوگ ہیں ملکی انتظامات سے ہمیں کچھ زیادہ واقفیت نہیں ہے ہمارا فرض یہی ہے کہ ہم مرحوم بادشاہ کی وصیت کے مطابق اپنے اپنے کاموں کو سرانجام

دیتے رہیں۔ دوسرے یہ کہ ان ترکی امراء کا شہر میں قیام کرنا کچھ اچھا نہیں ہے یہ ایک جاہل قوم سے تعلق رکھتے ہیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں اور دکنیوں اور حبشیوں میں کسی قسم کی تکرار ہو جائے اور اس طرح کسی بڑے فتنہ و فساد کا دروازہ کھلے۔"

عہدوں کی تقسیم

الغرض اس ملاقات میں یہی طے پایا کہ نظام الملک پہلے کی طرح وکیل السلطنت کے عہدے پر فائز رہے۔ وزارت' اشراف اور نظارت کے عہدے بالترتیب قوام الملک کبیر سرلشکر ورنگل' قوام الملک صغیر طرفدار راجمندری اور دلاور خاں حبشی (یکے از امراء کبار) کے پاس رہیں۔ اسی طرح دوسرے عہدے اور خدمتیں بھی باہمی مشورے سے مناسب لوگوں میں تقسیم کر دی گئیں اور سب مل کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سلطان محمود شاہ نے ان تمام عہدہ داروں کو خلعت فاخرہ عطا کیے۔ اس واقعے کے بعد یوسف عادل اپنی قیام گاہ پر آگیا اور اس نے پھر کبھی سلطنت کے انتظامی امور میں دخل نہ دیا۔

عادل خاں دکنی اور فتح اللہ عماد الملک کی طلبی

دو تین ماہ تک تو تمام مغل' دکنی' حبشی اور ترک سپاہی بڑے اتحاد و یگانگت سے رہے اور ایک دوسرے سے ہمدردی کا برتاؤ کرتے رہے' لیکن حسن نظام الملک بحری اور قوام الملک کبیر نے وعدہ شکنی کا ارادہ کیا اور یوسف عادل خاں کا کام تمام کرنے کا فیصلہ کیا۔ ان امیروں نے یہ طے کیا کہ خاندان بہمنیہ کا نامی گرامی امیر' عادل خاں دکنی' جو قوام الملک کی طرف سے ورنگل میں مقیم تھا اسے یوسف عادل کی جگہ مقرر کر دیا جائے۔ اس تجویز کے پیش نظر عادل خاں دکنی اور فتح اللہ عماد الملک کو طلبی کے فرمان بھیجے گئے کہ وہ اپنے اپنے علاقوں کے امراء اور لشکریوں کو ساتھ لے کر بادشاہ کو تخت نشینی کی مبارکباد دینے کے لئے حاضر ہوں۔ متذکرہ بالا دونوں امیر شاہی فرمان کے پہنچتے ہی پایہ تخت میں حاضر ہو گئے اور شہر کے باہر اپنے ہتھیار بند لشکر کے ساتھ مقیم ہوئے۔

یوسف عادل کے خلاف سازش

عادل خاں دکنی اور فتح اللہ عماد الملک اکیلے ہی شہر میں داخل ہوئے یہ دونوں بہت خوش و خرم اپنی قیام گاہ پر واپس آئے دو تین ہفتے انہیں معاملات میں گزر گئے۔ ملک حسن نظام الملک نے حکومت کی باگ ڈور خود سنبھال لی تھی اور وہ قوام الملک کبیر کو بہت ہی سادہ لوح اور بے خبر سمجھتا تھا۔ ملک حسن نظام الملک نے قوام الملک سے کہا "میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم تم دونوں مل کر آج دکنی امراء کو بلائیں اور یوسف عادل کا کام تمام کر دیں۔ یوسف عادل کے ڈر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو جانا بہت بڑی بات ہے جب ہم اس مرحلے کو طے کر لیں گے تو پھر یوسف کے بہی خواہوں کو ان کے تھانوں پر واپس جانے کی اجازت دے دیں گے۔"

"یہ ممکن ہے کہ فتح اللہ عماد الملک اور دیگر دکنی امراء جو ترکی امیروں سے خوفزدہ ہیں ان کی وجہ سے دربار میں حاضر نہ ہوں۔ اس لئے مناسب یہی ہوگا کہ ترکی امراء کو یہ حکم دے دیا جائے کہ وہ اس روز اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں" قوام الملک نے نظام الملک کی یہ تجویز پسند کی اور اسی کے مطابق نظام الملک نے دوسرے روز بادشاہ کو ارک کے قلعے کے ایک برج پر بٹھایا اور یوسف عادل اور فتح اللہ عماد الملک کو یہ پیغام بھجوایا۔ "اپنی اپنی فوجوں کو آراستہ کرکے شاہی ملاحظہ کے لئے پیش کرو اور شاہی خلعت سے سرفراز ہو کر اپنے اپنے صوبوں کو واپس جانے کی اجازت طلب کرو۔"

قوام الملک کبیر کی عاقبت نااندیشی

فرہاد الملک کوتوال کو ان باتوں کا علم ہو گیا اور اس نے قوام الملک کبیر کو یہ پیغام دیا "ملک حسن نظام الملک تمہارا اور تمام ترکی امیروں کا بدترین دشمن ہے اس نے یوسف عادل خاں کا کام تمام کرنے کا تو بہانہ کیا ہے۔ اس روز تمام ترکی امراء کا اپنے گھروں میں بیٹھے رہنا

نے نظام الملک کی بہی خواہی پر اعتماد کر لیا چونکہ قوام الملک کبیر کا آخری وقت آگیا تھا اس لئے اس نے کوتوال کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

عادل خان دکنی تمام حالات سے بے خبر تھا وہ اپنے لشکر تلنگانہ کو مرتب و مسلح کر کے' نظام الملک کے کہنے پر شہر میں آگیا۔ اور بادشاہ کی خدمت میں سلام کے لئے حاضر ہوا۔ سلطان محمود شاہ بہمنی نظام الملک وغیرہ کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا ہوا تھا۔ ملک حسن نظام الملک کے کہنے کے مطابق اس نے دونوں سرداروں کو برج پر جہاں وہ خود بیٹھا ہوا تھا' بلایا اور کہا "ترکی امراء اس وقت بغاوت پر آمادہ ہیں اور ملک میں شورش پھیلا رہے ہیں۔ اس فتنے کا سد باب ضرور کرنا چاہیے۔"

ترکوں کا قتل

فتح اللہ عماد الملک اور یوسف عادل ایک دوسرے کے بہت دوست تھے اس لئے نظام الملک نے فتح اللہ عماد الملک کو اسی مجلس میں بٹھائے رکھا ہم خطابی کی بنا پر عادل خاں دکنی' یوسف عادل کا جانی دشمن ہو رہا تھا اسے ترکی امراء کو قتل کرنے کا فریضہ سونپا گیا۔ عادل دکنی نے سب سے پہلے قوام الملک کبیر کو قتل کیا فرہاد الملک کوتوال کو گرفتار کر کے حصار کے دروازے بند کر لیے اور ترکوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ ترکی امراء اس ناگہانی مصیبت سے قطعاً بے خبر تھے تفرش خاں' قوام خاں اور دیگر ترکی امراء کو جو یوسف عادل کی وجہ سے شہر کے اندر موجود تھے' ان حالات کا علم ہوا تو انہوں نے جنگ کے ارادے سے شہر کے دروازے کا رخ کیا' اور بڑی بہادری اور جوانمردی کے ساتھ تیغ و تبر سے دروازے کو توڑ دیا۔

معرکہ آرائی

دریا خاں کو جب شہر کے ہنگامے کی خبر ملی تو وہ دس یا بیس ہزار سواروں کے ساتھ شہر میں داخل ہو گیا۔ پورے بیس دن تک طرفین میں معرکہ آرائی رہی۔ اس دوران میں کئی بار یوسف خاں عادل اور ملک احمد ولد نظام الملک بحری میں شدید لڑائیاں ہوئیں۔ اور دونوں فریقوں کے تین یا چار ہزار سپاہی موت کا لقمہ بنے اس خونریزی اور موت کی گرم بازاری کے بعد بھی کسی بات کا فیصلہ ہوتا ہوا نظر نہ آیا یہ حالت دیکھ کر شہر کے عالم اور درویش درمیان میں پڑے اور صلح کی بات چیت شروع ہوئی۔

یوسف عادل کی واپسی

ترکی امراء کی ایک بہت بڑی تعداد موت کا شکار بن چکی تھی اس لئے یوسف عادل نے بھی صلح ہی میں بہتری دیکھی اور اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر بیجاپور واپس آگیا۔

نظام الملک کا اقتدار

اب میدان خالی پاکر ملک حسن نظام الملک دربار پر پوری طرح حاوی ہو گیا اس نے اپنے بیٹے ملک احمد کو سردار اور میر کے علاوہ دوسرے کئی پرگنوں کا جاگیردار مقرر کیا فخر الملک دکنی کو' جو ملک التجار محمود گاواں کا غلام زادہ اور بہت ہی شجاع اور دلاور انسان تھا برار کے امیروں کی جماعت میں داخل کیا اور اس کے بیٹوں کو بھی مختلف عہدے عطا کیے۔ نیز فخر الملک کو "خواجہ جہاں" کے خطاب سے سرفراز کیا۔ وزارت اور میر جملہ کا عہدہ فتح اللہ عمادی کے سپرد کیا گیا اور اس کے بیٹے شیخ علاؤ الدین کو' باپ کی طرف سے برار کا طرفدار مقرر کیا گیا۔ نظام الملک نے ان سب کے دلوں کو موہ لیا۔

قاسم برید نظام الملک کا ہمدرد اور بہی خواہ تھا اس نے نظام الملک کے ایماء پر ترکوں کو تباہی اور بربادی میں کوئی کمی نہ کی تھی اسے شہر کا کوتوال اور سرنوبت مقرر کیا گیا۔ قوام الملک صغیر کو تلنگانہ جانے کی اجازت دے دی گئی۔ تین چار سال تک ملک حسن نظام الملک اور فتح اللہ عمادی ہر روز بلاناغہ' صبح کے وقت بادشاہ کی والدہ کے پاس جاتے تھے۔ اور اس کے مشورے سے سلطنت کے امور سرانجام دیتے تھے۔

دلاور خاں حبشی کو ان دونوں امیروں سے بہت حسد تھا۔ اس نے بادشاہ کے کان بھرے اور اس سے کہا "فلاں فلاں امیر حضور کو کوئی اہمیت نہیں دیتے آپ کو محض ایک بچہ جان کر نظرانداز کر دیتے ہیں اور سلطنت کے تمام کام آپ کی والدہ کے مشورے سے انجام دیتے ہیں۔"

نظام الملک اور عمادی پر ناکام قاتلانہ حملہ

دلاور خاں حبشی کی اس بات نے بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا اور اس نے دلاور خاں ہی کو نظام الملک اور فتح اللہ عمادی کے قتل پر مقرر کیا۔ اتفاق کی بات کہ ایک بار یہ دونوں امیر رات کے وقت کسی اہم سلسلے میں بادشاہ کی والدہ سے ملنے کے لیے شاہی محل میں آئے۔ دلاور خاں حبشی نے ایک اور شخص کو اپنے ساتھ لیا اور یہ دونوں تلواریں سونت کر متذکرہ امیروں کے راستے میں کھڑے ہو گئے۔ دونوں نے امیروں پر تلواروں کے وار کیے نظام الملک زخمی ہوا' لیکن اس کے اور فتح اللہ عمادی دونوں ہی کے پاس تلواریں تھیں اور دونوں شمشیر زنی میں بے نظیر تھے' اس لئے انہوں نے دشمنوں پر غلبہ پا لیا اور قلعے سے باہر نکل آئے۔

نظام الملک کا شہر سے جانا

ان امیروں نے ملک قاسم برید کو جسے انہوں نے سرنوبت اور کوتوال شہر بنایا تھا۔ اس واقعے سے اطلاع دی اور یہ کہلوایا "بادشاہ تمہاری جان کا دشمن ہو رہا ہے لہٰذا تم اپنی جان کی حفاظت کرو۔" ملک حسن نظام الملک اور فتح اللہ عمادی اپنے اپنے لشکروں کو ساتھ لے کر شہر کے باہر چلے گئے۔ قاسم برید نے ارک کے قلعے کے دروازے بند کر دیئے اور لوگوں کو بادشاہ کے پاس آنے جانے سے بالکل روک لیا۔ یہ عالم دیکھ کر بادشاہ کو اپنی حرکت پر بہت ندامت اور پشیمانی ہوئی لہٰذا اس نے ان امیروں کے پاس اپنا ایک قاصد روانہ کیا۔ یہ تمام امیر تلنگانہ کے قریبی علاقے میں سات آٹھ ہزار سواروں کے ساتھ قیام پذیر تھے' قاصد نے بادشاہ کی طرف سے عذر خواہی کی۔

نظام الملک کی واپسی

امراء نے دلاور خاں حبشی کو قتل کرنے کی درخواست کی۔ دلاور خاں نے جب یہ سنا تو وہ برہان پور کی طرف فرار ہو گیا۔ اس کے بعد نظام الملک اور ملک احمد دونوں باپ بیٹے شہر میں داخل ہوئے۔ فتح اللہ عمادی برار کی طرف چلا گیا انہیں دنوں ملک حسن نظام الملک بحری نے' جو زمانے کی بہت سی کروٹوں کو دیکھ چکا تھا اپنے استحکام کی کوششیں شروع کر دیں۔ اس نے ملک وحید اور ملک اشرف دکنی پر (جو پہلے محمود گاواں کے خدمت گار تھے اور بعد میں شاہی سلحدار مقرر ہوئے تھے) طرح طرح کی عنایات کرنا شروع کر دیں۔ ملک وحید کو اس نے امارت کے درجے تک پہنچا کر دولت آباد کا طرفدار مقرر کیا اور اشرف کو اس کی ماتحتی میں دیا۔ نظام الملک نے ان دونوں سے ملک احمد کے ساتھ محبت و اتحاد کا برتاؤ کرنے کی قسمیں لیں اور قول و قرار لے کر دولت آباد کی طرف روانہ کر دیا۔

ملک احمد کی روانگی جنیر

فخر الملک المخاطب بہ خواجہ جہاں کو شولاپور اور پرندہ کے پرگنے عطا کیے گئے۔ اس سے بھی ملک وحید اور ملک اشرف کی طرح قسمیں لی گئیں۔ اس کے دو تین ماہ بعد نظام الملک نے بادشاہ سے رخصت لی اور اپنے بیٹے ملک احمد کو سو ہاتھیوں اور بہت سے مال و اسباب کے ساتھ اپنا نائب مقرر کر کے جنیر روانہ کیا۔

قوام الملک صغیر کی بغاوت

ورنگل کے حاکم عادل خاں نے ۸۹۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا' قوام الملک صغیر جلد از جلد اپنا لشکر لے کر راجمندری سے ورنگل پہنچا اور اس نے علم سرکشی بلند کر کے سارے تلنگانہ پر قبضہ کر لیا۔ ملک حسن نظام الملک نے بادشاہ کو اپنے ہمراہ لیا اور ورنگل کی طرف روانہ

الملک کے روز افزوں اقتدار کی شکایت کی۔ بادشاہ کا عالم اس وقت عجیب ہو رہا تھا' ایک طرح پر اس نے امراء کشی پر کمر باندھی رکھی تھی اس لئے اس نے قوام الملک صغیر کی بات کی طرف کوئی توجہ نہ دی اور اس کے قاصد کو مع خط کے نظام الملک کے پاس بھیج دیا۔

بیٹے کا خط باپ کے نام

بادشاہ ورنگل پہنچا اور نظام الملک کے نام ملک احمد کا اس مضمون کا ایک خط آیا۔ "سلطان محمد شاہ کے دور فرماں روائی میں بندر کوہ اور اس کے پرگنوں کی حکومت کشور خاں' غلام ملک التجار کے حوالے کی گئی تھی۔ کشور خاں نے نجم الدین گیلانی کو اپنا نائب بنایا تھا۔ نجم الدین گیلانی کی وفات کے بعد اس کے خدمتگار بہادر گیلانی نے بہادری و ہمت سے کام لے کر بندر کوہ سے بندر وایل' کولاپور' کلہر اور برنالہ تک کے تمام علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ اب وہ یوسف عادل کے بل بوتے اور مدد کی وجہ سے روز بروز بہت طاقت پکڑتا جا رہا ہے۔ اس کی ہمت یہاں تک بڑھی ہے کہ اس نے بندر جیول اور میرے پرگنوں پر بھی دست درازی شروع کر دی ہے۔"

"اسی طرح جھاگنہ کا جاگیردار زین الدین علی باس بھی من مانی کرنے پر اترا ہوا ہے اور باوجود قربت کے اطاعت کا دم نہیں بھرتا اور یہ کہتا ہے کہ جب بادشاہ خود مستقل فرمان روا بن کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے گا میں اس وقت صحیح طور پر مطیع بنوں گا ان تمام معاملات میں آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ جو حکم دیں اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔" ملک حسن نظام الملک نے جواب میں لکھا سب سے پہلے زین الدین علی باس کے فتنے کا خاتمہ کرو اور اس کے بعد کسی دوسری طرف توجہ کرنی چاہیے۔" اس خط کے ساتھ ہی نظام الملک نے دولت آباد کے طرف دار ملک وحید اور پرندہ کے حاکم فخر الملک خواجہ جہاں کے نام اس مضمون کے خطوط بھی روانہ کیے کہ دونوں امیر ملک احمد کی مدد کریں۔

زین الدین علی کا خط یوسف عادل کے نام

انہیں دنوں زین الدین علی باس نے یوسف عادل کے نام ایک خط بیجاپور روانہ کیا اس نے لکھا۔ "مجھے اپنے خدمت گزاروں اور ملازموں کی صف میں شامل کر کے میری سرپرستی کیجیے اور ملک احمد کے ہنگاموں سے مجھے اور میرے ملک کو بچائیے۔" یوسف عادل نے جو خواجہ جہاں سے سچی دوستی رکھتا تھا زین الدین کی امداد کا پکا ارادہ کر لیا۔ اس نے پانچ چھ ہزار سواروں کا ایک لشکر اس کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ اور اس لشکر کو یہ حکم دیا کہ پہلے تو انداپور کے قلعے میں قیام کیا جائے جب ملک احمد' زین الدین پر لشکر کشی کرنے کے لئے بھاگنہ کی طرف آئے تو پھر اس میں پہنچ کر اس کا راستہ مسدود کیا جائے۔"

نظام الملک کا زوال

یہ خبر ورنگل پہنچی اور ملک حسن نظام الملک کی عزت اور عظمت کو گھن لگنے لگا۔ رعیت اور بادشاہ دونوں کی نگاہوں میں اس کا پہلا سا وقار نہ رہا اور تمام اعتبار جاتا رہا۔ بادشاہ کے مصاحبوں نے جن میں ملک قاسم برید' دستور دینار حبشی خواجہ سرا اور دوسرے حبشی امیر شامل تھے۔ بادشاہ کو نظام الملک کے خلاف اکسانا شروع کر دیا اور اسے طرح طرح کی وحشت خیز خبریں سنانے لگے۔ بادشاہ تو پہلے ہی نظام سے ناخوش تھا للذا اس نے متذکرہ امراء کو یہ بتا دیا کہ وہ نظام الملک سے خوش نہیں ہے۔ اس نے ان امیروں کو یہ حکم دیا کہ وہ موقع پا کر نظام الملک کا خاتمہ کر دیں۔

نظام الملک کا فرار

ملک حسن نظام الملک کو ان تمام باتوں کی اطلاع ہو گئی وہ اپنی جان بچا کر آدھی رات کے وقت شاہی لشکر سے بھاگ نکلا۔ چونکہ اس کے دن پورے ہو چکے تھے اس لئے وہ اپنے بیٹے کے پاس جنیر نہ گیا۔ بلکہ پایہ تخت اور خزانے پر قبضہ کرنے کے لئے احمد آباد بیدر کی طرف روانہ ہو گیا۔ بیدر کا حاکم' دل پسند خاں دکنی تھا۔ اس پر نظام الملک نے بہت سی مہربانیاں کی تھیں اس لئے وہ نظام الملک سے بڑی

خندہ پیشانی سے ملا اور بڑے فرمانبردارانہ انداز سے اسے شہر میں لے آیا۔

نظام الملک کی بغاوت

نظام الملک نے اپنا ایک قاصد بھیج کر ملک احمد کو جنیر سے بیدر بلوایا۔ دل پسند خاں کے ساتھ مل کر اس نے بہمنی بادشاہوں کا بہترین خزانہ کھولا اور لشکر وغیرہ فراہم کرنے میں معروف ہو گیا۔ اس کے بعد نظام الملک نے کھلے بندوں بادشاہ کی مخالفت کا اعلان کر دیا اور علم بغاوت سربلند کیا۔ سلطان محمود شاہ کو ان تمام واقعات کی اطلاع ملی اور اس نے قطب الملک دکنی کو تلنگانہ کا سر لشکر مقرر کیا اور اس علاقے کے امراء کو ساتھ لے کر بیدر کی طرف روانہ ہوا۔

دل پسند خاں کی چال

نظام الملک اتنا طاقتور نہ تھا کہ وہ بادشاہ سے مقابلہ کرنے کی جرات کرتا۔ اس نے تمام خزانہ اپنے ساتھ لے کر اپنے بیٹے سے جا ملنے کا ارادہ کیا۔ دل پسند خاں نے اسے اس ارادے سے باز رکھا اور بادشاہ کو پوشیدہ طور پر یہ پیغام بھجوایا۔ "فدوی حسب سابق حضور کا خدمت گزار اور مطیع ہے۔ میں نے محض نمک حلالی اور فرض شناسی کی وجہ سے آپ کے باغی کو لطف و مروت کے ساتھ روک رکھا ہے تاکہ حضور کی آمد کا انتظار کیا جا سکے۔" بادشاہ نے دل پسند خاں کو جواب بھجوایا۔ "اگر تو واقعی سچا ہے تو پھر نظام الملک کا سر کاٹ کر شاہی بارگاہ میں روانہ کرتا کہ تیری وفاداری کا اندازہ ہو سکے۔"

نظام الملک کا قتل

دل پسند خاں نے نظام الملک کی عنایتوں اور مہربانیوں کا کچھ خیال نہ کیا اور پانچ سو ہتھیار بند جوانوں کو ساتھ لے کر نظام الملک کے پاس قلعہ ارک میں گیا اور اس سے کہا کہ "مجھے تنہائی میں آپ سے کچھ اہم باتیں کرنی ہیں۔" نظام الملک نے اسی وقت دل پسند کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک کمرے میں لے گیا۔ دل پسند طاقتور اور جوان آدمی تھا اس کے برعکس نظام الملک ضعیف العمر تھا۔ دل پسند نے نظام الملک کا گلا گھونٹ کر وہیں اس کا خاتمہ کر دیا۔ دل پسند نے اس کے بعد نظام الملک کے سر کو اس کے جسم سے علیحدہ کیا اور اس کٹے ہوئے سر کو ہاتھ میں لے کر باہر آیا اور حاضرین محفل سے یوں گویا ہوا۔ "جو شخص اپنے آقا کے ساتھ ٹکراؤ کرتا ہے اس کی سزا یہی ہے۔" دل پسند نے وہ کٹا ہوا سر بادشاہ کے پاس بھجوا دیا اس کے بعد بادشاہ شہر میں داخل ہوا اس نے دل پسند خاں دکنی کے علاوہ کئی مغلوں اور ترکوں کو اپنا مصاحب بنایا اور سلطنت کے اکثر امور کی انجام دہی انہیں پر چھوڑی۔

محمود شاہ کی عیاشی

سلطان محمود شاہ پر جوانی کا نشہ کچھ بری طرح چھایا شراب و شاہد و ساقی کا وہ کچھ ایسا والہ و شیدا ہوا کہ حکومت کے اکثر کاموں کی طرف سے غافل رہنے لگا۔ اس عیاشی اور عیش کوشی نے یہاں تک طول کھینچا کہ بادشاہ نے تخت فیروزہ میں سے بہت سے جواہرات نکلوا کر شراب کے لئے مرصع صراحیاں اور پیالے بنوائے۔ شراب کی بساط کا حاشیہ اور خاصہ کا طنبورہ بھی تخت فیروزہ کے جواہرات ہی سے آراستہ کیا گیا۔

بادشاہ کے قتل کی سازش

۸۹۹ھ میں حبشیوں اور دکنیوں نے مغلوں اور ترکوں کے خلاف ریشہ دوانیاں شروع کیں۔ انہوں نے حسد کی آگ میں جل کر بادشاہ کو مغلوں اور ترکوں سے بدگمان کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں کامیابی نہ ہوئی۔ دل پسند خاں اور دوسرے حبشی اور دکنی امراء نے باہم سازش کی کہ محمود شاہ کو قتل کر کے کسی دوسرے بہمنی شہزادے کو تخت پر بٹھایا جائے۔ ان سازشیوں نے ارک کے قلعے کے تمام دربانوں،

دشمن کی ناکامی

کیم ذی قعد ۸۹۲ھ کو رات کے وقت سازشی ایک سوار سواروں اور پیادوں کا لشکر لے کر بادشاہ کی قیام گاہ یعنی قلعہ ارک میں داخل ہو گئے۔ ان لوگوں نے حصار کے دروازوں کو اندر کی طرف سے بڑی مضبوطی سے بند کر لیا تاکہ مغل اور ترک سپاہی بادشاہ کی مدد کے لئے نہ آ سکیں۔ سلطان محمود شاہ اس وقت شراب نوشی میں مشغول تھا اسے جب شور کی آوازیں آئیں تو وہ کچھ چوکنا ہوا اور اپنی حفاظت کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت پردہ داروں کی مدد سے حبشیوں اور دکنیوں کی ایک مکار جماعت بادشاہ کے قریب پہنچ چکی تھی۔ عزیز خاں ترک اور دیگر ترکی ملازم (حسن علی خاں سبزواری اور سید میرزائی مشہدی عرف ملوخاں جو بڑا بہادر اور جیالا تھا) درمیان میں آ گئے۔ یہ غلام اگرچہ ہتھیار بند نہ تھے' لیکن انہوں نے اپنی ہمت اور جواں مردی سے اپنی جانیں بادشاہ پر قربان کر دیں۔ اس طرح بادشاہ کو دشمنوں کے نرغے سے نکلنے کا موقع مل گیا اور وہ شاہ برج کے اوپر کے حصے پر پہنچ گیا۔

معرکہ آرائی

حرم سرا اور شاہ برج کے علاوہ قلعے کے باقی تمام حصوں پر باغیوں کا قبضہ ہو چکا تھا ان عیاروں نے شاہ برج کے قریب لڑائی شروع کی بادشاہ نے برج کے تمام دروازے بند کر لیے اور گنتی کے چند مغل اور ترکی امراء کے ساتھ جو بادشاہ کے سچے دوست تھے' دشمن کی مدافعت میں مشغول ہوا۔ بادشاہ اور اس کے ہمراہی امراء تیروں اور پتھروں کے ذریعے دشمن کو بھگانے کی کوشش کرتے رہے اسی دوران میں بادشاہ نے اپنے ایک خاص ملازم کو قلعے سے باہر کسی نہ کسی طرح نکال دیا اور ملازم نے ترکی اور مغل سپاہیوں کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔

حبشیوں اور دکنیوں کا فرار

بادشاہ کی مدد کے لئے تقریباً تین چار سو مغل اور ترک' ہتھیار بند جوان آئے' ان میں فرہاد خاں' قاسم برید' شیر خاں' محمود خاں گیلانی اور کشور خاں وغیرہ بھی شامل تھے۔ ان لوگوں نے قلعے کے تمام دروازے بند پائے تو ان میں سے آٹھ افراد' بڑی مشکلوں اور مصیبتوں سے کمند لگا کر شاہ برج پر چڑھے انہوں نے وہاں نقارہ بجا دیا اس سے حبشی اور دکنی لوگ یہ سمجھے کہ مغل اور ترک سپاہیوں کی فوج قلعے کے اندر آ گئی ہے۔ لہٰذا وہ بدحواس ہو کر بھاگ نکلے اور دروازے کی طرف لپکے۔

بادشاہ کی خوش قسمتی

خداوند تعالیٰ کی رضا یہی تھی کہ بادشاہ کو فتح ہو اس لئے یہ سب کچھ از خود ہو گیا' بادشاہ کے حمائتیوں میں سے پچیس تجربہ کار سبزواری نوجوان' جو سلحداروں میں داخل تھے' قلعے کے دروازے کے قریب پہنچ گئے اور انہوں نے بھاگتے ہوئے حریفوں پر پے در پے حملے شروع کر دیئے۔ یہ دیکھ کر مغرور سپاہی دوبارہ قلعے کی طرف بھاگے اور انہوں نے قلعے کے دروازے کو بند کرنا چاہا' لیکن سبزواری جوانوں نے انہیں ایسا نہ کرنے دیا۔ دونوں فریقوں میں زبردست جنگ ہوئی اور دونوں فریق ایک دوسرے کو ادھر ادھر بھگانے لگے۔

باغیوں کا قتل

یہ عالم دیکھ کر شاہی دربار کا ممتاز بہادر کشور خاں اپنے مسلح سپاہیوں کو لے کر معرکہ کارزار میں کود پڑا اس نے بہادری کا کچھ ایسا مظاہرہ کیا کہ دشمن مغلوب ہو کر نگینہ محل نامی عمارت کی طرف پسپا ہو گئے۔ اس رات شہر میں زبردست ہنگامہ رہا ایسا شور و شر ہوا کہ کسی کو اصل صورت حال کی خبر نہ ہو سکی۔ سرپھرے دکنیوں کے گروہ کے گروہ شہر میں آنے لگے اور مغلوں اور ترکوں کے گھروں کو تباہ و برباد کرنے لگے۔ اس ہنگامے میں آدھی رات گزر گئی چاروں طرف چاندنی کھلی ہوئی تھی اس وجہ سے تاریکی کچھ زیادہ نہ تھی۔ جاروب کشوں اور دوسرے پیشہ وروں نے (جو اگرچہ پہلے دشمنوں سے مل گئے تھے اور انہیں سے ساز باز کر کے دشمن قلعے کے اندر داخل ہو گئے

تھے) لکڑی کے گٹھوں کو آگ لگا لگا کر روشنی فراہم کی اور ایسی جگہوں کو منور کیا جہاں دشمن کے آدمی چھپے ہوئے تھے' باغیوں کو خوب جی کھول کر قتل کیا گیا۔

اسی اثناء میں یہ خبر پہنچی کہ دکن کے امراء تقریباً تین سو سواروں کے ساتھ مسلح و مرتب قلعہ میں کسی جگہ اس انتظار میں کھڑے ہوئے ہیں کہ صبح ہوتے ہی ایک دم حملہ کر دیں' اور قلعے کا دروازہ کھول کر باہر نکل جائیں۔ بادشاہ نے جہانگیر خاں ترک کو' جو "ملک الموت" کے لقب سے مشہور تھا' قلعے کی حفاظت پر متعین کیا اور شہر و بازار کی حفاظت کے لئے خاں جہاں ترک کو اپنے خاصہ کے سواروں کے ساتھ کام پر لگایا۔ محمود شاہ نے شاہی اصطبل میں سے تازی گھوڑے نکال کر لوگوں میں تقسیم کیے اور حکم دیا کہ ان پر سوار ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے۔

قتل عام

انہیں ہنگاموں میں رات ختم ہوئی اور سورج طلوع ہوا۔ محمود شاہ نے تخت حکومت پر جلوس کر کے ترکوں اور مغلوں کو حکم دیا کہ دکنیوں اور حبشیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جائے اور ان کے گھروں کو برباد و تاراج کر دیا جائے۔ کہا جاتا ہے کہ پورے تین دن تک شہر میں قتل و غارت گری کا ہنگامہ رہا۔ اور کسی شخص میں بھی اتنی جرات نہ ہوتی تھی کہ وہ بادشاہ سے عفو تقصیر کی گزارش کرے۔ آخر کار شاہ محب اللہ کے ایک بیٹے بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے اور انہوں نے بادشاہ سے مجرموں کو معاف کر دینے کی گزارش کی بادشاہ نے ان کی بات مان لی اور اس کی عقل ٹھکانے پر آئی اور قتل و غارت گری کا بازار ٹھنڈا ہوا۔

جشن مسرت

اس واقعہ کے بعد بادشاہ نے شہر اور قلعے کو دلہن کی طرح سجایا اور کامل چار دن تک عیش و عشرت میں مصروف رہا۔ بادشاہ نے بزم عشرت کچھ ایسی عالیشان منعقد کی' کہ اس کی مثال مشکل ہی سے مل سکتی ہے۔ شاہ برج میں' محمود شاہ نے پناہ لی تھی اور اسی وجہ سے اس کی جان بچ گئی تھی لہٰذا محمود شاہ برج کو ایک بڑی مبارک جگہ خیال کرتا تھا۔ اس نے اس جگہ ایک عظیم الشان محل کی بنیاد ڈالی اور کچھ ہی عرصے میں ایک خوبصورت اور دلکش عمارت کھڑی ہو گئی۔ اس محل کی تیاری کے بعد بادشاہ شراب و شاہد کا ایسا دلدادہ ہوا کہ دن رات اسے یہی کام رہتا تھا۔ عراق' خراسان' لاہور' ماوراء النہر اور دہلی وغیرہ مقامات کے مشہور اور کامل فن سازندے اور ناچنے والیاں' عیش و عشرت کی یہ سرپرستی دیکھ کر دکن کی طرف چلی آئیں۔ اسی طرح شاعر' قصہ خواں اور ندیم وغیرہ بھی دنیا کے مختلف مقامات سے بہمنی بارگاہ میں جمع ہو گئے اس صورت حال کا یہ نتیجہ ہوا کہ احمد آباد بیدر رشک ایران و توران ہو گیا۔

سیاسی ابتری

احمد آباد کی رعیت نے بھی کیا چھوٹے اور کیا بڑے سبھی نے بادشاہ کی پیروی کی' جگہ جگہ ساقی و شراب کی محفلیں آراستہ ہونے لگیں' آس پاس کے حکمرانوں اور امراء نے جب غفلت کا یہ دور دورہ دیکھا تو انہوں نے صورت حال کو اپنے موافق پا کر' اپنے استحکام کی تدبیریں سوچنی شروع کر دیں۔ شاہی امراء میں سے جو امیر' سلطنت کے طرفداروں (سرلشکروں) کے ساتھی بن گئے انہیں بڑی عزت اور وقار حاصل ہوا اور جس نے ایسا نہ کیا اسے اس کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا۔ الغرض تھوڑے سے عرصے میں سوائے تلنگانہ اور احمد آباد کے نواحی علاقوں کے بادشاہ کے قبضہ میں ملک کا کوئی حصہ نہ رہا۔

طرفداروں کی حالت

سب طرفداران سلطنت اگرچہ بادشاہ کے مخالف تھے لیکن کھلے بندوں کوئی مخالفت نہ کرتا تھا۔ ایک ملک احمد (نظام الملک کا بیٹا) تھا جو

اگر کبھی بادشاہ قاسم برید کی سرزنش کے لئے حملہ کرتا تو طرفداران سلطنت اسی وقت اس کا ساتھ دیتے۔ جب کہ انہیں پوری طرح یقین ہو جاتا کہ اس طرح ان کا اپنا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ یہ طرفدار جب بادشاہ کے ساتھ کہیں جاتے تو تزک و احتشام اور شان و شوکت کے لحاظ سے بادشاہ ان سے کم تر معلوم ہوتا۔ جب طرفداروں یا صوبہ داروں کو بادشاہ کے ساتھ سفر پر کہیں جانا پڑتا تو واپسی پر یہ صوبہ دار راستے ہی میں اپنے اپنے صوبوں کی طرف چلے جاتے یہ لوگ بادشاہ کے ساتھ رہنے سے پرہیز کرتے تھے' کیونکہ یہ بادشاہ کے سامنے مودب کھڑے رہنے اور اسے سلام کرنے کو مصیبت سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے ان طرفداروں میں سے کوئی بھی شاہی مجلس میں شرکت نہ کرتا تھا۔

یوسف عادل' فتح اللہ عمادی اور ملک احمد کی خودمختاری

نظام الملک کے بیٹے ملک احمد نے جس نے بادشاہ کو کئی مرتبہ شکست دی تھی' احمد نگر کی بنیاد ڈالی اور بادشاہوں کی طرح حکومت کرنے لگا۔ ملک احمد نے یوسف عادل اور فتح اللہ عمادی کے پاس اپنے قاصد بھیج کر ان سے اصرار کیا کہ وہ اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کریں۔ آخر کار ان تینوں امیروں میں یہ طے پایا کہ وہ اپنے اپنے علاقوں میں بادشاہت قائم کریں اور کھلے بندوں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیں۔ ۸۹۵ھ میں ان تینوں امراء نے سلطان محمود شاہ کا نام خطبے سے نکال کر اپنے اپنے ملک میں اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔

قاسم برید کی بغاوت

۸۹۷ھ میں قاسم برید ترک سرنوبت جبراً وکالت کے عہدے اور احمد آباد بیدر کے گرد و نواح کی طرف داری پر فائز ہوا۔ اس نے قندھار' اڈیسہ' اودگیر اور کلیان کو اپنی جاگیر مقرر کیا۔ اور ان پرگنوں کے قلعوں پر بھی قبضہ کرنے کا ارادہ کیا' لیکن ان قلعوں کے محافظوں نے اسے ایسا نہ کرنا دیا۔ قلعے اس کے حوالے نہ کیے' قاسم برید نے یہ سوچ کر کہ قلعوں کے یہ محافظ بادشاہ کی رائے پر عمل کر رہے ہیں۔ بادشاہ کی ظاہری اطاعت بھی ترک کر دی اور کھلم کھلا مخالف بن کر سامنے آیا۔ اس نے اپنے ہی خواہوں اور ہمدردوں کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر ان قلعوں کو تسخیر کرنا شروع کر دیا۔

قاسم کا غلبہ

بادشاہ نے قاسم برید کو نیچا دکھانے کے لئے دو تین بار اپنی فوج بھی روانہ کی' لیکن ہر مرتبہ شاہی فوج کو شکست ہوئی۔ دشمن اس قدر قوی اور غالب ہو گیا کہ بادشاہ احمد آباد بیدر سے فرار ہو جانے کی سوچنے لگا۔ اسی اثناء میں دلاور خاں حبشی' جو نظام الملک بحری سے دل برداشتہ ہو کر برہان پور چلا گیا تھا ایک آراستہ لشکر کے ساتھ بیدر پہنچا' بادشاہ اس تائید غیبی پر بہت خوش ہوا اور اس نے دلاور کو قاسم برید کے مقابلے پر بھیجا۔

قاسم برید اور دلاور حبشی کا معرکہ

قاسم برید خاں اور دلاور خاں میں بڑی خونریز جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں قاسم برید شکست کھا کر گلکنڈہ چلا گیا۔ دلاور خاں حبشی کے برے دن آئے ہوئے تھے اس لئے اس نے دشمن کا پیچھا کیا تاکہ قاسم کے ہمدردوں کو منتشر کر دے' لیکن نیرنگی حالات نے معاملہ برعکس کر دیا اور فاتح دلاور خاں مفتوح بن گیا اور شکست خوردہ قاسم کامیاب ہو گیا۔ اس اجمال کی تفصیل ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

دلاور خاں حبشی کی موت

جب دلاور خاں اپنے لشکر کے ساتھ قاسم برید کے تعاقب میں سفر کی منزلیں طے کر رہا تھا۔ تو اس کا ایک ہاتھی' اپنے مہابت کے دائرہ اختیار سے باہر ہو گیا۔ اس مست و بے خود ہاتھی نے خود اپنی ہی فوج پر حملہ کر کے لشکریوں کی ایک کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ عالم دیکھ کر دلاور خان حبشی نے نیزہ سنبھالا اور جوانوں کی ایک جماعت لے کر ہاتھی کی طرف بڑھا۔ ہاتھی نے بپھر کر حملہ کیا' دلاور خاں کے

ساتھی تو ایک طرف بھاگ گئے' لیکن وہ خود ہاتھی کی سونڈ میں آ گیا ہاتھی نے اسے وہیں ٹھنڈا کر دیا۔ قاسم برید کو جب یہ واقعہ معلوم ہوا تو وہ فوراً واپس لوٹا اور دشمن کی فوج کو خوب جی کھول کر تباہ کیا۔ اس نے دلاور خاں حبشی کے تمام ساز و سامان پر قبضہ کر لیا۔

قاسم کی میر جملگی

اب قاسم برید نے اور زیادہ شدت کے ساتھ بادشاہ کی مخالفت شروع کر دی اور اس کا غرور و تکبر بہت بڑھ گیا۔ سلطان محمود شاہ نے وقت کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے شاہان دکن کے دستور کے مطابق عفو گناہ کا قول نامہ اور منصب وکالت کا تقرر نامہ قاسم برید کے پاس روانہ کیا۔ اس کے بعد قاسم اپنے زبردست لشکر کے ہمراہ بیدر آیا اور میر جملہ کے عہدے پر سرفراز ہو کر امور سلطنت انجام دینے لگا۔ برید نے ایسی قوت اور ایسا اقتدار حاصل کیا کہ محمود شاہ برائے نام بادشاہ ہو کر رہ گیا۔

مورخین اسی زمانے سے بریدی خاندان کی سلطنت کا آغاز کرتے ہیں۔ روز بروز قاسم کا اقتدار اور غلبہ بڑھتا چلا گیا اور وہ اپنے آپ کو دکن کے ممتاز اور عالی مرتبت افراد میں شمار کرنے لگا۔ اس نے بیجانگر کے راجہ کو ایک خط لکھا جس میں اس نے بیان کیا تھا کہ "یوسف عادل خاں نے بادشاہ کی فرمانبرداری اور اطاعت ترک کر کے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کر لیا ہے' اگر آپ ہمت کر کے یوسف عادل پر حملہ کریں اور اس کا کام تمام کر دیں تو مدکل اور رائچور کے صوبوں پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا۔"

والی بیجانگر کا یوسف عادل پر حملہ

بیجانگر کا راجہ بہت ہی نا تجربہ کار اور نوعمر تھا' اس نے تمراج نامی اپنے وکیل کو ایک لشکر کے ساتھ یوسف عادل کے ملک کی طرف روانہ کیا۔ اس حملے کی وجہ سے بیجاپور کے انتظامی و سیاسی معاملات میں ابتری پیدا ہوئی اور مدکل اور رائچور کے قلعوں پر ہندوؤں نے قبضہ کر لیا۔ یوسف عادل میں چونکہ بیجانگر کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی تاب نہ تھی اس لئے اس نے ہندوؤں سے صلح کر لی اور پھر قاسم برید سے انتقام لینے کے لئے روانہ ہوا۔

ملک احمد کا عزم بیدر

قاسم برید یوسف عادل کا مقابلہ نہ کر سکا اور مجبور ہو کر ملک احمد بن ملک حسن نظام الملک کے پاس پناہ گزین ہوا اور اسے یہ پیغام دیا کہ "یوسف عادل نے مجھے تباہ و برباد کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور وہ میری تلاش میں اس طرف آ رہا ہے اگر آپ نے میری مدد فرمائی تو یوسف عادل کا فتنہ فرو ہو جائے گا۔ اور بہادر گیلانی کے مقبوضات' قلعہ کووہ' کوکف' پنالہ اور کلہر آپ کے قبضے میں آ جائیں گے۔" ملک احمد نے قاسم برید کی رائے سے اتفاق کیا اور فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں اور اس کے بھائی زین خاں کے ساتھ بڑے تزک و احتشام سے احمد آباد بیدر روانہ ہوا۔

یوسف عادل کی فتح

جب ملک احمد کا لشکر بیدر کے قریب پہنچا تو قاسم برید کی بہت ہمت بڑھی۔ قاسم نے مجبور و معذور محمود شاہ کو سوار کرا کے لشکر کی صفیں مرتب کیں اور یوسف عادل سے مقابلہ کرنے کے لئے میدان جنگ میں آیا۔ قاسم نے بادشاہ کو تو قلب لشکر میں کھڑا کیا اور خود مقدمہ لشکر کی کمان سنبھالی۔ میمنہ پر ملک احمد اور میسرہ پر خواجہ جہاں اور اس کے بھائی کو متعین کیا گیا۔ قاسم نے اپنے بیٹے کو ایک ہزار سواروں کے ساتھ طرح لشکر بنایا۔ یوسف عادل نے بھی اپنی فوج کو مرتب کیا اور فریقین میں زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ بڑی خونریزی کے بعد جنگ کا یہ نتیجہ نکلا کہ قاسم برید اور فخر الملک شکست کھا کر بھاگ گئے۔ میدان جنگ میں صرف یوسف عادل اور ملک احمد رہ گئے ان دونوں نے باہم معرکہ آرائی نہ کی بلکہ ایک دوسرے کے پاس قاصد بھیج کر صلح کر لی اور ایک دوسرے کی دوستی اور اتحاد کا دم بھرتے

محمود شاہ گجراتی کی شکایت

۸۹۹ھ میں محمود شاہ گجراتی نے اپنے ایک امیر ہاشم تبریزی کو پیغامبر بنا کر محمود شاہ بہمنی کے پاس بھیجا اور اسے پیغام دیا۔ "دربار بہمنی کے امیر بہادر گیلانی نے جو دریا کے ساحلوں پر قابض ہے' گجراتیوں کے مال و اسباب سے بھرے ہوئے چوبیس جہاز تباہ و برباد کر دیئے ہیں۔ بہادر گیلانی نے اسی دیدہ دلیری پر بس نہیں کی بلکہ یاقوت حبشی کی نگرانی میں دو سو جنگی جہاز جن میں سپاہی سوار ہیں' مہائم روانہ کیے۔ ان سپاہیوں نے مسجدوں کو مسمار کیا اور قرآن شریف جلا کر قتل و غارتگری کا بازار گرم کر رکھا ہے اور یہ لوگ انتہائی ناشائستہ حرکات کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اب ان لوگوں کا ارادہ یہ ہے کہ دریا کے راستے سے بندرگاہ سورت پر حملہ کرکے اسے بھی تباہ و برباد کیا جائے۔ ہماری فوج بہادر گیلانی کی قیام گاہ پر اس وقت تک حملہ نہیں کر سکتی کہ جب تک خشکی کے راستے سے دکن کے کچھ حصے کو تباہ و برباد نہ کیا جائے۔ ہماری فوج کے لیے دریا کے راستے سے دشمن پر حملہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ خود بہادر گیلانی کی مفسدہ حرکات کا قلع قمع کریں اور اگر آپ خود کسی وجہ سے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھیں تو پھر اپنے قدیم نمک خواروں کو اجازت دیں کہ وہ ہر ممکن طریقے سے اس طرف توجہ کریں۔"

بہادر گیلانی سے جنگ کی تیاریاں

سلطان محمود شاہ نے یہ پیغام سن کر بہت ہی آزردہ خاطر ہوا اس نے قاسم برید کو ساتھ لیا اور بہادر گیلانی پر لشکر کشی کرنے کے لئے روانہ ہوا۔ بادشاہ نے دکن کے حاکموں سے مدد طلب کی اس کا جواب بہت ہمت افزا ملا۔ یوسف عادل نے اپنے سرنوبت کمال خان دکنی کو پانچ ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ ملک احمد نے بھی اتنی ہی فوج مبارز خاں ولد خواجہ جہاں ترک کی نگرانی میں بھجوائی۔ مبارز خاں ملک احمد کی ملازمت اختیار کرنے کے بعد احمد نگر ہی میں قیام پذیر تھا۔ فتح اللہ عماد الملک نے بھی اپنے ایک امیر کی نگرانی میں کثیر فوج بادشاہ کی مدد کے لئے روانہ کیا۔

بہادر گیلانی

بہادر گیلانی مخدوم خواجہ شہید کے غلاموں میں سے تھا' خواجہ کے انتقال کے بعد وہ نجم الدین گیلانی کی ملازمت میں داخل ہوا۔ کشور خاں نے جو خواجہ شہید کا غلام تھا' نجم الدین کو بندر کووہ کا منتظم مقرر کیا' بہادر گیلانی کو کوتوال شہر مقرر کیا گیا۔ اس نے اپنی مردانگی اور بہادری کی وجہ سے بہت شہرت حاصل کی کچھ دنوں بعد نجم الدین گیلانی کا انتقال ہو گیا۔ اور بہادر گیلانی کے سر میں حکومت کرنے کا سودا سمایا۔ ۸۸۹ھ میں بہادر گیلانی نے بندر کووہ کا انتظام سنبھالا اور کشور خاں کے تمام پرگنوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے کچھ عرصے بعد اس نے وایل' تیول' کلہر' پنالہ کولاپور' سروالہ' نلگوان اور میرچ کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا نیز بارہ ہزار سپاہیوں کا ایک زبردست لشکر فراہم کر لیا۔

بہادر گیلانی کی دست درازیاں

بہادر گیلانی نے گجراتی علاقے پر بھی دست درازی شروع کی اور مہائم پر قبضہ کر لیا۔ گجرات کے بادشاہ نے کمال خاں اور صفدر خاں کو بہادر گیلانی سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا' بہادر نے ان گجراتی امیروں کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کے ساتھ جو ساز و سامان تھا' اپنے قبضے میں کر لیا۔ بہادر گیلانی کا یہ دستور تھا کہ وہ یوسف عادل اور ملک احمد پر بھی طنز و تعریض کرتا اور ان کو اپنے مقابلے پر حقیر خیال کرتا۔ یہاں تک کہ اس نے جام کھنڈی کا قلعہ' جو یوسف عادل کی ملکیت تھا اپنے تصرف میں لے لیا' اور اس کے بعد وہ یوسف عادل کو بیجاپور سے نکالنے کے منصوبے باندھنے لگا۔

بہادر گیلانی کے فتنے کو باسانی دبایا نہ جا سکتا تھا' ملک احمد اور یوسف عادل ہر ممکن طریقے سے اس کی دلجوئی کرتے تھے' اور اس کی

ناشائستہ حرکات کو بظاہر نظر انداز کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ایسا وقت آیا کہ خود سلطان محمود شاہ بہمنی نے بہادر گیلانی کی سرزنش کا ارادہ کیا۔ بادشاہ کے اس ارادے سے ملک احمد اور یوسف عادل دونوں ہی بہت خوش ہوئے اور جیسا کہ اوپر بیان کیا جاچکا ہے بادشاہ کی مدد کے لئے آمادہ ہو گئے سب سے پہلے تو بادشاہ نے بہادر گیلانی کو اس مضمون کا فرمان روانہ کیا۔

بادشاہ کا فرمان

سلطان گجرات نے مجھے ایک خط لکھا ہے جس سے تمہاری طرح طرح کی حرکات کی کیفیت معلوم ہوئی ہے۔ تم کمال خاں اور صفدر خاں کو، جنہیں تم نے گرفتار کر رکھا ہے، میرے پاس بھیج دو، ان کا تمام مال و اسباب اور جہاز جو تم نے اپنے قبضے میں کر رکھے ہیں وہ بھی بھجوا دو۔" بہادر گیلانی کو جب یہ معلوم ہوا کہ محمود شاہ کا قاصد شاہی فرمان لے کر اس کی طرف آ رہا ہے تو اس نے اپنے راہداروں کو یہ حکم دیا کہ وہ قاصد کو مرج نامی قصبے سے آگے نہ بڑھنے دیں۔

بادشاہ کی روانگی اور جام کھنڈی میں جنگ

بادشاہ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے نیز اسے فوجی مدد بھی مل گئی تو وہ بذات خود بہادر گیلانی کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا اور بڑی برق رفتاری کے ساتھ سفر کی منزلیں طے کرتا ہوا بمقام جام کھنڈی جا پہنچا۔ بادشاہ نے قطب الملک دکنی کو جو تلنگانہ کا سرلشکر تھا، قلعے کی فتح کا فریضہ سونپا۔ گیلانی کے بہی خواہ لشکری جو قلعے میں قیام پذیر تھے برج پر چڑھ کر قطب الملک سے لڑائی کرنے لگے اس معرکے میں دشمن کا ایک تیر قطب الملک کے سینے پر لگا اور وہ وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ بادشاہ نے مرحوم کا جنازہ پایہ تخت کو روانہ کیا اور سلطان قلی خواص خاں ہمدانی کو "قطب الملک" کا خطاب دے کر اس کی عزت افزائی کی نیز اسے کوکڑو، درکی اور تلنگانہ کے چند دوسرے پرگنے بھی عطا کیے۔

قلعہ منگلیر پر قبضہ

اسی اثنا میں بادشاہ نے اہل قلعہ کو امان دے کر قلعہ فتح کر لیا اور اسے یوسف عادل کے ملازموں کے حوالے کرکے خود منگلیر کی طرف روانہ ہوا۔ ان دنوں بہادر گیلانی یوسف عادل کے خوف کی وجہ سے منگلیر میں قیام پذیر تھا، جب اسے شاہی لشکر کی آمد کی خبر ملی تو وہاں سے بھاگ گیا۔ منگلیر کا قلعہ بہادر گیلانی نے حال ہی میں تعمیر کروایا تھا، بادشاہ نے دو تین دن کی دوڑ دھوپ کے بعد اس قلعے کو فتح کر لیا۔ اور قاسم برید کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے، قصبہ مرج کی طرف چل دیا۔

بہادر گیلانی کے بعض فوجی افسر جو دو تین روز میں قلعہ کے اندر پناہ گزین ہوئے تھے انہوں نے پھر چھیڑ خانی کی اور قاسم برید سے اس نئے قصبے کے ضابطہ کے باقاعدہ میدان میں نکل کر جنگ کی، لیکن وہ کچھ نہ کر سکے۔ ان کے بہت سے ساتھی زخمی و ہلاک ہوئے۔ جو باقی بچے وہ زخمی سانپ کی طرح قلعہ کے بل میں گھس گئے۔ جب یہ عالم ہوا تو قاسم برید اور اس کے ساتھی امیروں نے یہ طے کیا کہ مورچل کو تقسیم کر لیا جائے اور قلعے کے چاروں طرف نیچے کی سمت نقب لگائی جائے۔ تاکہ قلعے کا سارا پانی خندق میں گر جائے اور اہل قلعہ پانی نہ ہونے کی وجہ سے پیاسے مارے جائیں۔

ان لوگوں نے یہ بھی طے کیا کہ ہر برج کے مقابلے پر ایک دوسرا برج تعمیر کیا جائے۔ قلعے کے منتظم نے جب حریف کو اس طرح کے منصوبے باندھتے دیکھا اور بھاگنے کی کوئی راہ نہ پائی تو وہ امان کا طلبگار ہوا۔ بادشاہ نے قاسم برید کے مشورے پر امان دے دی۔ بہادر گیلانی کے نائب نے بادشاہ کو دو سو عراقی و عربی گھوڑے اور بے شمار ہتھیار دیئے۔ اس کے بعد بادشاہ نے یہ حکم دیا کہ جو سپاہی بادشاہ کی ملازمت کرنا چاہے گا اس کو گھوڑا، چارہ اور جاگیر دی جائے گی اور جو سپاہی بہادر گیلانی کے پاس جانا چاہے اس سے کچھ باز پرس نہ کی جائے اور [illegible]

اور ہتھیار ہم سے چھن گئے ہیں قلعہ دشمن کے قبضے میں ہے ایسی زندگی سے تو موت بہرحال بہتر ہے اگر حضور ہمارے قتل کا حکم فرما دیں تو اس سے بڑھ کر ہمارے حال پر کوئی مہربانی نہ ہو گی۔" سلطان محمود شاہ کو ان مظلوم سپاہیوں کا یہ انداز گفتگو بہت پسند آیا اور اس نے یہ حکم دیا کہ ان کے ہتھیار اور گھوڑے ان کو واپس کر دیئے جائیں اور انہیں بہادر گیلانی کے پاس روانہ کر دیا جائے انہیں دنوں بادشاہ پادہ نامی قصبے کو روانہ ہوا۔

بہادر گیلانی کو دوستوں کا مشورہ

سلطان محمود شاہ کے لشکر میں بعض ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کے بہادر گیلانی سے دوستانہ مراسم تھے۔ ان لوگوں نے بہادر کو یہ پیغام بھجوایا۔ "بادشاہ تم پر مہربان ہے اگر تم ہدیہ اور پیشکش بھیج کر بادشاہ سے اپنے قصور کی معافی مانگ لو تو وہ تمہیں معاف کر دے گا۔ اور یہ علاقہ تمہیں کو عنایت کرکے واپس اپنے ملک کو لوٹ جائے گا۔" بہادر پر اس پیغام کا تھوڑا بہت اثر ہوا اور اس نے اپنے زمانے کے باوقار بزرگ خواجہ نعمت اللہ تبریزی کو بادشاہ کے حضور میں بھیجا۔

شرائط صلح

جس روز خواجہ نعمت اللہ، سلطان محمود شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی دن بادشاہ کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا۔ یہ رجب کی ستائیس تاریخ کا واقعہ ہے۔ بادشاہ نے بیٹے کا نام احمد رکھا اور اس کے سر پر تاج رکھ کر جشن عیش و عشرت منعقد کیا۔ محمود شاہ نے قاسم برید کے مشورے سے خواجہ نعمت اللہ تبریزی کے آنے کا فائدہ اٹھایا اور بہادر گیلانی کے تمام قصور معاف کر دیئے۔ اور کہا "اگر بہادر گیلانی بادشاہ کے حضور میں آکر دو زنجیر ہاتھی اور مقررہ مال و اسباب شاہی خزانے میں داخل کرے تو اس کے تمام مقبوضہ علاقے اسے واپس کر دیئے جائیں گے۔"

بہادر گیلانی کا بڑا بول

یہ سن کر خواجہ نعمت اللہ تبریزی نے بہادر گیلانی کو لکھا "تم جلد از جلد یہاں آؤ اور شاہی خدمت میں حاضری دو۔ کیونکہ بادشاہ نے تمہاری درخواست منظور کر لی ہے۔" بہادر کو خواجہ کا یہ خط ملا اس نے اس جواب سے یہ اندازہ لگایا کہ قاسم برید اور بادشاہ نے یہ شرائط پیش کرکے اپنی مجبوری اور معذوری کا اظہار کیا ہے اس خیال کے پیش نظر اس نے یہ جواب بھجوایا۔ "اس سال میرا یہ ارادہ ہے کہ احمد آباد بیدر میں اپنے نام کا خطبہ پڑھواؤں۔ اگلے سال احمد آباد گجرات میں اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کرنے کا ارادہ ہے۔"

قلعہ کلہر کی فتح

بادشاہ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو وہ پادہ سے کلہر کی طرف روانہ ہوا۔ یہ قلعہ بہادر گیلانی کے مقبوضات میں شامل تھا بادشاہ نے اسے بھی فتح کر لیا۔ بہادر کو جب مرچ اور کلہر کے قلعوں کی فتح کی خبر ہوئی تو وہ بہت حواس باختہ ہوا اور اس نے یہ خیال کہ اس سے بہت بڑی غلطی محض حماقت کی وجہ سے سرزد ہوئی ہے۔

بادشاہ کا عزم کولاپور

انہیں دنوں وایل کے حاکم ملک شمس الدین طارمی نے جب کلہر کی فتح کی خبر سنی تو وہ اس علاقے کے امیروں کو اپنے ساتھ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بہادر گیلانی کو اب اور زیادہ پریشانی ہوئی اور وہ اس علاقے کے سب سے زیادہ مضبوط قلعے یعنی پنالہ میں پناہ گزین ہوا چونکہ یہ قلعہ بہ آسانی تسخیر نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے بادشاہ کولاپور کی طرف روانہ ہوا تاکہ بندر وایل میں دریا کے کنارے سیر و تفریح میں کچھ دن بسر کر سکے۔ بادشاہ کے عزم کولاپور کی خبر سن کر بہادر گیلانی نے احمقانہ حرکت کی کہ قلعہ پنالہ سے نکل کر کولاپور کی طرف روانہ ہوا تاکہ بادشاہ کو راستے ہی میں روک کر اس سے معرکہ آرائی کرے یہ عالم دیکھ کر اس کے لشکر کا ایک بہت بڑا حصہ بادشاہ

کے رعب و خوف سے اس سے علیحدہ ہو گیا' کچھ سپاہی تو یوسف عادل سے جا ملے اور کچھ بادشاہ کے پاس چلے گئے۔
سلطان محمود شاہ نے قاسم برید کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے پرندہ کے طرفدار فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں کو جو اس سفر میں بادشاہ کے ساتھ تھا' قلعہ پنالہ کے انتظام اور اس علاقے کی فتح کے لئے روانہ کیا اور اس کے ساتھ عین الملک اور ملک احمد کے سر لشکر مینہ خاں کو کر دیا اس کاروائی کا مقصد یہ تھا کہ بہادر گیلانی دوبارہ پنالہ کے قلعے میں پناہ گزین نہ ہو سکے اس کے بعد بادشاہ کولا پور جا پہنچا' ان دنوں برسات کا موسم تھا۔ بادشاہ نے اس مقام پر کچھ دنوں قیام کیا۔

بہادر گیلانی کی ندامت

ان واقعات کی اطلاع جب بہادر گیلانی کو ہوئی تو اس کے حواس جاتے رہے اور اس کا سارا غرور تکبر ختم ہو گیا اور وہ اپنے افعال و اعمال پر سخت نادم ہوا۔ اس نے دوبارہ خواجہ نعمت اللہ تبریزی اور خواجہ مجد الدین کے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ "اگر حضور کے مبارک دستخطوں سے مجھے عہد نامہ عطا ہو جائے اور اس پر قاسم برید اور دوسرے اراکین سلطنت کی مہریں ثبت ہوں تو میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی بقیہ زندگی اطاعت اور فرمانبرداری میں گزار دوں گا۔" اس کے بعد میں پھر کبھی بغاوت اور نمکحرامی کا خیال دل میں نہ لاؤں گا۔"

عہد نامہ صلح

بادشاہ نے اس بار بھی فساد کو ختم کرنے کے خیال سے بہادر گیلانی کی درخواست قبول کر لی اور عہد نامہ تیار کر کے خواجہ نعمت اللہ تبریزی کے سپرد کر دیا یہی نہیں بلکہ خواجہ نعمت اللہ کی درخواست پر اس کے ساتھ' صدر جہاں اور قاضی زین الدین کو بھی بہادر گیلانی کے مزید اطمینان کے لئے روانہ کر دیا۔ یہ جماعت اس دریا کے کنارے پہنچی جو بادشاہ اور بہادر گیلانی کے درمیان حائل تھا۔ خواجہ نعمت اللہ تبریزی نے دریا کو پار کیا اور بہادر سے ملاقات کی اور اسے بادشاہ کے کرم اور معززین دربار کی آمد کی خوشخبری سنائی۔
اس بار بھی بہادر گیلانی کی نیت خراب ہو گئی اور اس نے غلط راستہ اختیار کیا خواجہ نعمت اللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ گئے۔ اور انہیں اصل حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اسی دوران میں قطب الملک ورقدم خاں بھی دریا کو پار کر کے بہادر گیلانی کے پاس پہنچے۔ بہادر نے اگرچہ اس جماعت کے سردار کی بہت عزت اور آؤ بھگت کی' لیکن اس کی کسی نصیحت پر توجہ نہ کی لہٰذا یہ جماعت بھی ناکام واپس آ گئی۔
قاضی زین الدین اور صدر جہاں بھی بہادر سے ملے انہوں نے بھی اسے نصیحتیں کیں اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ بہادر چونکہ سچائی کے راستے سے بہت دور تھا اس کی تقدیر نے اسے کچھ سمجھنے کی مہلت نہ تھی اور وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا بہادر نے کہا "اگر بادشاہ اپنے ملک کو واپس چلا جائے اور خواجہ جہاں قلعہ پنالہ کا محاصرہ ترک کر دے تو خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطاعت قبول کر لوں گا۔"

خواجہ جہاں اور بہادر گیلانی میں جنگ

الغرض یہ سب لوگ بے نیل مرام واپس آ گئے۔ بادشاہ نے مجبور ہو کر بہادر گیلانی کو ٹھکانے لگانے کا پکا ارادہ کر لیا اور اس کام کے لئے فخر الملک دکنی المعروف بہ خواجہ جہاں کو پنالہ سے بلوا کر متعین کیا۔ خواجہ کو بادشاہ نے خلعت خاص اور کمر مرصع سے سرفراز کیا اور وہ قطب الملک اور دوسرے امراء کے ساتھ جو پنالہ کی مہم میں اس کے شریک تھے روانہ کیا۔ خواجہ دوسرے ہی دن بہادر گیلانی کے سر پر جا پہنچا۔ بہادر غرور و تکبر کے نشے میں لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس کے ساتھ جو لشکر تھا اس میں دو ہزار سوار' پندرہ ہزار پیادے ان گنت توپیں اور دیگر سامان جنگ تھا' سواروں میں اکثر سپاہی' گیلانی' مازندرانی' عراقی اور خراسانی تھے' ان سب کے ساتھ وہ خواجہ جہاں کے

بہادر گیلانی کا قتل

لڑائی کے میدان میں بہادر گیلانی کے پہلو میں ایک تیر آ کر لگا جو اس کے جسم میں سوراخ کرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ تیر لگتے ہی خواجہ جہاں کے بھائی زین خاں اور احمد ملک کے سپہ سالار میمنہ خاں نے نیزہ مار کر بہادر گیلانی کو نیچے گرا دیا۔ خواجہ جہاں نے اس کا سر تن سے جدا کر لیا اور کامرانی و شادمانی کے ڈنکے بجاتا ہوا واپس آیا۔ بادشاہ نے خواجہ جہاں کی خدمات کا اعتراف اس طور پر کیا کہ اسے دوبارہ خلعت خاص اور مرصع کربند سے سرفراز فرمایا نیز ایک تازی گھوڑا اور ایک ہاتھی بھی اسے عطا کیا بادشاہ نے خواجہ کے لقب میں ''مخدوم'' کا لفظ بھی بڑھا دیا۔

اس واقعے کے دو تین دن بعد سلطان محمود شاہ قلعہ پنالہ میں گیا اور حصار کی سیر و تفریح کے مزے لوٹتا رہا۔ بادشاہ نے عین الملک کنعانی کو بندر کودہ کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ بہادر گیلانی کے بھائی کو بہلا پھسلا کر تمام مال و اسباب اپنے ساتھ لے آئے۔ قاسم برید کے مشورے کے مطابق بادشاہ نے بہادر کی تمام جاگیر عین الملک کنعانی کو بخشش دی اور خود اپنے چند مخصوص اور بے تکلف مصاحبوں اور امیروں کے ساتھ جن میں قاسم برید بھی شامل تھا بندر دابل چلا گیا۔ دریا کے کنارے اس نے کچھ وقت سیر و تفریح میں گزارا اور واپسی کا ارادہ کیا۔

بادشاہ کی بیجاپور کو روانگی

جب سلطان محمود شاہ بیجاپور کے قریب پہنچا تو یوسف عادل نے اپنا قاصد بھیج کر بادشاہ سے بیجاپور تشریف لانے کی درخواست کی (بادشاہ نے اس درخواست کو منظور کر لیا) اس نے لشکر کو تو پایہ تخت کی طرف روانہ کر دیا اور خود مع قاسم برید اور دیگر امراء مصاحبین کے بیجاپور روانہ ہوا۔ بادشاہ نے ملک التجار کاواں کے لگائے ہوئے ''کالا باغ'' میں قیام کیا اور عیش و عشرت میں مشغول ہو گیا یوسف عادل نے خوب جی کھول کر بادشاہ کی خاطرداری اور تواضع کی۔

بادشاہ دو یا تین ہفتوں کے بعد احمد آباد بیدر واپس آیا۔ اس نے قاسم برید کے مشورے سے محمود شاہ گجراتی کے پیغامبروں کو تازی گھوڑوں، روپوں اور اشرفیوں سے نوازا۔ اس روایت کی تمام مورخین نے تصدیق کی ہے کہ بادشاہ نے محمود شاہ گجراتی کے لئے پانچ من مروارید (بوزن دہلی) پانچ ہاتھی اور ایک جڑاؤ خنجر تحفے کے طور پر بھیجا، صفدر خاں، کمال خاں اور دیگر اہل گجرات کو جنہیں بہادر گیلانی نے قید کر رکھا تھا محمود شاہ گجراتی کے پاس بھجوا دیا اور ان کے چالیس جہاز جو بہادر نے اپنے قبضے میں لے رکھے تھے، انہیں واپس کر دیئے۔

قطب الملک ہمدانی کو جو سلاطین قطب شاہیہ کا مورث اعلیٰ ہے بادشاہ نے ۹۰۱ھ میں سارے تلنگانہ کا سرلشکر مقرر کیا اور اس کی جاگیر میں ورنگل اور گولکنڈہ کا اضافہ کیا۔ دستور دینار حبشی جو قطب الملک کے انتقال کے بعد تلنگانہ کا طرفدار مقرر ہوا تھا اسے اس عہدے سے معزول کیا گیا اور سلطان محمد شاہ بہمنی کے عہد کے مطابق اس کی جاگیر میں حسن آباد، گلبرگہ، ساغر اور اس کے مضافات دیئے گئے۔

منصب داروں کا مرتبہ

بادشاہ کے دل میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ منصب دار عموماً امیروں کے مددگار معاون بن کر علم بغاوت سربلند کرتے ہیں۔ بادشاہ نے قاسم برید کی رائے کے مطابق ان تمام منصب داروں کو جو دستور دینار حبشی کے حاشیہ نشین تھے اس سے الگ کر کے خاصہ خیل کی جماعت میں شامل کیا۔ اسی زمانے سے لیکر اب تک منصب داروں کو امراء کے گروہ سے نہیں سمجھا جاتا اسی طرح سلاحداروں کو بھی لشکر خاصہ میں شمار نہیں کیا جاتا اور انہیں سرگروہ اور حوالہ دار کہا جاتا ہے۔

دستور دینار حبشی کی بغاوت

سلطان محمود کے ملازم خاص سید اشرف دکنی کا بیان ہے کہ دو صدی سے لے کر پانصدی تک کے لوگوں کو منصب دار اور اس سے

زیادہ کے لوگوں کو امراء اور اراکین سمجھا جاتا تھا۔ دستور دینار کو اس بات سے بہت رنج ہوا کہ اس کے منصب داروں کو اس سے علیحدہ کر دیا گیا ہے اس نے عزیز الملک دکنی کے ساتھ مل کر بغاوت کا آغاز کر دیا۔ دستور دینار نے سات آٹھ ہزار دکنی اور حبشی لشکریوں کو جمع کیا۔ اور زبردستی تلنگانہ کے بہت سے شہروں پر جو گلبرگہ کے واقع تھے، قابض ہو گیا۔ بادشاہ نے قاسم برید کے مشورے سے یوسف عادل سے مدد طلب کی، یوسف نے دستور دینار پر حملہ کر دیا بعد میں بادشاہ اور قاسم برید بھی یوسف سے جا ملے۔

دستور دینار کی شکست

دستور دینار اور عزیز الملک دونوں نے مہندری نامی قصبے کے قریب اپنے لشکر کو مرتب کیا اور بادشاہ کے مقابلے کے لئے تیار ہوئے۔ فریقین میں لڑائی شروع ہوئی حبشیوں کی تقدیر میں ناکامی لکھی تھی اس لیے انہیں یوسف عادل (جو شاہی لشکر کے میمنہ کا سردار تھا) کی بہادری اور جانبازی کی وجہ سے شکست ہوئی۔ دستور دینار زندہ گرفتار ہوا بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دیا، لیکن یوسف عادل نے اس کی سفارش کی، اس وجہ سے بادشاہ نے اسکی جان بخشی کی اور اسے جاگیر میں حسن آباد گلبرگہ کے مضافات اور ساغر وغیرہ عطا کیے۔

قلعہ ساغر کی فتح

بادشاہ نے بہادر گیلانی کا تمام مال و اسباب جو اس کی تحویل میں تھا، واپس کر دیا اور خود قلعہ ساغر کی طرف روانہ ہوا۔ بہت سے جنگی مفرور اس قلعے میں پناہ گزین تھے اس لیے بادشاہ نے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ شاہی لشکر کے جانباز سپاہیوں نے پہلے ہی حملے میں قلعے کے پہلے حصار کو فتح کر لیا۔ اہل قلعہ بالائی حصار میں چلے گئے شاہی لشکر کا مقابلہ کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی اس لیے انہوں نے دو تین روز بعد قلعہ بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ بادشاہ نے یہ قلعہ یوسف عادل کی نگرانی میں چھوڑا اور خود پایہ تخت کی طرف روانہ ہوا۔

ممتاز امراء کا قتل

۹۰۲ھ کا واقعہ ہے کہ یوسف غلام دکنی، تغرش خاں دکنی، مرزا شمس الدین، نعمت اللہ اور دیگر امراء نے جو دربار شاہی میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے، نیز ترکی امراء شاہی نے ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کا حلفیہ وعدہ کیا۔ قاسم برید اور دوسرے ترکی امراء کو اس میل محبت اور اتحاد و اتفاق کی خبر پہنچی۔ ان لوگوں نے یہ ضروری خیال کیا کہ اس سے قبل کہ اس اتحاد کے نتیجے میں کوئی واقعہ ظہور پذیر ہو اس کا علاج کر لینا چاہیے۔ ان لوگوں نے مرزا شمس الدین، تغرش خاں اور یوسف غلام دکنی کو مع ان کے تمام ہمدردوں اور بہی خواہوں کے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ نیز وہ تمام ترکی اور دکنی جو اس سازش میں شریک تھے ان کی تباہی میں بھی کوئی کمی نہ کی۔

اس قتل و غارت گری میں بادشاہ نے بھی دلچسپی کا اظہار کیا۔ دیگر مظالم کے علاوہ اس نے یہ بھی کیا کہ ترکوں سے اس نے بات چیت بالکل بند کر دی اور ایک مہینے تک ان کا سلام نہ لیا۔ آخر شاہ محب اللہ نے ترکوں کی سفارش کی بادشاہ نے معاف کر دیا اور ترکی امراء نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی اور اپنے قصور کی معافی طلب کی۔ ان واقعات کے بعد سلطان محمود شاہ پھر عیش و عشرت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس بار وہ اس سلسلے میں کچھ ایسا غرق ہوا کہ لوگوں کے دلوں سے اس کا تمام رعب جاتا رہا۔

شہزادہ احمد کا نکاح

سلطان محمود شاہ نے ۹۰۳ھ میں اپنے بیٹے شاہزادہ احمد کے لئے جس کی عمر چار سال کی تھی۔ یوسف عادل کی بیٹی بی بی ستی کا رشتہ مانگا۔ جو اس وقت صرف ایک سال کی تھی، باہمی گفتگو اور دونوں جانب سے امراء کی آمد و رفت کے بعد معاملہ طے ہو گیا اور بادشاہ اور یوسف عادل، دونوں حسن آباد گلبرگہ میں جمع ہوئے اور عروسی کی تقریب منعقد کی گئی۔ اس تقریب میں اڈیسہ داود گیر سے قاسم برید اور قلعہ ... سے نظام الملک، ... الخاطب ... [illegible]

دستور دینار اور یوسف عادل کا جھگڑا

ابھی یہ خوشیوں کی تقریب ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ دستور دینار حبشی اور یوسف عادل کے درمیان گلبرگہ کے علاقے سے متعلق جھگڑا پیدا ہو گیا۔ یوسف عادل یہ چاہتا تھا کہ حسن آباد گلبرگہ کے مضافات مع الندو گنجوئی اور کلیان کے اس کے قبضے میں رہیں تاکہ مقبوضات شاہی اور یوسف عادل کی جاگیر کے درمیان کوئی اور حائل نہ ہو۔ اور دونوں ایک دوسرے سے ملحق رہیں دستور دینار کی یہ خواہش تھی کہ بیجاپور سے دریائے بھتورہ کے کنارے تک کا علاقہ یوسف عادل کے قبضے میں رہے اور تلنگانہ کی سرحد تک کا علاقہ اس کی اپنی جاگیر میں شامل ہو۔

قاسم برید اور یوسف عادل میں جنگ

بادشاہ کو اس جھگڑے سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لیے دستور دینار نے قاسم برید کے دامن میں پناہ لی۔ قاسم اور یوسف میں اس بارے میں بہت سخت گفتگو ہوئی۔ مذہبی اتحاد کی بنا پر قطب الملک ہمدانی نے یوسف عادل کی طرفداری کی یہ سن کر قاسم دل ہی دل میں ڈرا اور وہ اپنے بڑے بیٹے جہانگیر، دستور دینار، اور خواجہ جہاں کو ہمراہ لے کر الندو چلا گیا۔ یوسف عادل، قطب الملک ہمدانی اور عین الملک نے متذکرہ بالا تقریب مسرت سے کنارہ کشی کی اور بادشاہ کو ساتھ لے کر اس جماعت کی سرزنش کے لئے روانہ ہو گئے۔ گنجوئی کے قریب دونوں فریقوں میں معرکہ آرائی ہوئی اس لڑائی میں عین الملک اور ملک الیاس مارے گئے لیکن اس کے باوجود فخر الملک دکنی اور قاسم برید کو شکست ہوئی اور یہ دونوں اڈیسہ اور پرندہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

قاسم برید کا اقتدار

یوسف عادل کے حوصلے پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئے اس کے جاہ و جلال اور شوکت و عظمت کا یہ عالم ہوا کہ اس کی موجودگی میں بادشاہ تخت پر نہیں بیٹھتا تھا۔ عین الملک کے بیٹے میاں محمد کو اس کے باپ کی جاگیر یوسف عادل کے حکم سے ملی۔ اس کے بعد بادشاہ اور یوسف عادل اپنے اپنے مستقروں کو روانہ ہو گئے۔ قاسم برید نے دوبارہ شاہی بارگاہ میں قرب حاصل کیا اور وکالت کے عہدے پر فائز ہوا۔ اس بار قاسم برید نے اپنی طاقت خوب بڑھائی اور ایسا انتظام کیا کہ ہر کام اس کی مرضی سے ہوتا تھا یہاں تک کہ اگر بادشاہ کو بہت شدید پیاس بھی لگتی تو اس کی اجازت کے بغیر بادشاہ کو پانی نہ دیا جاتا۔

۹۰۴ھ میں یوسف عادل نے دستور دینار پر حملہ کیا۔ دستور گلبرگہ سے فرار ہو گیا اور قاسم برید کے پاس آیا۔ قاسم برید نے اسے قطب الملک ہمدانی کے پاس بھیج دیا۔ ملک احمد نے دستور کی مدد کی یہ دیکھ کر یوسف عادل بیدر چلا آیا کیونکہ اس میں اتنی قوت نہ تھی کہ وہ ملک احمد کا بھی مقابلہ کرتا۔ بادشاہ نے ملک احمد کے نام ایک خط لکھا اور اسے دستور کی مدد کرنے سے روکا۔ احمد نے شاہی فرمان کا احترام کیا اور یوسف عادل کے پرگنوں کی تباہی و غارت گری سے ہاتھ اٹھا لیا اور بادشاہ کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ ارسال کیا۔" دستور دینار گلبرگہ کا جاگیردار اور شاہی خاندان کا پرانا خدمتگار ہے۔ یوسف عادل ہمیشہ اس سے دشمنی کا برتاؤ کرتا ہے۔ اگر حضور ایک فرمان کے ذریعے اس قسم کے فساد اور ہنگامے کو رکوا دیں تو بڑی عنایت ہو گی۔" بادشاہ نے یوسف عادل کو نرمی سے کام کرنے کی ہدایت کی اور یوسف نے شاہی حکم پر عمل کرتے ہوئے دستور کو امان دیدی۔

دستور دینار کا قتل

۹۱۰ھ میں قاسم برید نے داعی اجل کو لبیک کہا اس کا بیٹا امیر برید اپنے باپ سے بھی زیادہ امور سلطنت میں دخل دینے لگا۔ اس نے بادشاہ کو بالکل ایک عضو معطل بنا کر رکھ دیا۔ اسی سال یوسف عادل نے میاں محمد (فرزند عین الملک) کی اعانت سے دستور دینار پر لشکر کشی کی اور اس کا کام تمام کر دیا اور اس کی جاگیر پر قبضہ کر لیا۔ یوسف نے بیجاپور میں شیعہ مذہب کا خطبہ پڑھوایا اور جو بات ہندوستان میں

ظہور اسلام سے لے کر اب تک نہ ہوئی تھی کر دکھائی۔ اس وجہ سے دکن کے تمام باشندے یوسف عادل سے نفرت کرنے لگے۔

یوسف عادل سے جنگ کی تیاریاں

امیر برید کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے سلطان محمود شاہ نے قطب الملک ہمدانی، فتح اللہ عماد الملک اور خداوند خاں حبشی وغیرہ کے نام ایک اس قسم کا فرمان لکھا۔ "یوسف عادل اب بری طرح باغی و سرکش ہو رہا ہے اور وہ کسی معاملے میں اطاعت نہیں کرتا، اس نے ملک میں مذہب امامیہ کو بھی جاری کر رکھا ہے۔ اس فرمان کے پہنچتے ہی تم لوگ شاہی بارگاہ میں پہنچو۔" محمود شاہ نے ہر خط کے حاشیے پر اپنے ہاتھ سے حسب ذیل شعر لکھ دیا۔

به اسباب حشمت چناں عزه شد که خورشید در چشم اوذره شد

قطب الملک ہمدانی مع تلنگانہ کے امیروں کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہو گیا، لیکن فتح اللہ عمادی اور خداوند خاں حبشی نے ذرا سستی سے کام لیا اور معذرت چاہی۔ یہ جواب سن کر قاسم برید اور بادشاہ دونوں ہی پریشان ہوئے اور انہوں نے ملک امور نظام الملک سے مدد کے لئے کہا۔

بادشاہ کے فرمان کی تعمیل میں ملک احمد نظام الملک اور فخر الملک دکنی ایک جرار لشکر لے کر بیدر کی طرف روانہ ہوئے۔ اور کچھ عرصے میں بادشاہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ یوسف عادل نے اس بار جنگ نہ کرنے کا ارادہ کیا اور ساغر، حسن آباد اور الندرا کے علاقے دریا خاں اور فتح الملک کے حوالے کر دیئے۔ نیز اپنے خورد سال بیٹے، اسمٰعیل عادل کو، کمال خاں سرنوبت دکنی اور دیگر امراء کے ساتھ بیجاپور بھجوا دیا۔ ان کے ساتھ خزانہ اور ہاتھی بھی بھجوائے گئے تاکہ یہ لوگ قلعے میں مقیم ہو کر حکومت کا انتظام اچھی طرح کر سکیں خود یوسف عادل پانچ ہزار سواروں کی جمعیت کے ہمراہ برار کی طرف چل دیا۔

یوسف عادل کی برہان پور کو روانگی

محمود شاہ، امیر برید، ملک احمد نظام الملک، فخر الملک دکنی اور قطب الملک ہمدانی نے یوسف عادل کا پیچھا کیا ان لوگوں کے تعاقب کا یہ عالم تھا کہ جس مقام پر یوسف عادل ایک روز قیام کرتا تھا، دوسرے روز یہ لوگ اسی مقام پر ٹھہرتے تھے اسی طرح چلتے چلتے کاویل کا مقام آ گیا، یہ مقام فتح اللہ عماد الملک کی تحویل میں تھا، اس نے یوسف عادل کی مدد کرنا نامناسب خیال کیا اور اسے پیغام دیا۔ "چونکہ سلطان محمود شاہ خود اس لشکر کے ساتھ ہے اس لیے یہ بڑی بے ادبی ہو گی کہ میں اس لشکر کا مقابلہ کروں۔ بہتر یہی ہے کہ تم کچھ دنوں تک برہان پور میں قیام کرو۔ تاکہ ہم اس معاملے کو کسی نہ کسی طرح سلجھالیں۔" یوسف عادل نے یہ مشورہ قبول کر لیا اور برہان پور چلا گیا۔

فتح اللہ عماد الملک کی تدبیر

فتح اللہ عماد الملک نے ملک احمد نظام الملک اور قطب الملک کے پاس اپنے ایلچی روانہ کیے اور ان دونوں امیروں کو یہ پیغام دیا۔ امیر برید جو دکن کے اہل خرد کے نزدیک لومڑی کی سی صفات کا حامل ہے، یہ چاہتا ہے کہ یوسف عادل کا خاتمہ کر کے خود بیجاپور پر قابض ہو جائے اگر اس طرح امیر برید کی قوت میں اضافہ ہو گیا اور بادشاہ کٹھ پتلی کی طرح اس کے اشاروں پر ناچتا رہا تو آخر کار انجام کچھ اچھا نہ ہو گا اور ہمیں بھی نقصان پہنچے گا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ تم لوگ اپنے اپنے علاقوں کی طرف واپس چلے جاؤ تاکہ میں بادشاہ کو بھی واپس چلے جانے پر راضی کرا لوں۔"

بیجاپور پر بادشاہ کا حملہ

ملک احمد نظام اور قطب الملک نے، فتح اللہ عماد الملک کے مشورے پر عمل کیا اور بادشاہ سے اجازت حاصل کیے بغیر ہی اپنے اپنے

کہ حضور یوسف عادل کی تمام خطاؤں کو معاف فرمائیں اور اپنے ملک میں واپس تشریف لے جائیں۔" بادشاہ نے امیر برید کے بہکانے پر فتح اللہ عماد الملک کی درخواست پر کوئی توجہ نہ دی اور برید کو ساتھ لے کر بیجاپور پر حملہ کر دیا۔

یوسف عادل کو جب یہ معلوم ہوا کہ ملک احمد نظام الملک اور قطب الملک بادشاہ سے علیحدہ ہو گئے ہیں تو وہ بڑی برق رفتاری کے ساتھ برہان پور روانہ ہوا اور فتح اللہ عماد الملک کے پاس پہنچ گیا۔ فتح اللہ اور یوسف عادل دونوں نے مل کر امیر برید پر حملہ کیا امیر برید اس حملے کی تاب نہ لا کر اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ کر بادشاہ کے ساتھ بیدر روانہ ہو گیا۔

یوسف عادل، فتح الملک، فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں، تینوں کا انتقال (طبعی موت سے) ۹۱۶ھ میں ہوا۔ اور ان کی اولاد، جیسا کہ آگے چل کر تفصیلی طور پر بیان کیا جائے گا حکمرانی کے مرتبے تک پہنچی، امیر برید، بیجاپور پر اپنا موروثی حق سمجھتا تھا اس نے اس شہر کو فتح کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن اس کی ساری محنت بے کار گئی اور کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور عادل شاہی خاندان میں، اس زمانے سے لے کر آج تک (جو ۱۰۲۳ھ ہے) حکومت چلی آ رہی ہے۔ ۹۱۸ھ میں قطب الملک ہمدانی کو بادشاہت کا شوق پیدا ہوا اور اس نے خطبے میں سے بادشاہ کا نام نکال کر، اپنے نام کا خطبہ جاری کیا۔ قطب الملک پانچوں وقت نوبت شاہی بجواتا تھا اور ہر مہینے پوشیدہ طور پر پانچ ہزار ہون "بادشاہ کی خدمت میں بھجوا دیتا تھا۔

بیجاپور پر ایک اور حملہ

۹۲۰ھ میں امیر برید نے اپنی خام خیالی کا اظہار اس طور پر کیا کہ فتح اللہ عماد الملک، اور قطب الملک ہمدانی کو دولت کے زور پر بہلا پھسلا کر نیز بادشاہ کو ساتھ لے کر پایہ تخت سے روانہ ہو گیا۔ امیر برید نے جہاں گیر خاں (پسر دستور دینار) کو "دستور الملک" کا خطاب دے کر حسن آباد گلبرگہ کو جو یوسف عادل کے قبضے سے نکالا گیا تھا اس کی جاگیر میں شامل کر دیا۔ دستور الملک نے کچھ ہی دنوں میں دو تین ہزار دکنیوں اور حبشیوں کا گروہ جمع کر لیا اور دریائے بیورہ کی دوسری طرف قلعوں کے علاوہ سارے ملک پر ساغر سے لے کر نلدرک تک کا علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا۔ اس ہنگامے کے پیش نظر بادشاہ اور امیر برید نے ملک احمد نظام الملک اور قطب الملک ہمدانی سے مدد طلب کی اور بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ دریائے بیورہ کو عبور کیا اور جلد از جلد بیجاپور پہنچے۔

بادشاہ کا زخمی ہونا

اسمٰعیل عادل نے بھی اپنا لشکر مرتب کر کے النداپور کے قصبے میں جو بیجاپور کے قریب ہی واقع ہے دشمن سے مقابلہ کیا۔ جس کے نتیجے میں امیر برید بری طرح تباہ و برباد ہو کر بھاگ نکلا۔ محمود شاہ گھوڑے سے گرا اور زخمی ہوا اور وہ شہزادہ احمد کے ساتھ میدان جنگ ہی میں رہا۔ اسمٰعیل عادل نے بادشاہ کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا اور اس کے مرتبے کے مطابق اس کی تعظیم و تکریم کی۔ اسمٰعیل نے بادشاہ سے بیجاپور میں قیام کرنے کی درخواست کی، لیکن بادشاہ نے ندامت کی وجہ سے شہر میں جانے سے انکار کر دیا اور الندا پور ہی میں ٹھہرا رہا۔

شاہ محب اللہ کے فرزند مرزا الطف اللہ نے بادشاہ کی مرہم پٹی کی اور بڑی وفاداری کے ساتھ بادشاہ کی خدمت کرتا رہا کچھ دنوں بعد اسمٰعیل عادل بادشاہ کے ساتھ حسن آباد گلبرگہ گیا وہاں ایک بہت بڑا جشن عروسی منعقد کیا گیا۔ اسمٰعیل کی بہن بی بی ستی جو شہزادہ احمد کے نکاح میں تھی اس کی رخصتی عمل میں آئی۔ بادشاہ نے چار ہزار مغل سواروں کا امدادی لشکر اسمٰعیل سے لیا اور اس لشکر کے ساتھ احمد آباد بیدر روانہ ہوا۔

امیر برید نے شہر کو خالی کر دیا اور اڈیسہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اسمٰعیل عادل کے امیروں کو یہ معلوم ہوا کہ امیر برید برہان نظام الملک بحری کے پاس پناہ گزین ہوا ہے اور ایک بہت بڑا لشکر لے کر احمد آباد بیدر کی طرف آ رہا ہے تو انہوں نے بیدر میں اب مزید قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور جلد از جلد واپس روانہ ہوئے۔ امیر برید جس قدر جلد ممکن ہو سکا احمد آباد بیدر پہنچا اور حسب دستور اس نے بادشاہ پر پہرہ بٹھا

دیا۔ اسمٰعیل عادل کی قربت کی وجہ سے امیر برید نے بادشاہ کی حفاظت پر پہلے سے کہیں زیادہ توجہ کی اس پہرہ کی وجہ سے بادشاہ تنگ آ کر بیدر سے فرار ہو گیا۔ اور کاویل میں علاؤ الدین عماد الملک کے پاس پہنچ کر مدد کا طالب ہوا۔ علاؤ الدین نے بادشاہ کی بہت تعظیم و تکریم کی اور اس کے ساتھ امیر برید کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہوا۔

جب عماد الملک بیدر تک جا پہنچا تو امیر برید نے قلعہ بند ہو کر ملک احمد نظام الملک سے مدد طلب کی' نظام الملک نے اس کی مدد کے لئے فخر الملک دکنی المخاطب بہ خواجہ جہاں کو روانہ کیا۔ فخر الملک' امیر برید کے پاس پہنچا اور امیر برید اپنی فوج کو درست کر کے دشمن کے مقابلے کی تیاریاں کرنے لگا۔ عماد الملک نے بھی اپنے لشکر کو معرکہ آرائی کے لئے تیار کیا جب جنگ باقاعدہ شروع ہونے لگی اس وقت محمود شاہ غسل میں مصروف ہو گیا۔ عماد الملک نے جب یہ حال دیکھا تو اس نے ایک مقرب درباری کو محمود شاہ کے پاس بھیجا اور اسے بلوایا۔ اس قاصد نے جب بادشاہ کو نہانے میں مصروف دیکھا تو اس نے ازرہ طنزیہ یہ جملہ کہا۔ "جو بادشاہ معرکہ آرائی کے وقت غسل خانے میں ہوتا ہے وہ ہمیشہ امراء کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہتا ہے۔"

بادشاہ نے قاصد کی یہ بات سنی اسے بہت غصہ آیا اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان جنگ کی طرف چل دیا۔ میدان جنگ میں پہنچ کر بادشاہ امیر برید کے لشکر سے جا ملا۔ جب عماد الملک کو اس واقعے کا علم ہوا تو وہ ناکام و نامراد اپنے ملک میں واپس آ گیا۔ امیر برید کامیابی کے ساتھ شہر میں داخل ہوا اب کی مرتبہ اس نے بادشاہ کی کچھ ایسی پاسبانی کی کہ محمود شاہ کو پھر کبھی بھاگنے کا موقع نہ مل سکا۔

بادشاہ کی بے دست و پائی

سلطان محمود شاہ نے حکومت اور دولت سے ہاتھ دھو کر اسی انداز سے زندگی گزارنا شروع کی جس طرح سلطان سنجر نے امیروں کے ہاتھوں میں پھنس کر گزاری تھی۔ بادشاہ کی گنتی زندوں میں ہوتی تھی نہ مردوں میں اس لیے کہ سارے کوتوال' محافظ اور پاسبان امیر برید کے مقرر کیے ہوئے تھے۔ بادشاہ کے پاس ممکھتانہ کے قصبے کے علاوہ (جو شہر سے دو کوس کے فاصلے پر تھا) ملک کا کوئی اور حصہ نہ رہا۔

سارے شہروں پر امیر برید کی حکومت تھی وہ زیادہ قندھار اور اڈیسہ میں مقیم ہو کر فرائض حکمرانی انجام دیا کرتا تھا یا پھر کبھی کبھی پایہ تخت میں آ کر بادشاہ سے بھی ملاقات کر لیا کرتا تھا۔ اگر کبھی بادشاہ سامان یا دولت کی کمی کی شکایت کرتا یا تنگی معاش کا شکوہ کرتا تو امیر برید یہ جواب دیتا۔

"وزرا نے (اہل دکن کی اصطلاح میں امراء) پایہ تخت سے پانچ چھ کوس ادھر تک سارے ملک کو اپنے قبضے میں کر لیا ہے ملک کا جو تھوڑا بہت حصہ میرے پاس ہے وہ میرے اخراجات اور میرے ہاتھیوں وغیرہ کے خرچ کے لیے خود ناکافی ہے۔" محمود شاہ اور اس کا بیٹا احمد شاہ دونوں باپ بیٹے عیش کوشی کے والہ و شیدا اور سیاست ملکی و انتظام سلطنت نیز عقل و فہم سے بڑی حد تک بے بہرہ تھے۔ صبح و شام غفلت کے عالم میں پڑے رہتے شراب ان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھی۔

۹۲۳ھ میں خداوند خاں حبشی کے بیٹے نے جو ماہور کا جاگیردار تھا ئی بار ادو گیر اور قندھار پر لشکر کشی کر کے ان شہروں کو تباہ و برباد کیا۔ امیر برید نے بادشاہ کو ہمراہ لے کر ماہور کا رخ کیا۔ (مفسدوں سے جنگ ہوئی جس میں) خداوند خاں کا بیٹا اور پوتا شرزہ خاں دونوں مارے گئے اور امیر برید کو فتح حاصل ہوئی۔

اس واقعے کے بعد فتح اللہ عماد الملک نے اپنا لشکر جمع کیا تاکہ ماہور پر لشکر کشی کر کے امیر برید کو شکست دے۔ بادشاہ نے خداوند خاں حبشی کے بیٹے غالب خاں کو ماہور کا جاگیردار مقرر کیا۔ اور یہ علاقہ فتح اللہ عماد الملک کی نگرانی میں دے دیا۔

بادشاہ کی وفات

بادشاہ پھر واپس احمد آباد بیدر آ گیا۔ محمود شاہ نے ۹۲۴ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا اس فرمانروا نے باوجود فتنوں اور فسادوں کے سینتیس

احمد شاہ بہمنی بن سلطان محمود شاہ بہمنی المعروف بہ احمد شاہ ثانی

تخت نشینی

امیر برید کے قبضے میں ملک کا بہت تھوڑا حصہ تھا اور اس کے ملازموں کی تعداد تین چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ برید کو ہر وقت اپنے گرد و نواح کے امیروں سے یہ خطرہ رہتا تھا کہ یہ لوگ کہیں احمد آباد بیدر کی حکومت کے لالچ میں اس پر لشکر کشی نہ کریں اس خطرے کے پیش نظر اس نے مجبوراً سلطان محمود شاہ کے بیٹے احمد شاہ کو تخت پر بٹھا دیا اور اس کے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا۔ احمد شاہ نے اپنے باپ کی تقلید کی اور اپنے صبح و شام شراب نوشی اور شاہد بازی میں گزارنے لگا۔

برائے نام بادشاہت

امیر برید نے احمد شاہ کو صرف نام ہی کا بادشاہ رہنے دیا اصل اقتدار اس کے اپنے ہاتھ میں تھا' اس نے بادشاہ کو ایک خوبصورت محل میں جو نہروں اور خوشنما درختوں کی وجہ سے اپنی مثال آپ تھا' رکھا بہمنی بادشاہوں کا جڑاؤ تاج اور محمود شاہ کی بساط شراب و تنبور اس کے سپرد کر دیئے گئے۔ امیر برید نے بادشاہ کے عیش و عشرت کے لئے تمام سامان مہیا کر دیا اور اس کا روزینہ مقرر کر دیا۔ نیز چند لوگوں کو اس کا پاسبان مقرر کر دیا گیا ان پاسبانوں کو یہ حکم تھا کہ کسی غیر شخص کو محل کے اندر داخل نہ ہونے دیں اور نہ بادشاہ کو اس عمارت سے باہر آنے دیں۔

مرصع تاج کا ٹوٹنا

امیر برید نے بادشاہ کا جو وظیفہ مقرر کیا تھا وہ اتنا نہ تھا کہ اس سے تمام اخراجات پورے ہوتے۔ قطب الملک نے بھی محمود شاہ کی وفات کے بعد بادشاہ کا نذرانہ بند کر دیا تھا۔ احمد شاہ نے مجبور ہو کر بہمنی فرمانرواؤں کے مرصع تاج کو جس کی قیمت چار لاکھ "ہون" بتائی جاتی تھی' توڑا اور اس کے یاقوت' موتی اور الماس وغیرہ ان بادہ فروشوں کو دیئے جو اس کے پاس اکثر آتے جاتے تھے اس کاروائی سے بادشاہ کا مقصد یہ تھا کہ عیش و عشرت کا سامان فراہم ہوتا رہے۔

انتقال

امیر برید کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو اس نے ان گنت بادہ فروشوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ باوجود کوشش کے اسے بقیہ جواہرات کا سراغ نہ ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جن لوگوں نے یہ جواہرات خریدے تھے۔ وہ خوف کی وجہ سے بیجاپور یا کسی دوسرے علاقے میں چلے گئے تھے' ان حالات سے گھبرا کر بادشاہ نے' اسمٰعیل عادل کے پاس خفیہ طور پر قاصد روانہ کیے اور امیر برید کی دست درازیوں کی شکایت کی۔ اسمٰعیل نے اس قاصد کو گراں قدر تحفوں اور بیش قیمت ساز و سامان کے ساتھ واپس کیا' اور بادشاہ کے لئے ایک پیغام بھی بھجوایا' لیکن یہ قاصد ابھی پایہ تخت میں واپس بھی نہ لوٹا تھا کہ ۹۲۷ھ میں دو سال ایک ماہ کی حکومت کے بعد احمد شاہ نے زہر یا طبعی موت کی وجہ سے دنیا کو خیرباد کہا۔

علاؤ الدین بن احمد شاہ

تخت نشینی

احمد شاہ کی وفات کے بعد امیر برید نے ظاہری طور پر ماتم اور عزاداری میں کسی قسم کی کمی نہ کی تقریباً دو ہفتے تک اس نے حکومت کے کاموں کو معطل رکھا اور بادشاہ کی موت کا افسوس کرتا رہا۔ بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے کے بعد اس نے تخت پر خود بیٹھنے کا ارادہ ترک کیا اور احمد شاہ کے بیٹے علاؤ الدین کو برائے نام بادشاہ بنا دیا کہا جاتا ہے کہ علاؤ الدین بہت ہی عاقل و دانشمند فرماں روا تھا اور اس سے فراست اور اقبالمندی کے آثار نمایاں تھے۔

عقل و فراست

سلطان علاؤ الدین کو یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کے باپ دادا کی تباہی و بربادی کا اصل سبب شراب نوشی اور شاہد پرستی تھا لہٰذا وہ کبھی بھول کر بھی شراب کو منہ نہ لگاتا تھا۔ اس کا سارا وقت امیر برید اور دیگر غاصب امیروں کی تباہی و بربادی کی تدبیروں کو عمل میں لانے اور ان پر غور کرنے میں گزرتا۔ وہ امیر برید کے خاتمے کا دل سے خواہاں تھا کیونکہ اس کے نزدیک تمام خرابیوں کی بنا اس نے ڈالی تھی۔

آزادانہ زندگی

ایک روز علاؤ الدین نے امیر برید سے کہا میرے باپ دادا نے اپنی تمام زندگی غفلت اور بے خبری کے عالم میں بسر کی اور انہیں کبھی ایک لمحے کے لئے بھی ہوش و خرد سے کام لینے کا موقع نہ ملا۔ اس غفلت اور بے خبری کا یہ نتیجہ ہوا کہ دوں فطرت اور ذلیل لوگوں نے بادشاہوں کے کان بھرے اور اس وجہ سے قاسم برید کی اور تمہاری وفاداریوں کی اور خدمتوں کی قدر نہ کی گئی۔ میرے اسلاف جس نامناسب راستے پر چل رہے تھے اس کو دیکھتے ہوئے تم جیسے بہی خواہان سلطنت کا یہ فرض تھا کہ ان کی پاسبانی اور حفاظت کرو۔ میری کیفیت ان سے بالکل جداگانہ ہے شراب سے مجھے دور کا بھی واسطہ نہیں تم جیسے وفادار اور خدمتگذار امراء کی خدمات سے میں بخوبی واقف ہوں اور قدر کرتا ہوں۔ مجھے میرے بزرگوں کی طرح پاسبانوں کی تحویل میں دینا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر وہ یہاں موجود نہ ہوتے تو آس پاس کے حکام و امراء بیدر اور اس کے مضافات پر قبضہ کر چکے ہوتے۔ اگر تم کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے یا تم میری خود مختاری سے مطمئن نہیں تو بہتر ہے کہ تم مجھے مکہ معظمہ روانہ کر دو اور خود عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرو۔"

امیر برید کے خلاف سازش

اگرچہ امیر برید عیاری اور چالاکی میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا' لیکن اس وقت وہ بادشاہ کی باتوں میں ایسا آگیا کہ اس نے اپنے مقرر کردہ پاسبانوں کو ہٹا کر بادشاہ کو آزاد کر دیا۔ اس آزادی کے بعد کچھ دنوں تک تو بادشاہ نے بڑی نرمی اور عاجزی کے ساتھ وقت گزارا اور اپنے کسی فعل سے امیر برید کو اپنے دلی ارادے سے آگاہ نہ ہونے دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے سازش کر کے ایک ایسی جماعت تیار کی کہ جس کا فرض امیر برید اور اس کے بیٹوں کو قتل کرنا تھا اس سازش کی کسی کو بھنک تک نہ پڑی۔

امیر برید کا یہ معمول تھا کہ وہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو بادشاہ کے سلام کے لئے آتا۔ اس بار بھی وہ قاعدے کے مطابق صبح کے وقت شاہی محل میں سلام کے لئے حاضر ہوا ایک بوڑھی عورت نے سازش کا کچھ علم نہ تھا وہ امیر برید کو بادشاہ کے پاس لے گئی۔ امیر برید اپنے تین یا

کے ایک رکن کو بہت زور کی چھینک آئی- اس نے ہر چند چھینک کو روکنے کی کوشش کی' لیکن کامیاب نہ ہوا- امیر برید نے چھینک کی آواز سنی اور وہ سمجھ گیا کہ یہ کسی اجنبی کی آواز ہے وہ واپس لوٹا اور جلد از جلد شاہی محل سے باہر نکل گیا-

امیر برید نے متذکرہ بالا بوڑھی عورت کو بلایا اور اس سے اصل حقیقت دریافت کی اس عورت نے لاعلمی کا اظہار کیا- تب امیر برید نے خواجہ سراؤں کے ایک گروہ کو اندر بھیجا اور ان کی معرفت اصل حالات معلوم کیے- اس کے بعد امیر نے تمام سازشی گروہ کو محل سے باہر نکالا اور ان میں سے ایک ایک کو موت کے گھاٹ اتارا' امیر برید نے علاؤ الدین کو پہلے تو معزول کرکے نظربند کیا بعد ازاں قتل کر دیا-

اہل نظر اچھی طرح جانتے تھے کہ اس بادشاہ نے حالات کو سنوارنے میں کسی قسم کی کمی نہیں کی' لیکن افسوس کہ بد طالعی نے خود اسی کو زندہ نہ رہنے دیا اس بادشاہ نے سوا دو سال تک حکومت کی-

شاہ ولی اللہ بن سلطان محمود شاہ

شاہ ولی اللہ جب تخت نشین ہوا تو اپنے بزرگوں کی طرح وہ بھی امیر برید کے رحم و کرم پر رہا- تین سال کے بعد اپنے بھائی علاؤ الدین کی طرح اسے بھی آزادی کا شوق ہوا- امیر برید بادشاہ کے ارادے سے باخبر ہو گیا اور اس نے ولی اللہ کو محل میں قید کر دیا امیر برید ولی اللہ کی بیوی کا مفتون ہوا- لہٰذا اس نے ولی اللہ کو قتل کرکے اس کی بیوی سے شادی کر لی- ولی اللہ کے بعد کلیم اللہ بہمنی تخت نشین ہوا وہ یوسف عادل کا نواسا تھا-

کلیم اللہ بہمنی بن محمود شاہ بہمنی

بابر کے نام خط

کلیم اللہ کو بھی امیر برید کی بدولت برائے نام ہی بادشاہت ملی وہ ہمیشہ گوشہ قناعت میں پڑا رہتا تھا اور کبھی بادشاہی محل سے باہر نہیں نکلتا تھا۔ ۹۳۲ھ میں بابر نے کابل سے ہندوستان پر لشکر کشی کی اور دہلی پر قبضہ کر لیا۔ بابر کی فتوحات کا سارے ہندوستان میں شہرہ ہوا۔ اسمٰعیل عادل اور سلطان قلی قطب شاہ نے بڑے محبت آمیز خطوط بابر کے پاس روانہ کیے۔ کلیم اللہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے بھی بابر کو ایک خط لکھا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا "قسمت کی نیرنگی نے میرے تمام ملازموں کو مجھ سے برگشتہ کر رکھا ہے یہ بے وفا ملازم مجھے قید میں ڈال کر خود تمام سیاہ و سفید کے مالک بن گئے ہیں اگر جناب اس طرف توجہ فرمائیں تو اس حقیر کو اس مصیبت سے نجات دلائیں تو میں برار اور دولت آباد آپ کی نذر کروں گا۔

پایہ تخت سے فرار

کلیم اللہ کے اس خط کا کوئی اثر نہ ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ اول تو بابر کے قدم ہندوستان میں پوری طرح جمے نہ تھے۔ دوسرے بابر اور کلیم اللہ کے درمیان مندو اور گجرات کے فرمانروا حائل تھے۔ کلیم اللہ کے خط کا راز فاش ہوگیا لہٰذا اس نے جان بچانے کے لئے راہ فرار اختیار کی۔ وہ ۹۳۴ھ میں بیدر سے نکل کر بیجاپور پہنچا، مگر یہاں بھی اسے سکون میسر نہ ہوا اس کے ماموں اسمٰعیل عادل نے اس کی گرفتاری کا ارادہ کیا۔

برہان نظام شاہ کا اظہار خلوص

کلیم اللہ اٹھارہ سواروں کے ساتھ احمد نگر روانہ ہوا۔ برہان نظام شاہ نے کلیم کی بہت عزت کی اور اسے بڑی نیاز مندی کے ساتھ شہر میں لایا۔ اس اظہار خلوص کی وجہ یہ تھی کہ برہان نظام شاہ احمد آباد بیدر پر حملہ کر کے اسے بھی اپنے قبضہ میں کرنا چاہتا تھا۔ جب کبھی کلیم نظام شاہ کے دربار میں آتا تو نظام اس کے احترام میں دست بستہ کھڑا ہو جاتا۔ شاہ طاہر نے یہ صورت حال دیکھ کر نظام شاہ کو تنبیہہ کی۔ "بندگی اور آقائی کی صورت اب بدل چکی ہے ملک میں اپنے نام کا سکہ و خطبہ جاری کرنا اور ملک کے وارث کے سامنے اس قدر عاجزی سے کھڑے ہونا عاقبت اندیشی کے خلاف ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ درباری امیر کلیم اللہ سے ساز باز کر کے کوئی فتنہ پیدا کریں۔"

وفات

برہان نظام شاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اس کے بعد پھر کبھی اس نے کلیم اللہ کو اپنے دربار میں نہ بلایا اسی دوران میں کلیم اللہ نے زہر یا طبعی موت کی وجہ سے دنیا کو خیرباد کہا اس کی لاش احمد آباد بیدر روانہ کر دی گئی۔

کلیم اللہ کی موت کے بعد بہمنی خاندان کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا اور خداوند تعالیٰ کے حکم سے دکن میں پانچ خاندانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں جو یہ ہیں (۱) عادل شاہی (۲) نظام شاہی (۳) عماد شاہی (۴) قطب شاہی (۵) برید شاہی۔

نئی کتب

لبیک — ممتاز مفتی
تفسیر عثمانی — مولانا محمود حسنؒ/مولانا شبیر احمد عثمانیؒ
قصص القرآن (۲ جلد) — مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ
المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم — فواد عبدالباقی
موطا امام مالکؒ — مترجم: علامہ وحید الزمانؒ
احکام الاحادیث (۲ جلد) — تالیف: امام شوکانیؒ
اردو ترجمہ نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار — پروفیسر رفیع اللہ شہاب

سیرت النبیؐ

سیرت النبی کامل ۳ جلد — شبلی نعمانیؒ/سید سلیمان ندویؒ
رحمۃ للعالمین — قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ
اسوۂ رسول اکرمؐ (رنگین تصاویر کیساتھ) — حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفیؒ
خطبات مدراس — سید سلیمان ندویؒ
شمائل ترمذی — شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ
علیکم بسنتی — حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب
النبیؐ الخاتم — مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

سیرت صحابہ کرامؓ

خلفائے راشدین — شاہ معین الدین ندویؒ
حضرت ابوبکر صدیقؓ — محمد حسین ہیکل
حضرت عمر فاروقؓ — محمد حسین ہیکل
الفاروق — مولانا شبلی نعمانیؒ
سیرت عائشہؓ (رنگین تصاویر کے ساتھ) — علامہ سید سلیمان ندویؒ
سیر الصحابیات مع اسوۂ صحابیات — حضرت مولانا سعید انصاریؒ

تصوف

نفحات الانس — عبدالرحمٰن جامی
غنیۃ الطالبین — حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

تاریخ

تاریخ ملت کامل (۲ جلد) — مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی
مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادیؒ
فتوح الشام (واقدی) — مترجم حکیم شبیر احمد سہارنپوری
تاریخ فرشتہ کامل (۲ جلد) — محمد قاسم فرشتہ/ڈاکٹر عبدالرحمٰن
معتزلہ کی تاریخ — زہری جاراللہ
تاریخ اسلام کامل — مولانا شاہ معین الدین ندوی
مسلمانوں کی خفیہ باطنی تحریکیں — مرزا سعید دہلوی

قرآنیات

قرآن مجید (کلام رسول یا کلام اللہ) — مرتبہ علامہ محمد حسین عرشیؒ
قرآنی معجزات اور جدید سائنس — علامہ عبداللہ نیاز
بائیبل قرآن اور سائنس — موریس بوکائیے
بائیبل قرآن اور انسان — موریس بوکائیے

تعلیم و تحقیق

برصغیر میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت — مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ

خواتین

تحفۃ العروس — علامہ محمود مہدی استنبولی
بہشتی زیور — مولانا اشرف علی تھانویؒ
تحفہ خواتین — مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ
جنتی عورت — مولانا مفتی ارشاد احمد قاسمی

المیزان کی زیر طبع کتب (کمپیوٹر ایڈیشن)

لغات

لغات القرآن	عبدالکریم پاریکھ
مصباح اللغات	ابوالفضل مولانا عبدالحفیظ بلیاوی

انسائیکلوپیڈیا

تعبیر الرویا	علامہ ابن سیرینؒ
عجائب المخلوقات	عمادالدین الکمونی قزوینی
کتاب الروح (روح کا انسائیکلوپیڈیا)	امام ابن قیمؒ

طب وصحت

طب نبویؐ	امام ابن قیمؒ

فلسفہ

علم الکلام اور الکلام	مولانا شبلی نعمانیؒ

متفرق کتب

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟	حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ
تلبیس ابلیس	علامہ ابن جوزیؒ
تعلیم الاسلام	علامہ مفتی کفایت اللہؒ
تنبیہ الغافلین	ابواللیث السمرقندی

تفسیر مظہری

تفسیر کمالین

تفسیر انوار البیان

تفسیرات احمدیہ

تفسیر ابن کثیر کامل

تفسیر بیان القرآن (کامل)

تفسیر کشف الرحمٰن (کامل)

الاتقان فی علوم القرآن

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ کامل (اردو)

بدایۃ المجتہد کامل (اردو)

حیات الحیوان الکبریٰ (۲ جلد کامل اردو)

تفہیمات الٰہیہ (عربی)

تاریخ ابن کثیر (کامل)

تاریخ ابن خلدون (کامل)

طبقات ابن سعد (کامل)

مشکوٰۃ شریف (کامل)

تاریخ طبری (کامل)

فتاویٰ عالمگیری (کامل اردو)

المیزان ناشران و تاجران کتب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان

المیزان
ناشران و تاجران کتب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور پاکستان
Ph.:042-7122981 Fax: 7212762
E-mail: info@almezaanpublishers.com
URL: www.almezaanpublishers.com